U520. P 27-110

Title - ISHAAT ISLAM.

Creator - Mutarjuma Islamic Review and Muslim India.

Publisher - Ahmadia Steam Press (Lahore).

Date - 1916.

Pages - 568.

Subjects -

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ

رسالہ

اشاعتِ اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی-اے-ایل ایل بی) و مولوی صدر الدین (بی-اے-بی ٹی)

جلد (۳)	سال نو بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۶ء	نمبر (۱)

فہرست مضامین

ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ دسمبر سنہ ۱۹۱۵ء

قیمت سالانہ تین روپے ۳

ضروری قابل توجّہ ضروری

مندرجہ ذیل امور ناظرین کرام کے قابل توجّہ ہیں :-

۱- جن احباب کا چندہ رسالہ دسمبر ۱۹۱۵ء کے پہنچنے پر ختم ہوگیا ہے - اور جنکا چندہ اس سالہ جنوری ۱۹۱۶ء کے پہنچنے پر ختم ہو جاویگا - براہِ کرم وہ سب اصحاب مبلغ تین روپیہ بذریعہ منی آرڈر بابت چندہ سال ۱۹۱۶ء پیشگی مرحمت فرماکر عنداللہ ماجور ہوں - وگرنہ بصورت دیگر فروری ۱۹۱۶ء کے رسالہ پر اُن سب کی خدمت میں وی پی سالانہ چندہ کا ارسال ہوگا +

۲- ترسیل جملہ رقوم زرچندہ وغیرہ بنام جناب شیخ رحمت اللہ صاحب انگلش ویرہاؤس دہلی مال لاہور ہونی چاہیئے

۳- ترسیل زر وخط وکتابت کے وقت نمبر خریداری کا ضرور حوالہ فرمادیں - وگرنہ شکایت تو قف یا عدم تعمیل یا عدم جواب بیجا تصوّر ہوگی +

۴- بعض احباب کے پتوں کی صحت کی ضرورت ہے - اس لیئے ناظرین کرام اس رسالہ جنوری ۱۹۱۶ء کے لفافہ پر اپنا اپنا پتہ بغور ملاحظہ فرماکر حسب ضرورت پتہ کی اصلاح کر کے منیجر کو براہ کرم فوراً مطلع فرمائیں - تاکہ اجرائے وی پی کے وقت عدم صحت پتہ کی وجہ سے وی - پی رائیگان نہ ہوں اور دفتر کو محصول ڈاک کا خمیازہ بے سود اٹھانا پڑے +

۵- جن احباب کی جلد ۱۹۱۵ء میں کسی نمبر کی کمی ہو - فوراً منیجر سے طلب فرمائیں +

۶- دفتر رسالہ ہذا سے فرداً فرداً اطلاعی کارڈ اجرائے وی پی سالانہ سے پیشتر بھی ارسال کیئے جاوینگے -

۷- فہرست مضامین رسالہ اشاعت اسلام جلد اوّل ۱۹۱۵ء کی بھی اسی رسالے کے ساتھ ملفوف ہے - احباب اپنی جلد کے شروع میں لگالیں - منیجر رسالہ اشاعت اسلام عزیز منزل نولکھا لاہور -

---

نومسلموں کی تصاویر

ہم نے متعدد تصاویر نومسلموں کی ووکنگ آفس لندن سے منگوائی ہیں قیمت فی تصویر (۱/) ہے :-

نوٹ :- محصول ڈاک وخرچہ وی پی بذمہ خریدار - درجن کے خریدار کو ۲/ رعایت :- منیجر اشاعت اسلام

بسم الله الرحمن الرحيم - السلام عليكم و رحمة الله

Yours fraternally

Amaen Neville J. Whymant. PH.D., LITT.D., F.S.I

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علے رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو و مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۳) بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۶ء نمبر (۱)

شذرات

سال نو کی مبارکباد۔ ناظرین رسالہ ہذا کے لیئے اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اُن کو یہ خوشخبری سنائی جائے۔ کہ پچھلی رپورٹ کے بعد ایک ماہ کے اندر انگلستان میں انگریز نو مسلمین کی تعداد میں ساٹھ کا اضافہ ہوا اللّٰھم زد فزد۔ یہ ترقی موجودہ حالات کے اندر جب قوم کی توجہ قومی ہستی کے استحکام کے لیئے صرف جنگ کی طرف ہو رہی ہے۔ بہت ہی اُمید افزا ہے۔ اور یہ اُمید کہ جب حالات اپنی معمولی روش اختیار کریں اور یورپ کی سرزمین جنگ و جدل کے شور و شغف سے صاف ہو جائے تو رایت النّاس یدخلون فی دین اللہ افواجًا کا نظارہ ایک بار پھر دُنیا کے سامنے آجائے کچھ بعید نہیں۔ ہاں اس عرصہ میں ہمیں اپنے کام میں پہلے سے بڑھ کر مستعدی دکھانی جائیگی اور یہ بھی کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ اس وقت ہمارے ہاتھ میں ایک ذخیرہ اسلامی مذہبی لٹریچر کا اس قدر موجود ہو کہ ہمارے تبلیغ کے کام میں اس سے کافی مدد مل سکے۔ یہ گویا ایک فرصت کا وقت ہے۔ جب مجبورًا ابھی ہمیں اپنی کوشش کا دائرہ بہت محدود کرنا پڑا ہے۔ اور ہمیں

ہم دوسری باتوں کی طرف توجہ کر سکتے ہیں جو آئندہ ہمارے مقاصد ہیں ہمارے لیئے کامیابی کا ذریعہ ہوسکتی ہیں +

اس تعداد میں ایک پورا خاندان بھی ہے۔ جس کے کل پانچ ممبر ہیں اور یہ اللہ تعالےٰ کے خاص احسانات میں سے ہے۔ کیونکہ جو گھر پورے کا پورا اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ وہ درحقیقت اسی وقت ایک جنت کے اندر داخل ہوجاتا ہے۔ اور بالخصوص اس میں جو اس وقت چھوٹی عمر کے بچے ہونگے۔ چونکہ اُن کی پرورش ہی گویا اسلام کے اندر ہوگی۔ اس لیئے اسلام کی محبت اور اسلامی حمیت گویا اُن کے خونوں میں رچی ہوئی ہوگی +

اس خاندان کی رہنمائی کا ذریعہ اس گھر کی نیک دل خاتون ہی ہوئی ہیں۔ جس سے ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ جو خواتین انگلستان میں داخل اسلام ہورہی ہیں وہ کس پایہ کی ہیں اور کس طرح پر اپنے متعلقین کی ہدایت کا باعث ہوسکتی ہیں۔ ابتدا میں اسلام کی محبت کا خیال اُن کے دل میں مولٰینا مولوی صدرالدین صاحب کے ایک لیکچر سے ہوا۔ جس کے آخر پر ایک متعصب پادری نے چند بیجا حملے اسلام پر کیئے۔ جن کا جواب مولوی صاحب کو سختی سے دینا پڑا۔ یہ سختی کیا تھی اسلامی غیرت کا ایک نقشہ اُس نے کھینچ دیا۔ جو بالخصوص اس حربی القلب خاتون کے دل پر ایسا جم گیا۔ کہ اُسی وقت سے وہ اسلام کی تحقیقات میں لگ گئی۔ یہ خاتون ابتدا سے ہی عیسائی مذہب سے متنفر تھیں۔ چنانچہ جب اُنھوں نے مسجد میں آمدورفت شروع کی تو پادری صاحب کو ×بہت ناگوار ہوئی۔ اور اُنھوں نے اسے سمجھانا چاہا۔ اور جب اُس نے دریافت کیا۔ کہ آجتک میرے گرجا نہ جانے سے تو آپ کو فکر نہ ہوا تو پادری صاحب نے یہ جواب دیا کہ تمہارا گرجا میں نہ آنا اب بھی مجھے کچھ گھبراہٹ میں نہیں ڈالتا۔ مگر تمہارے مسجد میں جانے کی وجہ سے مجھے بہت فکر ہے۔ آخر پادری صاحب مایوس ہوگئے اور اس بہادر خاتون نے اپنے خاوند کو بھی اپنا ہم خیال بنایا اور آخر میاں بی بی اور بچے کل پانچ کس اسلام میں داخل ہوئے صدیقہ نام جو مولوی صاحب نے اس خاتون کے لئے تجویز فرمایا اس کی قلبی کیفیت کا اظہار

× [illegible]

کرتا ہے۔ اور ایسی ایسی خواتین کو دیکھ کر اسلام کی صداقت کا ایک نیا ولولہ قلوب میں جوش زن ہوتا ہے کہ ایک عورت جو خود ابھی دائرہ اسلام کے اندر داخل نہیں ہوئی چار اور روحوں کو اسلام کی صداقت منوا سکتی ہے۔ تو وہ لوگ جو مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے اور جنکے دلوں میں بچپن سے ہی اسلام کی محبت جوش زن ہے۔ وہ اگر کوشش کریں تو کیا کچھ نہیں کر سکتے

اسلام کی محبت نے کس طرح مکہ والوں کے دلوں کو اندر ہی اندر مسخر کر لیا تھا۔ اسکا کچھ نظارہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصہ میں نظر آتا ہے۔ اس قلیل عرصہ میں جو دو سال کے قریب بمشکل پہنچتا ہے نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نیرہ چودہ سو ساتھیوں کی بجائے دس ہزار قدوسیوں کی معراج عظیم نظر آتی ہے۔ اور اس طرح پر ان ۲ دو سال کے اندر ہی حضرت موسیٰ کی دس ہزار قدوسیوں والی پیشگوئی کے پورا ہونے کا سامان ہو جاتا ہے۔ بلکہ خود اہل مکہ باوجود اس روک کے جو اُن کے اسلام میں ایک بڑی دیوار کی طرح حایل ہو گئی تھی۔ کہ اُن میں سے کوئی مسلمان پھر کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا تھا مسلمان ہوتے چلے جا رہے تھے۔ یہ کونسی چیز تھی جو اُن کو اسلام کی طرف کھینچ رہی تھی۔ یہ محض اسلام کی صداقت تھی۔ جس نے ساری روکوں اور ساری مخالفتوں کے اندر قلوب کو بالکل مسخر کر لیا تھا۔ آج بھی ہم یہ اُمید کرتے ہیں۔ کہ اگر ایک دفعہ اسلام کی صداقت کو پورے طور پر یورپ میں ظاہر کر دیا جائے۔ تو وہ وقت دُور نہیں کہ تمام ظاہری روکوں پر غالب آ کر اسی طرح جوق درجوق لوگ دایرۂ اسلام میں داخل ہوں جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا۔ صداقت ایک بیج کی طرح زمین کی تاریکیوں میں نشو و نما پاتی ہے۔ یہاں تک کہ دیکھنے والے کو یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ ضایع ہو گئی۔ مگر وہ ضایع نہیں ہوتی۔ بلکہ اس پر جو موت وارد ہوتی ظاہری آنکھ کو نظر آتی ہے وہ درحقیقت اُس کی نئی زندگی کا پہلا مرحلہ ہوتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بیس ۲۰ سال تک وعظ فرماتے رہے تو ایک ایک دو دو کر کے گنتی کے ہی لوگ اسلام کے اندر داخل ہوتے رہے۔ کیونکہ خارجی رکاوٹیں اکثر لوگوں کی راہ میں حائل ہو رہی تھیں حتیٰ کہ پہلے تیرہ سال میں ایک سو تک ہی بمشکل تعداد پہنچی ہے۔ مگر آخر وہ وقت آگیا۔ کہ گروہ در گروہ لوگ اسلام

کے اندر داخل ہونے شروع ہوئے۔ اسی طرح پر یہاں بھی ہو رہا ہے۔ مگر ہاں ہمارا فرض ہے۔ کہ پہلے قرآن اُن کو پہنچائیں اور پھر اس قرآن کو خود ہی تسخیر قلوب کا کام کرنے دیں۔ سو خدا کا شکر ہے کہ قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ مطبع میں چلا گیا ہے۔ اور جلد ہی ہم اسے لوگوں تک پہونچانے کے قابل ہونگے۔

اس ترجمہ میں سے سورہ فاتحہ کا ترجمہ اور نوٹ بطور نمونہ اسلامک ریویو بابت دسمبر ۱۹۱۵ء میں چھاپے گئے ہیں۔ جن کو ہم بھی ناظرین کی دلچسپی کے لیئے نیچے درج کرتے ہیں۔

انگریزی ترجمہ میں سے سورہ فاتحہ

خلاصہ مضمون:۔ آیت ۱۔ اللہ تعالےٰ سارے جہان کی ربوبیت کرتا ہے یعنی کل مخلوق کو وجود میں لاتا۔ اور پھر بتدریج اسے اس کے کمال تک پہنچاتا ہے۔ ۲۔ اس کا رحم انسان کی زندگی اور ترقی کے سامان اس کے وجود میں آنے سے پہلے مہیا کرنا۔ اور ان سامانوں کو کام میں لانے پر اچھے نتائج مترتب کرتا ہے۔ ۳۔ اس کا معاملہ انسان سے مالک کا ہے۔ اور اس لیئے اس کا قانون جزا و سزا عفو اور رحم سے ملا ہوا ہے۔ ۴۔ پس وہی سزاوار ہے اس بات کا۔ کہ اس کے سامنے انسان اقرار عبودیت کرے اور اُسی سے اعانت طلب کرے۔ ۵۔ ۷ صراط مستقیم پر رہنے اور افراط و تفریط کی راہوں سے بچنے کی دعاء۔

نام۔ علاوہ الفاتحہ یا فاتحۃ الکتاب کے جس سے اس کا قرآن کریم کی ابتدا میں رکھا جانا ثابت ہوتا ہے۔ اس سورت کے اور بھی کئی نام آئے ہیں۔ خود قرآن کریم میں اس کا نام سبعا من المثانی رکھا گیا ہے (الحجر ۸۷) کیونکہ اس کی سات آیتوں کو ہر مسلمان کم از کم تیس دفعہ ہر روز نماز میں پڑھتا ہے۔ ابوداؤد اور ترمذی نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں اس سورت کا نام فاتحۃ الکتاب آتا ہے۔ لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب۔ یعنی سوائے فاتحہ کے کوئی نماز نہیں ہوتی۔ اسی لیئے اُس کا ایک نام سورۃ الصلوٰۃ بھی آیا ہے۔

کیونکہ ہر نماز میں یہ سورت ضروری ہے۔ اس کو سورۃ الدعا بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ ساری سورت درحقیقت ایک دعا ہے جس میں پہلے اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ اور اس کی معبودیت کا اظہار ہے۔ پھر اقرار عبودیت اور طلب اعانت اور دعا۔ اور نہ صرف دنیا کی تمام دعاؤں میں یہ ایک بے نظیر دعا ہے۔ بلکہ خود قرآن کریم کی دعاؤں میں سب سے اعلیٰ درجہ کی دعا ہے۔ اسکے ناموں میں سے ایک نام ام الکتاب بھی ہے۔ کیونکہ اس کے اندر درحقیقت قرآن کریم کی تعلیم کا خلاصہ بطور نچوڑ کے آگیا ہے۔ اور یہ گویا قرآن کریم کا مغز ہے۔ اس کے اور نام بھی بہت سے آئے ہیں۔ جن سے انہی مطالب میں سے ایک یا دوسرے کی طرف اشارہ ہے۔ جیسے الاساس الکنز۔ الوافیہ۔ الکافیہ۔ الحمد۔ الشکر۔ الشافیہ۔ الشفاء ٭

تاریخ نزول۔ الفاتحہ ایک رکوع اور سات آیات پر مشتمل ہے۔ اور مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جو حصہ قرآن کریم کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر دعوےٰ کے نہایت ابتدائی زمانہ میں نازل ہوا۔ اسی میں سورہ فاتحہ بھی ہے۔ گو ٹھیک تاریخ کا تعین کرنا ایک مشکل امر ہے۔ میور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مکی وحی کو زمانہ کے لحاظ سے پانچ حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اور سورہ فاتحہ کو سب سے پہلے حصہ میں رکھتا ہے۔ گو یہ خیال اسکا کہ سورہ فاتحہ کا نزول اقرا باسم ربک والی وحی سے پہلے کا ہے۔ یقیناً غلط ہے۔ کیونکہ سب سے پہلی وحی سورہ علق کا ابتدائی حصہ ہونے پر اس قدر وزنی شہادت ہے۔ کہ کوئی عقلمند اسکا انکار نہیں کرسکتا۔ پس تاریخ نزول کے متعلق اس قدر تو ہم یقین سے لکھ سکتے ہیں۔ کہ یہ نہایت ہی ابتدائی زمانہ کی وحی ہے۔ گو واقعی طور پر نزول ترتیب قائم کرکے صحیح تاریخ کی تعیین نہیں کرسکتے۔ خود قرآن کریم میں ایک مکی سورت میں ہی سورہ فاتحہ کے نزول کا ذکر موجود ہے۔ جہاں سورہ الحجر میں فرمایا ولقد اتینٰک سبعا من المثانی والقراٰن العظیم۔ اور سورہ الحجر یقیناً مکی سورت ہے۔ پھر اس کے اوائل زمانہ نبوی کی وحی ہونے پر ایک شہادت اس سورت کی نمازوں میں پڑھا جانا ہے۔ کیونکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں ابتدا سے ہی یہ سورت پڑھی جاتی تھی اور نماز پڑھنے کا حکم بہت ابتدائی زمانہ کا ہے۔ اب یہاں ہم کو ایک تاریخی شہادت ملتی ہے۔ یعنی یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دعوےٰ سے چوتھے سال میں نماز پڑھنے کے لیے حضرت ارقم

کا گھر مقرر کیا جاتا ہے۔ گویا وہاں نماز باجماعت ادا ہونی شروع ہوئی اور اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ کھلے مقامات میں نماز پڑھنے سے کفار روکتے اور تکلیف پہنچاتے تھے۔ چنانچہ اس قسم کا ایک واقعہ حضرت سعدؓ کو پیش آیا جو چند مسلمانوں کے ساتھ مکہ کے قریب ایک میدان میں نماز پڑھنے کے لیے گئے تو ان کا ہمسائیوں سے جھگڑا ہو گیا۔ اور اسی بات پر نوبت فساد تک پہنچی۔ تو چونکہ چوتھے سال میں نماز کے لیے ارقم کا گھر ان مشکلات کی وجہ سے مقرر کیا جاتا ہے۔ اور اس سے پہلے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسلمان نماز پڑھنے والوں کی تعداد خاصی ہو گئی تھی۔ جس کے لیے ایک جگہ مقرر کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس لیے ہم قیاس کر سکتے ہیں۔ کہ اس سے بہت پہلے نماز کا حکم ہو چکا تھا اور اس پر عملدرآمد بھی ہوتا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جن نہایت ہی ابتدائی واقعات کا ذکر تاریخ میں آتا ہے۔ ان سے بھی آپ کا خانہ کعبہ میں جا کر نماز پڑھنا اور کفار کا بعض وقت آپ کو دکھ پہنچانا ثابت ہوتا ہے۔ پس سورہ فاتحہ کا نزول دعوے کے پہلے سال کا ہی معلوم ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سورہ فاتحہ کے اوّل الفاظ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آتے ہیں۔ اور یہ وہ الفاظ ہیں جن کے ساتھ قرآن کریم کی تمام سورتیں شروع ہوتی ہیں۔ سوائے سورت توبہ کے اور یہی الفاظ ایک سورہ نمل کے اندر بھی آتے ہیں۔ پس بسم اللہ ایک سو چودہ مرتبہ قرآن کریم کے اندر آتی ہے۔ علاوہ ازیں بسم اللہ ایک ایسا جملہ ہے۔ کہ خواہ ایک مسلمان کسی ملک کا رہنے والا ہو بچے سے لے کر بوڑھے تک۔ خواندہ ہو یا ناخواندہ سب کی زبان پر یہ الفاظ یکساں پائے جاتے ہیں۔ اور ہر کام کی ابتدا بسم اللہ سے کی جاتی ہے۔ جس طرح سورہ فاتحہ خلاصہ ہے سارے قرآن کریم کا۔ اسی طرح بسم اللہ سورہ فاتحہ کا خلاصہ ہے۔ اور ہر ایک اہم کام کی ابتدا بسم اللہ سے کر کے ایک مسلمان دنیا کو یہ سبق دیتا ہے۔ کہ انسان کے دل کا خالق عالم اور مالک حقیقی کے ساتھ اصلی تعلق یہی ہے۔ کہ ہر حال میں رنج میں ہو یا راحت میں عسر ہو یا یسر میں اللہ تعالےٰ کو ہی ساری طاقتوں اور قوتوں کا سرچشمہ سمجھتے ہوئے اسی سے مدد چاہے اور صرف اسی کا سہارا تلاش کرے۔ اور اس طرح پر بسم اللہ کا استعمال توحید الٰہی کا عملی پہلو ہے۔ جو ایک مسلمان کی زندگی میں ہر وقت اور ہر آن میں ظہور پذیر ہوتا ہے اور جس کی نظیر مذہب کی تاریخ میں اور جگہ تلاش کرنا عبث ہے۔ گویا بسم اللہ سے ہر کام کی ابتداء کرنا یہ ایک عملی

توحید ہے۔ جس کا ظہور ایک مسلمان کی زندگی میں قدم قدم پر ہوتا رہتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم درحقیقت اس سب سے پہلے ارشاد الٰہی کی تعمیل ہے جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو غار حرا میں پہنچا۔ بخاری میں ہے کہ جب آپ غار حرا میں حسب معمول عبادت الٰہی میں مصروف تھے تو فرشتہ یعنی حضرت جبرئیل آ گئے۔ اور کہا اقرأ یعنی پڑھو۔ تو چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم لکھنے اور پڑھنے سے مطلق ناواقف تھے۔ اس لیے آپ نے جواب میں فرمایا ما انا بقارئ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ فرشتہ نے پھر وہی لفظ دہرائے اور آپ نے بھی اسی جواب کا اعادہ فرمایا اور اسی طرح تین مرتبہ ہوا۔ چوتھی مرتبہ فرشتہ نے کہا اقرأ باسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق اقرأ وربك الاكرم الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم يعلم یعنی اپنے رب کے نام کی مدد سے پڑھ۔ وہ رب جس نے سب کچھ پیدا کیا الخ۔ اس میں یہ تعلیم دی گئی کہ اسم رب کی مدد درحقیقت سب کامیابیوں کی جڑ ہے کہ اس کے ساتھ ان ہونی باتیں ہو جاتی ہیں۔ پس جب اسم رب کی مدد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود ان پڑھ ہونے کے پڑھ لیا۔ اسی سے مدد مانگنا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہر مسلمان کو سکھایا گیا ہے۔ پس یہی بسم اللہ سب کامیابیوں کی جڑ ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ کا نزول آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی کی ابتدا سے ہی تعلق رکھتا ہے۔

مَیں نے کہا تھا کہ بسم اللہ سورہ فاتحہ کا خلاصہ ہے۔ جس طرح سورہ فاتحہ قرآن کریم کا خلاصہ ہے۔ کیونکہ اوّل تو بسم اللہ توحید کا عملی سبق ہے۔ اور توحید الٰہی ہی سورہ فاتحہ اور سارے قرآن کریم کی تعلیم کا مغز ہے۔ پھر بسم اللہ میں جن تین اسمائے الٰہی کا ذکر ہے۔ وہ بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یعنی اوّل اللہ ہے۔ یہ پاک نام صرف ایک ہی ہستی پر عرب کے اندر بولا گیا ہے۔ اور اس طرح پر توحید الٰہی کا کامل سبق صرف ایک اسم اللہ کے اندر ہی دے دیا گیا ہے جیسے دُنیا کی کوئی دُوسری زبان اس حقیقت کے ساتھ ظاہر ہی نہیں کر سکتی پھر دُوسرے دو اسماء جن کا ذکر بسم اللہ میں ہے وہ الرحمٰن اور الرحیم ہیں۔ جو دونوں اللہ تعالےٰ کی بے انتہا محبت اور رحم پر دلالت کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ اگر ایک طرف اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے انسان کی ترقی کے سارے سامان پہلے سے پیدا کر رکھے ہیں۔ تو

دُوسری طرف جب انسان ان سامانوں سے فایدہ اُٹھاتا ہے تو ان پر صحیح نتائج بھی اللہ تعالیٰ ہی مترتب فرماتا ہے۔ تو رحمانیت اور رحیمیت درحقیقت ربوبیت کی صفات کاملہ کیلئے بطور جڑ کے ہیں۔ پس اسم اللہ میں اگر ہر ایک قسم کے شرک کی جڑ کاٹی ہے تو رحمٰن اور رحیم میں ہر قسم کے اصُولی عقائد کی تردید کی ہے۔ جیسے کفارہ وغیرہ جو بلا بدلہ رحم کے قائل نہیں۔ حالانکہ دُنیا کا سارا نظم ہی رحم بلا بدل پر ہے۔ پس بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کامل توحید سکھاتی ہے شرک اور ہر قسم کے غلط عقائد کی بیخکنی کرتی ہے اور صفات الٰہی میں سے ان دو صفات کا انتخاب کر لیتی ہے۔ جو دیگر تمام صفات کے لئے بطور اصل اور جڑ کے ہیں۔ اسی تعلیم کو پہلے سورۃ فاتحہ میں پھیلایا۔ پھر اُس کو سارے قرآن کے اندر پھیلایا۔

راڈویل لکھتا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وُہ جملہ ہے۔ جو طائف کے مشہور شاعر امیّہ نے قریش کو سکھلایا۔ مگر یہ بیان صداقت سے دُور ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا سکھانے والا قرآن اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے سوائے اور کوئی نہیں۔ عرب لوگ اللہ تعالیٰ کے اسم رحمٰن سے بالکل ناواقف تھے۔ اور نہ ہی اس حقیقت کا انکشاف اُن پر ہُوا تھا جو لفظ رحمٰن کے نیچے چھپی ہوئی ہے۔ اور نہ وُہ صرف اسم رحمٰن اور صفت رحمانیت سے ناآشنا تھے۔ بلکہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے یہ تعلیم اُن کو پہنچائی تو اُنھوں نے اُسکو رد کیا بلکہ اس کے ساتھ اظہار تنفر کیا۔ چنانچہ اس بارہ میں قرآن کریم کی شہادت جو سب شہادتوں سے بڑھ کر ہے موجود ہے واذا قیل لھم اسجدوا للرحمٰن قالوا وما الرحمٰن انسجد لما تامرنا وزادھم نفورا۔ (الفرقان - ۶۰) جب اُن کو کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کی فرمانبرداری اختیار کرو۔ تو کہتے ہیں رحمان کیا ہوتا ہے۔ کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کا تو حکم کرتا ہے اور اس بات نے اُن کو نفرت میں اور بھی بڑھا دیا۔ یہ تو اس وقت کا ذکر ہے جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مکّہ میں تھے۔ مگر ہم تو دیکھتے ہیں۔ کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ کفار کو آخر دم تک بھی مخالفت ہی رہی۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے وقت کا واقعہ مشہور ہے۔ جب عہدنامہ لکھنا شرُوع ہُوا تو سہیل بن عمرو نے جو قریش کی طرف سے لکھنے والا تھا۔ عہدنامہ کے شرُوع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے سے انکار کیا۔ اور کہا لا اعرف ھذا بل اسمہ

نہیں جانتا۔ اور آخر عہدنامہ پر بجائے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے باسمک اللھم لکھا گیا۔ جس طرح عرب کے اندر مروّج تھا۔ اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ بعض قوموں کے اندر کچھ اس قسم کے الفاظ یا جملے مروّج تھے۔ جن سے وُہ اپنی تحریروں کو مزیّن کیا کرتے تھے۔ لیکن محض یہ بات کہ دُوسری قوموں کے اندر بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی طرز کا کوئی جملہ پایا جاتا ہے۔ یہ نتیجہ پیدا نہیں کرتی۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے ان قوموں سے لے لیا تھا۔ اصل خوبصُورتی تو الفاظ اور مجمُوعہ میں ہے نہ محض اس بات میں کہ کوئی جملہ ہے جس سے ابتدا ہو کیونکہ اسلام کا یہ دعوےٰ تو نہیں کہ دُنیا میں پہلے کچھ بھی موجود نہ تھا۔ اس نے سب نئی ہی تعلیم دی۔ اسلام کا دعوےٰ صرف تکمیل کا ہے۔ جیسا الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی سے ظاہر ہے۔ تعلیم تو کچھ نہ کچھ پہلے بھی موجود تھی۔ اسلام نے اسے کامل کر دیا۔ اور ہر قسم کے نقصوں سے اسے پاک کر دیا۔ یہی تکمیل کا کام بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں بھی کیا۔ چنانچہ باسمک اللھم کے مقابلہ میں جو فوقیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو حاصل ہے وہ بطور اشارہ اوپر بیان کر چکا ہوں۔ اسی طرح پر جو لوگ خیال کرتے ہیں کہ اہل فارس یعنی زردشت کے پیروؤں میں اسی طرح ابتدا کرنے کے لئے خدا کے اسمائے بخشائیش گر اور داوار تھیں۔ اور انہی سے رحمٰن اور رحیم کا لفظ لیا گیا ہے۔ وہ درحقیقت اسم رحمٰن اور رحیم کی حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ بخشائیش گر کے معنے ہیں بخشنے والا اور داوار انصاف کرنیوالا اب ان صفات کو رحمانیت اور رحیمیّت کے معنوں سے کچھ بھی نسبت نہیں۔ نہ ہی یہ صفات صفات الہٰی کی جڑ قرار دی جا سکتی ہیں اور نہ ہی ان کے اندر محبّت اور رحم کی اس الہٰی صفت کی کچھ جھلک نظر آتی ہے۔ جس کا نقشہ رحمان اور رحیم ہمارے سامنے کھینچ دیتے ہیں۔ اسلام کے ان معترضین کے لیئے جو اسلام کے خدا کو نعوذ باللہ من ذالک ظالم اور غضب سے بھرا ہوُا قرار دیتے ہیں۔ بسم اللہ کے اندر اسمائے رحمٰن اور رحیم کا انتخاب سبق دینے کے لیئے کافی ہے۔ بشرطیکہ حق پسندی کا مادہ طبیعت میں ہو۔

سورہ فاتحہ بحیثیت دُعا۔ سورہ فاتحہ کو جو خاص امتیاز حاصل ہیں اُن میں سے نمایاں امتیاز اس کا ایک دُعا ہوتا ہے۔ اور یہ ایسی دُعا ہے۔ کہ جو ہر ایک مسلمان کئی کئی مرتبہ

روز پڑھتا ہے۔ اور اس کی ہر نماز کا خواہ وہ نماز جماعت سے ہو یا تنہائی میں یہ ایک ضروری حصہ ہے۔ اِس لیئے دُنیا کی کسی دعا کو وہ وقعت حاصل نہیں جو سورہ فاتحہ کو ہے حتیٰ کہ مسیحیت کی مشہور دُعا کو جسے خداوند کی دعا کہا جاتا ہے۔ اس ظاہری پہلو سے بھی فاتحہ سے کوئی نسبت نہیں۔ اور معنے اور مفہوم کے لحاظ سے تو دونوں دُعاؤں میں زمین و آسمان کا فرق ہے لیکن مسیحی کو تو یہ دعا سکھائی گئی ہے۔ کہ وُہ خدا کا بادشاہت کے آنے کے لیئے دُعا کرے جیسا کہ اس دُعا کے ان الفاظ سے ظاہر ہے "تیری بادشاہت آوے" لیکن ایک مُسلمان کو جو دُعا سکھائی گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس بادشاہت کے اندر جو درحقیقت آچکی تھی اپنی ٹھیک جگہ کی تلاش کرے۔ جس کو دُوسرے لفظوں میں حوالہ مستقیم کیا گیا ہے۔ اور اس میں اشارہ یہ ہے کہ جس بادشاہت کے آنیکا ذکر مسیح کی کلام میں بطور وعدہ پایا جاتا ہے۔ جیسا لوکا ۱۱ : ۱۵ میں اس کے قریب آجانے کا ذکر ہے۔ وہ وہی خدا کی بادشاہت ہے جس کا ظہور محمد رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم کے ذریعہ سے دُنیا میں ہوُا۔ پس سورہ فاتحہ کی دُعا درحقیقت تمام دُنیا کی دُعاؤں کے لیئے ایک نمونہ کے طور پر ہے اور اس پر یہ اعتراض کرنا کہ یہ شروع ایسے الفاظ سے نہیں ہوتی۔ جن سے معلوم ہو کہ یہ انسان کو ایک دُعا سکھائی گئی ہے۔ طرز کلام سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ قرآن کریم کی قریبا کل دُعائیں اسی طرح پر ہیں۔ اور دُعا کا کلام الٰہی کے اندر ہونا تو خود ہی اس بات پر شاہد ہے۔ کہ وُہ دعا انسان کو سکھائی گئی ہے۔

پھر بعض رُوحانیت کے کوچہ سے دُور افتادوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ دُعا یعنی سورہ فاتحہ میں جو اھدنا الصراط المُستقیم کی دُعا ہے۔ یہ صرف ایسے لوگوں کے لیئے موزوں ہے جو گناہ اور ظلمتوں کے اندر مُبتلا ہوئے اور رستہ معلوم کرنے کے لیئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہوں۔ کیسے تعجب کی بات ہے کہ وُہ پاک الفاظ اھدنا الصراط المستقیم جو ہر حالت اور ہر آن میں ایک نامسخ شدہ رُوح انسانی کے سچّے اخلاص اور صداقت کی تڑپ کا اظہار کرنے والے ہیں انکو گناہوں کی تاریکیوں کے اندر گرفتار رُوح کی خواہش بتایا جاتا ہے۔ کیا صراط مستقیم پر چلنے کی خواہش۔ افراط اور تفریط سے بچائے جانے کی خواہش۔ ہر قسم کی ظلمت اور تاریکی سے دُور رہنے کی خواہش صحیح فطرت انسانی کا نقشہ پیش کرتی ہے یا ایک گرے ہوئے یا ذلیل انسان کا جو

ظلمتوں میں گرفتار ہونے کی وجہ سے ایسی خواہش کر بھی نہیں سکتا۔ سورہ فاتحہ کی دُعا نہ صرف تمام مذاہب کی دُعاؤں میں ہی ایک یگانہ دُعا ہے۔ بلکہ خود قرآن کریم کی ساری دعاؤں میں بھی یہ سب سے اعلےٰ اور افضل دعا ہے۔ حتیٰ کہ قرآن کریم کے مخالفوں کے مُونھ سے بھی اس دُعا کو پڑھ کر بے اختیار تعریفی کلمات نکل گئے ہیں۔ اب ذرا وضاحت سے ہم اس پر نظر ڈالتے ہیں تو ساری سورت سات آیات یا سات جُملوں پر مشتمل ہے۔ جن میں سے پہلی تین آیات میں اللہ تعالےٰ کی چار صفات رُبوبیت۔ رحمانیت۔ رحیمیت اور مالکیت کا ذکر ہے۔ جو سب صفات کے لیئے بطور بُنیاد اور اصل کے ہیں۔ اور اس طرح پر ان میں اللہ تعالےٰ کے معاملہ کامل طور پر آجاتے ہیں اور پچھلی تین آیات انسانی رُوح کی اس سچی تڑپ کا نقشہ پیش کرتی ہیں جو ہر آن یہ چاہتی ہے کہ وُہ افراط و تفریط دونوں پہلوؤں کی ٹھوکروں سے بچ کر حقیقی پاکیزگی کی راہ پر چلتی رہے۔ اور درمیانی آیت اللہ تعالےٰ اور اُس کے بندے میں حقیقی تعلّق کو ظاہر کرتی ہے۔ یعنی یہ کہ بندہ اور مالک کا یہ تعلّق ہونا چاہیئے۔ کہ وہ اپنا حقیقی مقصود اور مطلوب صرف ذات الٰہی کو رکھے اور اُسی کو اعانت بھی چاہے۔ جن صفات الٰہی کا سورہ فاتحہ میں ذکر ہے وہ وہ صفات ہیں جو اللہ تعالےٰ کے محیط عالم رحم اور محبّت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور دُوسری طرف جس مقام پر رُوح پہنچنے کی خواہش کا اظہار کرتی ہے۔ وہ اعلےٰ سے اعلےٰ مقام ہے۔ جہاں تک رُوح انسانی کا پرواز ہے پہنچ سکتا ہے۔ وہ راہ استقامت۔ وہ رضائے الٰہی کا راستہ۔ وہ ہر قسم کی غلطیوں سے پاک راستہ۔ جہاں پہنچ کر انسان لغزش اور ٹھوکر سے بچ جاتا ہے۔

اگر ایک سرسری نظر سے بھی اس دعا کا مقابلہ کسی اور مذہب کی اعلےٰ سے اعلےٰ دعا کے ساتھ کیا جائے تو اس کی فوقیت خود ہی انسان کے دل کو کھا جاتی ہے۔ سب سے پہلا کمال تو اس دعا کا یہ ہے کہ اس سے پہلے ہر قوم اللہ تعالےٰ کو اپنا خدا و تدکر کے پکارتی تھی۔ مگر یہاں کسی قومی خدا کا ذکر نہیں۔ بلکہ دُعا رب العالمین کے لفظ سے شروع ہوتی ہے یعنی وہ خدا جس کی ربوبیت تمام عالموں پر خواہ وہ انسان کے علم میں ہوں یا اس سے باہر ہوں حاوی ہے۔ پھر یہاں باپ یا اب کے لفظ سے خطاب نہیں کیا۔ بلکہ ربّ کے لفظ سے خطاب کیا ہے کیونکہ گو انسان کی نظر میں شفقت پدری اور باپ کا اپنی اولاد کی خبر گیری کرنا کتنا بھی بڑا نظر

آتا ہو۔ مگر خداوند عالم کی اس ربوبیت کاملہ کے سامنے یہ ہیچ ہے جو نہ صرف انسان کو عدم سے وجود میں لاتا۔ بلکہ اس کی زندگی اور پھر اس زندگی کے قیام کے لیئے ہر طرح سے سامان مہیّا فرماتا ہے۔ اور یہاں تک ہی بس نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ انسان کو اس کے کمال تک پہنچانے کا بھی انتظام کرتا ہے۔ کیونکہ لفظ رب کے اندر کمال تک پہنچانے کا مفہوم بھی موجود ہے پس ایک طرف اگر صفات الٰہی کے اس تنگ دائرہ کو مٹایا جو خدا کی خدائی کو خاص خاص قوموں تک محدود کرتا تھا۔ تو دوسری طرف خود ان صفات کی کیفیت میں جو انسان نے اپنے نفس پر ان صفات کو قیاس کر کے ایک تنگی پیدا کر رکھی تھی۔ اس کو بھی محو کیا۔ یہ انقلاب تو صفات الٰہی کے بارہ میں ہے۔ اور پھر رُوح کی بلند پروازی کے معاملہ میں بھی یہی انقلاب عظیم پیدا کیا۔ ایک وُہ بھی دُعا ہے۔ جو جسم کی خبر گیری کے خیالات کو مقدم کر کے جب خدا سے کچھ مانگنے کی ہدایت کرتی ہے۔ تو اس میں پہلے "ہماری روز کی روٹی آج ہمیں بخش" کا سوال سکھاتی ہے۔ اور اس طرح پر جسم کے فکر کو رُوح کی فکر پر مقدم کرتی ہے۔ اور جب رُوح کا فکر سکھاتی ہے۔ تو اس میں بھی اس ادنےٰ مقام پر قناعت کرنا سکھاتی ہے۔ جہاں انسان گناہ بھی کرتا ہے۔ اور لغزش بھی اُس کو آتی ہے۔ پھر وہ اس گناہ کے بخشا جانے کے لیئے اور اس لغزش کے بد نتائج سے بچائے جانے کے لیئے تڑپتا ہے۔ مگر سورہ فاتحہ چونکہ سب دُعاؤں میں حتٰی کہ قرآنی دُعاؤں میں بھی کامل ترین دُعا ہے۔ اس لیئے اس دُعا میں رُوح کی جس تڑپ کا اظہار ہوتا ہے۔ اس میں جسم کی خبر گیری کا کوئی خیال انسانی رُوح اور اس کے مالک حقیقی کے تعلق میں حایل نہیں ہوتا۔ اور اسی لیئے روزانہ روٹی کی کوئی دُعا نہیں سکھائی جاتی۔ بلکہ کامل تعلق عبودیت کے اظہار کے لیئے رُوح انسانی پرواز کر کے اس مقام پر پہنچنا چاہتی ہے۔ جہاں نہ کوئی گناہ ہے نہ لغزش ہے۔ نہ ٹھوکر کا خطرہ ہے۔ یا گویا وُہ استقامت کا مقام ہے۔ جو انسان کے لیئے ایک مضبوط چٹان ہے۔ اور جو ہر قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہے۔ یہ وُہ بلند مقام ہے جس پر خدا کے نبی۔ صدیق شہید اور صالح لوگ پہنچ چکے ہیں۔ یہ وہ راستی کا بلند منارہ ہے۔ جس میں ایک طرف مالک حقیقی کی ناراضگی سے قطعی غیریت پائی جاتی ہے اور دُوسری طرف ہر قسم کی ضلالت کی نفی کامل

پائی جاتی ہے۔ اسی لیئے اس راہ مستقیم کی تعریف یوں بیان فرمائی صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ اب کوئی شخص نظر انصاف سے دیکھے کہ اس اعلےٰ مقام سے اس مقام کو کیا نسبت ہے جہاں "خداوند کی دُعا" جس کی تعلیم انجیل نے دی ہے انسان کو پہنچانا چاہتی ہے۔ ہاں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک اگر روحانیت کا بلند سے بلند آسمان ہے تو دوسری روحانیت کی زمین ہے۔ اور فاتحہ کے سامنے "خداوند کی دُعا" ایسی ہی ہے جیسے آفتاب کے سامنے ایک مٹی کا چراغ۔ اور ایک خداوند کی دُعا کیا۔ دُنیا کی ساری دعاؤں کو تلاش کر لو۔ ساری کتب مقدسہ کی ورق گردانی کر جاؤ۔ اس دعا کے سامنے ساری دعائیں ہیچ نظر آئیں گی۔

پھر ایک اور کمال سورہ فاتحہ کا یہ ہے کہ جن چار صفات الٰہی کو اس دُعا کے لیئے چنا ہے وہ نہ صرف سب صفات الٰہی کے لیئے بطور بنیاد اور اصل کے ہیں۔ وہ نہ صرف اللہ تعالےٰ کی عالمگیر محبت اور رحم کے اظہار کی وجہ سے دُعا کے لیئے موزون ترین صفات ہیں۔ بلکہ یہ ایسی صفات ہیں کہ ان کے اندر تمام مذاہب باطلہ کا رد پایا جاتا ہے۔ مثلاً سب سے پہلی صفت جس کا ذکر رب العالمین میں ہے ربوبیت ہے۔ اور ربوبیت چاہتی ہے کہ جس طرح اس کے ذریعہ سے ایک چیز نیستی سے ہستی میں آتی ہے۔ اسی طرح وجود کا جامہ پہن کر اپنے کمال کو بھی حاصل کرے۔ تو گویا رب نہ صرف مخلوق کو ہستی میں لاتا ہے۔ بلکہ ہر ایک قسم کی مخلوق کے لیئے ایک دایرہ اس کی استعداد کا مقرر کر دیا ہے جس کے اندر وہ ترقی کرتی کرتی آہستہ آہستہ اپنے کمال کو پا لیتی ہے۔ تو اس صفت کے اندر اس خیال کی تردید پائی جاتی ہے۔ جس پر عیسائی مذہب کا دار و مدار ہے۔ کہ انسان پہلے ایک کامل حالت میں پیدا کیا گیا تھا اور پھر اس میں تنزل کی حالت پیدا ہوئی۔ لفظ رب ظاہر کرتا ہے کہ اوّل ایک چیز نیستی سے ہستی میں آتی ہے تو سب سے ادنےٰ مرتبہ میں ہستی میں آتی ہے۔ پھر تقاضائے ربوبیت یہ ہے کہ ادنےٰ سے اعلےٰ مقام کی طرف اسے لے جائے۔ گویا کل مخلوق ادنےٰ حالت سے اعلےٰ حالت کی طرف بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ نہ یہ کہ اعلےٰ حالت سے تنزل کر کے ادنیٰ حالت کی طرف آ رہی ہے۔ پھر لفظ رب کے ساتھ جو عالمین کا لفظ لگا دیا۔ تو اس سے مقصود

ان تمام تنگ خیالات کو مٹاتا ہے۔ جو خدا تعالےٰ کی ربوبیت رُوحانی کو خاص خاص قوموں تک یا خاص زمانوں تک محدُود کرتے ہیں۔ اور اس طرح پر اس لفظ میں ان تمام لوگوں کے خیالات کی تردید ہے۔ جو ایک خاص مُلک مثلاً ھندوستان میں ہی کلام الہٰی کا جو انسان کے رُوحانی نشوونما کا اصل ذریعہ ہے نزول مانتے ہیں۔ یا جو ایک خاص قوم مثلاً بنی اسرائیل کے اندر ہی اسے مقیّد مانتے ہیں۔ پس رب العالمین کے لفظ سے یہ ظاہر کرنا مقصُود ہے۔ کہ کلام الہٰی نہ کسی خاص زمانہ اور نہ کسی خاص ملک یا قوم تک محدُود ہے۔ بلکہ اس کا دایرہ ایسا ہی وسیع ہے جیسے اللہ تعالےٰ کی ربوبیت جسمانی کا دایرہ۔ ہاں وُہ بیشک اپنے قوانین کے ماتحت چلتا ہے۔ پھر اللہ تعالےٰ کی صفت رحمانیت میں کفارہ جیسے باطل عقیدہ کی تردید موجود ہے۔ کیونکہ کفارہ کا مسیحی عقیدہ اس بنا پر قایم کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بلابدل رحم نہیں کرسکتا یعنی انسان پر رحم کرنے کے لیئے اللہ تعالےٰ کوئی بدل چاہتا ہے۔ اور وُہ بدل خدا کے بیٹے کا مصلُوب ہونا ہے۔ مگر صفت رحمانیت بتاتی ہے کہ اللہ تعالےٰ کی عادت میں ہی رحم بلا بدل ہے۔ کیونکہ جب اُس نے انسان کے لیئے اُس کے وجود میں آنے سے پہلے بھی سامان مہیّا کر رکھے ہیں تو یہ سب اس کا رحم بلا بدل ہے۔ انسان کا کوئی حق نہ تھا۔ کہ اُس کے لئے یہ سامان مہیا کیئے جاتے۔ پس جب اُس کے جسمانی قوانین میں رحم بلا بدل کا ایسا عالمگیر نقشہ نظر آتا ہے تو رُوحانی قوانین میں بھی وہی صفت الہٰی کام کرنیوالی ہے اور اس لیئے رحم بلا بدل کے انکار کو جس پر کفارہ کی بُنیاد ہے اللہ تعالےٰ کی صفت رحمانیت باطل ٹھیراتی ہے۔ پھر تیسری صفت رحیمیت ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ جب انسان خدا تعالیٰ کی صفت رحمانیت کے ماتحت عطا کیئے ہوئے سامانوں سے کچھ فایدہ اُٹھاتا ہے۔ تو خدائے رحیم اس پر اجر عظیم مترتّب فرماتا ہے۔ اور وہ اجر ایسا ہوتا ہے کہ وہ منقطع نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ انسان کسی اپنے فعل سے ہی اُسے منقطع کردے۔ اس صفت کے اندر تناسخ کے عقیدہ کی تردید ہے۔ کیونکہ تناسخ کی عقیدہ کُی بُنیاد اس بات پر رکھی گئی ہے۔ کہ وہی رُوحیں بار بار اس عالم میں بھیجی جاتی ہیں۔ اور یہ اس لیئے ہوتا ہے۔ کہ انسان کے اعمال چونکہ محدُود ہیں۔ اس لیئے اُن کا ثمر غیر محدُود نہیں ہوسکتا۔ اور جب اجر غیر محدُود نہ ہوُا تو ضروری ہوُا

کہ کچھ عرصہ کے بعد پھر رُوحوں کو اسی دُنیا میں واپس بھیجا جائے۔ تو سورہ فاتحہ میں صفت رحیمیّت کا تذکرہ فرما کر اس غلط عقیدہ کی تردید کی ہے۔ کیونکہ خدا کا وُہ رحم جو اچھے اعمال پر نیک اجر مترتّب کرتا ہے۔ وہ بے انتہا رحم ہے۔ وہ صرف معاوضہ نہیں دیتا بلکہ رحم کا مُعاملہ انسان کے ساتھ کرتا ہے۔ اس لیئے اعمال کی جزاء غیر منقطع عطاء فرماتا ہے۔ پھر مالک کے لفظ میں اس غلط خیال کی تردید کی ہے۔ جو خدا کی طرف گنا ہوں کے معافی کے منسوُب ہونے کا انکار کرتا ہے۔ اور جس پر بہت سے مذاہب باطلہ کی بُنیاد ہے۔ کفارہ اور تناسخ کا عقیدہ بھی اسی غلط خیال پر مبنی ہے۔ کیونکہ یہ سب عقائد باطلہ خدا کو محض ایک منصف یا جج یا ایک غیر متبدّل قانون کی صورت میں مانتے ہیں۔ مگر صفت مالکیت اس بات کا اظہار کرتی ہے۔ کہ وُہ کامل اختیار و تصرّف اپنے بندوں پر رکھتا ہے۔ اور اگر وُہ کسی کو مُعاف کر دے تو اپنے مالکانہ اختیارات سے ایسا کر سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے۔ کہ سورہ فاتحہ کے اندر سارا قرآن کریم اجمالی رنگ میں سمجھا گیا ہے کیونکہ اس میں جیسا کہ اوپر دکھایا گیا۔ اللہ تعالےٰ کی صفات کاملہ کا اظہار بھی ہے۔ بندہ اور مالک کے حقیقی تعلّق کو بھی بتا دیا گیا ہے۔ رُوح انسانی جس اعلےٰ سے اعلےٰ مقام پر پہنچ سکتی ہے وہ بھی بتا دیا گیا ہے۔ پھر ان سارے عقائد باطلہ کی تردید بھی اُس کے اندر موجود ہے۔ اسی لیئے سورہ فاتحہ کو قرآن عظیم بھی کہا ہے (الحجر ۸۷) اسی لیئے اس کا نام ام القرآن بھی آیا ہے۔ کیونکہ سارے اصُول مجملاً اس کے اندر آگئے ہیں۔ اور درحقیقت اس بات کا اظہار کہ خدا بھی ایک ہے۔ اور کل نسل انسانی بھی ایک۔ جس کی تعلیم دینا مذہب کی اصل غرض ہے۔ سورہ فاتحہ کے ابتدائی الفاظ رب العالمین میں ہی کر دیا گیا ہے۔

بسم[1] اللہ[2] الرحمن الرحیم[3]	اللہ۔ رحمن۔ رحیم۔ کے نام سے۔

[1] با یہاں استعانت کے لیئے ہے۔ یعنی مدد طلب کرنے کے لئے۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں آتا ہے۔ کہ جب ایک فرشتہ نے آپ کو کہا اقرأ یعنی پڑھ تو۔ آپ نے فرمایا میں پڑھنا نہیں جانتا۔ تب آخر اُس نے کہا اقرأ باسم ربك۔ یعنی اپنے رب کے نام کی مدد سے پڑھ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم درحقیقت اُسی ارشاد کی تعمیل ہے۔

(۱) الحمد للہ ربّ العٰلمین	سب تعریف اللہ کے لیئے ہے۔ جو سب جہانوں کا رب ہے۔

ع۲ اللہ اسم ذات اور علم ہے۔ اور صرف ہستی باری تعالےٰ پر عربی زبان میں اس نام کا اطلاق ہؤا ہے۔ جو جامع جمیع صفات کاملہ ہے۔ یہ ایک ہی لفظ ہے۔ الؔ رنگ میں اور نہ یہ مشتق ہے یہ نام عربی زبان میں کسی دُوسرے پر سوائے ذات باری تعالےٰ کے نہیں بولا گیا۔ مگر دوسری زبانوں میں جو الفاظ ذات باری تعالےٰ کیلیئے بولے جاتے ہیں وہ دوسروں پر بھی بول دیئے جاتے ہیں۔ جیسے خدا یا گاڈ۔ پس اللہ نام ہی خود اللہ تعالےٰ کی توحید کامل پر شاہد ہے۔ چونکہ ایسا لفظ کسی دُوسری زبان میں موجود نہیں۔ اس لیئے ترجمہ میں اللہ کا لفظ ہی اختیار کیا گیا ہے +

م۳ رحمان اور رحیم دونوں لفظ رحم سے مشتق ہیں۔ اور دونوں مبالغہ کے معنے ہیں۔ رحمان وزن فعلان پر ہے۔ اور رحم کے غلبہ کو ظاہر کرتا ہے۔ رحیم وزن فعیل پر ہے۔ اور رحم کی تکرار اور بار بار اظہار کے لیئے ہی بحرالمحیط میں ہے مبالغۃ فعلان من حیث الاستیلا والغلبۃ ومبالغۃ فعیل من حیث التکرار والوقوع اسی میں ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا الرحمٰن رحمن الدنیا والرحیم رحیم الآخرۃ۔ یعنی رحمانیت اللہ تعالیٰ کی وہ صفت رحم ہے۔ جو دُنیا یعنی ابتدا میں کام کرتی ہے۔ اور رحیمیت وہ رحم کی صفت ہے جو آخرت یعنی نتایج امُور میں کام کرتی ہے یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ کی وُہ صفت رحم جو دُنیا میں کام کرتی ہے وُہ رحم بلا بدل ہے یعنی انسان کے کسی فعل کے نتیجہ میں اس رحم کا اظہار نہیں ہؤا۔ بلکہ انسان کی پیدائیش سے پہلے ہی اُس نے اپنے رحم سے سارے سامان اُس کے لیئے مہیّا کر رکھے ہیں۔ اور پھر جب انسان یہ کام کرتا ہے۔ تو اس کا ثمرہ مترتّب کرنے میں اللہ تعالےٰ کی صفت رحیمیّت کام کرتی ہے۔ یہ رحم کی صفات کے اظہار کا لطیف فرق صرف قرآن نے ہی دُنیا میں ظاہر فرمایا۔ خود عرب بھی پہلے اس سے واقف نہ تھے۔ چنانچہ سورہ فرقان میں ان کا یہ قول منقول ہے قالوا وما الرحمٰن۔ یعنی کہتے ہیں رحمان کیا ہے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ لفظ رحمٰن باوجود صفاتی کام ہونے کے صرف اللہ تعالےٰ کے لیئے مخصوص ہے۔ اور دُوسرے کسی پر نہیں بولا جاتا۔ بعض اہل لغت نے لکھا ہے کہ مسیلمہ کذّاب کے پیرو اسے رحمان الیمامہ کہدیتے تھے۔ مگر یہ محض مسلمانوں کے مقابلہ کے لیئے ایک بات اختیار کیگئی تھی۔ اور اس لفظ کے سوائے خدا کے دُوسرے پر استعمال کا جواز بہرحال ثابت نہیں +

(م ۲ و ۵ و ۲ دیکھو صفحہ ۱۷ پر)

(۲) الرحمٰن الرحیم۔	رحمان - رحیم ہے۔

۴۔ الحمد میں الؔ استغراق الجنس کے لیئے ہے۔ یعنی ہر قسم کے محامد اور تعریفیں الحمد کے اندر داخل ہیں
لِلّٰہ میں لؔ استحقاق کا ہے۔ یعنی ہر قسم کی تعریفوں کے حقیقی مستحق صرف ذات الٰہی ہے۔
۵۔ ربؔ۔ رب کے اصل معنے مفردات راغب میں یوں بیان کیئے ہیں۔ الرب فی الاصل التربیۃ وھو انشاء الشئ حالاً فحالاً الیٰ حد التمام۔ یعنی ربّ اصل میں تربیت ہے۔ اور وہ ایک شئے کا بڑھانا ہے۔ یہاں تک کہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف ترقی کرتے کرتے کمال کی حالت کو پہنچ جائے۔ پس ربؔ نہ صرف پیدا کرنے والا ہے۔ بلکہ پیدا کرکے پھر مخلوق کو حالت کمال تک پہنچانے والا بھی ہے۔ گویا ہر ایک چیز کو پیدا کرکے اس کے لیئے ایک دائرہ استعداد کا مقرر کردیا۔ اور اس دائرہ کے اندر وہ چیز ترقی کرتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اپنے دائرہ استعداد کے کمال کو حاصل کرلیتی ہے۔ پس لفظ ربؔ کے اندر جو مفہوم ہے۔ وہ ابؔ یا باپؔ کے لفظ سے بہت اعلےٰ اور بہت وسیع ہے۔ اسی لیئے قرآن کریم نے پہلی کتابوں کے محاورہ میں جو لفظ ابؔ مجازاً خدا کے لیئے بولدیا جاتا تھا۔ اسے ترک کرکے اس کی بجائے لفظ ربؔ اختیار فرمایا ہے۔
۶۔ عالمین عالم کی جمع ہے جو علمؔ سے مشتق ہے۔ اور عالمؔ اصل میں نام ہے مایعلم بہٖ یعنی اس چیز کا جس کے ذریعہ سے علم حاصل کیا جاتا ہے۔ اور مخلوق پر یہ لفظ اس لحاظ سے بولا جاتا ہے۔ کہ وہ صانع کے وجود پر دلالت کرتی ہے۔ پھر اس مخلوق میں ہر ایک نوع پر بھی لفظ عالم بول دیا جاتا ہے۔ اور اسی لحاظ سے انسانوں کی مختلف اقوام یا نسلیں بھی الگ الگ عالم کہلاسکتی ہیں۔ قرآن کریم کی ابتداء میں ہی رب العالمین لکھ کر یہ بتا دیا ہے۔ کہ مذہب اسلام اپنے اندر وسعت رکھتا ہے۔ کیونکہ جب اللہ سارے عالموں کی ربوبیت کرنیوالا یا ان کو ان کے کمال تک پہنچانے والا ہوا۔ تو ضروری ہوا کہ اس نے ہر جگہ انسانوں کے کمال تک پہنچنے کے سامان بھی مہیا کر رکھے ہوں اور چونکہ حقیقی کمال انسان کا روحانیت کی تکمیل کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیئے دنیا کی ہر قوم میں روحانی تربیت کا مہیا کیا جانا یا انبیاء کا پیدا کیا جانا بھی ضروری ہوا۔ اسی لیئے سب قوموں کے نبیوں پر ایمان لانا بھی اسلام نے ضروری قرار دیا ہے۔ یہ وسعت کسی دوسرے مذہب میں نہیں پائی جاتی۔

(۴) مالکِ یوم الدین	جزا کے وقت کا مالک ہے۔
(۵) ایاک نعبد و ایاک نستعین	ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں
(۶) اھدنا الصراط المستقیم	ہمیں سیدھی راہ پر چلا۔
(۷) صراط الذین انعمت علیھم ؁	ان لوگوں کی راہ پر جن پر تو نے انعام کیا۔

؎ مالک کے لفظ کا انگریزی ترجموں میں عموماً بادشاہ ترجمہ کر دیا جاتا ہے۔ مگر مالک کا حقیقی مفہوم بادشاہ کے مفہوم سے بڑھ کر ہے۔ بادشاہ ملک ہے۔ اور قاعدہ کی بات ہے کہ معنے میں مبالغہ کرنے کے لیئے ایک لفظ میں مزید حروف زوائد ڈال دیئے جاتے ہیں۔ اس لیئے مالک بادشاہ سے بڑھ کر ہے۔ جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ خدا کسی گناہ کو معاف نہیں کر سکتا۔ انھوں نے لفظ مالک کے حقیقی مفہوم کو نہیں سمجھا۔

؎ یوم۔ یوم کا لفظ قرآن کریم میں چھوٹے سے چھوٹے وقت سے لے کر بڑے سے بڑے وقت تک استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ کل یوم ھو فی شان میں تو کل یوم سے ہر آن مراد ہے۔ اور لمبے وقفہ وقت کے متعلق فرمایا فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ یعنی ایک دن میں جس کا اندازہ پچاس ہزار سال کا ہے زبان عرب میں یوم کا لفظ خالی دن پر ہی بولا جاتا ہے۔ اور دن اور رات پر بھی اور کسی وقفہ وقت پر بھی۔ خواہ وہ بڑا وقفہ ہو یا چھوٹا۔ راغب میں ہے مدۃ من الزمان الی مدۃ کانت چونکہ قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون جزا و سزا ہر آن اور ہر لحظہ میں جاری و ساری ہے۔ اس لیئے یہاں یوم الدین سے مراد صرف قیامت کا دن ہی نہیں۔ جس دن جزا و سزا کامل طور پر ظہور پذیر ہو گی۔ بلکہ جزا و سزا کے مرتب ہونے کا ہر لحظہ اور ہر آن مراد ہے۔ اور اصل غرض صفت مالکیت کی طرف توجہ دلانا ہے۔

؎ انعمت علیھم کی تفسیر خود دوسری جگہ فرمائی۔ النساء ۹۔ ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین حضرت ابن عباس نے بھی یہی چار گروہ مراد لیئے ہیں۔ یعنی نبی۔ صدیق۔ شہید اور صالح چونکہ اس اُمّت کو یہ دُعا سکھائی گئی ہے کہ تم نبیوں۔ صدیقوں۔ شہیدوں۔ صالحین کی راہ پر چلنے

(۷) غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ۞	سوائے ان کے جن پر غضب کیا گیا۔ اور نہ گمراہوں کے۔

(بقیہ حاشیہ) کے لیئے دُعا مانگتے رہو۔ پس معلوم ہُوا کہ ان چار گروہوں کے کمالات سے اس اُمّت کو بہرہ ور کیا جاتا ہے۔ اور وُہ انعامات جو نبیوں۔ صدیقوں شہیدوں۔ صالح لوگوں کو دیئے گئے وہ اس اُمّت کو دیئے جاتے ہیں +

عا۔ بحر المحیط میں ہے عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ المغضوب علیھم الیھود والضالون النصاریٰ یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنپر غضب کیا گیا وہ یہود ہیں۔ اور جو گمراہ ہوئے وہ نصارےٰ ہیں۔ مگر یاد رہے کہ ان الفاظ میں تفسیر ہی حصر نہیں۔ یہود اور نصارےٰ درحقیقت دو قومیں تھیں۔ جن کی مثال دے کر مغضوب علیھم اور ضالین کا مطلب سمجھایا گیا ان دونوں قوموں نے صراط مستقیم کو چھوڑ دیا۔ ایک قوم تفریط کی طرف چلی گئی دوسری افراط کی طرف۔ ایک نے حضرت مسیح علیہ السّلام کا انکار کر دیا دُوسری نے غلو کر کے اصل درجہ سے بھی بڑھا دیا۔ اسلام یہ دعا سکھاتا ہے۔ کہ ہم درمیانی راہ پر چلیں۔ اور تفریط اور افراط دونوں راہوں سے بچیں +

اسلام اور عقل انسانی

دُنیا کے مذاہب میں اسلام ہی ایک مذہب ہے جو اپنے پیرووں کو یہ ہدایت کرتا ہے۔ کہ وہ قدرت کے وسیع نظارہ کا مطالعہ کریں اور فلسفہ اور علُوم کی تحقیقاتیں کریں اسلام ہی ایک مذہب ہے جو نسل انسانی سے یہ چاہتا ہے۔ کہ وُہ اپنی عقلوں کو بھی تیز کریں۔ اور نور قلب سے بھی کام لینا سیکھیں۔ دُوسرے مذاہب کی کتب مقدسہ کے خلاف قرآن دلائل سے کام لینا سکھاتا ہے۔ اور خود جو بات بتاتا ہے۔ اُس کے وجُوہات بھی ساتھ دیتا ہے۔ خلاف عقل اور بلا وجہ موجہ کبھی کسی بات کو نہیں منواتا پیغمبر اسلام صلّے اللہ علیہ وسلم پر جو سب سے پہلی وحی نازل ہوئی۔ وہ بھی علم قال کی طرف ہی ہدایت کرتی ہے۔ اور وہ وحی یہ ہے اقرأ باسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق اقرأ و ربك الاكرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم۔ پڑھ اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا انسان کو ایک خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا صاحب کرم ہے۔ وہ جس نے قلم کے ساتھ علوم سکھائے۔ انسان کو وُہ کچھ سکھایا جو وُہ نہیں جانتا تھا (العلق) سب سے پہلی وحی میں پڑھنے اور لکھنے کی طرف قرأت اور قلم کے ذریعہ سے علوم حاصل کرنے کی طرف توجّہ دلانے میں اسلام کی پاک کتاب کے مقابل پر کوئی دوسری کتاب نہیں۔

فلسفہ اور حکمت انسان کو دُوسری مخلُوق پر ممتاز کرنے والی چیزیں ہیں۔ سو قرآن نے عجیب عجیب پیرائیوں میں مُسلمانوں کو فلسفہ اور حکمت کی طرف توجّہ دلائی ہے۔ اسلام کا خدا خود ایک حکیم خدا ہے یعنی اُس کے ہر ایک کام میں حکمت اور ہر ایک بات کے نیچے فلسفہ ہے۔ پھر وُہ علیم بھی ہے۔ یعنی سب کچھ جانتا ہے۔ اور ساری باتوں کا علم رکھتا ہے۔ وانك لتلقى القران من لدن حكيم عليم (النمل-۲) تجھ کو قرآن اُس ذات پاک کی طرف سے سکھایا جاتا ہے۔ جو خود صاحب حکمت تامہ اور صاحب علم کامل ہے

ساری مخلوقات کا پیدا کرنے والا۔ سب کی نشوونما کرنے والا۔ سب کو اپنے کمال تک پہنچانے والا وہی ہو سکتا ہے۔ جو علم اور حکمت کا سرچشمہ ہو۔ اور جس کا علم اور حکمت سب پر حاوی ہو۔ پھر وہی جب انسان کو اپنی صورت پر پیدا کرتا ہے تو کچھ شک نہیں کہ اُس کے اندر علم اور حکمت اور فلسفہ کے حاصل کرنے کی خواہش بھی اس لیئے ضرور رکھی ہے۔ علم کی فوقیت اور فضیلت کے اظہار کو قرآن کریم ایک جگہ یُوں سوال کے رنگ میں ظاہر فرماتا ہے ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون کیا وُہ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو علم نہیں رکھتے برابر ہو سکتے ہیں۔ اور ایک جگہ فرماتا ہے ھل یستوی الاعمی والبصیر کیا اندھا اور بصارت والا دونوں یکساں ہو سکتے ہیں؟ خود قرآن کو بھی حکمت اور فلسفہ کی کتاب کہا گیا ہے۔ تلک اٰیات الکتٰب الحکیم یہ پُرحکمت کتاب کی آیات ہیں۔

پھر اس کتاب کے اندر یہ تعلیم دیگئی ہے کہ مخلوقات بھی ایک اصُول پر اور ایک قانون کے ماتحت پیدا کی گئی ہے۔ اور اس عالم کے کل امُور قوانین کے ماتحت چلتے ہیں۔ لغو طور پر اور اتفاقی طور پر کوئی امر نہیں ہوتا۔ چنانچہ فرماتا ہے ماخلقنا السمٰوات والارض وما بینھما الا بالحق واجل مسمی۔ ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے حق و حکمت کے اقتضاء سے ہے۔ اور ایک وقت مقرّرہ کے لیئے پیدا کیا۔ پھر بڑے پُرزور الفاظ میں قدرت کے نظاروں کی طرف توجّہ دلاتا ہے۔

تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم ان فی السمٰوات والارض لاٰیات للمؤمنین وفی خلقکم وما یبث من دابۃ اٰیات لقوم یوقنون۔ واختلاف الیل والنھار وما انزل اللہ من السّماء من رزق فاحیا بہ الارض بعد موتھا وتصریف الریح اٰیات لقوم یعقلون (الجاثیہ - ۳-۵) اس کتاب کا اُتارا جانا اللہ کی طرف سے ہے جو غالب حکمت والا ہے۔ آسمانوں میں اور زمین میں مومنوں کے لیئے یقیناً نشان ہیں اور تمہاری اپنی پیدائش میں اور حیوانوں میں جن کو زمین میں پھیلاتا ہے۔ اُن لوگوں کے لیئے جو یقین رکھتے ہیں نشان ہیں۔ اور رات اور دن کے اختلاف میں اور اس رزق میں جو آسمان سے اللہ تعالےٰ نازل کرتا۔ پھر اس کے ساتھ زمین کو مرجانے کے بعد زندہ کرتا ہے

اور ہواؤں کے تغیرات میں اُن لوگوں کے لیئے نشان ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔ یعنی جس شخص کو حکمت دے دیجائے۔ اُس کو عظیم الشان خیر و برکت کا مالک بنادیا جاتا ہے۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن لوگوں کو اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ تو وہ بھی حکمت سے اور اچھی نصیحت سے بلاؤ۔ اور جب اُن کے ساتھ بحث کرو تو احسن طریق پر۔

خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ علم کا طلب کرنا ہر مسلم مرد اور مسلم عورت پر فرض ہے۔

علوم پر اس قدر زور دینے کا ہی یہ نتیجہ تھا۔ کہ مسلمانوں کے ماتحت ہسپانیہ میں علم کا وُہ چرچا تھا۔ کہ فرانس جرمن اور انگلستان کے طالب علم ہسپانیہ میں موروں سے علم حاصل کرنے کے لیئے دوڑے چلے آتے تھے۔ اندلس کے سرجن اور ڈاکٹر علوم کے پیشرو تھے۔ عورتوں کو بھی علوم کے حاصل کرنے میں ترغیب دیجاتی تھی۔ اور کارڈووا میں لیڈی ڈاکٹر بھی موجود تھیں۔ علم ہندسہ۔ علم نجوم۔ علم نباتات۔ تاریخ فلسفہ اور اصول قانون میں کمال حاصل کرنے کے لیئے اگر کوئی جگہ دُنیا میں تھی تو وُہ صرف مسلمان ہسپانیہ ہی تھا۔ ہر ایک قسم کے فنون۔ زراعت کا فن۔ آبپاسی کی علمی تجاویز جہاز بنانے کا کام۔ کپڑا بُننے کے اعلے سے اعلے سامان۔ سنگ تراشی کا کمال۔ برتنوں کا بنانا۔ اور عمارت کا فن۔ غرضکہ انسانی ضروریات کے متعلق ہر ایک قسم کے فنون کو ہسپانیہ کے مسلمانوں نے تکمیل کو پہنچایا۔ اور امن کے سارے فنون کے ساتھ ساتھ فنون جنگ میں بھی وُہ سب پر غالب تھے۔ غرض ہر چیز جو ایک سلطنت کو بڑا اور با اقبال بنا سکتی ہے۔ ہر وہ بات جو شائستگی اور تہذیب سکھاتی ہے۔ اسلامی ہسپانیہ میں پائی جاتی تھی (لاپول)۔

بہت سے مسلمانوں کے نام جنھوں نے علوم اور فلسفہ کو ترقی دی ہمیشہ کے لیئے

دنیا کی تاریخ میں روشن رہیں گے۔ یہی مسلمان فلاسفر اور ماہرین علوم ہی درحقیقت یورپ کے معلّم ہوئے منتھیم ایک یوروپین مؤرخ لکھتا ہے " لاطینیوں کا فلسفہ صرف ایک علم منطق یا علم مناظرہ پر ہی ختم ہو جاتا تھا۔ اور اسی کو وہ انسانی حکمت کا خلاصہ اور ماحصل سمجھتے تھے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ عرب کے فلاسفروں نے ہسپانیہ اور اٹلی میں بہت سے سکول بنا رکھے تھے جہاں علم کے طالب گروہ در گروہ جاتے تھے اور فلسفہ عرب کے اصول اور قوانین کو سیکھ کر انہی کو عیسائی سکولوں میں ترویج دیتے تھے۔ ..... یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ سارا علم خواہ وہ علم طبعیات ہو یا علم نجوم یا فلسفہ یا علم ریاضی جسکا یورپ میں دسویں صدی سے چرچا نظر آتا ہے۔ وہ سب عربی مدرسوں سے اخذ کیا گیا تھا۔ اور ہسپانیہ کے مسلمان خصوصیت سے یورپین فلسفہ کے پیدا کنندہ کہلانے کے مستحق ہیں "

چیمبرس انسائیکلوپیڈیا لکھتا ہے " عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ نویں صدی سے تیرھویں صدی تک مسلمان ہی وحشی یورپ کے مہذب معلّم تھے۔ عربی فلسفہ۔ علم طب۔ جغرافیہ۔ تاریخ گرامر۔ علم فصاحت وغیرہ نے بہت سی ایسی تصنیفات کو پیدا کیا۔ جو ہمیشہ کے لئے زندہ رہیں گی اور لوگوں کی تعلیم کا ذریعہ رہیں گی۔ جب تک کہ تعلیم حاصل کرنے والے رہیں گے "

قدوائی " معجزۂ محمد صلعم " میں لکھتا ہے " یہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم ہی تھے جنھوں نے علوم اور تہذیب کی اس وسیع عمارت کا بنیادی پتھر رکھا جو اس وقت سے لے کر دنیا کی زینت کا باعث رہا ہے۔ مسلمانوں کو حکم تھا۔ کہ علم بڑھانے کے لئے دعا میں لگے رہیں قل رب زدنی علما اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے اُن کو یہ فرمایا تھا کہ الحکمۃ ضالۃ المومن اخذھا حیث وجدھا۔ حکمت اور دانائی کی بات تو مومن کا حق ہے۔ اسے وہ اپنی ہی گم شدہ چیز سمجھے۔ اور جہاں پائے وہیں سے لے لے۔ یہ وہ بیج تھے جو آخر کار بڑے بڑے درخت بن کر اُن کی شاخیں بغداد اور مصر اور سسلی اور ہسپانیہ اور ہندوستان میں پہنچیں اور جن کے پھل آج تک یورپ کھا رہا ہے "

دُنیا کا آخری نبی

محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم سے پہلے وُہ لوگ گذرے جن کی طرف بڑے بڑے دعوے منسُوب کیئے گئے ہیں۔ کوئی خدا کا اوتار ہے تو کوئی خدا کا بیٹا اور خدائی میں حصّہ دار ہے اور دنیا کی حالت بھی اُس وقت ایسی ہے کہ وُہ ایسی باتوں کو ماننے کے لیئے جلد تیار ہو جاتے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم ایک ایسی قوم میں پیدا ہوتے ہیں۔ جو پرلے درجہ کی بُت پرست اور توہم پرست ہے۔ جو بوجہ علوم سے ناآشنا محض ہونے کے ایک ایک پتھر کو اپنا خدا سمجھتی ہے اور ہوا کے ہر ایک جھونکے میں جنات کا کچھ تصرف اُسے نظر آتا ہے۔ ایسی قوم کو ایک شخص جو اپنے پیچھے دوسروں کو لگا سکتا ہے۔ جو کچھ چاہتا منوا لیتا۔ اور بالخصوص جب اس کے سامنے وُہ قومیں بھی موجود ہوں جو ایک عاجز انسان کو اپنا خدا مان رہی ہوں۔ تو ایک منصوبہ باز کے لیئے تو راہ بالکل کھُلی تھی۔ مگر کس قدر عجیب بات ہے۔ کہ وُہ عین اس کے خلاف ایک راہ چلتا ہے۔ اس کی وحی میں کھول کر اعلان کر دیا جاتا ہے۔ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم اله واحد۔ کہدو کہ میں صرف تمہاری طرح ایک بشر ہوں۔ میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے۔ تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے۔ وہ جو اصول لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کے لیئے پیش کرتا ہے۔ اس میں سب سے پہلے دو ہی باتیں منواتا ہے۔ اور بس اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ اللہ کے سوائے کوئی معبُود نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلعم) اس کے بندہ اور اس کے رسُول ہیں۔ کھُلے طور پر خدا کا بندہ اپنے آپ کو منوانا اور یہ اعلان کرنا کہ میں بھی بشر ہوں جس طرح تم بشر ہو۔ یہ خود ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی صداقت پر ایک عظیم الشّان شہادت ہے۔ نہ وہ صرف اپنے آپ کو انسان سے بڑھ کر ہی کچھ نہیں بناتا۔ بلکہ اس بات کا اقرار اپنے پیرووُں سے لیتا ہے۔ کہ وہ اسے انسان سے بڑھ کر کچھ نہ مانیں گے۔ اور ایک ہی لفظ سے ان تمام غلطیوں کی جڑ کاٹ دیتا ہے جن کا ارتکاب

ایک برگزیدہ انسان کے بعد اُس کے پیرو غلو اور افراطِ محبّت کی وجہ سے کرتے ہیں۔ اگر وُہ بھی یہ رستہ کھُلا چھوڑ جاتا۔ کہ اُس کے پیرو غلو کرکے اُسے کچھُ کا کچھ بنا لیں تو بیشک اُس کے بعد ایک نبی کی ضرورت ہوتی۔ لیکن چونکہ اُس نے دُنیا کا آخری نبی ہونا تھا۔ اس لیئے اس قسم کی تمام غلطیوں سے جو ایک شخص کی ساری تعلیم کو ہی سراسر باطل کردیں۔ اس نے اپنے پیروؤں کو ہمیشہ کے لیئے بچا دیا۔

ایک اور عجیب بات یہ ہے۔ کہ دُنیا میں کسی نبی نے دُنیا کا آخری نبی ہونے کا دعوےٰ کبھی نہیں کیا۔ اور یہ نہیں کہا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ حتیٰ کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی یہ نہیں کہا۔ بلکہ صاف الفاظ میں ایک ایسے معلّم کی اپنے بعد آنے کی ضرورت بتائی کہ جو سب صداقتوں کی تعلیم دے گا۔ ساری دُنیا کی مذہبی تاریخ میں آخری نبی ہونیکا دعوےٰ بھی ایک نرالا دعوےٰ ہے جو ہزارہا انبیاء میں سے جو مختلف قوموں اور مختلف مُلکوں میں آئے۔ کسی نبی نے نہیں کیا۔ بعد میں تو کیا کوئی کرے گا۔ خود آپ کا یہ دعوےٰ ہے۔ ایک انسان کو حیرت میں ڈالنے کے لیئے کافی ہے۔ کہ اُمّی انسان جو ایک ایسے ملک میں رہنے والا ہے۔ جس کو دُنیا کے کسی دُوسرے مُلک سے کوئی تعلّق نہیں۔ پھر اس مُلک میں اپنی بھی کوئی تاریخ نہیں۔ دُوسرے کسی ملک کے تاریخی حالات سے کیا واقفیت ہوگی۔ وہاں وُہ ایک ایسی بات کا دعوےٰ کرتا ہے جس کی نظیر بھی پہلے کوئی نہیں پائی جاتی۔ ایک طرف اپنے آپ کو معمُولی بشر قرار دینا۔ دوسرے انسانوں سے اپنے آپ کو نہ بڑھانا۔ اور دُوسری طرف ایک ایسا عظیم الشّان دعوےٰ۔ کہ میں ہی دُنیا کا آخری نبی ہوں۔ کس قدر حیرت میں ڈالنے والی باتیں ہیں۔ اور پھر عجیب بات یہ ہے۔ کہ اُس کے دعوےٰ کو واقعات نے بھی سچّا کر دکھایا۔ کیونکہ آپ کے بعد دُنیا کی تاریخ میں کوئی شخص ایسا پیدا ابھی نہیں ہوتا۔ جو نبوّت کا دعوےٰ کرے۔ اور اس دعوےٰ نبوّت کو کوئی قوم مان بھی لے۔ مصلح بے شک بہت لوگ ہونے کا دعوےٰ کرتے رہے بعض کے دعوے اس بعد کے زمانہ میں بھی خدائی تک پہنچتے رہے۔ مگر آپ کے بعد نبی ہونے کا دعوےٰ کسی شخص نے نہیں کیا۔ تو اگر ایک طرف آپ کا آخری نبی ہونے کا دعوےٰ حیرت میں ڈالتا ہے تو دُوسری طرف یہ امر بھی کم حیرت انگیز نہیں۔ کہ آپ سے پہلے کس طرح مختلف

قوموں اور ملکوں میں نبی پر نبی آتے رہتے ہیں۔ مگر آپ کے بعد کوئی شخص مدّعی نبوّت پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی شخص دعوے نبوّت کرتا ہے۔ تو وُہ سرسبز نہیں ہوتا۔ غرض کوئی قوم ایسی نہیں کہ آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلّم کے بعد کسی نبی کے آنے کو مانتی ہو۔ گو آپ سے پہلے انبیاء کے آنے کو ساری قومیں مانتی ہیں۔

منجملہ ان امور کے جو آپ کے دُنیا کا آخری نبی ہونے پر شاہد ہیں۔ چار باتیں ہیں جن کا ذکر میں یہاں کرنا چاہتا ہوں۔ اور یہ چاروں ایسے امتیازی نشان ہیں۔ کہ سوائے آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلّم کی ذات مقدس کے اور کسی نبی میں نہیں پائے جاتے۔ اور یہی چاروں باتیں آپ کو دُنیا کا آخری نبی ہونے کا حقدار ٹھہراتی ہیں۔ تاکہ سب قومیں آپ کے جھنڈے تلے جمع ہو کر نسل انسانی کی حقیقی وحدت کا اظہار کرنے والی ہوں۔ اور وہ چار باتیں یہ ہیں اوّل۔ آپ کا کل دُنیا کی طرف مبعوث ہونا۔ دوئم۔ آپ کا کل انبیاء سابقہ پر ایمان لانا ضروری قرار دینا۔ سوم۔ آپ کے ذریعہ سے ہدایت کی تکمیل ہو جانا۔ چہارم۔ آپ کی کتاب کا دستبرد انسانی سے محفوظ رہنا۔ اب ان چاروں کو میں اسی ترتیب سے بیان کرتا ہوں۔

ساری قوموں کیطرف بعثت

انبیاء کی بعثت کی چونکہ اصل غرض صرف مخلوق کو ہدایت کا پہنچانا تھا۔ اور یہ ہدایت مختلف نبی اپنی اپنی قوم کی استعداد کے مُطابق لوگوں کو پہنچاتے رہے۔ آخر وُہ وقت آیا جب نفوس انسانی مختلف انبیاء کی تعلیم سے اِس قابل ہو چکے تھے۔ کہ اب وُہ آخری اور جامع تعلیم پائیں اور اپنے انتہائی کمال کو پہنچیں۔ اِس لیئے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ نے اس ہدایت کو دُنیا تک پہنچایا۔ اور اُس کا امتیازی نشان یہ رکھدیا۔ کہ آپ کی تعلیم ساری دُنیا کے لیئے ہو۔ تاکہ یہ ایک شہادت ہو اس بات کی۔ کہ آپ کے آنے سے نبوّت میں ایک انقلاب عظیم آگیا ہے۔ اور وُہ کامل تعلیم آگئی ہے جس سے سارے انسان جہاں کہیں ہوں کمال انسانی کو آخری حد تک جو اس دُنیا میں نفس انسانی حاصل کرسکتا ہے کرلیں۔ کیونکہ جو تعلیم صرف ایک ہی قوم کی ضروریات کو پُورا کرتی ہے۔ وُہ

انسان کی فطرت کی ساری شاخوں کو غذا نہیں دے سکتی۔ مختلف قوموں میں مختلف قوائے انسانی کا نشوونما خاص طور پر ہوا۔ اور انہی نشوونما کی ضرورت کے مطابق ان میں متفرق طور پر نبی آتے رہے۔ یہ متفرق طور پر آنا خود ہی اس بات کی شہادت تھی۔ کہ اُن کی تعلیم ساری نسل انسانی کے لیئے نہیں۔ اور اس لیئے ابھی وُہ تعلیم اپنے حقیقی کمال کو نہیں پُہنچی۔ پس جب وُہ کامل تعلیم نازل ہوئی تو اُس کے ساتھ ہی قوم اور رنگ اور ملک کی حدبندیاں بھی ٹوٹ گئیں۔ اسی لیئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم ہؤا کہ کہدو یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔ اے دنیا جہان کے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں اور پھر فرمایا گیا انا ارسلناک کافۃ للناس۔ ہم نے تمام لوگوں کے لیئے تم کو بھیجا ہے۔ اور فرمایا وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔ ہم نے تم کو صرف اسی لیئے بھیجا ہے۔ کہ تا تم ساری دُنیا کے لیئے۔ ساری قوموں کے لیئے رحمت بنجاؤ۔ اسی طرح فرمایا تبارک الذی نزل الفرقان علےٰ عبدہٖ لیکون للعالمین نذیرا۔ بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے بندہ پر فرقان نازل کیا۔ تاکہ وہ سارے عالموں کے لیئے ڈرانے والا ہو۔ غرض اس طرح پر سب سے پہلا کام یہ کیا۔ کہ ساری قومی تفریقوں کو مٹایا تاکہ یہ پیش خیمہ ہو اس بات کا کہ وُہ کامل تعلیم آگئی جو انسان کو اپنے حقیقی کمال تک پُہنچا سکتی ہے۔

آنحضرت سے پہلے کوئی نبی ساری دُنیا کیطرف نہیں آیا

غرض یہ ختم نبوت کا سب سے پہلا امتیاز تھا۔ کہ آپ کا پیغام کل دُنیا کی طرف تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے نبی اپنی اپنی قوم کی طرف آتے رہے۔ اور کسی نے سب قوموں کی طرف ہونیکا اعلان نہیں کیا۔ حضرت مسیح کی طرف اُن کے پیرو اس بات کو منسوب کرتے ہیں کہ اُنھوں نے اپنے حواریوں کو فرمایا تھا۔ کہ تم ساری دُنیا میں جاؤ۔ مگر اوّل تو وُہ حصہ جس میں یہ ذکر ہے الحاقی ثابت ہؤا ہے۔ دوسرے اُس کی تردید صراحت کے ساتھ خود حضرت مسیح کے اقوال میں موجود ہے۔ کیونکہ ایک سامری عورت کو اُنھوں نے فرمایا کہ یہ مناسب نہیں کہ فرزندوں کی روٹی کتوں کے آگے ڈالی جائے۔ اور ایسا ہی ان کے الفاظ صراحت کے ساتھ موجود ہیں۔

کہ میں صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لیئے بھیجا گیا ہوں۔ اور انہی الفاظ کی صداقت کی تائید قرآن کریم بھی فرماتا ہے ورسولًا الیٰ بنی اسرائیل۔ یعنی بنی اسرائیل کی طرف آپ رسول مبعوث ہوئے تھے۔ اور درحقیقت حضرت مسیحؑ کل دُنیا کی طرف ہونیکا دعویٰ کس طرح کر سکتے تھے۔ جب آپ نے صاف طور پر فرما دیا۔ کہ میں ساری تعلیم تم کو نہیں دے سکتا کیونکہ بہت باتیں ہیں جن کی تم برداشت نہیں کر سکتے۔ اور مکمل تعلیم وُہ دیگا جو میرے بعد آئیگا۔ پس یہ صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السّلام نے کل دُنیا کی طرف آنیکا کبھی دعوےٰ نہیں کیا۔ ہاں ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ جب یہودیوں نے آپ کے پیغام کی عزّت نہ کی تو آپ کے بعض پیروؤں نے دُوسری قوموں کی طرف رُخ کیا۔ اور پھر شاید اپنی اس کارروائی کی تصدیق کے لیئے کوئی بات حضرت مسیح کی طرف منسُوب کردی ہو۔ اور آپ کے سوائے تو کوئی نبی ایسا گذرا ہی نہیں جس کی طرف ایسا دعوےٰ منسُوب کیا گیا ہو۔ لہذا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم ہی ایک نبی ہیں جو کل دُنیا کی طرف مبعوث ہوئے اور یہ بھی ختم نبوّت پر شہادت ہے۔ کیونکہ جب ایک کامل تعلیم والا نبی کل دُنیا کی طرف مبعوث ہوگیا۔ تو اب کسی دُوسرے کے لیئے یہ گنجائش نہیں کہ وہ رسالت کے لیئے کھڑا ہو۔

پہلی کتابوں پر ایمان

جس طرح یہ سچ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم سے پہلے کسی نبی نے کل دُنیا کی طرف مبعوث ہونے کا دعوےٰ نہیں کیا۔ اسی طرح یہ بھی سچ ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے یہ ضروری قرار دیا ہو۔ کہ تم دُنیا کے سارے پہلے نبیوں پر ایمان لاؤ۔ یہ درحقیقت ختم نبوّت کا دُوسرا امتیاز ہے۔ قرآن کریم کے شرُوع میں ہی ہر مومن کے لیئے یہ ضروری قرار دیا ہے والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اُس پر جو تیری طرف اُتارا گیا۔ اور اس پر جو تم سے پہلے اوتارا گیا۔ اب اس ما انزل من قبلک میں اس تمام وحی نبوّت پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم سے پہلے نازل ہو چکی اور دوسری طرف کل قوم ھاد

کہکر یہ بتا دیا۔ کہ ہدائیت لانے والے ہر قوم میں ہو چکے ہیں۔ اس طرح پر جس قدر کل قوموں میں ہدائیتیں نازل ہو چکی تھیں۔ ان سب پر ایمان ضروری قرار دیا۔ اس سے دو طرح پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کی تعلیم جامع تھی اور آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں تھا۔ اوّل اس طرح کہ اگر آپ کی تعلیم جامع نہ ہوتی اور سارے انبیاء کی کتب قیمہ کو اپنے اندر نہ رکھنے والی نہ ہوتی تو کیا ضرورت تھی کہ پہلی کتابوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا جاتا گویا پہلے رسولوں کی متفرق قوموں میں آمد ہی اس بات کی شہادت تھی۔ کہ سب سے آخر ایک ہی رسول کل قوموں کی طرف آنے والا ہے۔ جس کی قبولیت کے لیئے سب رسول اپنی اپنی قوموں کو تیار کرنے آئے تھے۔ دوسرے اس طرح کہ صاف الفاظ میں من قبلک کا لفظ فرمایا یعنی ایمان لانا صرف اس وحی پر ضروری قرار دیا جو آپ سے پہلے نازل ہو چکی ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوا کہ آپ کے بعد کوئی وحی ایسی نازل ہونیوالی نہ تھی جس پر ایمان لانا اصول اسلام میں داخل ہو۔ اور اس طرح پر آپ کے آخری نبی ہونے پر یہ ایک قطعی شہادت ہے۔

تکمیل ہدائیت

دُنیا کی کوئی کتاب نہیں جس نے یہ دعوےٰ کیا ہو۔ کہ میں نے ہدائیت کو مکمل کر دیا۔ بلکہ ان کتابوں کی ہدایت کو تکمیل تک نہ پہنچانے کے اشارات کئی جگہ پائے جاتے ہیں اور حضرت مسیح کی کلام میں تو صاف اور کھلا اقرار موجود ہے۔ حالانکہ اگر کوئی شخص سوائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے تکمیل ہدائیت کا مدعی ہو سکتا۔ تو وہ حضرت مسیح علیہ السلام ہی ہو سکتے۔ کیونکہ آپ کے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے درمیان چھ سو سال کی تاریخ کسی نبی کے آنے کو تسلیم نہیں کرتی۔ اس طرح پر آنحضرت سے پہلے نبی حضرت مسیح ہی ہیں۔ پس اگر کوئی شخص تکمیل ہدائیت کا مدعی ہو سکتا تو وہ حضرت مسیح ہو سکتے تھے اور جو شخص تکمیل ہدایت کا مدعی ہو۔ اس کے بعد بے شک نبی کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور وہی آخری نبی دنیا کا قرار پانا چاہیئے۔ کیونکہ اس کے وجود میں اصل غرض پوری ہو جاتی ہے نبیوں کی دُنیا میں آنے کی ضرورت یہی ہے۔ کہ وہ منجانب اللہ ہدائیت پاکر لوگوں تک

پہنچا دیں اور یہ ہدائیت جیسا کہ دُنیا کی مختلف قوموں کی ضرورت تقاضا کرتی تھی۔ ہر قوم
کی حالت اور زمانہ کے مطابق نازل ہوتی رہی۔ مگر کامل طور پر کسی ایک نبی پر وہ نازل
نہ ہوئی اور جب تک ہدائیت کامل نہ ہو جائے اس وقت تک نبیوں کی آمد کا سلسلہ ختم نہیں
ہو سکتا۔ پس خاتم النبیین یا دُنیا کا آخری نبی ہونے کا دعوےٰ اسی نبی کو سزاوار ہے جو
تکمیل ہدائیت کر دے۔ اور ایسے جامع اصول ہدائیت کے بیان کر دے۔ کہ اس کے بعد
پھر اور اصول کی ضرورت دُنیا کو نہ رہے اور دُنیا کی ہر ایک قوم اُن سے فائدہ اُٹھا سکے
تو آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبی چونکہ حضرت مسیح ہی ہیں۔ اس لیئے حضرت
مسیح اگر یہ دعوےٰ کرتے کہ انھوں نے ہدائیت کی تکمیل کر دی تو پھر جو کچھ بھی چاہتا انکے
پیرو اُن کو بناتے۔ البتّہ ایک بات کے وہ ضرور حقدار ہو جاتے۔ کہ پھر وہی دُنیا کے آخری
نبی ٹھہرتے۔ اور آپ کے بعد کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہ ہوتی اور اس محمد رسول اللہ
صلّے اللہ علیہ وسلّم پھر نبی نہ ہو سکتے تھے۔ کیونکہ تکمیل ہدائیت کے ساتھ تو نبوّت کی ضرورت
ہی اُٹھ جاتی۔ مگر کیا شان خداوندی ہے۔ کہ حضرت مسیح کے مُونھ سے وُہ کلمات نکلوا
دیئے ہیں۔ جو ہمیشہ کے لیئے اس ضرورت کو باآواز بلند پکار کر بیان کریں گے۔ کہ مسیح
کے بعد دُنیا کو ایک اور نبی کی ضرورت تھی۔ اور جب تک وُہ نہ آتا سارا سلسلہ نبوّت ہی باطل
ٹھہرتا۔ کیونکہ اصل غرض یعنی تکمیل ہدائیت جس کے بغیر نسل انسانی اپنے اصلی کمال کو حاصل
نہ کر سکتی تھی پوری ہی نہ ہوتی۔ اور وُہ الفاظ یہ ہیں کہ ”میری اور بہت سی باتیں ہیں
کہ میں تمھیں کہوں۔ پر اب تم اُن کی برداشت نہیں کر سکتے“ اگر صرف اس قدر الفاظ
بھی حضرت مسیح کے ہوتے تو بھی یہ لفظ دُنیا کو مجبور کرتے کہ وُہ ابھی ایک اور نبی کی راہ
تکتے رہیں۔ کیونکہ مسیح مقر ہیں کہ وُہ تکمیل ہدائیت نہیں کر گئے۔ لیکن مسیح نے نہ صرف اپنے
متعلق ہی اعتراف کیا۔ بلکہ اس عظیم الشّان ضرورت کو بھی کھول کر بیان کر دیا۔ کیونکہ ساتھ
ہی وہ فرماتے ہیں ”لیکن جب وُہ یعنی رُوح حق آوے تو وہ تمھیں ساری سچائی کی راہ
بتا دے گی“ دیکھو اس پاک دل انسان نے کس صفائی سے بیان کر دیا۔ کہ ابھی ایک اور
کی ضرورت ہے جو سچائی کی ساری راہیں بتا دے یعنی تکمیل ہدائیت کرے پس صرف حضرت

مسیح جو ایک ہی شخص دُنیا کی تاریخ میں ہیں۔ جو تکمیل ہدائیت کا دعوے کر سکتے تھے یہ اعتراف موجود ہے کہ آپ تکمیل ہدائیت نہیں کر سکے۔ بلکہ ساتھ ہی یہ بھی کہ تکمیل ہدائیت کرنیوالی ایک رُوح حق کا آنا ضروری ہے۔ وہ رُوح حق جب آئے تو اُس نے پکار کر کہدیا جاء الحق۔ سو وہ رُوح حق آگئی جس کی دُنیا کو انتظار تھی۔ جس کے بغیر انسان کی پیدائش ہی عبث ٹھیرتی کیونکہ انسان اپنے اعلےٰ سے اعلےٰ کمال کو نہ پا سکتا۔ اور جیسا کہ چاہیئے تھا اس رُوح حق نے اپنا پیغام پُورے طور پر دُنیا کو پُہنچا کر آخر یہ اعلان کر دیا جو دُنیا کی تاریخ میں ایک ہی اعلان ہے اور ایک ہی رہے گا۔ جس کے مقابل نہ کبھی کسی نے آواز اُٹھائی نہ کوئی اُٹھا سکے گا۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی۔ آج کے دن (جو دُنیا کی تاریخ میں یہ پہلا دن تھا) میں نے تمہارے لیئے تمہارا دین کامل کر دیا۔ اور اپنی نعمت کو تم پر پُورا کر دیا۔ شریعت بھی کامل ہو گئی۔ اور ہدائیت بھی تمام و کمال آگئی۔ اگر دُنیا کی تاریخ میں کوئی عید کا دن کہلا سکتا ہے تو وہ یہی دن تھا۔ اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اس دن کو خوب جانتے تھے۔ کہ یہ دُنیا کی تاریخ میں ایک ہی یادگار کا دن ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں اسی آئیت کی تفسیر میں ہے۔ قالت الیھود لعمر انکم تقرؤن ایۃ لو نزلت فینا لاتخذ ناھا عیدا فقال عمر انی لاعلم حیث انزلت واین انزلت واین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حین انزلت یوم عرفۃ وانا واللہ بعرفۃ قال سفیان واشک کان یوم الجمعۃ ام لا الیوم اکملت لکم دینکم۔ یعنی یہودیوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو کہا۔ تم لوگ ایک آئیت پڑھتے ہو۔ اگر وہ ہمارے بارہ میں نازل ہوتی تو ہم اُسے عید بنا لیتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں خوب جانتا ہوں وُہ کس طرح نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی۔ اور جب نازل ہوئی تو رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلم کہاں تھے۔ یہ عرفہ کا دن تھا۔ اور خدا کی قسم ہے مَیں عرفہ میں تھا۔ سفیان (اس حدیث کا دوسرا راوی) کہتا ہے۔ مجھے شک ہے یہ جمعہ کا دن تھا یا نہیں وہ آئیت الیوم اکملت لکم دینکم ہے۔ یہ بے شک عید کا دن تھا۔ اور کیا عجیب اتفاق ہے کہ اس کا نزول ایک ایسے موقعہ پر ہوتا ہے۔ جب ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابی نبی کریم صلّے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں مصروف تھے۔ اور اس عظیم الشان میدان میں تھے جو عرفات کا میدان کہلاتا ہے۔

اس کے بعد ہی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے وہ مشہور خطبہ پڑھا۔ جس کے آخر پر تین دفعہ فرمایا الا ھل بلغتکم اچھی طرح سن لو۔ کیا میں نے تم کو پیغام پہنچا دیا اور وہ میدان اللھم نعم کی آواز سے گونج اُٹھا تھا۔ مسلمانوں کا تو واقعی یہ عید کا دن تھا۔ اور ایسا عید کا دن کہ نہ پہلے کبھی ہُوا نہ پھر کبھی ہوگا۔ کیونکہ وہ انسان جو دس سال پیشتر انہی وادیوں میں تنہا پھرتا تھا۔ اور کوئی اسکی آواز پر کان نہ دھرتا تھا۔ وُہ جو تنہا اور بے یار و مددگار تھا۔ وُہ جسے گھر سے نکالا گیا تھا۔ وُہ جسکے پیچھے خون کی پیاسی تلواریں نیاموں سے باہر نکلی ہوئی تھیں۔ آج وہی انسان ہے جو سارے ملک عرب کا بادشاہ ہے اور لاکھوں انسان اس کے ساتھ اسی میدان میں حج کے لیئے جمع ہیں لاکھوں انسان کعبہ کا حج کریں گے اور میدان عرفات میں جائیں گے۔ مگر وہ مقدّس چہرہ۔ وُہ رُوحانیت کا آفتاب گو ان کی رُوحوں پر اپنی کرنیں ڈالے گا۔ مگر اس خوشی کو وہ کہاں سے لائیں گے۔ جس سے اُس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل بھرے ہوئے تھے۔ جن کے اندر خدا کا وُہ پیارا موجود تھا جس کے اوپر اس الیوم اکملت لکم دینکم کی وحی نے اُتر کر ان لاکھوں انسانوں کے دِلوں کو ایک اور ہی سرور سے بھر دیا۔ سو مُسلمانوں کے لیئے تو یہ ضرور عید کا دن تھا۔ لیکن اگر سچ پُوچھو تو یہ نسل انسانی کے لیئے عید کا دن تھا۔ اگر ساری نسل انسانی کبھی کوئی حقیقی عید منائے گی تو وُہ یہی عید ہوگی جس دن دین کے کمال کو پہنچ جانے کا۔ ہدائیت کی نعمت کے پُورا ہو جانے کا اعلان دُنیا میں ہوگیا۔ اور انسان کو خدا کی طرف سے یہ مبارکباد دی گئی۔ کہ اب تمہارے کمال حاصل کرنے کا وقت آگیا۔ اور تمہارے دُنیا میں پیدا کیئے جانے کی غرض پُوری ہوگئی۔ کیونکہ یہی وہ کمال تھا۔ جس تک خدا تعالےٰ تم کو پہنچانا چاہتا تھا مگر تم اپنی کوشش سے وہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اس لیے رب العالمین نے تمہاری دستگیری فرمائی اور اما یأتینکم منی ھدی کا تم کو وعدہ دیا۔ اور آج اس وعدہ کے ایفاء کو اپنے کمال کو پہنچایا۔ اور لولاک لما خلقت الافلاک کے کلمہ کو پورا کر دکھایا۔

حفاظت ہدایت

گو دنیا کی تاریخ میں اکملت لکم دینکم کا نظارہ ایک ہی نظارہ تھا۔ مگر یہ نظارہ دلخوش کن

نہ ہوتا۔ اگر اس کے ساتھ یہ تسلی نہ ہوتی۔ کہ اس کمال کو اب کبھی زوال نہیں آئے گا۔ دُنیا کی تاریخ میں بڑی بڑی ہدائتیں آئیں نسل انسانی کے فائدہ کے لیئے بہت کچھ خدا نے بھیجا۔ مگر انسان کے ہاتھوں نے اسے بسا اوقات بگاڑا۔ جس قدر مقدس کتابیں دُنیا کی تاریخ میں نظر آتی ہیں وہ سب کی سب بلا استثنا ء تحریف کا شکار ہوئیں۔ اُن کتابوں کا کیا ذکر ہے جنکی تاریخ پر ہزاروں سال گزر گیئے۔ وُہ جو قرآن کریم کے نزُول سے چھ سو سال پہلے کی تھی۔ اس کی بھی وُہ حالت ہوئی۔ کہ اصل کتاب کا پتہ ہی نہ تھا۔ مسیح کی انجیل کی جگہ چار (بزعم پیروان مسیح مستند) انجیلوں نے لے لی۔ اصل تعلیم کہاں محفوظ رہتی۔ ایک عاجز بندے کو جو خدائے ذوالجلال کی قدوسیت کے سامنے شرمندہ ہو کر نیک کہلانے سے بھی انکار کرتا تھا۔ اسی ذوالجلال کے پہلو بہ پہلو بٹھا یا گیا۔ بلکہ خدا بیٹے کو خدا باپ سے بہتر اوصاف کا مجموعہ بڑی طاقتوں کا مالک قرار دیا گیا۔ اسی سے اندازہ کر لو کہ پہلی کتابوں کا کیا حال ہوُا ہو گا۔

پس محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جب وہ بار بار یحرفون الکلم عنی مواضعہ خدا کی کلام میں پڑھتے۔ کیسا درد ہوتا۔ کہ کہیں اس مکمل ہدائیت نامہ کا بھی دُنیا کے لوگوں کے ہاتھوں وہی حال نہ ہو جو پہلی کتابوں کا حال ہوُا۔ اگر خدا کی طرف سے بار بار یہ وعدہ نہ مل چکا ہوتا۔ انہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون۔ بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ اور بالآخر جب خدا کا وعدہ کھلے الفاظ میں مل گیا۔ کہ پہلی کتابوں کی طرح قرآن کی حفاظت کا کام ہم نے انسانی ہاتھوں میں نہیں چھوڑا۔ کیونکہ گو پہلی کتابیں بھی خدا کا کلام ہی تھا۔ مگر اُن کی ضرورت دُنیا کو ایک وقت کے لیئے تھی۔ پر اسی مکمل ہدائیت نامہ کی ضرورت ہمیشہ کے لیئے ہے۔ اور اس کے ایک حرف کے اِدھر اُدھر ہونے سے نسل انسانی کو ایک ناقابل تلافی نقصان ہمیشہ کے لیئے پہنچے گا۔ کیونکہ اب آخری نبی کے بعد کوئی دُوسرا نبی نہیں آسکتا۔ جو اس قسم کی غلطی کو دُور کر دے۔ اس لیئے خدا نے فرمایا۔ کہ اُس کی حفاظت کا انتظام ہم نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون ہم نے ہی تو اس ذکر کو (جو نسل انسانی کے حقیقی شرف و عزت کا باعث ہے۔ جیسا کہ ذکر کے معنے سے ظاہر ہے) اتارا اور ہم ہی اس کی یقیناً حفاظت کریں گے۔ سو اس وعدۂ خداوندی نے ختم نبوت کی دوسری

وجہ کو بتا دیا۔

ایک چیز پہلے ہی اپنے کمال کو نہ پہنچے تو وہ ناقص ہے اور کمال کی محتاج رہے گی۔ ایک چیز کمال کو پہنچ جائے۔ مگر اس میں نقص پیدا ہونے کا خطرہ باقی ہو تو وہ پھر کمال کی محتاج ہو جائے گی۔ اس لیے جب تک یہ دونوں صورتیں اکٹھی نہ ہوتیں ختم نبوت کا منشا پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ مانا کہ ہدایت کی تکمیل ہو گئی۔ لیکن اگر اس تکمیل کے بعد پھر اس میں کچھ نقص پیدا ہو جائے اگر پہلی کتابوں کی طرح تحریف اس کامل ہدایت نامہ میں بھی راہ پا جائے۔ تو ختم نبوت کا دعوےٰ صحیح نہ ہوتا۔ کیونکہ پھر اس ناقص کو خواہ وہ نقص پیچھے ہی پیدا ہوا ہو پورا کرنے کی احتیاج باقی رہتی۔ اور جب نبوت کی ضرورت باقی ہوتی تو ختم نبوت کا دعوےٰ باوجود تکمیل ہدایت کے باطل ٹھہرتا مگر وہ خدا جس نے شروع سے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نبوت کو اپنے کمال تک پہنچانے کا ارادہ کیا ہوا تھا۔ (اور اسی لیے آپ خلق میں سب سے پہلے نبی تھے۔ کیونکہ اگر آپ نہ ہوتے تو دوسرے نبی بھی نہ ہوتے) اور پھر اس کمال پر قایم رکھنے کا ارادہ کیا ہوا تھا۔ تاکہ اس انسان کامل کے بعد سب اسی کی شاگردی میں زانوئے تہ کریں۔ اس نے نہ چاہا کہ ایک پہلو سے ختم نبوت کر کے دوسرے پہلو کو یوں ہی چھوڑ دے اور نبوت کی ضرورت ویسے کی ویسی باقی رہ جائے۔ بلکہ اس نے ختم نبوت کو خوب پختہ کیا۔ اور اس میں کسی قسم کے نقصان کا احتمال باقی نہ چھوڑا اور ایک طرف تکمیل ہدایت کر کے اور دوسری طرف اس مکمل ہدایت کی حفاظت کا قسمی وعدہ دے کر اور اس کی حفاظت کو اپنے ذمہ لے کر اور ہر طرح سے ختم نبوت کی دیوار کو پختہ کر کے نبوت کے دروازہ کو بند کر دیا۔ کیونکہ جس حکمت کے لیے اس دروازہ کو کھولا گیا تھا وہ ضرورت اب باقی نہ رہی تھی۔ اور فعل الحکیم لا یخلوا عن الحکمۃ۔ کس طرح ممکن تھا کہ ایک طرف تکمیل ہدایت کے کام کو اس قدر مضبوط کر کے اور دوسری طرف مکمل ہدایت نامہ کی حفاظت کا انتظام اتنا مضبوط کر کے اب لغو طور پر نبوت کے دروازہ کو کھلا چھوڑتا ۔

"ایک اسلام کی سرگذشت"

(از یحییٰ النصر پارکنسن)

میرے ایک دوست نے مجھے ایک نسخہ "اسلام کی سرگذشت" مصنفہ ٹی۔ آر۔ ڈبلیو لنٹ کا بھیجا ہے۔ جس پر متفرق مقامات پر حاشیہ پر پنسل کے بہت سے نشانات کیئے ہوئے ہیں۔ غالباً میرا دوست اس بات کا خواہشمند ہے۔ کہ ان امور میں سے بعض کے متعلق ہیں اسے اپنی رائے سے آگاہ کروں۔ ان سب پر بحث کرنے کے لیئے ایک علیحدہ کتاب بکار ہے۔ یہ کتاب نوجوانوں کی ہدایت اور تربیت کے لیئے لکھی گئی ہے۔ اور ایٹن کالج کے ہیڈ ماسٹر کی طرف سے اس کے ساتھ ایک دیباچہ بھی ہے۔ شائد اس تمہید نویس کو اسلام کی سرگذشت کا کچھ علم ہو یا نہ ہو۔ اس کے مضمون سے اس طرف پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ لیکن چونکہ وہ ایک خاص پوزیشن رکھتا ہے۔ اس لیئے جو لوگ اس کے ماتحت ہیں۔ وہ ایک ایسی تصنیف کو جس پر اس کی سفارش ہے۔ اسی مضمون کی کسی دوسری کتاب پر ضرور ترجیح دیں گے۔ یہ کتاب ان پر اپنا اثر ڈالے گی۔ اور جیسے اس میں اچھے یا بُرے صحیح یا غلط خیالات ہیں۔ ایسا ہی اچھا یا بُرا۔ مفید یا مضر اس کا اثر بھی ہوگا۔ اور یہ اثر ایک ایسے وقت میں ہوگا۔ جب ہر قسم کے خیالات صحیح ہوں یا غلط۔ طبیعت آسانی سے جذب کر لیتی ہے۔ اور جب ایک معلم دل پر جس طرح کے نقش و نگار چاہے بنا دے۔ بڑے ہو کر غلط خیالات کو یکسر تہہ رد کر دینا بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اثر اور وہ رنگ جو نوجوانی کے ایام میں ڈالا جائے وُہ طبیعت پر پورا قابو پا لیتا ہے اور دیرپا اور گراں ہوتا ہے۔ وہ لکھتا ہے

"اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ ہماری تمدّنی ضروریات میں سے ایک نہایت ہی اہم ضرورت یہ ہے کہ نہ صرف نوجوانوں کے لیئے مفید اور صحیح لٹریچر مہیا کیا جائے۔ بلکہ اُنکو اُس کے پڑھنے کے لیئے بھی ترغیب دیجائے" اور پھر لکھتا ہے۔

"ہمیں خود اپنے اندر یا اپنے بچوں کے اندر ان امور کے متعلق جہالت نہیں رہنے دینی چاہیئے۔ جو کروڑہا نفوس انسانی کے خیالات۔ امیدوں اور کوششوں کی آماجگاہ ہیں"

یہ نصیحت بہت اچھی ہے۔ مگر جن وجوہ سے پادری صاحب یہاں ہمیں بچنے کی ہدایت کرتے ہیں وہ وہی اُمور ہیں جن کا ارتکاب عیسائیت یعنی کلیسیا اور اس کے بڑے بڑے ذمہ دار افسر اور وکلاء صدیوں سے کرتے چلے آئے ہیں۔ اُس نے نہ صرف جہالت کو روا رکھا۔ بلکہ علوم کی ترویج کی مخالفت میں جو کچھ ہو سکتا تھا کیا۔ اور لوگوں میں اس قسم کے خیالات اور تعلیم کا چرچا جنکا اظہار ہیڈ ماسٹر ویٹین کالج نے کیا ہے اس وقت شروع ہوا جب سائنس اور ریشنلزم نے پادریوں کی حکومت کی غلامی کی ہزار سالہ زنجیروں کو توڑ کر پھینک دیا۔

پھر ہیڈ ماسٹر مذکور فرماتے ہیں "لیکن پہلا قدم یہ ہے کہ صحیح طرز کی کتاب لکھی جائے" جہاں تک اس تجویز کا ذہنی پہلو ہے مجھے بھی اس کے ساتھ اتفاق ہے۔ لیکن میرے اندر کوئی متنبہ کرنے والا مجھے متنبہ کرتا ہے۔ ایک ایسی زبان میں جو الفاظ کی بنی ہوئی نہیں کہ پادری صاحب اور میں باوجود اس ذہنی اتفاق کے کبھی بھی اس بات پر متفق نہیں ہو سکیں گے کہ کون کون سی کتابیں اس تعریف کے ماتحت آتی ہیں۔ بعض کتابیں ہونگی جن کی میں سفارش کروں گا۔ مگر پادری صاحب کے نزدیک وہ محض ردّی کا ذخیرہ ہوگا۔ بلکہ ضروری ہوگا کہ وہ اسے طاق نسیان میں چھوڑی جائیں جہاں اُن کو کوئی چھوئے بھی نہیں۔ اور کسی صورت میں ان کا پڑھنا جائز نہیں ہوگا۔ ایسا ہی بعض کی سفارش وہ کریں گے جو میری رائے میں اس قابل نہ ہونگی کہ انسان اپنے وقت کو اُن پر ضائع کرے۔ میری رائے میں آجکل بہت کچھ ضرورت اس بات کی ہے کہ نوجوانوں کے دلوں کے سامنے رکھنے کے لیئے ان دلوں کے جو نئے خیالات کے تاثرات قبول کرنے کے لیئے بالکل تیار رہیں۔ ہمارا ذخیرہ کتب بہت اصلاح کا محتاج ہے۔ نئی ترتیب کو چاہتا ہے۔ بہت کچھ دوبارہ لکھا جانا ضروری ہے اور بہت کچھ کاٹ دینا مناسب ہے۔ پھر اسی تمہید میں لکھا ہے۔

"اس کتاب کے پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر انسان فطرت انسانی کو بلندی کی طرف لے جانے میں ناکامیاب ہوا ہے تو اس کی وجہ وہ مہلک اصول ہیں جو آج انگلستان میں کام کر رہے ہیں۔ اور جو گہرے طور پر عیسائیت اور اخلاق کے بعض عامہ خیالات میں جاگزین ہیں"

یہ بہت خوب اعتراف ہے۔ کیا پادری لٹلٹن صاحب کے خیالات عیسائیت کے متعلق عامہ خیالات سے الگ ہیں؟ کیا یہ عامہ خیالات سچے نہیں ہیں؟ کیا وُہ عیسائیت نہیں؟ اگر ان سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ جیسا کہ پادری صاحب کا اعتراف ظاہر کرتا ہے۔ تو کیا اس فقرہ کے لکھنے والے کا پہلا فرض یہ نہیں کہ وُہ اپنے خیالات کو ان مہلک اصولوں کی جگہ پھیلائے۔ اور ہر دلعزیز بنائے اور پھر اس بات کا کیا ثبوت ہوگا کہ اس کے جو خیالات عیسائیت کے متعلق ہیں وہ صحیح عیسائیت ہے۔ یا یہ کہ وہ ان خیالات کی نسبت جن کی وہ تردید کرتے ہیں زیادہ درست ہیں۔ وُہ سوال کرتے ہیں،

"جب مغرب کی بڑی روحانی طاقتیں مشرق کی روحانی طاقتوں کے سامنے آئیں گی تو اس وقت کیا ہوگا"؟

اس کا جواب میں تو یہی دونگا۔ کہ اگر ان مہلک اصولوں کو جو گہرے طور پر عیسائیت کے متعلق بعض عامہ اور ہر دلعزیز خیالات میں جاگزین ہیں ایٹن کے ہیڈ ماسٹر اور اس کے سکول کی کوششوں نے جڑ سے کاٹ کر نہ پھینک دیا۔ تو مغرب کی روحانی طاقتوں کا بڑی ہوں یا چھوٹی برا حشر نظر آتا ہے۔ اور آخر کار کیا مغرب اور مشرق کی روحانی طاقتیں ایسی مختلف ہیں۔ کیا زمین کے مختلف حصّوں میں وُہ طاقت بھی مختلف ہے۔ جو ہماری زندگیوں کو ایک خاص صورت دیتی ہے۔ خواہ ہم خود ان کو کیسی ہی بے ہجی سے تراشا کریں۔ میرے علم و یقین میں انسانیت ایک ہی شئے ہے۔ نسل انسانی ایک ہے۔ نہ علیحدہ علیحدہ افراد کا مجموعہ جو ایک دُوسرے سے الگ اور بے تعلق ہوں نہ ہی ایسے مجموعوں کے مجموعہ کا نام انسانیت ہے۔ جس کتاب کی تمہید پادری صاحب نے لکھی ہے۔ اب اُس کے خیالات کو دیکھیئے۔ آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلم کے خط و خال کا نقشہ کھینچتے ہوئے اُس کا مصنّف لکھتا ہے۔

"ایک بہت بڑی ڈاڑھی اور مونچھیں جو اپنے نیچے ایک حواس سے جلد متأثر ہونے والے مُونھ کو چھپائے ہوئے تھیں"

اب اوّل تو میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں۔ کہ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ حواس سے جلد متأثر ہونے والا مُونھ کس قسم کا ہوتا ہے۔ دُوسرے مجھے یہ سمجھ نہیں آتا۔ کہ کسی کی ڈاڑھی اور مونچھوں نے اس کے مُونھ کو چھپایا ہُوا ہو۔ تو دوسرا شخص کس طرح کہہ سکتا ہے۔ کہ وہ مُونھ

جو اس سے جلد متاثر ہونے والا ہے یا کس قسم کا ہے۔ بغیر زیادہ اس پر کچھ لکھنے کے میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ جو شخص اس طرح پر لکھ سکتا ہے وہ نوجوان کے لئے رہنما نہیں ہو سکتا

پھر صفحہ ۴۹ پر ہے۔

"ان میں یہ صفت تھی۔ کہ تھوڑی ہی واقفیت سے اعتبار حاصل کر لیتے تھے"

اس کے ساتھ ہی ان فقرات اور الفاظ پر بھی ایک نظر ڈالو جو اس کتاب کے مصنف نے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت اپنی کتاب میں متفرق مقامات پر لکھے ہیں۔ "کمینہ ہوم" "کھلا دھوکا خوردہ ہوتا" "سخت شہوانی گناہ" "ظالم" "توڑی ہوئی قسمیں" "بزدلی" "لٹیرا پن" اور دوسری طرف اس کے ساتھ ساتھ ہی یوں بھی فرماتے جاتے ہیں۔ کہ آپ "آخر تک بچوں سے محبت کرنے والے" تھے۔ آپ کی زندگی میں "اخلاقی سرگرمی" "کڑا اخلاص" "اعلےٰ اخلاقی تعلیم" "نرمی" "وفاداری" "جرأت" اور "تقدس" پایا جاتا تھا یقیناً نہائت ہی عجیب وغریب اوصاف کا مجموعہ ہے۔ جو خدا نے ایک ہی انسان کی طبیعت میں جمع کر دیا اور جسے تیرہ سو سال بعد پادری تھیوڈور لنٹ نے لڑکوں کی تادیب اور تربیت کے لئے دریافت کر لیا! پھر وہ لکھتا ہے۔

"اگرچہ یہ کہا جاتا ہے۔ کہ نو مرید پہلی دفعہ آپ کے سامنے سے جب واپس آتے تو نہ صرف کچھ مرعوب اور افسردہ ہو کر ہی آتے۔ بلکہ کسی قدر نفرت کا احساس بھی ساتھ لاتے" صفحہ ۴۹

مارگولیتھ نے بھی یہی سُر لگائی ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

"ہر ایک نومسلم ہونے والا جب محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے سامنے لایا جاتا تو کچھ نفرت کا اظہار کرتا۔ سوائے ابو بکر کے اسکو بعد میں آنحضرت نے خود بھی تسلیم کیا۔ مگر انھوں نے یہ نہیں بتایا۔ کہ وہ کیا چیز تھی۔ جس کو نووارد ناپسند کرتے تھے"

لیکن چند سطور آگے چل کر خود مارگولیتھ اس مضمون پر روشنی ڈالتا ہے جب وہ اس بات کا ذکر کرتا ہے۔ کہ نومسلموں سے غالباً وفاداری کی حلف (بیعت) لی جاتی تھی۔ اور بعض قبیح امور کے ترک کرنے کو کہا جاتا تھا۔ پہلے نومسلم زیادہ تر کلام الٰہی کے وعظ سے مسلمان کیے جاتے تھے۔ اور ان کو قرآن شریف کی ابتدائی نازل شدہ سورتیں سنائی جاتی تھیں۔ اور انکے

معنے سمجھائے جاتے تھے۔ ارقم کے گھر میں اُنکو نہ صرف اسلام کی تعلیم سے ہی واقف کیا جاتا تھا۔ بلکہ اس کا عملی حصہ بھی سکھایا جاتا تھا۔ اُن کو نماز سکھائی جاتی تھی۔ اور نہ صرف اُن کو ان فرائض سے آگاہ کیا جاتا تھا۔ جو دوسرے انسانوں کے متعلق یا اپنے بھائیوں کے متعلق تھے۔ بلکہ اُن سے بھی جو اللہ تعالےٰ کے حقوق کے متعلق تھے۔ بُت پرستی کو چھوڑنے کے ساتھ بُہت سے دیگر امور کو بھی ترک کرنا ضروری ہوتا تھا۔ جن کا تعلق بتوں کی پُوجا سے تھا اور بُہت سی ایسی باتیں ہوتی تھیں۔ جن کے ترک کرنے کے لیئے اُنھیں خاص طور پر ہدایت کرنی پڑتی ہوگی۔ اور جن کو وُہ خود بخود نہ چھوڑتے ہونگے۔ پس اگر ایک قوم جس نے ایک دراز عرصہ تک ایک قسم کے خیالات میں پرورش پائی ہو۔ اور انہی خیالات کی بنا پر ان کی بُہت سی رسوم اور بُہت سے افعال کا مدار ہو۔ جن کے خون کے اندر وہ باتیں رچ گئی ہوں۔ ان سے جب وہ باتیں چھڑوائی جاتی ہوں گی۔ تو ایک ظاہر بات ہے کہ پرانی باتوں کو کسی قدر مشکلات کے ساتھ ہی انسان ترک کرسکتا ہے۔ کیونکہ وہ باتیں اُنکے روزمرّہ کے افعال میں داخل ہونے کی وجہ سے اُن کی طبیعت کا جزو بن چکی تھیں۔ اور پھر اُنکے اردگرد اُن کے تمام رشتہ دار دوست ابھی وہی باتیں کرتے تھے۔ تو نہ صرف ان عادات کو ہی یکسر ترک کرنا۔ بلکہ دوسروں کے اندر رہ کر اُن سے الگ ہونا یہ کوئی چھوٹا سا کام نہ تھا۔ اور بغیر طبیعت پر جبر کیئے کس طرح وہ اِس مقصد کو حاصل کرسکتے تھے۔ اور پھر جب دوسرے لوگ ان پر ہنسی کرتے یا دوسروں کی مخالفت یا استہزا کا خیال آتا ہوگا۔ تو قدرتی بات ہے کہ یہ بوجھ بُہت گراں نظر آئے۔ پُرانے خیالات اور پُرانے عادات کو ترک کرنا جب اُنکی غلطی اور نقصان معلُوم ہوجائے۔ ساتویں صدی کے عربوں کے لیئے ایسا ہی دشوار تھا۔ جیسا آج بیسویں صدی کے مہذّب یوروپین لوگوں کے لیئے اُن کا ترک کرنا دشوار ہے۔ حالانکہ اُنکی غلطی اور نقصان کا اعتراف بھی موجود ہے۔ پس پرانی عادات کو ترک کرنا اور ان کی بجائے نئی عادات کا اختیار کرنا ابتداء میں طبیعت پر ایک جبر چاہتا ہے۔ اور طبیعت کے ان تقاضوں کے جو اس حالت میں قدرتی معلوم ہوتے ہیں۔ مخالفت میں اگر ابتداء میں کوئی گھبراہٹ ہو تو یہ کوئی تعجّب کی بات نہیں۔ تعجّب ہے تو یہ کہ اسلام کے اندر جو لوگ داخل ہوتے تھے۔ وہ

کس خوشی کے ساتھ اور کیسی شرح صدر کے ساتھ پرانی عادات کو جنھوں نے اُن کے جسموں کے ساتھ پرورش پائی تھی ترک کر دیتے تھے۔ اور صحیح روایات سے ایک بھی ایسے واقعہ کا پتہ نہیں لگتا۔ کہ کسی شخص نے ان امور کے ترک کرنے میں اظہار تنفر کیا ہو جس نے اسلام کو قبول کیا اپنی خوشی سے قبول کیا۔ اور شرح صدر سے ہر ایک قسم کی مشکلات اور خطرات کے مقابلہ کے لیئے طیار ہو گیا۔

ہاں اگر ہم بالمقابل یہ فرض کر لیں کہ سب یا زیادہ حصہ نومسلموں کا ابتدا میں اسلام کو اسی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جس نگاہ سے خود پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم دیکھتے تھے۔ تو یہ بھی ایک احمقانہ خیال ہوگا۔ ہاں جس حالت میں وہ پہلے اسلام میں آئے۔ پھر اسلام کے اندر رہ کر جو اُن کی حالت بعد میں ہو گئی۔ اس پہلی اور پچھلی حالت کی شرح صدر کا بھی کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا اسلام کی خوبیاں دن بدن اُن لوگوں کو اپنا زیادہ سے زیادہ گرویدہ بناتی چلی گئیں۔ ایک عظیم الشان صداقت پہلے جب اپنی روشنی دل پر ڈالتی ہے تو وہ ایک ناگہانی چمک ہوتی ہے وہ ایک کرن ہوتی ہے۔ جو آسمان سے آکر دل کو منوّر کرتی ہے۔ مگر صداقت کی حقیقی روشنی آہستہ آہستہ ہی دل کو منوّر کرتی ہے۔ اور آخر انسان کی رُوح پر آفتاب صداقت اپنی پوری تیزی کے ساتھ چمک اُٹھتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی جست میں ایک انسان کئی منزلوں کو طے کر جائے۔ مگر اصلی حرکت وہی ہے۔ جو ایک مقام سے دوسرے مقام پر تدریجاً انسان کو پہنچاتی ہے۔

آگے چل کر پادری لنٹ صاحب لکھتے ہیں۔

"قریش نے مدینہ پر چڑھائی کی۔ اور دس ہزار فوج کے ساتھ اس کا محاصرہ کر لیا" صفحہ ۸۴

اور اگلے ہی صفحہ پر فرماتے ہیں۔

"اب ہم اپنے ہیرو کے پیچھے چلتے ہیں۔ جبکہ باترتیب اور قواعد دان دس ہزار آدمی کی فوج کے ساتھ اُس نے مکّہ پر چڑھائی کی۔ ایسی فوج عربوں نے کبھی نہ دیکھی تھی" صفحہ ۸۵

جب قریش دس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کرتے ہیں۔ تو اس میں کوئی امر حیرت انگیز پادری صاحب کو نظر نہیں آتا۔ مگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دس ہزار

کی فوج ایک ایسا حیرتناک امر ہے کہ عربوں نے کبھی اسکا نظارہ بھی پہلے نہ دیکھا تھا نتیجہ یہ نکالنا مقصود ہے۔ کہ چونکہ اتنی عظیم الشان فوج عربوں کے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اسلئے بیچارے مرعوب ہو کر مسلمان ہو گئے۔ یہ بھی پادری صاحبان کی منطق ہے یہ ناواجب "نکتہ چینی" نہیں۔ مصنّف کتاب کے اسلام پر نکتہ چینی اکثر حالات میں اسی قسم کی ہے۔ بلکہ اکثر اوقات واقعات کو ایسے رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ جو پڑھنے والا اسلامی تاریخ سے ناواقف ہو وہ لازماً غلط نتیجہ پر پہنچے گا۔ چنانچہ صفحہ ۸۷ پر پادری صاحب لکھتے ہیں

"ایک ہی سال کے اندر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ایک ایسی فوج کو لے کر جو کسی عرب کے کبھی خواب و خیال میں بھی نہ آئی تھی۔ یعنی دس ہزار سوار اور بیس ہزار پیدل فوج کے ساتھ شمال کی طرف شام کے حدود کی طرف کوچ کیا۔ اور شمال کے عیسائی اور نیم عیسائی قوم کو مسخر کیا اور اسلام کی آگ کو حدود کے پار تک پہنچایا"

اب یہ اس کتاب میں ایک واقعہ کے متعلق مکمل بیان ہے جسکا کوئی حصہ ترک نہیں کیا گیا۔ اب اگر کسی شخص کو پہلے سے مزید علم اصل واقعات کا نہیں تو وہ پادری لنٹ کی تحریر سے صرف یہی نتیجہ نکالے گا۔ اور اسی نتیجہ پر لوگوں کو پہنچانا پادری صاحب کا منشاء ہے۔ کہ فتح مکہ کے بعد جس قدر جلدی ممکن ہوا۔ پیغمبر خدا نے ایک جرار فوج جمع کی اور بغیر کسی وجہ کے صرف فتح اور لوٹ کی غرض سے شام کی حدود تک پہنچ گئے۔ تاکہ ان قوموں کو آگ اور تلوار سے مسخر کریں۔ اب یہ نتیجہ اصل واقعات کے بالکل خلاف ہے۔ مدینہ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ رومی سلطنت کے لشکر سرحد عرب پر جمع ہو رہے ہیں۔ اس سے پہلے مسلمانوں کی رومی سلطنت کی افواج کے ساتھ موتہ کے مقام پر مٹ بھیڑ ہو چکی تھی۔ جہاں غالباً ان کو خطرناک شکست ہوتی۔ اگر خالد بن ولید کی جفاکشی جرأت اور تدبیر نے احسن طریق پر مقاومت کا پہلو اختیار نہ کیا ہوتا۔ اور اپنی فوج کو اس آزمائش سے گو فتح کے ساتھ نہیں مگر عزت اور امن کے ساتھ باہر نہ نکال لیا ہوتا۔ اس لیئے شام کی سرحد پر افواج کے جمع ہونے کی خبر کو لاپروائی سے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ اور نہ ہی کوئی دانشمند جرنیل خاموش بیٹھ سکتا تھا۔ اور آنحضرت صلعم نے یہ

فیصلہ کیا۔ کہ آپ کو اپنی افواج دشمن کے حملہ آور ہونے سے پہلے میدان جنگ میں لیجانی چاہئیں۔ تاکہ عرب حملہ سے بچا رہے اور مدینہ خطرہ میں نہ رہے۔ یہ سچ ہے کہ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تبوک پہنچے تو دشمن کی افواج مقابلہ کے لیئے نہیں آئیں۔ خواہ اس کی یہ وجہ ہو کہ پہلے ہی اُنھوں نے کسی بڑے اعلےٰ پیمانہ پر تیاری نہیں کی تھی۔ اور خواہ یہ کہ مسلمانوں کی فوج کی خبر سُن کر اُن کے حوصلے پست ہوگئے ہوں۔ اور اُنھوں نے عرب پر حملہ آور ہو کر خواہ مخواہ اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا مناسب نہ سمجھا ہو۔ اور اسلیئے افواج کو منتشر کر دیا ہو۔ وہاں کوئی بڑی جنگ نہیں ہوئی۔ حالانکہ اگر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم چاہتے تو ان کے حملہ کے لیئے ملک کھلا پڑا تھا۔ آپ چاہتے تو بغیر کسی روک کے ملک کو لوٹ سکتے۔ اور تباہ کر سکتے تھے۔ کیا پادری صاحب اس قدر بھی نہیں دیکھ سکتے۔ کہ جس صورت میں نبی کریم ایک حملہ کے مقابلہ کی پوری تیاری کے لیئے نکل چکے تھے۔ تو اگر ان کی غرض خود جنگ کرنا نہ ہوتا۔ نہ مدافعت تو کیا وجہ تھی کہ باوجودیکہ سرحد شام پر دشمن کی کوئی فوج جمع نہ تھی۔ مگر آپ نے اس کے ملک پر حملہ نہیں کیا۔ صرف جو چھوٹے چھوٹے قبیلوں کے سردار تھے۔ اور جن کے علاقے اس راستے پر تھے۔ جو عرب سے شام کو جاتا تھا ان کے ساتھ آپ نے معاہدات کیئے اور واپس آگئے۔ اس موقعہ پر دومہ اور ایلہ کے شہزادوں سے جو معاہدات کیئے گئے وہ اس قسم کے تھے۔ جیسے دوسری جگہ پر مخالف اقوام سے معاہدات کیئے گئے۔ چنانچہ اُن میں سے ایک معاہدہ کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم ایک معاہدہ صلح کا جو اللہ اور اُس کے رسول اور نبی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یوحنا روبہ کے بیٹے اور ایلہ کے لوگوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اُن کے لیئے جو اپنے گھروں میں رہیں اور اُن کے لیئے جو باہر سفر کریں۔ خواہ خشکی پر اور خواہ سمندر کے راستے۔ اور ان سب کے لیئے جو اُن کے ساتھ ہوں خواہ وہ شام کے رہنے والے ہوں یا یمن کے یا ساحل کے اللہ اور اللہ کے رسول محمد صلعم کی طرف سے ضمانت ہے۔ جو کوئی اس معاہدہ کی خلاف ورزی کریگا اُس کا مال اُسکو فائدہ نہیں دیگا بلکہ جو کوئی اس سے اسے لے لیگا وہ اسی کا حق ہوگا۔ نہ یہ جائز ہوگا۔ کہ ایلہ کے لوگوں

ان چشموں سے روکا جائے جو ان کا مرجع رہے ہیں۔ نہ ہی کسی راستے سے روکنا جائز ہوگا جس پر وہ چلنا چاہیں۔ خواہ وہ تری کا راستہ ہو یا خشکی کا۔ یہ جہیم اور شرجبیل کی تحریر ہے۔ جو رسُول اللہ کے حکم سے دی گئی"

دوسرے معاہدات میں بھی یہی فیاضی کی رُوح پائی جاتی ہے۔ اور وُہ بانئ اسلام کی وسعت قلبی اور مہربانی کی شاندار مثالیں ہیں۔ اگر آپ چاہتے تو ان لوگوں کو ایک اشارہ کے ساتھ کچل سکتے اور تباہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ ان قوموں کی آپ کے لشکر کے مقابلہ میں کچھ بھی حقیقت نہ تھی۔ مگر آپ نے نہائت آسان شرائط پر خود اُن کو اپنے صلحنامے لکھ دیئے۔ کہ آئندہ کوئی مسلمان اُن کے حقوق میں دست اندازی نہ کر سکے۔ یہ سچ ہے کہ کچھ خراج کی رقم ہر ایک کے ذمہ ڈالی گئی۔ مگر یہ تو انصاف کی بات تھی۔ اگر آپ اُن کو اپنا باجگذار نہ بناتے اور اُن کی حفاظت کے ذمہ دار نہ ہو جاتے تو وہ رومی سلطنت کے ساتھ مل جاتے۔ یہ خراج ہمیشہ ہلکا ہوتا تھا۔ مارگولیتھ اس کے خلاف کہتا ہے۔ مگر وہ اور کہہ بھی کیا سکتا ہے اس کی تردید کے لیئے یہ امر کافی ہے۔ کہ کچھ عرصہ بعد حضرت عمرؓ کو معلوم ہوُا۔ کہ جو خراج ان سے لیا جاتا ہے وُہ عام اوسط سے بہت کم ہے۔ لیکن آپ نے اُسے بڑھایا نہیں۔ اور یہ محض اس وجہ سے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے ساتھ معاہدات کر چکے ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ خراج جب لگایا گیا اُس وقت بھی ہلکا سمجھا جاتا تھا ✣

(باقی آئندہ)

اِسلامی نماز کا فلسفہ

(از قدوائی)

بہت سے لوگوں کو جو اسلامی نماز سے ناآشنا ہیں اُس کی مختلف ہیئتیں اور مختلف اوقات عجیب معلوم ہوتے ہیں۔ اور بہتوں کے نزدیک شاید یہ بے معنے ہوں۔ مگر وہ سب اپنے اندر ایک سچا فلسفہ رکھتی ہیں۔

اسلام فطرت انسانی کا مذہب ہے۔ اور اس لیئے فطرت انسانی کا صحیح نقشہ اسکے ہر ایک حکم میں نظر آتا ہے۔ کیونکہ اسلام کا خدا جو خالق فطرت ہے اس نے فطرت انسانی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیئے یہ مذہب دیا ہے۔ اور جو کچھ فطرت کے لیئے ضروری تھا وہ سب اس کے اندر مہیّا کر دیا ہے۔ اسلام کا پہلا اصول یہ ہے کہ یہ جسم اور رُوح دونو کا فکر کرتا ہے۔ اسلام کی اس دعا پر غور کرو جس میں یہ سکھایا: ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما۔ ابتدا کی بھلائی سے دُعا شروع کی اور انجام کی بھلائی پر ختم کی۔ اور اس طرح پر کسی بھلائی کو باقی نہیں چھوڑا۔ یہی دُعا ایک سچے مسلم کی زندگی کا صحیح نقشہ ہے۔ اور یہی اصول سب اسلامی دُعاؤں کے نیچے ہے۔ نماز یا دُعا کی غرض کیا ہے۔ وُہ بھی خود ہی قرآن کریم نے بتا دیا ہے واقم الصّلوٰۃ ان الصّلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر۔ نماز کو قائم کرو کیونکہ نماز ہر ایک قسم کی بیحیائی اور ہر ایک قسم کے ناپسندیدہ امر سے روکتی ہے۔ اور اللہ کا ذکر یقیناً بہت بڑا (فرض) ہے۔

اِس غرض کو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ وہی نماز کا طریقہ ہے جو خود اسلام نے سکھایا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم ٹھیک اسی طرح نماز پڑھتے تھے جس طرح آج ہم نماز پڑھتے ہیں۔ ان تیرہ سو سالوں نے ایک بال برابر فرق نہ اس طرز عبادت میں

اور نہ اس کے معنے ہیں کیا ہے - وہی جسم ہے اور وہی رُوح ہے - ساری دنیا پہ ہر روز مقررہ وقت پر سارے مُسلمان ایک ہی آواز میں ایک ہی خدا - رحمٰن - رحیم - رب العالمین کے حضور اپنی عاجزانہ التجاؤں کو پیش کرتے ہیں - طول بلد اور عرض بلد کا فرق - آب وہوا کا فرق - رنگ و قومیت کا فرق مخلوق کے ایک ہی خالق کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتا - سپید رنگ کے لوگ اور سیاہ رنگ کے لوگ افریقی ایشیائی یوروپین سارے کے سارے مسلمان اپنی مسجدوں میں ایک ہی زبان بولتے ہیں اور اپنے رب اور اپنے خالق کے حضور ایک ہی قسم کی خواہشات اور ایک ہی قسم کی التجاؤں کو لیکر جاتے ہیں۔

اسلامی نماز کا ظاہری لباس تین مختلف عنوانوں کے نیچے آتا ہے - اوّل اوقات نماز - دوئم نماز کی تیاری - سوئم نماز کی مختلف ہیئات اور حرکات - پہلے ہم اس بات پر غور کریں گے - کہ نماز کے اوقات کے تعین میں کیا حکمت ہے - ہر ایک شخص اللہ تعالےٰ کے حضور جب چاہے جس جگہ چاہے اور جس زبان میں چاہے اپنی التجا لے جا سکتا ہے - مگر اسلامی نماز میں پانچ اوقات خاص طور پر مقرر کر دیئے گئے ہیں - اوّل فجر یا سورج نکلنے سے پہلے - دوئم ظہر یا دوپہر کے بعد - سوئم عصر یا تیسرے پہر - چوتھے مغرب یا سورج ڈوبنے پر - پانچویں عشار یا سونے سے پہلے۔

دُنیا کے اکثر ممالک میں لوگ پانچ وقت جسم کی پرورش کے لیئے غذا کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور اس لیئے قریبًا تمام مہذّب اقوام نے کھانے یا ناشتہ کے پانچ اوقات مقرر کر دیئے ہیں - اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو نہ صرف زبانی وعظ کرتا ہے - بلکہ جو کچھ یہ کہتا ہے اسپر عمل کرنیکا طریق بھی بتاتا ہے یہودی اور عیسائی مذہب دونوں نے یہ مسئلہ سکھایا - کہ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا - بلکہ ہر اس لفظ سے جو خداوند کے مُونھ سے نکلتا ہے - اُنھوں نے یہ وعظ تو کیا اور خوب کیا - مگر اُنکا وعظ بے سود رہا - کیونکہ اُنھوں نے عملی طور پہ کوئی طریق نہ بتایا - کہ کس طرح لوگ خدا کی کلام سے جیا کریں اور صرف روٹی کو ہی اپنی زندگی کا سارا سامان نہ سمجھ لیں نتیجہ یہ ہے کہ جہاں ان لوگوں کو یہ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ نظام جسمانی کو قایم رکھنے کے لیئے پانچ دفعہ ہر روز کافی خوراک معدہ کے اندر پہنچائیں - رُوحانی زندگی کے لیئے ہفتہ میں صرف ایک بار ان کو گرجاؤں یا معبدوں میں جانیکی ضرورت محسوس ہوتی ہے لیکن اسلام نے نماز کے لیئے ہر روز خاص اوقات مقرر کر دیئے ہیں تاکہ لوگ اس بات کو سیکھیں کہ جسطرح جسم کا فکر ضروری ہے اسی طرح رُوح کا فکر ضروری ہے - اور اگر جسم اس بات کا محتاج ہے کہ ہر روز

۴ - ایک ہی جیسے الفاظ میں - ایک ہی جیسی ہیئت میں - ایک ہی قسم کے حرکات کے ساتھ خلوص دل سے

مقرّرہ اوقات پر اُسکی خبرگیری کا انتظام کیا جائے تو رُوح بھی محتاج ہے۔ پس ہر مسلمان عملاً دن میں پانچ مرتبہ خدا کی کلام سے زندگانی حاصل کرتا ہے۔ جسم کی فکر تو انسان نے خود اپنے لیئے کی۔ مگر اُسکی رُوح کا فکر اس کے خالق نے کیا۔ اور اسے بتایا کہ جس طرح جسم کی قیام کے لیئے پانچ مرتبہ خوراک کا پہنچانا ضروری ہے۔ رُوح کی پرورش کے لیئے بھی پانچ مرتبہ اس غذا کا پہنچانا ضروری ہے جو خدا کی کلام سے ملتی ہے۔ مگر ان اوقات میں اور اس قاعدہ مقرّر کردہ میں بھی ایک حکمت ہے۔ اور جیسا کہ اسلام کے کل قوانین فطرت انسانی کے تقاضا کو پُورا کرنے والے ہیں۔ ایسا ہی نماز کے اوقات بھی فطرت انسانی کے تقاضا کے مُطابق ہیں۔

ہم میں سے جن لوگوں کو شہروں سے باہر زندگی کا کوئی حصّہ بسر کرنے کا موقعہ ملا ہی اور جنھوں نے کبھی قدرت کے نظارہ کو دیکھا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ صبح کی روشنی کے ساتھ پرندگانا شرُوع کرتے ہیں۔ حیوانات میں ایک حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور درخت اور پھول بھی زندگی اور انبساط کا نظارہ دکھلانے لگتے ہیں اور اُن کی بند کونپلیں کھلنے لگتی ہیں۔ اس سے صاف معلُوم ہوتا ہے۔ کہ ساری قدرت اسوقت ایک خاص حالت میں ہوتی ہے۔ رات کے پُورے آرام کے بعد قدرتی طور پر ہر چیز نئے دن کے کام اور نئے دن کے فرائض کے لیئے طیّار ہوتی ہے۔ اور زبان حال سے ساری مخلوقات اپنے خالق کے اس انعام کے شکریہ میں جو رات کے آرام کی صورت میں اسے عطا کیا گیا ہے اسکی حمد کے گیت گاتی ہے۔ اور دوسری طرف اس شکرگذاری کی حالت کے ساتھ ایک عاجزانہ التجا کی حالت بھی کل مخلُوقات کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ نئے دن کے کام اور طاقت کے لیئے وہ اپنے مولا کے آگے ہاتھ پھیلاتی ہے۔ کہ تیری ہی طاقت سے ہم اس قابل ہو سکتے ہیں کہ نئے دن کے کام کو انجام تک پہنچائیں۔ پس جب ساری مخلوق کے اندر اسوقت شکرگذاری حمد انبساط۔ التجا استعانت کی حالت پیدا ہوتی ہے تو انسان کے اندر جو اس ساری مخلوقات کا خلاصہ اور ساری کائنات میں اعلےٰ سے اعلےٰ جوہر ہے کیوں یہ حالت پیدا نہ ہونی چاہیئے کیوں وُہ بھی اپنے خواب اور آرام کے بستر سے نہ اُٹھے اور اپنے آپ کو صاف کر کے اپنے مولا کے حضُور حاضر ہو۔ تاکہ اس نیند اور آرام کا شکریہ ادا کرے جو اس کو رات کو اس کے مالک نے عطا فرمایا ہے۔ کیوں وُہ نہ اُٹھے اور اپنے مولا سے اس کام کے سرانجام دینے میں جو پھر اُسکے سامنے آگیا ہے مدد مانگے فطرت انسانی کے اسی تقاضا کو پُورا کرنے کے لیئے اسلام نے فجر کی نماز رکھی ہے۔

علاوہ اس رُوحانی تڑپ کے جو فطرتاً صُبح کے وقت طبیعت کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ

سویرے اُٹھنا صحت کے لیئے بھی مفید ہے۔ جب سورج نکلنے سے پہلے ہمارے لیئے نماز کا وقت مقرر ہے۔ اور مؤذن کی آواز الصّلوٰۃ خیر من النوم نیند سے نماز اچھی ہے۔ ہمارے کان میں پڑتی ہے۔ تو ہم زیادہ دیر تک سوتے رہنے کی مرض سے بچ جاتے ہیں۔ اور پھر سارا دن کام کے لیئے بھی ہمیں ملجاتا ہے۔ ہماری نماز ہمارے جسم کے لیئے بھی مفید ہوتی ہے۔ اور اسطرح پر رُوحانی فایدہ کے ساتھ جسمانی فایدہ بھی میسّر آتا ہے۔ یہ فجر کی نماز کے فوایدہیں۔ اور یہ حکمت ہے کہ کیوں یہ وقت نماز کے لیئے مقرّر کیا گیا ہے۔ اسمیں ہماری رُوح کو ہی عین ضرورت کے وقت غذا نہیں ملتی بلکہ جسم کو اور جسمانی صحت کو بھی فایدہ پہنچتا ہے۔

اسکے بعد ظہر کی نماز آتی ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ آدھا دن کام کر چکنے کے بعد جس میں ہمنے اپنا پورا زور لگایا ہے۔ ہمارے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کچھ آرام اور کچھ غذا ملجائے۔ رات کے آرام نے ہمارے جسم میں کچھ زاید قوت پیدا کردی تھی جس کی وجہ سے ہم ان میں اپنے قوٰے کو کام پر لگا سکتے ہیں اور اسطرح پر اپنا نصف کام بغیر تکان کے کر سکتے ہیں لیکن جب دوپہر ہوتی ہے تو پھر ہمیں کچھ غذا کی حاجت معلوم ہوتی ہے۔ اور کسی قدر آرام کے لیئے بھی طبعی تقاضا پیدا ہوتا ہے۔ یہی حالت ہماری رُوحانی ضروریات کی ہے ہم اسبات کو محسُوس کرتے ہیں کہ پھر اپنے مولا کے حضور حاضر ہو کر اسکا شکریہ ادا کریں کہ اُس نے ہمیں اس قدر کام کرنیکی توفیق اور طاقت دی۔ نصف دن کا کام ختم ہونے پر فطرت انسانی ایک گونہ اطمینان محسُوس کرتی ہے۔ اور اپنے مالک کا شکریہ ادا کرنے کی امنگ دل میں پیدا ہوتی ہے۔ پس ایک مسلمان پھر کام کو چھوڑتا وضو کرتا اور اپنے مولا کے حضور حاضر ہو کر اُسکی حمد کرتا اور پھر نئے سرے کام پر لگنے کے لیئے اسکی مدد چاہتا ہے۔

اسکے بعد جسمانی نظام خوراک میں تیسرے پہر کی چائے کا وقت آتا ہے۔ انسان کچھ تازہ غذا کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ جو مسلمان نہیں وہ صرف اپنے جسم کی غذا کی حاجت کو محسُوس کرتا ہے مگر مسلمان پر دوا در رحمتیں اور برکتیں ہوں اس نبی کریم صلّے اللہ علیہ وسلّم پر کسطرح اسنے فطرت انسانی کے تمام تقاضوں کو سمجھا اور کیسے موزون اوقات خداوند کے کلام سے رُوحانی زندگی کے حاصل کرنیکے لیئے مقرّر کیئے۔ عصر کی مختصر نماز سے ہمارے قلب پر وہی تازگی کی رُوحانی کیفیت وارد ہوتی ہے۔ جیسے جسم پر ایک چاء کے پیالہ سے۔

اسکے بعد سورج غرُوب ہوتا ہے جسے مغرب کا وقت کہا جاتا ہے۔ نظارہ قدرت میں۔ یہ بھی ایک عجیب انقلاب کا وقت ہے۔ چرند پرند بلکہ خود درخت تک۔ گویا اسوقت دن کی محنت کو ختم کرنیکے لیئے تیار ہو جاتے ہیں لیکن قبل اسکے کہ وہ اپنے کام کو چھوڑیں۔ انہیں پھر ایک جوش پیدا ہوتا ہے کہ اپنے مالک خالق کے حضور

ایک اور دن اپنی نعمتوں سے متمتع کرنیکے لیئے شکر یہ ادا کریں۔ پس ساری مخلوقات کے اندر پھر ایک دُعا اور ایک التجا کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ تو کیا انسان ہی ایسا ناشکر گذار ہو۔ کہ ساری مخلوقات پر ایک گونہ حاکم ہونیکے باوجود وہ اس شکریہ میں شامل نہ ہو جسکی ضرورت باقی مخلوقات محسوس کرتی ہے۔ حالانکہ اسپر بہت زیادہ حق ہے۔ کیونکہ سب کچھ اُسکے لیئے مسخر کیا گیا ہے۔ کسقدر چیزیں آج کی زندگی میں اُسکی صحت اور اُسکی راحت کو بڑھانیوالی ہوئی ہیں کسقدر چیزوں نے اسے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیئے معاش کے حاصل کرنے میں مدد دی ہے۔ تو کیا اسقدر نعمتوں کے باوجود کہ اور کوئی مخلوق اس قدر نعمائے الٰہی سے متمتع نہیں ہوتی۔ فطرت انسانی کا تقاضا نہیں کہ وہ اپنے مالک حقیقی کے حضور سجدہ میں گر جائے اور تھوڑی دیر کے لیئے آستانۂ ربوبیت پر سر رکھ کر اُسکا شکر گذار ہو کیونکہ یہ سب سامان سب نعمتیں محض خدا کے فضل نے ہی اسے دی ہیں۔ ورنہ وہ خود کیا حقیقت رکھتا ہے کسقدر کمزور اور عاجز ہے جس کی اپنی زندگی بھی اُسکے اختیار میں نہیں ہے۔ بلکہ صرف تھوڑی سی ہوا کے اندر جانے اور باہر آنے پر ہی سارا دار و مدار ہے۔ ہاں وہ خود اس سب مخلوقات میں ایک ذرہ بھر قدر سے بڑھ کر وقعت نہیں رکھتا۔ کیا وہ شکر گذار نہو کہ کس طرح ساری مخلوقات سے فائدہ اُٹھانیکے سامان اسکے ہاتھ میں دیئے گئے ہیں۔

پھر اس کے اوپر ایک اور وقت آتا ہے۔ انکا کام بھی ختم ہو چکا۔ رات کے آرام کے لیئے وہ از سر نو تازہ غذا سے خوب تر و تازہ ہو چکا ہے۔ اور کام کے بعد آرام بھی کر چکا ہے۔ اور اب اسبات کی تیاری میں ہے کہ بستر پر لیٹے اور راحت بخش نیند سے اپنے دن کے سارے تکان کو دُور کرے۔ لیکن کیا جب وہ اس چھوٹی موت کی تیاری کرتا ہے تو کیا یہ اس پر حق نہیں کہ اپنے دن کے کام اور دن کی خوشیوں کا ان اچھے اور بُرے کاموں کا جو اُسنے دن بھر میں کیئے ہیں ایک دفعہ محاسبہ کرے اور دیکھے کہ اس دن کی زندگی میں کونسا مفید کام اُسنے کیا۔ بیشک ایسے وقت میں ایک زبردست تحریک فطرت انسانی کے اندر پیدا ہوتی ہے کہ خدا کے حضور بھی حاضر ہو اور اُسکی مناجات کرے اور سونے سے پہلے۔ ہاں اس نیند کی حالت میں جانے سے پہلے جو موت سے اس قدر مشابہت رکھتی ہے۔ ایک صحیح فطرت انسانی کے اندر یہ ضرور خواہش پیدا ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ بستر خواب پر جانے سے پہلے دعا کا رواج اور قوموں میں بھی پایا جاتا ہے لیکن ایک مسلمان جسکے جذبات میں فطرت کا صحیح نقشہ موجود ہے۔ وہ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اُسکے حضور اپنی التجا پیش کرنیسے کسطرح غافل ہو سکتا ہے۔ یہی عشاء کی نماز ہے جسکے بعد قلب کے اندر ایک ایسا سکون پیدا ہوتا ہے کہ انسان کے خواب کو بہت بڑھ کر راحت بخش بنا دیتا ہے ✤

(باقی آئندہ)

ایک ضروری التماس

جو کچھ کام تبلیغ اسلام کا اس رسالہ کے ذریعہ سے ہو رہا ہے۔ وہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کیلیئے ہم اس ذات پاک کے شکرگذار ہیں اور ہماری شکرگذاری یہی ہے کہ ہم اپنی کوششوں کو پہلے سے بھی بڑھائیں۔ خدا کا یہ حکم تھا۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ایک گروہ تم میں ہمیشہ ایسا موجود رہے کہ وہ اس خیر عظیم کی طرف جو اسلام کی صورت میں دنیا میں ظاہر ہوئی ہے۔ لوگوں کو بلاتے رہیں۔ مگر کیا مسلمان سلطنتیں اور کیا مسلمان امراء اور کیا متوسط درجے کے لوگ۔ کیا علماء اور کیا سجادہ نشین اس زمانہ میں اس فرض کی طرف سے غافل ہیں اور بہت سے تو ایسے ہیں کہ بجائے اس کے کہ کسی دوسرے کی تبلیغ کے کام میں معاون ہوں وہ کیں پیدا کرنیکے درپئے ہو جاتے ہیں۔ خیر یہ تو خدا کا کام ہے ہو کر رہے گا۔ یہ وعدہ تیرہ سو سال پیشتر کا ہے کہ میں اس دین کو کل دینوں پہ غالب کروں گا۔ ہاں جس قدر اس وعدہ الٰہی کو حاصل کرنے کے لیئے زیادہ زور لگایا گیا۔ اس قدر اسکے ایفاء کا بھی نمایاں ظہور ہوتا رہا اس زمانہ میں چونکہ اسطرف سے بالکل لاپروائی ہو رہی ہے۔ اس لیئے ہم ان احباب کی خدمت میں جو رسالہ ہذا کے خریدار ہیں جنکو یہ علم ہے کہ یہ رسالہ کیا کام کر رہا ہے جسپر ایک سرسری نظر ہم پچھلے نمبر میں کر بھی چکے ہیں۔ یہ عرض کرتے ہیں کہ وہ اپنے بھائیوں کو اس فرض کیطرف متوجہ کرنیکی کوشش کریں۔ اس عظیم الشان کام کے مقابل جو ابھی ہم نے کرنا ہے۔ یہ ہماری کوشش ایسی ہے جیسے سمندر کے سامنے ایک قطرۂ آب۔ اور گو ہم بہت سے احباب کے مشکور ہیں۔ کہ انھوں نے رسالہ ہذا کے ناظرین کا دائرہ وسیع کرنیکی کوشش کی ہے تاہم پھر انکی خدمت میں بھی یہ عرض کرتے ہیں کہ معمولی عیسائی مشنری رسالوں کی اشاعت ہزاروں سے نکلکر لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اسلام کا یہ ایک ہی تبلیغی رسالہ ہے اور کروڑہا مسلمانوں کی طرف سے دین اسلام کی دعوت کا ایک ہی ذریعہ جس نے توحید کا پیغام تثلیث کے مرکز میں پہنچایا ہے۔ مگر اسکی طرف بھی مسلمانوں کی توجہ نہیں الا ماشاء اللہ اسلیئے ہمارے ناظرین جو اس دعوت میں ہمارے شریک ہو چکے ہیں وہ دوسروں کو بھی اسمیں شریک کرنیکی کوشش کریں۔

اسلام کی اشاعت کے لیئے ہمارے بزرگوں نے کیا کیا کوششیں کیں۔ ان کے بالمقابل ہماری کوشش کیا ہے۔ تھوڑے سے مال سے ہم اس ثواب میں شریک ہو سکتے ہیں۔ جو گھروں اور مالوں اور جائیدادوں کو چھوڑ کر اور جانوں کو خدا کی راہ میں دے کر پہلوں نے پایا۔ اس چھوٹی سی قربانی کے لیئے بھی جو درحقیقت قربانی کے نام کے مستحق بھی نہیں۔ جو شخص تیار نہیں ہوتا وہ اسلام کی اس خدمت سے پہلوتہی کر کے اسلام کا کچھ نہیں بگاڑتا۔ بلکہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔

پس ہم مکرر اپنے ناظرین کیخدمت میں التماس کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنی اپنی جگہ اپنے آپ کو اس کار خیر میں شریک اور معاون سمجھیں۔ سال حال کے لیئے اگلے ماہ کا پرچہ وی پی ہو گا۔ اسے وصول کر کے دفتر کو مشکور کیا موقعہ دیں۔ مگر صرف اسی قدر سے وہ اس اعانت کے فرض سے سبکدوش نہیں ہو جاتے بلکہ اصل بات یہی ہے۔ کہ اس کثیر حصہ کو جو اب تک اس طرف سے بالکل غافل پڑا ہے۔ جگانا اور اس کام میں شریک کرنا ضروری ہے۔ اسوقت اگر ہمکو یہ خوشی ہے کہ ایک سال میں پچاس اشخاص یورپ میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں تو یقین جاننا چاہیئے کہ اس سے دس گنی کوشش ہزار ہا انسانوں کو اس سلسلۂ اخوت میں لا سکتی ہے۔ انگلستان کی ایک بستی میں ہمارا کام ہے۔ صرف ایک رسالہ ہمارا انگریزی زبان میں ہے۔ وہ بھی ایک ڈیڑھ ہزار کی مفت اشاعت تک محدود۔ اسی کی مفت اشاعت اگر دس ہزار تک پہنچ جائے۔ اور اس کے ساتھ ہی دوسرا اسلامی لٹریچر بھی ہم مفت نہیں تو ارزاں قیمت پر دے سکیں۔ اور کام کا دائرہ کچھ وسیع ہو کر چند اور مقامات میں جو ہمارے ذہن میں ہیں کام کی توسیع ہو جائے تو ایک ایک نومسلم کی جگہ دس کی خوشخبری ہمارے کانوں تک پہنچے اور ادھر سے کوشش پر پورا زور دے کر ہم الذین جاھدوا فینا کے مصداق اپنے آپ کو بناویں اور نصرت کے جاذب بنیں تو ادھر سے رایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا کا نظارہ بھی دیکھنے کے مستحق ہو جائیں گے مگر یہ ایک انسان کی نہیں قوم کی کوششوں پر منحصر ہے۔ ایک وقت تھا کہ یہ کام ابتدائی حالت میں تھا اور یہ وہم گذر سکتا تھا۔ کہ خدا جانے ہم اعانت کریں تو وہ صحیح موقعہ پر بھی ہے یا نہیں۔ مگر اب اس بیج کو خدا نے مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے بار آور کر کے۔ اور ایک کمزور کوشش کو اپنی نصرتوں سے مالا مال کر کے کم از کم مسلمانوں پر حجت پوری کر دی ہے۔ اب جو شخص اس مشن کی نصرت سے ہاتھ پیچھے ہٹاتا ہے اور بخل سے کام لیتا ہے۔ وہ خدا کے نزدیک بھی جوابدہ ہے۔ وما علینا الا البلاغ +

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ

حضرت مولنا مولوی محمد علی صاحب ایم-اے-ایل ایل بی کے وجود باجود سے علمی و مذہبی دُنیا بخوبی واقف ہے۔ آپ نے حال ہی میں قرآن کریم کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ جو لنڈن میں زیر طبع ہے۔ اُردو خوان پبلک اور بالخصوص مسلمان احباب کو مبارک ہو۔ کہ آپ نے قرآن کریم کے تفسیری نوٹوں کو اُردو میں بھی شایع کرنا شروع کر دیا ہے۔ جس کے دو حصہ شایع ہو چکے ہیں۔ پہلے حصہ میں صرف پارہ اوّل کے نوٹ ہیں۔ اور دُوسرے میں جو نکات القرآن کے نام سے شایع ہوا ہے۔ سورہ بقرہ ختم کر دیگئی ہے۔ حصہ اوّل کے متعلق ہندوستان کے ممتاز ترین اخبارات زمیندار اور وطن کی رائیں حسب ذیل ہیں:

(**زمیندار** ۱۵-اپریل ۱۹۱۵ء) "جناب مولوی محمد علی صاحب ایم-اے اُن عزیز الوجود بزرگوں میں سے ہیں جن کی عالمانہ زندگی کا کوئی لمحہ خدمتِ اسلام سے خالی نہیں رہتا۔ وہ روزانہ قرآن کریم کا درس دیتے ہیں۔ اور ہر آیت کی تفسیر میں حقایق و معارف کے دریا بہا دیتے ہیں۔ حال میں اس درس مقدس کے بعض اہم اقتباسات اُنھوں نے خود ہی قلمبند کر کے شایع فرمائے ہیں۔ جن میں اکثر آیات جزو اوّل اور کسی قدر آیات جزو ثانی کی تفسیر ہے۔ اور اس خوبی کی تفسیر ہے۔ کہ شاید اُردو زبان کا خزانہ ایسے تابناک جواہر ریزے بڑی مشکلوں سے بھی نہ نکال سکے"

(**وطن** ۱۳-اپریل ۱۹۱۵ء) "مولوی صاحب موصُوف نے قرآن شریف کے پہلے پارہ کے تفسیری نوٹ لکھ کر شایع کیے ہیں۔ ہمارے پاس بھی ایک کاپی بغرض ریویو اُنھوں نے بھیجی ہے ... کاغذ لکھائی چھپائی سب موزُون اور قابل تعریف ہے۔ اس وقت تک کثرت مشاغل کے سبب بالاستیعاب اس کتاب کو پڑھنے کا موقع نہیں ملسکا۔ لیکن جستہ جستہ مختلف مقامات کو ہمنے دیکھا ہے اور اس بات کا یقین ہو گیا ہے۔ کہ یہ نہایت مفید کتاب ہے ... اس کی قدر مُسلمانوں کو ضرور کرنی چاہیئے جیسی کہ مولوی صاحب کے علم و فضل سے توقع تھی اُنھوں نے زمانہ حال کی ضروریات اور غیر مذاہب والوں کے اعتراضات کو جو وہ قرآن شریف پر کیا کرتے ہیں پیش نظر رکھ کر یہ نوٹ لکھے ہیں ... ہماری خواہش ہے کہ مولوی صاحب موصُوف اسیطرح پورے قرآن شریف کے تفسیری نوٹ شایع کر سکیں ... ہم اپنی طرف سے اس کتاب کی پچاس ۵۰ جلدیں خرید کر مساجد کے اُن اماموں کو جو کم استطاعت ہیں۔ فایدہ عام کے لیئے مُفت تقسیم کرنا چاہتے ہیں"

اجرتِ اشتہارات

رسالہ اشاعت اسلام کا دائرہ اشاعت ایک سال کے قلیل عرصہ کے اندر بفضل اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دو ہزار سے متجاوز کر گیا ہے۔ ہمیں امید واثق ہے۔ کہ بڑی عجلت سے اس کا دائرہ اشاعت دس ہزار ہو جاویگا۔ مشتہرین کے لیئے اپنے اشتہار درج کرانیکا اس سے بڑھکر نادر موقع اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

(مینیجر رسالہ)
اشاعت اسلام لاہور

نرخنامہ

انداز صفحہ	ایک بار	سہ ماہی	ششماہی	سالانہ
چوتھائی صفحہ	عمر	۶	للعہ	۱۲
نصف صفحہ	عما	صہ	لعہ	۵
پورا صفحہ	للعہ	۵	۱۸	۳۰

نوٹ:- باقی امورات خط و کتابت سے طے ہو سکتے ہیں +

ست سلاجیت

مقوی اعصاب ہے۔ معدہ و دیگر اعضا رئیسہ کو تقویت دیتا ہے۔ بدن میں چستی پیدا کرتا ہے۔ انگریزی قیمتی ادویات کے مقابل یہ کم قیمت مفرد دوائی دماغی کام کرنیوالوں کے لیئے بہت مفید ثابت ہوئی ہے۔ کام کے بعد تھکاوٹ بالکل محسوس نہیں ہوتی۔ اگر اسے اکسیر البدن کہا جاوے تو مبالغہ نہیں تبت و گلگت کے پہاڑوں سے سلاجیت منگوا کر ست تیار کیا جاتا ہے۔ درد کمر۔ زکام۔ ریزش۔ کھانسی کو رفع کرتا ہے۔ چوٹ کے درد کے لیئے تو حکمی علاج ہے۔ ہر موسم میں مرد۔ زن۔ ضعیف۔ بچہ بغیر کسی پرہیز کے استعمال کر سکتے ہیں۔ قیمت فی تولہ جو قریباً دو تین ماہ کے لیئے کافی ہے۔ (عہ) نوٹ:- قیمت واپس اگر خالص نہ ہو +

مینیجر کارخانہ ست سلاجیت۔ احمدیہ بلڈنگس۔ نولکھا۔ لاہور

خضاب سیاہ

زیادہ لپ ترانی کی ضرورت نہیں

یہ خضاب سلاطین حکمت کی نہایت پرانی چند قلمی مجرب نسخہ جات کی کتاب میں سے تجربہ کر کے ناظرین کو پیش کیا ہے۔ جو ایک منٹ میں سفید بالوں کو سیاہ مضبوط ملائم اور چمکدار بناتا ہے۔ ہاتھ دھونے اور برش کی ضرورت نہیں۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ (عہ) جو آٹھ یا نو ماہ تک کافی ہے۔ علاوہ محصولڈاک + عدم گنجائش کیوجہ سے بیشمار سارٹیفکیٹ درج نہیں کر سکا۔ المشتہر

سید فضل شاہ۔ اکبری دروازہ محلہ چھبیل بی بیاں۔ لاہور

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس کے برمن کی تیار کردہ
کافوری جنتری
سنہ ۱۹۱۶ء
سنہ ۱۹۱۶ء کی کافوری جنتری نہایت خوبصورت اعلےٰ درجہ کے چکنے کاغذ پر چھپی ہے اور بلا قیمت محصول ڈاک قدر دانوں کے پاس بھیجی جاتی ہے۔ اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو ایک کارڈ پر دس متفرق جگہ کے شریف لکھے پڑھے اشخاص کے نام اور پورا پتہ لکھ کر بھیج دیجئے جنتری بواپسی ڈاک آپ کی خدمت میں روانہ کر دی جائیگی
تندرستی کی گفتگو
اپنی اپنی صحت کو درست رکھنے کیلئے امیر سے غریب تک فکر میں رہتے ہیں اور اپنی من مانی جسکو جیسی سوجھتی ہے ویسا ہی کرتے ہیں۔ دولتمند گھی۔ دودھ۔ میوہ وغیرہ وغیرہ کھاتے ہیں۔ اور قیمتی دوا کی تلاش کرتے ہیں غریب کم خرچ جڑی۔ بوٹی اور چھلکے کھوجتے رہتے ہیں۔ اس جاڑے کے موسم میں ایسے مقویات کا کھانا بھی نہایت مفید ہوتا ہے۔ کیونکہ اس موسم میں ہر چیز مریض کے موافق ہوتی ہے۔ اس فکر اور دقت کو دور کرنیکی نہایت ہی آسان ترکیب ہے جس میں تو زیادہ پریشانی ہوتی ہے اور نہ اسقدر لیاقت سے باہر خرچ ہے وہ ڈاکٹر ایس کے برمن کی مقوی باہ کی گولیاں ہیں۔ آپ بھی آزمائش کرکے دیکھئے۔ یہ بھوک کو بڑھاتی ہیں اور خون کو پیدا کرتی ہیں۔ جوانی میں بے اعتدالیوں کیوجہ سے جو خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جوانی میں بڑھاپے کی سی حالت ہو جاتی ہے۔ یہ سب شکایتیں دور کرکے نیا خون اور نیا جوش پیدا کرتی ہیں *
لال شربت لال شربت لال شربت
اگر
آپ اپنے لڑکے اور لڑکیوں کو تندرست رکھنا چاہتے ہیں تو لال شربت پلاویں کلیجہ کی کمزوری و کھانسی و لاغری کو دور کرنا چاہتے ہیں تو لال شربت پلاویں پیدائش کے وقت سے ہوشیار ہونے تک دوا یکساں فائدہ کرتی ہے۔ پینے میں شیریں اور رنگ سرخ ہونیکی وجہ بچے خواہش سے پیتے ہیں۔ آپ بھی اپنے بچے کو استعمال کراکے آزمائش کر لیجئے قیمت ۱۲ فی شیشی۔ محصول ڈاک ۴ *
ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶۔ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

مروارید ثلاثہ

یہ ہر سہ کتب مُصنفہ خواجہ کمال الدّین صاحب مسلم مشنری ہیں۔ جو تین خاص مضمون پر نایاب اور بے مثل کتابیں ہیں۔ جو بتفصیل ذیل درج ہیں:۔

(۱) براہین نیّرہ حصہ اوّل (معرُوف بہ زنّدہ وکامل الہام) قیمت۔ (۱۰/)

اس میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ قرآن ایک خاتم اور ناطق الہامی کتاب ہے جسمیں تہذیب و تمدّن کے کامل قوانین موجُود ہیں۔ اس ضمن میں مصنّف نے ایک حکیمانہ بحث میں موجودہ تہذیب پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ کل مذاہب دیگر کے عقائید اور اصُولوں پر نہائیت منطقی بحث کیگئی ہے۔

(۲) امُ الالسنہ (معرُوف بہ زنّدہ وکامل الہامی زبان)۔ قیمت بارہ آنے (۱۲/)

یہ کتاب بالکل جدید تصنیف ہے۔ اور جدید مضمُون پر لکھی گئی ہے۔ اپنی نوع کی یہ پہلی کتاب اردو انگریزی لٹریچر میں لکھی گئی ہے۔ اس میں یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ عربی الہامی زبان ہے۔ اور کل دُنیا کی زبانیں اس زبان سے نکلی ہیں۔ اور ابتدا میں سب ملکوں کے آبا و اجداد عربی الاصل تھے۔ یہ کتاب دیکھنے سے تعلّق رکھتی ہے ؛

(۳) اسوۂ حسنہ۔ (معروف بہ زنّدہ وکامل نبی)۔ قیمت صرف چار آنے (۴/)

اس میں آنحضرت صلعم کا کامل نمونہ بحیثیّت انسان کامل پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب قبولیّت عامہ حاصل کر چکی ہے۔ اس کو پڑھ کر ماننے کے سوا، چارہ نہیں رہتا۔ کہ محمد صلعم خاتم النبیّین ہیں۔ اور اگر کوئی کامل نبی ہو سکتا ہے۔ تو آپ کی ذات پاک ہی ہے ÷

نوٹ:۔ محصُول ڈاک وغیرہ بذمّہ خریدار ہوگا ÷

پتہ

مینجر اشاعت اسلام۔ عزیز منزل۔ احمدیہ بلڈنگس نولکھا۔ لاہور

مکمل جلد ۳ - سنہ ۱۹۱۵ء رسالہ اسلامک ریویو مسلم انڈیا - انگریزی مجریہ لندن - قیمت صرف پانچ روپیہ (صہ) رعایتی

تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری

(۱) براہین نیرہ حصہ اوّل المعروف بہ قرآن ایک خاتم اور عالمگیر الہام - اردو - قیمت (۱۰/)

(۲) ام الالسنہ یعنی عربی مبیّن کل زبانوں کی ماں ہے - اُردو - قیمت بارہ آنے (۱۲/)

(۳) اسوہ حسنہ - الموسوم بہ "زندہ اور کامل نبی" اردو - قیمت صرف چار آنے ..... (۴/)

احادیث نبوی کا اقتباس انگریزی قیمت (۲/)

مسلم پریئر انگریزی قیمت چار آنے ... (۴/)

صحیفہ آصفیہ تبلیغ بنام حضور نظام حیدر آباد دکن - اُردو - قیمت دو آنے ...... (۲/)

بنگال کی دلجوئی انگریزی و اُردو فی کتاب قیمت (۱/)

مسلم مشنری کے ولایتی لیکچروں کا سلسلہ اردو قیمت (۱/) اور ۳ عدد انگریزی قیمت (۲/)

مسلم اٹی چیوڈ ٹورڈ گورنمنٹ انگریزی - کرشن اوتار اردو - فی کتاب قیمت ایک آنہ - (۱/)

اسلامک ریویو مسلم انڈیا کی جلدیں ۱۹۱۳-۱۹۱۴ انگریزی قیمت جلد ۱۹۱۳ء (ﻟﻌﮧ) جلد ۱۹۱۴ء (ﻟﻌﮧ)

رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ اسلامک ریویو کی سابق پرچے جولائی ۱۹۱۴ء لغایت دسمبر ۱۹۱۴ء ... (ﻌﮧ)

دیگر مختلف تصنیفات

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ پارہ اوّل مترجمہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم - اے - اردو (۶/)

نکات القرآن حصہ دوم ... " ... " (۶/)

عصمت انبیاء " ... " ... " ... " (۸/)

غلامی " ... " ... " ... " (۲/)

ولیسٹرن اویکینگ ٹو اسلام مصنفہ جناب لارڈ ہیڈلے صاحب بالقابہ انگریزی قیمت (۲/)

التوحید جس میں لا الٰہ الا اللہ کی مختصر تفسیر مصنفہ جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب ایل - ایم - ایس (۱/)

طریق فلاح جس میں بت پرستی کی بنیاد اور اس سے بچنے کی آسان راہ " (۱/)

Miracle of Mohd

مصنفہ منیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر - انگریزی (۲/)

اسلام اینڈ سوشیلزم " " (۴/)

پیغام صلح انگریزی و اُردو فی رسالہ قیمت (۱/)

النبوۃ فی الاسلام - نبوت کی اصل غرض و غایت مصنفہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم - اے - قیمت ایکروپیہ (ﻌﮧ)

حدوث مادہ " " " " ...... (۲/)

جلد اوّل ۱۹۱۵ء رسالہ اشاعت اسلام قیمت تین روپے (ﻌﮯ)

مینیجر اشاعت اسلام - عزیز منزل - احمدیہ بلڈنگس - نولکھا - لاہور

نوٹ - امید ہے کہ ناظرین کرام ان کتب کو اپنے حلقہ اثر میں اور غیر مسلم احباب میں خصوصاً تقسیم فرما کر ثواب دارین حاصل کریں

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی) و مولوی صدر الدین (بی۔ اے۔ بی۔ ٹی)

نمبر (۲)	بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۱۶ء	جلد (۲)

فہرست مضامین

ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ دسمبر ۱۹۱۵ء

قیمت سالانہ تین روپے (۳)

LIEUT. BARRY GIFFORD

who is now at Lower Barracks, Chatham, was at the front a few months back and was very dangerously gassed. We are glad that he has recovered completely. He declared Islam lately, and was named MUHAMMAD ASADULLAH (lion of God), which fits his career.

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اشاعت اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو و مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۲) — بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۱۶ء — نمبر (۲)

شذرات

ماہ دسمبر کے نومسلموں کی فہرست ذیل ہمارے ووکنگ کے دفتر سے موصول ہوئی ہے:-

۱- مس اسٹڈ ...... اسلامی نام سعیدہ - مع ایک فرزند کے +

۲- مسز فریڈرک ..... " صدیقہ } مع ایک لڑکی اور دو لڑکوں کے +

۳- مسٹر فریڈرک ...... " فرید }

۴- مس سمتھ .... " عائشہ

۵- مس راڈبین ..... " صافیہ

گویا کل نو کا اضافہ ہوا - فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک +

ان نومسلمین میں سے ایک خاتون بالخصوص قابل ذکر ہیں جن کا نام سب سے آخر پر ہے - وہ ووکنگ کے ایک امیر خاندان کی لڑکی ہیں - اور اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی

ان کی تعلیم و تربیت نہایت اعلےٰ درجہ کی ہے۔ مس راڈ بین کے والدین بھی اسلام کو بہت محبّت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور خدا چاہے تو بیٹی کا اسلام لانا اُن کے لیئے بھی موجب ہدایت ہو۔ اس نوجوان خاتون نے اسلام کا ذکر کرتے ہوئے مولوی صدرالدّین صاحب امام مسجد ووکنگ لکھتے ہیں۔

"یہاں پر شکریہ کے طور پر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ میں مکرمی ملک فیروز خان و مکرمی ملک سُلطان خان صاحبان کا ذکر کروں جو گذشتہ موسم سرما میں تعطیلات کے موقعہ پر چند ماہ کے لیئے اس خاندان میں آکر ٹھیرے۔ اور اُن کے اسلامی اخلاص کا نتیجہ یہ ہوُا کہ اس خاندان سے میرا بھی تعارف ہو گیا۔ وُہ مسجد میں آنے لگے اور مجھے بھی چند مرتبہ اُن کے ہاں جانے کا اتفاق ہوُا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالےٰ ان دونوں نوجوانوں پر جو اس وقت کیمبرج اور آکسفورڈ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں بڑے فضل کریگا کیونکہ اُنھوں نے اعلےٰ اسلامی اخلاق کا نمونہ دکھا کر اس گھر کو گرویدہ کر لیا"۔

اگر ہم ایک نظر اسلام کی گذشتہ تاریخ پر ڈالیں اور یہ دیکھنا چاہیں کہ وُہ کون سے اسباب تھے۔ جنھوں نے دُنیا کو اسلام کا گرویدہ کر دیا۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ وہ صرف اعلےٰ اسلامی اخلاق تھے۔ خود نبی کریم صلّے اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی مُعجزات نے ہی عرب کو فتح کیا۔ اور ان لوگوں کو جو اپنا سر کسی انسان کے سامنے جھکانا پسند نہیں کرتے تھے آپ کا فرمانبردار بنا دیا۔ قرآن کریم اور احادیث کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کس کثرت سے مخلوق صرف نبی کریم صلّے اللہ علیہ وسلّم کے اخلاقی معجزات کی وجہ سے اسلام میں داخل ہوئی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اخلاق نے قوموں کی قوموں کو ان کا گرویدہ کر کے اسلام کے حلقہ بگوش بنا دیا۔ پھر اولیاء اللہ کے اخلاق فاضلہ نے ہی لاکھوں کی تعداد میں غیر مُسلموں کو اسلام کے شیدا بنایا۔ غرض اصل فتح اخلاق فاضلہ سے حاصل ہوتی ہے۔ مگر مُسلمانوں نے جب سے قرآن کو چھوڑا اخلاق فاضلہ سے بھی عاری ہو گئے۔ ورنہ جس قدر مُسلمان آج تک انگلستان اور دیگر ممالک میں جاتے رہے ہیں۔ اگر وہ اسلامی اخلاق دکھاتے تو آج اسلام کے متعلق یورپ میں علماء و فضلاء کی وہ رائے نہ ہوتی جو ہے۔ افسوس یہ ہے کہ آج تک مُسلمانوں نے اس بات کو سمجھا ہی نہیں کہ اُن کو اللہ تعالےٰ نے انسانیت کے اعلےٰ سے اعلےٰ مرتبہ پر کھڑا کیا ہے۔ اس لیئے وُہ بجائے اسکے کہ
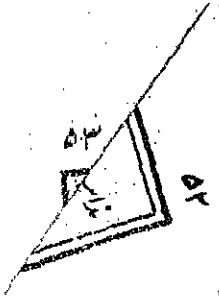
دُوسروں کے معلّم بننے اور اعلیٰ اسلامی اخلاق ان کو سکھاتے۔ خود معلُّم
کا سہ لیسی اختیار کرتے ہیں۔ اور اس لیئے دُوسروں کی نظر میں ذلیل ہ
مُسلمان جو ہر سال دیگر ممالک میں جاتے ہیں اسلام کے واعظ بن سے یہ
قابُو رکھ سکتے ہوں اور اپنے عمدہ اخلاق سے دُوسروں کو متأثر کرسکیں +

گذشتہ ماہ کے قابلِ ذکر اُمور میں سے مسجد ووکنگ میں ایک نکاح کا ہونا ہے جسکو دیکھنے والا ایک بڑا بھاری مجمع مسلموں اور غیر مسلموں کا تھا۔ یہاں تک کہ مسجد کے دروازہ سے لے کر پھاٹک تک جگہ خالی نہ رہی۔ اس عظیم الشان مجمع کی جو دعوت بر تنگ خطابۂ نکاح مولوی صدرالدّین صاحب نے قرآن و حدیث کے پاک ارشادات سنا کر کی۔ جسمیں سے چند باتیں بطور اختصار ذیل میں درج ہیں آنحضرت اسلام نے کسقدر فضل کیا ہے اس نازک مخلوق پر جس پر ابھی تک مہذب دنیا میں بھی ظلم اور تعدّی روا رکھی جاتی ہے عیسائی ممالک میں جو عورت کی قدر نہ کی گئی اور اسکو گرجا کے مقدّس مقام کے نزدیک نہ آنے دیا گیا۔ اور شادی کے پاک تعلّق کو ناپاک سمجھا گیا۔ اس کی وجہ وُہ عقیدہ ہے جو یہ مانتا ہے کہ گناہ عورت کے ذریعہ سے اس دُنیا میں آیا۔ اور ایک دانے کے چھُونے کی غلطی کو خدا تعالےٰ نے جس کو " وہ محبّت ہی محبّت ہے " کے الفاظ سے پکارا جاتا ہے معاف نہ کیا۔ جب تک مسیح کی قربانی اور اُس کے خون نے اس کے غصّے کی آگ کو فرو نہ کیا۔ اسی عقیدہ کی بناء پر اس پاک رسمِ شادی کو جو نیکی اور طہارت کا منبع ہے۔ اور جس پاک تعلّق کے نہ ہونے سے اِنسان بدکرداری میں پڑ جاتا ہے۔ عیسائی ممالک میں لوگوں نے راہبوں کی زندگی کو مقدّس زندگی خیال کیا اور اس کے بد نتائج کو بھگت کر اس کی ایک فرقہ نے اِصلاح بھی کر لی۔ انجیل نے طلاق جیسے ضروری مسئلہ کو ناجائز قرار دیا۔ اجازت بھی دی تو صرف زنا کے ارتکاب پر اس سے جو ظلم عورتوں پر ہُوا ہے وُہ یورپ سی مہذب دُنیا میں کوئی آکر دیکھے یا اُن کے اخبارات میں طلاق کے متعلّق فیصلہ جات کا مطالعہ کرے دل کانپ جاتا ہے۔ کہ کس طرح میاں یا بیوی ایک دُوسرے پر زناکاری کا الزام لگاتے اور اُس کی شہادت مہیّا کرتے ہیں۔ استغفراللہ ربی۔ پھر رسول کریم صلّے اللہ علیہ وسلم نے جو رحمۃ للعالمین تھے دیکھا کہ عورتوں کو کوئی حق ورثہ حاصل نہیں ہے۔ حق ورثہ کیا اس مخلوق کے لیئے جائز رکھنے جبکہ

ان کی نع[illegible]ب نے فرقہ نساء پر سخت سے سخت الزام لگا دیئے۔ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی مار دیا جاتا تھا۔ نہ انجیل نے کوئی ایسے قانون دیئے۔ اور نہ ہی اس وقت کی مہذب و روشن دماغ دنیا نے ان بیچاریوں کے لیئے کوئی حقوق قایم کیئے۔ پر قربان جائیے جان رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم پر جو حضور نے اس نازک و بیکس حصہ مخلوق کے لیئے ظاہر فرمائے پہلے اس بُنیاد کو لیا اور اُن آیات کو جو مسنون خطبہ میں پڑھی ہیں حضور بھی شادی کے خطبہ میں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اس میں صاف فرمایا کہ خلق منها زوجها۔ کہ مرد عورت کا جوڑا اسی قسم سے اسی نوع سے مخلوق کیا جیساکہ لفظ منها ظاہر کرتا ہے۔ جب دونوں ایک نوعیت رکھتے ہیں تو بھی ایک کو گنہگار قرار دینا یا ادنی مخلوق تصور کرنا غیر معقول بات ہے۔ دونوں خدا تعالیٰ کی مخلوق ہیں دونوں ضروری ہیں۔ دونوں ایک نوع سے ہیں۔ ان کے حضور دونوں کا رتبہ برابر ہے۔ جیساکہ دوسری جگہ فرمایا من عمل صالحاً من ذکرٍ او انثیٰ وھو مومن فلنحیینہ حیٰوۃ طیبۃ۔ مرد ہو یا عورت عمل صالح سے خدا تعالےٰ کے حضور سے انعام پا سکتا ہے۔ نہ مرد کو اس کی خصوصیت ہے نہ ہی عورت اس کے دربار سے راندہ شدہ ہے۔ اسی طرح سے دیگر آیات ہیں جن میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے حضور میں عورت مرد یکساں مراعات حاصل کر سکتے ہیں۔ جب اللہ تعالےٰ اُن کے حقوق میں کمی جائز نہیں ٹھیراتا تو انسان کیوں ایسا کرنا جائز سمجھیں۔ انسان کو حکم دیا ولھن مثل الذی علیھن۔ عورتوں کے حقوق ہیں ویسے ہی جیسے کہ مردوں کے حقوق ان کے ذمہ ہیں۔ عورتوں کا لفظ پہلے رکھ کر اس پر زور دیا ہے اور اس زور کی حمایت کے معنے ہی یہی ہیں کہ عورتوں پر ظلم ہو رہا تھا۔ اور پھر فرمایا مردوں کے لیئے عورتیں لباس کا کام دیتی ہیں۔ ان کے بغیر وہ بدکار ہو کر اپنی برہنگی اپنی بدخلقی اور کج روی کو دُنیا پر ظاہر کر دیتے ہیں پس یہ مخلوق جس کے بغیر انسان روحانی اخلاقی اور تمدنی دُنیا میں برہنہ رہجاتا ہے کس قدر قدر کے قابل ہے فرمایا ھن لباس لکم الخ عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم عورتوں کے لیئے لباس ہو۔ یہاں بھی برابری حقوق کو مدنظر رکھا ہے۔ اور ھن لباس لکم کو پہلے رکھ کر پھر حمایت فرمائی ہے کہ عورتیں تمہارا لباس ہیں۔ پھر فرمایا جعل بینکم مودۃ ورحمۃ ہم نے تمہارے جذبات میں ایک دُوسرے کے لیئے موّدۃ اور رحمت پیدا کر دی ہے۔ ان پاک جذبات کا نتیجہ شادی ہے۔ پس شادی پاک ہے۔ ان جذبات کو مدنظر رکھو۔ عورتوں کے ساتھ برتاؤ جتنا بھی ہو اسمیں موّدۃ

اور رحمت کا رنگ پایا جائے اور پھر فرمایا وَلَا تَنسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ آپس میں سلوک و احسان اور افضال کے طریق کو مت فراموش کرو اور پھر فرمایا عَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ عورتوں کے ساتھ سلوک نیکی و معروف پر مبنی ہو۔

ہمارے سرکار حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ ایسی نرمی محبت اور احسان کے سلوک کئے کہ سب کی سب حضور کی مدح سرا ہیں۔ جس برتن سے ان کی بیوی پانی پیتی اسی برتن سے اسی جگہ منہ رکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پانی پیتے۔ حضرت صفیہؓ جب اونٹ پر چڑھنے لگیں تو حضور نے اپنا زانو پیش کیا۔ کہ اس پر قدم رکھ کر چڑھیں اور اپنی چادر کو تہ کر کے ان کے نیچے رکھا تاکہ ان کو آرام حاصل ہو۔ حضرت عائشہ کا ایک معمولی سا ہار ایک مہم میں گم ہو گیا تو کوچ کا حکم ملتوی فرما دیا تاکہ اس ہار کی تلاش کی جاوے۔ جب کبھی حضور بکری ذبح کرتے تو اس میں سے گوشت کے ٹکڑے حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کو بطور تحفہ بھیجتے تھے حضرت فاطمۃ الزہرا جب اپنے سسرال سے تشریف لاتیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انکا استقبال کرتے اور بڑا اکرام کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضور غنیمت کا مال تقسیم کر رہے تھے تو حضرت حلیمہ سعدیہ تشریف لائیں۔ حضور کے پاس رپورٹ ہوئی۔ فرمایا اماں صاحبہ تشریف لائی ہیں۔ سفید چادر بچھا دی۔ اور ادب اور تعظیم کے ساتھ اس کو بٹھایا۔ غرض رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس فرقہ پر بہت ہی بڑا افضل کیا۔ نہ صرف لڑکیوں کا زندہ گاڑنا دور فرمایا۔ ان کو وراثت کا حقدار کیا۔ نہ صرف ان کے حقوق کا تصفیہ کیا نہ صرف عورتوں کا اکرام اور صلہ رحمی کا لحاظ رکھا بلکہ فرمایا بہشت والدہ کے قدموں کے نیچے ہے اور بہت افسوس اس شخص پر جس نے ماں یا باپ کو بڑھاپے میں پایا۔ اور جنت نہ حاصل کی۔ یعنی تواضع و خاطر سے۔

اس نمبر میں ناظرین ایک لمبا مضمون توحید پر پائیں گے جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ توحید کا کمال اسلام میں ہی ہے۔ درحقیقت توحید کے مسئلہ کو پورے طور پر سمجھ کر ہی انسان حقیقی رنگ میں مسلم کہلا سکتا ہے۔ اس مضمون سے ایک مسلمان نہ صرف یہی سبق سیکھتا ہے کہ اسلام کی توحید کے مقابل دوسرے مذاہب میں توحید کی تعلیم کیسی ناقص ہے بلکہ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایک مسلمان کی عملی زندگی پر توحید کی تعلیم کا جو مدار نجات ہے۔ کیا اثر ہونا چاہئیے۔ ہم افسوس کرتے ہیں کہ بعض مجبوریوں کی وجہ سے حفاظت قرآن کا سلسلہ مضامین ہم ابھی

شروع نہیں کر سکے۔ مگر امید ہے انشاء اللہ جلد ہم اس وعدہ کو پورا کرنے کے قابل ہو جائینگے۔

اسلام کی ایک سرگذشت

نمبر ۲

(از یحیٰی النّصر پارکنسن)

بسلسل گذشتہ نمبر

لنٹ کہتا ہے :۔

"کوئی واقعات ایسے نہیں جن سے ثابت ہو کہ محمد (صلّے اللہ علیہ وسلم) بڑی دور اندیشی رکھنے والا انسان تھا۔ یا یہ کہ اُن کو دور کوئی صاف رہنمائی کرنے والا ستارہ نظر آتا ہو جس کی طرف وہ قدم اُٹھا رہا ہو"۔

مارگولیئتھ لکھتا ہے :۔

"یہ فرض کرکے کہ وُہ اپنی اصلاح کی تجویز پر سالہاسال سے غور کر رہے تھے"......

"یہ ان کی عادت تھی۔ کہ وُہ اپنی تجویزوں کو اس وقت پیش کرتے تھے۔ جب وہ پختہ ہو جاتی تھیں۔ جو کام اُنھوں نے خود کرنا ہو وہ بہت سالوں سے اُن کے دل میں موجود ہوتا تھا"۔

"ہم زیادہ آسانی سے اس عقلمندی کی قدر اور تعریف کرسکیں گے جس کے ساتھ اُنھوں نے اپنا راستہ بنایا۔ اگر ہم صفائی سے اس مقصد کو مدّ نظر رکھیں جس کے حاصل کرنے کے لئے وُہ اپنے آپ کو ایک طرف لے جا رہے تھے"۔

یہ عیسائی کس طرح ایک دُوسرے کو جھوٹا بناتے ہیں۔ جب وُہ نوجوان جو بچپن میں لنٹ کے خیالات سے متأثر ہو چکے ہونگے۔ کبھی آیندہ پروفیسر مارگولیئتھ کے بیانات کو پڑھینگے تو پھر "رونا اور چلّانا اور دانتوں کا پیسنا ہوگا"۔ پھر اس کے بعد دماغ میں یہ کشمکش پیدا ہوگی

کہ دو فاضل مصنّفوں میں سے کس کی بات کو سچّا مانیں۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ عقلمندی سے کام لے کر وہ اس صحیح نتیجہ پر پہُنچیں گے کہ یہ دونوں قابل اعتبار نہیں۔ اور خود تحقیقات کریں گے۔ تب اُن کو معلوم ہوگا۔ کہ نبی کریم صلّے اللہ علیہ وسلم نہ تو جیسا ایک عیسائی مصنّف نے اُن کو بتایا تھا۔ ایسے جاہل تھے۔ کہ صفائی سے کسی معاملہ پر رائے قایم نہ کر سکتے ہوں۔ اور دُور اندیشی کے مادہ سے عاری ہوں۔ اور نہ وہ جیساکہ دوسرا مصنّف لکھتا ہے۔ اس قسم کے منافقانہ چالبازیوں کے مرتکب تھے۔ کہ صرف اپنے اہل ملک پر ظاہری حکومت حاصل کرنے کے لیئے جوڑ توڑ میں لگے رہتے ہوں نہ وُہ نعوذ باللہ من ذالک ایسے فقرے تھے۔ کہ شرُوع سے عرب کی حکُومت اور بادشاہت انکا مطمح نظر ہو۔ بلکہ وُہ معلوم کرلیں گے کہ آپ شرُوع سے ایک پُر جوش مُصلح تھے۔ جن کے مدعا اور مقصد میں کوئی روک حایل ہوکر آپ کو اس سے نہ ہٹا سکتی تھی۔ اور وہ مُدعا یا مقصد یہ تھا۔ کہ اپنی قوم کو بُت پرستی کی ذِلّت اور غلامی سے باہر نکالیں تمدّن اور اخلاق میں اُن کو ترقی دیں۔ اور اُن کو خدائے واحد کی پرستش پر قایم کریں۔ وُہ معلُوم کرلیں گے۔ کہ یہی وُہ مقاصد تھے۔ جو اُن کی زندگی میں غالب اثر رکھتے تھے اور آپ کے سب کام اُنہی اغراض سے وابستہ اور اُنہی کو مقدّم کرنے والے تھے۔ یہی آپ کے تمام خیالات کا مرکز تھے اور انہی کی تکمیل آپ کی ساری طاقتوں اور خواہشات کا منشأ تھا۔ آپ انہی خیالات کے اندر ایسے مستغرق تھے۔ کہ تاج اور تخت اور ظاہری حکُومت کو خیال میں لانے کے لیئے بھی آپ کے پاس وقت نہ تھا۔ بلکہ اُس وقت بھی تاج وتخت کی طرف آپ کی نگاہ نہیں گئی جب آپ کے للّہی جذبہ کے سامنے بُت پرستی کی طاقتیں پاش پاش ہوگئیں اور آپ کی ہمّت بلند نے عرب کی کایا پلٹ دی۔ جب نہ صرف مذہب پر ہی ایک انقلاب عظیم آیا۔ بلکہ ہر ایک قسم کی ترقی نے قدم جمایا۔ اور ایک ایسی طاقت کا ظہُور ہوُا۔ جس نے نسل انسانی کی آیندہ بہتری اور بہبُودی پر ایک کامل اور قوی ترین اثر پیدا کر دکھایا ✣

کتاب کے اس حصّہ میں جہاں اسلامی طاقت کے پھیلنے اور عربوں کی سلطنت کے عرُوج اور زوال پر بحث ہے۔ تاریخی علم کی کمی اور تمدّنی اصول سے ناواقفی نمایاں ہے۔ اس سارے حصّہ کے متعلّق ہمارے ناظرین ذیل کے دو تین اقتباسات سے صحیح رائے قایم کرسکتے ہیں ✣

"مگر کثرت سے صوبجات میں عیسائیوں کو سول عہدوں پر مقرر کرنے کی ممانعت تھی"۔

"مگر یہ شاذ و نادر ہوتا تھا کہ ارد گرد کے مسلمان عیسائیوں کو آرام سے رہنے دیں۔ دکھ دینے والی اور ذلیل کرنے والی شرائط ان پر عاید کی جاتی تھیں"۔

"ہسپانیہ کے عیسائی گرجاؤں اور راہب خانوں کے خزانے ایک ایسا ابتلا ثابت ہوئے جس سے مسلمان بچ نہیں سکے اور اس قسم کی مثالیں ابتدائی صدیوں میں بھی عام طور پر پائی جاتی ہیں۔ کہ عیسائیوں کو اُن کے مذہب کی وجہ سے ایذا دیجاتی تھی۔ بلکہ جان سے بھی مارا جاتا تھا"۔

منقولہ بالا بیانات اس نیم دروغ اور نیم راستی کی مثالیں ہیں جن کا اثر خطرناک مگر جنکی تردید بھی سخت مشکل ہوتی ہے جس کو ٹنی سن نے بھی منظوم کیا ہے۔ اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ اسلامی حکومت کے طول طویل زمانہ میں کچھ ایسے بھی مگر بہت تھوڑے بادشاہ گزرے ہیں جنھوں نے مذہب اسلام کی بردباری کی تعلیم پر عمل نہیں کیا۔ اور انھوں نے نہ صرف غیر مسلموں پر بلکہ مسلموں پر بھی دیادتیاں کیں۔ مگر ان کی مطلق العنانی اور خود مختیاری کو سب سے بڑھ کر برا کہنے والے خود مسلمان علماء تھے لیکن ایک تاریخ کا طالب العلم کبھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا۔ کہ ظلم و تعدّی اور مذہبی تعصّب و عناد کی مثالیں اسلام کی تاریخ میں بہ نسبت کسی دوسرے مذہب یا دوسری قوم کی تاریخ کے بہت کم پائی جاتی ہیں۔ اور کہ یہ عیسائی مذہب کی تاریخ ہے جو اس تاریخی دھبہ میں سب سے اوّل نمبر پر ہے یعنی جس قدر مذہب کیخاطر یا عیسائیت قبول نہ کرنیکی خاطر لوگوں کو عیسائی مذہب کے پیروؤں نے تکلیفیں پہنچائی ہیں۔ اور دکھ دیئے ہیں اور زندہ جلایا ہے اس قدر اور کسی مذہب نے ان افعال شنیعہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ ہسپانیہ کا محکمۂ تحقیقات مذہبی اور صلیبی جنگوں میں یہودیوں اور مسلمانوں کی جو خونریزی عیسائیوں کے ہاتھوں سے ہوئی ہے وہ اسلامی تاریخ میں اپنی کوئی نظیر نہیں رکھتی۔ اگر ہم پاگل مسلمان بادشاہوں نے جیسے متوکل (۸۴۷-۸۶۱) اور حاکم (۹۹۶-۱۰۲۱) غیر مسلموں پر ظلم روا رکھے تو انھوں نے مسلموں پر کم ظلم نہیں کیا۔ مگر یہ مثالیں ایک لمبی مذہبی بردباری کی تاریخ میں استثنا رہیں نہ کہ عام قاعدہ۔ جیسا کہ عیسائی مصنف اپنے قارئین کو یقین دلانیکی کوشش کرتے ہیں۔ یہ باتیں اسلام یا اسکے کسی اصول کیوجہ سے نہ تھیں بلکہ محض بادشاہوں کی دماغی خراب حالت انکی اصل وجہ تھی اور اسلیئے مسلمان علماء نے کبھی ان باتوں کی تائید نہیں کی بلکہ ان دونوں بادشاہوں کے عہد حکومت میں بہت سے قاضیوں نے انکے احکام کی تعمیل سے انکار کر دیا تھا کیونکہ انکے احکام قرآن کریم کے احکام اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف تھے۔

توحید الٰہی کا کمال صرف اسلام میں ہے

(از جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اسسٹنٹ سرجن کامل پور)

اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ - فاما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم - بسم اللہ الرحمن الرحیم قل ھو اللہ احد - اللہ الصمد - لم یلد ولم یولد - ولم یکن لہ کفواً احد -

کہدے وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے احتیاج ہے۔ نہ اُس نے کسی کو جنا۔ اور نہ وہ کسی سے جنا گیا۔ اور نہ کوئی اُس کا ہمسر ہے ؞

واضح ہو کہ احد اسے کہتے ہیں جس میں دوئی کا کوئی بھی احتمال نہ ہو۔ نہ بلحاظ ذات کے نہ صفات کے نہ افعال کے اور نہ بلحاظ مستحق تعظیم و عبادت ہونے کے۔ پس فرمایا۔ کہ اللہ ایک[۴] اللہ بے احتیاج ہے۔ نہ اُس نے کسی کو جنا اور نہ کسی سے جنا گیا۔ اور اُس کا کوئی ہمسر نہیں۔ ظاہر ہے کہ شرکت کے لیئے جو امور ہو سکتے ہیں وہ بھی چار ہیں :-

۱- اوّل یہ کہ کسی چیز کی احتیاج ہو۔ مثلاً دیکھنے کے لیئے آنکھ یا روشنی کا محتاج ہو یا سننے کیلیئے کان یا ہوا کی حاجت ہو۔ یا پیدا کرنے کے لئے مادہ اور رُوح کی ضرورت ہو یا قیام کے لیئے کسی تخت کی ضرورت ہو۔ اس صورت میں گویا خدا کی خدائی جب ہی چل سکتی ہے جب وہ تمام چیزیں جن کی اُسے حاجت ہے۔ خدا کے ساتھ ساتھ موجود ہوں اور اس صورت میں وہ چیزیں خدا کے ساتھ شریک ٹھیریں گی۔ کیونکہ بغیر اُن کے خدا کی ہستی لاشے اور بیکار محض ہے پس اِسی لیئے فرمایا۔ کہ خدا بے احتیاج ہے۔ یعنے دیکھنے کے لیئے اُسے کسی چیز کی احتیاج نہیں نہ روشنی کی نہ آنکھ کی۔ بلکہ دیکھنا اس کی صفت ازلی ہے۔ اسی طرح سُننے کے لیئے نہ ہوا کی حاجت ہے نہ کان کی۔ بلکہ سُننا اُس کی صفت ازلی ہے۔ پیدا کرنے کے لیئے نہ مادہ و رُوح کی ضرورت ہے نہ ہاتھ اور کسی آواز کی۔ بلکہ پیدا کرنا اُس کی صفت ازلی ہے۔ اِسی طرح قیام اُس کی صفت ازلی ہے اور اُسے کسی تخت کی حاجت نہیں۔ پس توحید کے لیئے یہ ضروری ہے

[۴] ہے۔ یعنی ذات اور صفات اور افعال اور مستحق تعظیم و عبادت ہونے میں یعنے اُس کی ذات اور صفات اور افعال اور مستحق تعظیم و عبادت ہونے میں کوئی شریک نہیں۔

کہ اسے کسی چیز کی حاجت نہ ہو ۔

۲۔ دوسرا امر جس سے شرکت پیدا ہوا کرتی ہے۔ وہ کسی کو جننا ہے۔ جب کوئی خدا سے پیدا ہوگا تو ضرور ہے کہ وہ اس کا بیٹا ہو۔ اور وہ خدا ہوگا اور شریک ہوگا۔ پس اس لیئے فرمایا کہ اس نے کسی کو نہیں جنا۔ یعنے اُس کا کوئی بیٹا نہیں۔ اسی لیئے کوئی اس کا شریک نہیں۔ گویا توحید کے لیئے یہ ضروری ہوا کہ اس کے کوئی بیٹا نہ ہو۔

۳۔ تیسرا امر جس سے شرکت پیدا ہوا کرتی ہے وہ کسی سے جنا جانا ہے۔ جب خدا کسی سے پیدا ہوگا تو ضرور ہے کہ وہ اس کا باپ یا ماں ہو۔ اور وہ خدا بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھ کر ہوگا۔ اور اسطرح شرکت لازم آئے گی۔ پس توحید کے لیئے ضروری ہوا کہ خدا کسی سے جنا نہ گیا ہو۔

۴۔ چوتھا امر جس سے شرکت پیدا ہوا کرتی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ کوئی ہمسر ہو۔ جب کوئی خدا سے ہمسر ہوگا تو ضرور ہے کہ وہ شریک ہو۔ پس فرمایا۔ کہ خدا کا کوئی ہمسر نہیں۔ کیونکہ یہ توحید کے لیئے ضروری تھا۔

اس سورۃ شریف میں خدا کو احد فرما کر پھر شرکت کے لیئے جو جو امور ہو سکتے ہیں یعنے احتیاج[1] کسی کو جننا[2]۔ کسی سے جنا جانا[3]۔ ہمسری[4]۔ ان سب سے خدا کی ذات اور صفات کو مبرا بتلایا ہے تا توحید حقیقی اور کامل حاصل ہو۔ کیونکہ اگر خدا کی صفات کے متعلق ان چار باتوں میں سے ایک کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو شرک لازم آ جائے گا۔ جیسا کہ میں اوپر ثابت کر آیا ہوں۔ پس اگر خدا ایک ہے۔ اور اُس کی ذات صفات افعال اور عبادت و تعظیم میں دوئی کا خیال شرک ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ وہ بے احتیاج۔ نہ کسی کو اُس نے جنا۔ اور نہ کسی سے وہ جنا گیا اور نہ کوئی اُس کا ہمسر ہے۔ انہی صفات کے معاملہ میں آ کر آریہ سماج نے ٹھوکر کھائی اور خدا کو مادہ اور روح کا محتاج گردان کر اُن کو بھی خدا کے ساتھ شریک ٹھیرایا۔ عیسائیوں نے خدا کا بیٹا اور خدا کی ماں تسلیم کر کے شرک کی بنیاد ڈالی۔ مجوسیوں نے ایزد کا اہرمن کو ہمسر قرار دے کر توحید کی جگہ تثنیہ بنا لیا۔ اس لیئے توحید کے لیئے ضروری ہے کہ خدا میں یہ چار صفات ضرور بالضرور تسلیم کی جائیں۔ کہ وہ بے احتیاج ہے۔ نہ کسی نے اُس کو جنا۔ نہ کسی سے وہ جنا گیا۔ نہ کوئی اُس کا ہمسر ہے۔ اور یہی اس سورت کا منشاء ہے۔ خدا کو احد پیش کر کے آریہ سماج عیسویت اور مجوسیت کو رد کر دیا۔

اب احد کے متعلق مزید تشریح کے لیے ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یہاں تو توحید کو ان لفظوں میں بیان فرمایا کہ ھو اللہ احد۔ لیکن سورۂ حشر میں اسی مضمون کو یوں بیان فرمایا ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو۔ ان دونوں آیتوں کو ملانے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ الذی لا الٰہ الا ھو میں احد کی ہی مزید تشریح مدنظر ہے۔ یعنے اللہ تعالےٰ وہ ذات یگانہ ہے بلحاظ اپنی ذات[1]۔ صفات[2]۔ افعال[3] اور مستحق تعظیم و عبادت[4] ہونے کے جس کے سوا کوئی معبود[1] محبوب[2] مقصود و مطلوب[3] اور مطاع[4] حقیقی نہیں۔ پس اسلام نے جو اپنی تعلیم کا نچوڑ لا الٰہ الا اللہ کو رکھا ہے تو دراصل یہ مذکورہ بالا مفہوم کو ہی اپنے پیرو کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہے تا توحید کے کمال کو ایک مسلم حاصل کرسکے اور اپنے معبود و محبوب و مقصود و مطلوب و مطاع حقیقی خدا کے ساتھ نہ اس کی ذات[1] میں شریک ٹھہراوے اور نہ اس کی صفات[2] میں۔ نہ اسکے افعال[3] میں شریک ٹھہراوے۔ اور نہ اس کی تعظیم و عبادت[4] میں ان چاروں مراتب توحید کو میں ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہوں۔ کیونکہ توحید کامل کو تشریح کے لئے چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ (۱) ذات میں توحید۔ (۲) صفات میں توحید۔ (۳) افعال میں توحید (۴) تعظیم و عبادت میں توحید۔ مذاہب باطلہ میں شرک ان ہی چار باتوں میں پایا جاتا ہے اس کی تفصیل مفصلہ ذیل ہے:۔

(۱) **ذات میں توحید۔** اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا کی ذات میں کوئی شریک نہیں اسکے بالمقابل بعض مذاہب باطلہ ذات میں شریک ٹھہراتے ہیں۔ مثلاً مجوس کہ وہ دو خدا مانتے ہیں۔ ایک نیکی کا خدا جسے وہ ایزد کہتے ہیں اور ایک بدی کا خدا جسے وہ اہرمن کہتے ہیں۔ عیسائی کہ وُہ تین خدا مانتے ہیں۔ باپ۔ بیٹا۔ روح القدس۔ تین برابر ایک کے اور ایک برابر تین کے نہ کسی کے سمجھ میں آیا نہ کبھی سمجھ میں آوے۔ کسی مشن کالج کا ذکر ہے۔ کہ بائیبل کے گھنٹے کے بعد ریاضی کا گھنٹہ تھا۔ بلیک بورڈ پر ایک ذہین لڑکا سوال حل کر رہا تھا ایک رقم کو تین سے ضرب دینی تھی۔ اُس نے ضرب دے کر نیچے وہی رقم لکھدی جو اوپر لکھی ہوئی تھی۔ یعنی اسے سہ چند نہیں کیا۔ بلکہ من وعن وہی رقم لکھدی۔ اس پر ریاضی کا پروفیسر ناراض ہوا۔ کہ تم کیسے احمق ہو کہ ضرب تین سے دیتے ہو۔ اور نیچے وہی رقم لکھدیتے ہو۔ اُس

لڑکے نے فوراً جواب دیا کہ میں (ابھی) بائیبل کے گھنٹے میں یہ پڑھتے چلا آرہا ہوں کہ تین برابر ایک کے اور ایک برابر تین کے۔ پس جب ایک اور تین برابر ہیں تو میں نے بجائے تین کے ایک سے ضرب دیدی۔ اس پر وہ پروفیسر شرمندہ ہوگیا اور کہنے لگا " بائیبل کا بات بائیبل کے گھنٹے میں۔ اور ریاضی کا بات ریاضی کے گھنٹے میں " یعنی ریاضی کے مسلمہ معقول مسئلوں پر تثلیث فی التوحید ٹھیر نہیں سکتی۔ اسی طرح آریہ سماج نے بھی خدا کے ساتھ مادہ اور روح دو شریک فی الذات مانے ہیں۔ جو خدا کی طرح قائم بالذات اور ازلی ابدی ہیں اور اسطرح وہ بھی تثلیث کے پیرو ہیں نہ کہ توحید کے۔ سناتن دھرم تو علاوہ تین بڑے دیوتاؤں برہما۔ وشنو اور شیو کے تینتیس کروڑ دیوتاؤں کے ماننے والے ہیں۔ اسلام ہی ہے جو لا الہ الا اللہ کہکر دُنیا کو بتلاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں۔

(۲) **صفات میں توحید**۔ اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا کی صفات میں کوئی شریک نہیں۔ مثلاً خالق۔ خود قرآن کریم میں فرماتا ہے هل من خالق غیر اللہ۔ خدا کے سوا کون خالق ہے پس سوائے خدا کے کسی کو کسی چیز کا خالق ماننا شرک فی الصفات ہے۔ پھر قرآن کریم میں آیا ہے ربی الذی یحیی ویمیت۔ میرا رب وہ ہے۔ جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے عالم الغیب والشهادة خدا غیب اور ظاہر کا جاننے والا ہے۔ پس کسی نبی یا ولی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ مردے زندہ کیا کرتا تھا یا علم غیب رکھتا تھا۔ گویا صفات الٰہیہ میں شریک ٹھیراتا ہے یا حی وقیوم اور الآن کما کان جو خدا کی صفت ہے کہ اُس میں کوئی تغیر نہیں آتا۔ اس صفت کو کسی دُوسرے کی طرف منسوب کرنا شرک فی الصفات ہے۔ اسلام نے لا الہ الا اللہ کہہ کر یہ فیصلہ کردیا کہ الوہیت کی صفات رکھنے والا کوئی نہیں سوائے اللہ کے۔

ممکن ہے کہ کسی شخص کے دل میں یہ وساوس گذریں کہ خدا کی بعض صفات میں ہم بھی شرکت رکھتے ہیں۔ مثلاً وہ اگر دیکھتا ہے تو ہم بھی دیکھتے ہیں۔ اور وہ اگر سنتا ہے تو ہم بھی سنتے ہیں وہ اگر رحم کرتا ہے تو ہم بھی رحم کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور نیز یہ کہ خدا اپنی مرضی سے کسی کو اپنی صفت دیدیتا ہے۔ سو اسکا جواب مفصلہ ذیل ہے :-

یہ سچ ہے کہ خدا بھی دیکھتا ہے اور انسان بھی۔ خدا بھی سنتا ہے اور انسان بھی۔ اور خدا

بھی بولتا ہے۔ اور انسان بھی۔ علیٰ ہذالقیاس صفات الٰہیہ میں سے ہر ایک کا پرتو انسان اپنے اندر رکھتا ہے۔ مگر باوجود اس کے خدا کی صفات سے اُسے کوئی نسبت نہیں۔ الوہیت اور بشریت کے درمیان لیس کمثلہ شیءٌ کی دیوار کھڑی ہے۔ یعنے کوئی چیز اس کے مثل نہیں۔ انسان کے دیکھنے اور سُننے کی خدا کے دیکھنے اور سننے سے کوئی مماثلت نہیں ہوسکتی۔ انسان کے دیکھنے کیلیے آنکھ اور روشنی کی ضرورت ہے۔ پھر جسے دیکھتا ہے اُس کا حدِ نگاہ کے اندر ہونا ضروری ہے۔ پھر درمیان میں حجاب بھی کوئی نہ ہو۔ پھر قوت بصارت ایک حد کے اندر محدود۔ مگر بالمقابل اسکے خدا کا دیکھنا کچھ اور ہی رنگت رکھتا ہے۔ نہ وہاں آنکھ کی ضرورت نہ روشنی کی حاجت۔ کوئی چیز کتنی ہی محجوب کیوں نہ ہو قریب ہو یا بعید۔ پوشیدہ ہو یا ظاہر وہاں سب کچھ یکساں ہے۔ جسے ہم حاضر و ناظر سے تعبیر کرتے ہیں پس بصیر انسان بھی ہے اور خدا بھی۔ مگر دونوں میں مماثلت قطعاً کوئی نہیں۔ ایک کو کان اور ہوا کی ضرورت۔ حد شنوائی کے اندر آواز کا ہونا ضروری۔ دوسرے کو کسی کان اور ہوا کی ضرورت نہیں۔ کوئی کہیں بھی ہو وہ اس کی آواز سنتا ہے پس جو کوئی انسان کو خدا کی طرح سمیع سمجھ کر پکارتا ہے وہ مشرک فی الصفات ہے۔ اسی طرح خلق کرنا کچھ تھوڑا بہت انسان بھی کیا کرتا ہے جسے ہم بنانے کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر ایک حد کے اندر۔ یعنے ہاتھ پاؤں ہوں اوزار ہوں۔ مادہ ہو۔ تو وہ کچھ جوڑ جاڑ لیتا ہے۔ مگر خدا کا خلق کچھ اور ہی رنگت ہے۔ وہاں نہ ہاتھ پاؤں کی ضرورت نہ اوزار کی ضرورت نہ مادہ و رُوح کی ضرورت نہ خلق کی کوئی حد ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے خالق کل شیء۔ ہر چیز کا پیدا کرنے والا۔ یخلق مایشاء۔ جو چاہا پیدا کر لیا۔ اب دونوں کے خلق کو دیکھو تو کوئی مماثلت نہیں۔ انسان کی بنائی ہوئی چیزوں اور خدا کی بنائی ہوئی چیزوں میں جو فرق ہے۔ اس کے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ کیونکہ ہر ایک مانتا ہے اور جانتا ہے۔ خدا بھی پرندے بناتا ہے اور انسان بھی مصنوعی پرندے بناتا ہے جو کھلونوں کی دوکانوں پر بکتے ہیں ان دونوں خلق میں کوئی مماثلت نہیں۔ ایک جاندار دوسری بے جان مورت۔ ایک کچھ اور ہے دُوسرا کچھ اور ہے مگر اب کوئی کہے کہ نہیں انسان بھی ایسے ہی جاندار پرندے جیسے خدا نے بنائے ہیں بنا سکتا ہے تو یہ مماثلت ہو جائے گی اور شرک فی الصفات ہو جائے گا۔ چنانچہ قرآن کریم بھی فرماتا ہے:۔ ام جعلوا للہ شرکآء خلقوا کخلقہٖ فتشابہ الخلق علیھم قل اللہ خالق کل شیء وھو الواحد القہار

※ توحید فی الصفات کا تقاضہ یہ ہے۔ کہ صفات میں مماثلت نہ مانی جائے۔ مثلاً کسی انسان کو خواہ وہ نبی ہو یا ولی ہو۔ خدا کی طرح دیکھنے والا یعنے حاضر و ناظر مانا جائے تو یہ شرک ہو جائے گا۔ اسی طرح سنتا انسان بھی ہے۔ اور خدا بھی۔ مگر دونوں میں مماثلت کوئی نہیں۔

کیا یہ لوگ خدا کے ساتھ شریک ٹھیراتے ہیں جنھوں نے پیدا کی مخلوق خدا کے پیدا کرنے کی مانند۔ پھر ان لوگوں پہ دونوں مخلوق بوجہ مشابہت کے مشتبہ ہوگئی ہے۔ کہدے اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنیوالا ہے اور وہ اکیلا اور غالب ہے۔ جب خدا اور انسان کے خلق میں مماثلت ہو جائے اور مخلوق میں بوجہ مشابہت کے امتیاز نہ باقی رہے تو پھر توحید کہاں رہی صاف شرک ہوگیا۔ پس انسان جو صفات رکھتا ہے۔ وہ گو صفات الٰہیہ کا پرتو ہوں مگر صفات الٰہیہ سے اس کو کوئی نسبت اور مماثلت نہیں۔ صفات الٰہیہ کے ساتھ کسی دوسرے کی صفات کو مماثلت دینا یعنے کسی صفت کو اسی رنگ میں غیر اللہ میں ماننا جس رنگ میں کہ وہ خدا میں موجود ہے۔ شرک فی الصفات ہے۔

دوسرا وسوسہ یہ تھا۔ کہ خدا اپنی مرضی سے کسی کو اپنی صفت دیدے۔ یہ خیال جیسا کچھ لغو ہے وہ ظاہر ہے۔ مطلب یہ کہ خدا اپنی خدائی کو کسی وقت دوسرے کو دیدے اور اپنا شریک آپ پیدا کرلے۔ حالانکہ احد صفت کبھی شریک کو دوامی یا عارضی کسی طور پر بھی قبول نہیں کرتی۔ وہ توحید جس کے لیئے خدا اپنے تمام نبیوں کو بھیجتا رہا ہے۔ وہ اس طرح گویا خدا کبھی خود بھی مٹا دیا کرتا ہے۔ اسلام جو خدا کی صفات کو ازلی و ابدی مانتا ہے ایسے خیال کو رد کر دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں خود اللہ تعالےٰ فرماتا ہے واللہ فضل بعضکم علی بعضٍ فی الرزق فما الذین فضلوا برآدّی رزقھم علی ما ملکت ایمانھم فھم فیہ سواءٌ افبنعمۃ اللہ یجحدون۔ اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں فضیلت دی ہے۔ تو جن کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنے حصہ کو لوٹا کر اپنے نوکروں غلاموں کو نہیں دیدیا کرتے کہ سب روزی میں برابر ہو جائیں۔ پس کیا خدا کی نعمت کا انکار کرتے ہو۔ یعنے جب تم نہیں پسند کرتے کہ وہ چیزیں جن سے تمہاری فضیلت ہے۔ (حالانکہ وہ فضیلت بھی خدا ہی کی دی ہوئی ہے کوئی تمہاری ذاتی نہیں) اپنے غلاموں کو دے کر اُن کو اپنے ساتھ مماثلت پیدا کرنے کا موقع دو۔ تو پھر خدا کے لیئے یہ کیوں روا رکھتے ہو۔ کہ وہ اپنی صفات کو جن سے الوہیت کی نشان نظر آتی ہے بندے کو دے کر اسے اپنے ساتھ مثیل بنا دے اور اس طرح اپنی الوہیت میں غیر کو شریک ٹھیرا دے۔ اور الوہیت اور عبودیت کی حد فاصل کو توڑ دے۔ خدا کی نعمتوں کا انکار نہ کرو۔ دیکھو تو تمام نعمتیں خدا سے آتی ہیں۔ بندہ زیادہ سے زیادہ نعمتیں پہنچانے والا ہوتا ہے۔ دینے والا وہ آپ ہی ہوا کرتا ہے ٭

(۳) افعال میں توحید۔ اسلام کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ خدا کے فعلوں میں بھی کوئی شریک نہیں اس جگہ دھوکا یہ لگا کرتا ہے۔ کہ انسان اسباب کو خدا کے فعلوں میں شریک سمجھتا ہے مثلاً قرآن کریم میں ہے واذا مرضت فھو یشفین اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے۔ ھو یطعمنی و یسقین وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ ایک شخص دھوکا کھاتا ہے کہ شفا میں تو دوا اور طبیب کا بھی ہاتھ درمیان میں ہوتا ہے اور کھلانے اور پلانے میں تو افسر جس کی ملازمت کی جائے یا تجارت یا صنعت و حرفت اور خود انسان کی محنت سب کا پاؤں درمیان میں ہوا کرتا ہے۔ مگر یہ غلطی ہے۔ در اصل یہ اسباب ہیں شفا کے اور رزق کے جنکا اصلی مسبّب خدا تعالےٰ ہوتا ہے یعنی اسی فاعل حقیقی کے افعال ہیں اور اسی کی مشیّت کے ماتحت چلتے ہیں۔ کسی کامیابی کی صورت دیکھنے کے لیئے ان تمام اسباب کا جمع کرنا اور ان سے خاطر خواہ نتیجہ نکالنا یہ سب خدا کے افعال ہیں جن میں کوئی شریک نہیں۔ مثنوی مولینا روم کی ایک مثال سے یہ مسئلہ خوب سمجھ میں آ جاتا ہے۔ ایک دفعہ کوئی شخص لکھ رہا تھا۔ کاغذ پر چھ چیونٹیاں تھیں ان میں آپس میں قیل و قال شروع ہوگئی ایک نے کہا دیکھو قلم کیا اچھا لکھ رہی ہے۔ دوسری نے کہا قلم نہیں لکھ رہی ہے۔ بلکہ انگلیاں لکھ رہی ہیں۔ تیسری نے کہا انگلیاں نہیں بلکہ ہاتھ لکھ رہا ہے چوتھی نے کہا ہاتھ نہیں بلکہ کلائی لکھ رہی ہے۔ پانچویں نے کہا کلائی نہیں بلکہ دماغ لکھ رہا ہے جسکے ارادہ کے ماتحت یہ تمام لکھنے کے سامان جمع ہوئے اور لکھنا شروع کیا گیا۔ پس خدا کے ارادہ کے ماتحت اسباب جمع ہوتے اور اُن سے نتیجہ نکلنا اور کل کارروائیاں ہوتی ہیں اور وہ افعال الٰہیہ کہلاتے ہیں اور اُن میں کسی کی شرکت نہیں ہوتی جنھیں تم شریک سمجھتے ہو وہ درصل کلائی اور ہاتھ اور قلم کی طرح اوزار ہیں جو محض مشیّت الٰہی کے ماتحت کام کر رہے ہیں۔ پس خدا کے ساتھ کسی اور کو شافی اور رزّاق سمجھنا شرک ہے۔ توحید فی الافعال سے اسباب پرستی کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ انسان کو ایک حد تک بیشک وسعت اور مقدرت دی گئی ہے۔ اور یہ بھی مشیّت الٰہی کے ماتحت دیگئی ہے۔ اور جتنی وسعت دی گئی ہے اتنا ہی وہ متکلّف ہے جیسا کہ لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا سے ظاہر ہے۔ پس اپنی وُسعت کے مطابق اسباب سے کام لینا عین منشائے الٰہی ہے۔ اور اس کے فضل کے دروازے کو کھٹکھٹانا ہے۔ اسباب سے

کام لینا در اصل خدا کے فضل کو تلاش کرنا ہے کہ کس راہ سے آتا ہے۔ اِن اسباب کو فاعل حقیقی سمجھنا اور اُن پر بھروسہ کرنا شرک فی الافعال ہے۔ اسباب سے کام لو۔ مگر بھروسہ خدا پر کرو۔ اور فاعل حقیقی خدا کو ہی سمجھو۔ اسی لیئے اسلام نے لا الٰہ الا اللہ میں یہ سمجھایا۔ کہ کوئی ذات تصرف کامل اور نظام رکھنے والی نہیں۔ سوائے اللہ کے (الٰہ کے معنے متصرف کامل کے بھی ہیں)۔ اسی طرح کسی چیز کو خدا کے سوا نفع اور نقصان دینے والی اپنی ذات میں سمجھنا یہ بھی شرک فی الافعال ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ فلا تخشوہم واخشونی پس کسی سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ کیونکہ منبع تمام فیوض کا میں ہوں اور ہر ایک نقصان جو پہنچتا ہے وہ میرے اِذن کے بغیر نہیں پہنچتا پس خدا کے مقابلہ میں قوم۔ برادری۔ بیوی۔ دنیوی عزت و وجاہت۔ اولاد۔ مال۔ خواہشات نفسانی کو مقدم کرنا یہ تمام شرک فی الافعال کے ذیل میں آجاتے ہیں۔ کیونکہ ایسی صورت میں نفع ونقصان دینے والی خدا کے سوا یہ چیزیں سمجھی جاتی ہیں۔ حالانکہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ۔ اور اگر اللہ تجھے کوئی نقصان پہنچائے تو اُسی کے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں۔ اور اگر وہ تجھے فایدہ پہنچانا چاہے تو کوئی اُس کے فضل کو روکنے والا نہیں۔ اسی طرح حرام اور حلال ٹھیرانا یہ خدا کا فعل ہے۔ چنانچہ جو اپنی مرضی سے حرام حلال ٹھیراتا ہے وہ اپنے تئیں خدا کے فعلوں میں شریک ٹھیراتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں جب یہ آیت یہود کی نسبت نازل ہوئی۔ کہ اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابًا من دون اللہ۔ کہ اپنے علماء اور مشائخ کو خدا کے سوا رب پکڑتے ہیں۔ تو یہود نے کہا ہم تو رب نہیں مانتے۔ اس پر رسول کریم صلعم نے فرمایا کیا تم اپنے علماء اور مشائخ کے حلال کردہ اور حرام کردہ چیزوں کی تقلید نہیں کرتے۔ اُنھوں نے کہا کہ ہاں۔ فرمایا یہی رب پکڑنا ہے کیونکہ کسی چیز کا حلال کرنا یا حرام کرنا یہ خدا کا فعل ہے۔ اور علماء اور مشائخ کے اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام کردینے پر اس کی تقلید کرنا یہی شرک ہے +

(۴) **تعظیم و عبادت میں توحید۔** اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا کی عبادت اور تعظیم میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ نہ نفس کو اور نہ مخلوق کو غیر اللہ میں دو ہی چیزیں ہیں مخلوق اور نفس پس خدا کی عبادت اور تعظیم میں ان دونو میں سے کوئی بھی شریک نہ ہو۔ چنانچہ فرمایا ولا یشرک

بعبادة ربہ احداً یعنے خدا کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔ پھر فرمایا افرئیت من اتخذ الھہٗ ھوٰہ واضلہ اللہ علی علم الخ یعنے کیا دیکھا تو نے اس شخص کو جس نے اپنے نفس اور اُسکی خواہشات کو معبود بنایا اور خدا نے باوجود اُس کے علم کے اُسے گمراہ قرار دیا الخ۔ یہاں صاف بتایا خواہ کتنا ہی عالم ہو۔ اگر نفس اور اُس کی خواہشات کو معبود بناتا ہے وہ گمراہ ہے۔ پس مخلوق اور نفس کو ہرگز خدا کے ساتھ معبود نہ بنایا جائے۔ چنانچہ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین۔ لا شریک لہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین۔ کہدے بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لیئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے کوئی اُس کا شریک نہیں اور میں اسی بات کے لیئے حکم کیا گیا ہوں اور میں سب سے بڑھ کر کامل اور سب سے پہلے خود فرمانبرداری کرنے والا ہوں۔ اس میں چار باتیں بتائی ہیں :-

(ا) میری نماز اور دعا اللہ کے لیئے ہے۔ یعنے میرا کوئی معبود سوائے اللہ کے نہیں جو لا الہ الا اللہ کا مقصد ہے۔ یعنے میں سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہیں کرتا اور نہ کسی سے دعا مانگتا ہوں اور نہ مدد چاہتا ہوں۔ اس سے تمام بتوں اور دیوی دیوتاوں کی پوجاوں اور درختوں اور خانقاہوں اور قبروں اور تعزیوں۔ اور ولیوں اور نبیوں سے استمداد اور دعا کا خاتمہ ہوگیا۔ اور نیز ریاکاری جڑ سے اکھڑ گئی۔ کیونکہ ریا میں خدا کے ساتھ دوسرے لوگوں کو شامل کیا جاتا ہے۔ اُس وقت عبادت کا مقصد محض خدا نہیں ہوتا بلکہ کسی دوسرے انسان کو دکھانا بھی منظور ہوتا ہے اور اس طرح یہ شرک فی العبادۃ ہوتا ہے۔

(ب) میری عبادتیں اور قربانیاں اللہ کے لیئے ہیں۔ اس سے تمام نذر و نیاز بھینٹ اور قربانیوں کا جو بتوں یا دیوتاؤں یا پیروں یا ولیوں یا شہداء کے نام پہ دیجاتی یا خانقاہوں اور قبروں اور بتوں اور درختوں پر چڑھائی جاتی ہیں۔ خاتمہ ہوگیا۔ غرضکہ غیر اللہ کے نام کی تمام نیازیں حلوے مالیدے گھنگھنیاں سب پر جھاڑو پھر گیا۔ اور قربانی کے اندر جہاں خدا کے سامنے تمام غیر اللہ کی نفی کردی۔ وہاں اپنے نفس پہ بھی چھری پھیر دی۔ کیونکہ قربانی تو جبھی کامل ہوسکتی ہے۔ جب سب کچھ قربان کردیا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ قربانی جب تک محبت نہ ہو نہیں ہوسکتی۔ اور جس قدر محبت زیادہ ہوگی اتنا ہی قربانی کا دائرہ وسیع ہوجائے گا۔ دنیا میں محبت کے مختلف مراتب ہیں

ادنیٰ محبت کو اعلیٰ پر قربان کر دیا جاتا ہے۔ مال سے بھی محبت ہوتی ہے۔ جان سے بھی۔ عزت سے بھی مگر محبت کے مراتب کے مطابق قربانیاں ہوا کرتی ہیں۔ چنانچہ مال جان پر قربان کر دیا جاتا ہے اور جان عزت پر۔ قرآن کریم میں فرمایا امنوا اشد حبا للّٰہ یعنے مومن کی سب سے زیادہ شدید محبت اللہ ہی کی ہوتی ہے۔ محبت تو دنیا میں فطرتی طور پر علیٰ قدر مراتب سب سے ہوتی ہے۔ یہ منع نہیں مگر سب سے زیادہ شدید محبت اللہ ہی سے ہونی چاہیئے۔ تاکہ وقت پر جو سب سے زیادہ محبوب ہے اُس کے لیئے انسان دوسری تمام چیزوں کو جو اس سے ادنےٰ درجہ محبت کا رکھتی ہیں قربان کرنے میں دریغ نہ کرے۔ پس فرمایا کہ میری تمام قربانیاں اللہ کے لیئے ہیں یعنے محبت الٰہی میں اسقدر مٹا ہُوا ہوں۔ کہ سب کچھ ہی اُس کے لیئے قربان کر دیا ہے۔ کیا مخلوق اور کیا نفس سب کچھ قربان ہے۔ مخلوق کی قربانی میں جہاں مال و دولت عزت۔ قوم برادری وطن۔ اہل و عیال۔ حکومت۔ سلطنت سب کچھ قربان ہو گیا۔ وہاں نفس کی قربانی میں اپنی جان اور تمام خواہشات نفسانی اور سب سے بڑھ کر کبر پر چھری پھر گئی۔ کیونکہ کبر ہی نفس کی پرستش ہوا کرتی ہے۔ پس اس بات سے کہ تمام قربانیاں اللہ کے لیئے ہیں۔ یہ نتیجہ نکلا۔ کہ سب سے بڑھ کر محبوب اللہ ہے جو لا الٰہ الا اللہ کا مقصود ہے +

(ج) میرا جینا اللہ کے لیئے ہے۔ یعنے میں تو خدا کے لیئے جیتا ہوں۔ یعنے میری تمام زندگی کا مقصود و مطلوب نہ مال ہے نہ اولاد۔ نہ حکومت ہے نہ سلطنت۔ نہ عزت ہے نہ وجاہت۔ نہ عیش ہے نہ لذت۔ بلکہ صرف خدا اور یہی لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم ہے۔

(د) اور میرا مرنا اللہ کے لیئے ہے۔ یعنی میں خدا کی فرمانبرداری میں یہاں تک مٹا ہُوا ہوں کہ اُسکی اطاعت کے لیئے جان تک دینے میں دریغ نہیں اور اسی پر میرا خاتمہ ہوگا۔ اور میں اپنی تمام خواہشوں کو اور تمام ارادوں کو اُس کے لیئے فنا کر چکا ہوں اور موتوا قبل ان تموتوا کا مصداق ہوں۔ اور خدا کے ہاتھ میں بیجان کی طرح ہوں۔ پس میرا مطاع سوائے اللہ کے کوئی نہیں۔ اور اس کی فرمانبرداری کو یہاں تک کمال پر پہنچا چکا ہوں۔ اور اپنے تمام ارادوں اور خواہشات کو اُسکی فرمانبرداری کے لیئے یہاں تک کھو چکا ہوں۔ کہ گویا میں اُس کے لیئے مر گیا ہوں۔ اور میں مثل ایک بے جان آلہ کے خدا کے ہاتھ میں ہوں جس طرح چاہے کام لے اور یہی لا الٰہ الا اللہ کا مطلب ہے۔ ان تمام مذکورہ بالا باتوں سے یہ ثابت ہُوا کہ لا الٰہ الا اللہ جو توحید کا لب لباب ہے۔ اس کے معنے یہ ہوئے

کہ کوئی خدا یا کسی صفت الوہیت سے موصوف یا متصرف کامل یا معبود و محبوب و مطلوب و مقصود و مطاع نہیں سوا اللہ کے۔ مگر یاد رہے جب تک عقیدہ اور ایمان کے ساتھ عمل نہ ہو وہ کچھ بھی نہیں کیا اس بات کو صرف مان لینے سے کہ روٹی سے پیٹ بھرتا ہے یا پانی سے پیاس بجھتی ہے۔ کسی کا پیٹ بھر جایا کرتا ہے یا پیاس بجھ جایا کرتی ہے؟ ہرگز نہیں تو پس توحید کے محض مان لینے سے کچھ فائدہ نہیں جب تک اُس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ چنانچہ اسی لیئے قرآن کریم میں لاشریک له وبذالك امرت کے ساتھ وانا اول المسلمین فرمایا۔ یعنے خدا کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ اور اسی کے لیئے میں حکم دیا گیا اور مامور کیا گیا ہوں۔ اور میں سب سے پہلے خود کامل طور پر فرمانبرداری کرنے والا ہوں۔ یعنے توحید پہ میرا پورا پورا عملدرآمد ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے اپنے عمل سے یہ سب کچھ ثابت کیا۔ خود بھی محض خدا کی عبادت کی اور اُسی کی عبادت کو دُنیا میں اپنے نمونہ سے قائم کیا۔ اور تمام معبودان باطلہ کا قلع قمع کردیا اور خدا کے لیئے وہ قربانی کی جس کی مثل دُنیا نہیں پیش کر سکتی۔ خدا کی محبت میں وطن خویش و اقارب سب کچھ چھوڑا۔ کفار مکہ مال و دولت عزت سلطنت۔ خوبصورت بی بیاں سب ہی کچھ تو پیش کرتے تھے۔ تا آپ توحید کی تبلیغ سے باز آجائیں مگر آپ نے کسی کی طرف بھی التفات نہ کیا۔ اور خدا کی خاطر سب پر چھُری پھیر دی۔ ہر قسم کے دُکھ اور تکلیفیں اور سختیاں محض خدا کی خاطر برداشت کیں۔ اور جان کو معرض خطر میں ڈالا۔ اور دُنیا کو دکھا دیا۔ کہ اس طرح خدا کو محبوب بنایا کرتے ہیں۔ پھر آپ کی تمام زندگی کا مقصود و مطلوب بس یہ تو خدا ہی تھا۔ سوا خدا کے نام کی تسبیح و تقدیس اور اسی کی بڑائی ظاہر کرنے کے آپ کو کوئی کام نہ تھا۔ جس پر آج تک اذان پانچ وقت شہادت دیتی ہے۔ پھر آپ خدا کی طاعت اور فرمانبرداری میں یہاں تک فنا ہوئے ہوئے تھے۔ کہ ما ینطق عن الهوٰی ان هو الا وحی یوحیٰ۔ وما رمیت اذ رمیت ولکن الله رمیٰ کا خطاب بارگاہ احدیت سے مل گیا۔ یعنے آپ کا قول و فعل سب کا سب خدا ہی کے ارادہ اور منشا کے ماتحت اور مطابق تھا۔ پس صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله گویا لا اله الا الله کی عملی صورت ہے۔ جو لا اله الا الله کو مان کر اس پر عمل کرنا چاہتا ہے وہ اسطرح عمل کرے۔ جس طرح پر آنحضرت صلعم نے عمل کیا یعنے عمل سے خدا ہی کو اپنا معبود و محبوب و مطلوب و مقصود و مطاع بنا دے جس طرح آپ نے بنایا۔ چنانچہ آپ کی نسبت خود خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرمایا ہے

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ اور بے شک تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔ کسی بات پر عمل کرنے کے لیئے نمونہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب تک نمونہ سامنے نہ ہو عمل ٹھیک ٹھیک ہونا ناممکن ہُوا کرتا ہے۔ آنکھ بنانا علم جراحی کی کتابوں میں لکھا ہے۔ مگر جب تک کسی کو بناتے ہوئے نہ دیکھے آنکھ بنانی نہیں آتی۔ اسی طرح تمام کاموں کا حال ہے۔ نمونہ کے بغیر کسی کام کا ٹھیک ٹھیک کرلینا ناممکن امر ہے۔ اس لیئے توحید پر عمل کرنے کے لیئے نمونہ اللہ تعالےٰ نے رسُول کو پیش کیا۔ کہ آپ توحید کا کامل و مکمّل عملی نمونہ ہیں۔ اور ایسا نمونہ جو خدا کو نہایت محبوب ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ کہدے اگر تم اللہ سے محبّت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ میرے نمونہ پر چلو۔ خدا کے محبُوب بن جاؤ گے۔ پس رسُول کو بہترین اور محبُوب ترین نمونہ بنا کر پھر نمونہ کو آپ کی ذات سے مخصوص کرنے کے لیئے قرآن کریم میں محمد رسول اللہ فرمایا۔ (صلے اللہ علیہ وسلم) کہ وہ رسُول جس کا نمونہ ہمیں پسند اور پیارا ہے وہ محمد ہے صلعم۔ پس توحید کی پوری تعریف یوں ہوئی۔ کہ کوئی خدا یا کسی صفت الوہیت سے موصوف یا متصرّف کامل یا معبود و محبوب و مطلوب و مقصود و مطاع نہیں سوا اللہ کے۔ کیا بلحاظ عقیدہ کے اور کیا بلحاظ عمل کے جس کے لیئے بہترین و محبُوب ترین نمونہ محمد رسُول اللہ صلعم ہے۔ اس کا عربی زبان میں ترجمہ یوں ہُوا۔ کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلّے اللہ علیہ وسلم)

توحید پر دلائل۔ دو قسم ہیں۔ ایک عقلی دوسرے الہامی۔ (۱) عقلی دلیل۔ یہ صدہا ہیں۔ مگر اختصار کے لیئے ان میں سے مَیں ایک پر یہاں اکتفا کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ تمام کارخانہ عالم کو دیکھ کر یہ پتہ لگتا ہے۔ کہ اس کا بنانے والا اور تمام نظام کو ایسی ترتیب اور عمدگی کے ساتھ چلانے والا اور تمام قوانین قدرت کا مقنّن ایک ہی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم بھی فرماتا ہے۔ لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا۔ اگر آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی اور خدا ہوتا تو آسمانوں اور زمین میں فساد لازم آتا اور دونو تباہ ہو گئے ہوتے۔ اس تمام کائنات کا صحیح نظام اور ایک ہی قسم کے قوانین کے اندر مقیّد ہونا خواہ حجم اور مکان میں کتنا ہی فرق کیُوں نہ ہو۔ ثابت کرتا ہے۔ کہ ایک ہی مقنّن اور ایک ہی حکمران اور ایک ہی بنانے والا ہے کیونکہ ایک سے زیادہ ہونے میں اختلاف قوانین ہوتا۔ اور قوانین کے اختلاف سے نظام عالم کبھی

برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کی تفصیل تو ایک کتاب چاہتی ہے۔ مگر میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ عاقل کو اشارہ کافی ہے۔ ایک دفعہ ایک عیسائی پادری نے بھی لکھا تھا۔ کہ قیامت میں ایسی قوموں سے جہاں تبلیغ نہیں پہنچی۔ اگر کوئی سوال ہوگا تو وہ توحید کے متعلق ہوگا۔ کیونکہ قوانین قدرت اور نظام عالم توحید ہی کی تائید کرتا ہے۔ پس ہمیں تثلیث کی بہت تبلیغ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ عقل اس کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے وہ قومیں جن تک یہ نہیں پہنچا باز پرس کے نیچے نہیں آسکتیں۔ یہ ہے پادری صاحب کی اقبالی ڈگری۔ جو انھوں نے توحید کو اپنے ہاتھ سے دی۔ اور ثابت کیا کہ توحید نظام عالم سے ثابت اور عین عقل کے مطابق ہے الہامی دلیل۔ دنیا کے تمام نبی خواہ وہ کسی ملک یا کسی زمانہ میں ہوئے توحید کا ہی وعظ کرتے رہے۔ اور یہی اُن کا مقصد رسالت رہا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم اس سے بھرا پڑا ہے۔ مگر ان سب میں محمد رسول اللہ صلعم ایسا عظیم الشان نبی اور رسول آیا جس نے نہ صرف اپنے الہام اور وعظ سے ثابت کیا۔ کہ توحید حق ہے۔ بلکہ آپ کی زندگی اور سوانح عمری ہمیشہ کے لیئے توحید پر دلیل قائم کر گئی۔ اس اجمال کی تفصیل یوں ہے۔ کہ جب آنحضرت صلعم کی بعثت ہوئی۔ اُس وقت دنیا شرک میں مستغرق تھی جیسا ظہر الفساد فی البر و البحر سے ظاہر ہے کہ خشکی وتری سب بگڑ چکی تھی۔ اور ہر طرف معبودان باطلہ کی پرستش ہو رہی تھی۔ کہیں لات و منات عزیٰ و ہبل کی پوجا ہو رہی تھی تو کہیں کہیں قبیلہ قبیلہ کے بت جدا تھے۔ کہیں مسیح کی پرستش ہو رہی تھی تو کہیں علماء اور مشائخ کو معبود بنایا ہوا تھا۔ کہیں عناصر پرستی تھی تو کہیں اسباب پرستی۔ کہیں دنیا پرستی تھی تو کہیں نفس پرستی۔ غرض کہ کوئی چیز نہ تھی جو شریک خدا نہ ٹھیرائی گئی ہو۔ گویا عناصر۔ بت ٹھاکر۔ دیوی دیوتا۔ فرشتے۔ اولیاء۔ انبیاء۔ علماء۔ مشائخ۔ دُنیا و اسباب دنیوی مال۔ اولاد۔ قوم جماعت جتھا۔ قوت۔ حکومت۔ سلطنت۔ نفس و خواہشات نفسانی وغیرہ یہ تمام بت تھے۔ جن کی پرستش ہو رہی۔ آپ نے آکر ان تمام بتوں کو دور کرنا چاہا اور ایک خدا کی پرستش کا وعظ کیا۔ اس پر ان بتوں کے پجاریوں میں کھلبلی پڑ گئی۔ پہلے تو انھوں نے لالچ دے کر چاہا۔ کہ آپ کو تبلیغ حق سے روک دیں۔ مگر جب اس میں اُنھیں کامیابی مطلق نہ ہوئی تو پھر مخالفت کرنی شروع کی اور چاہا کہ اپنے بتوں کے زور سے آپ کو نیست و نابود

کردیں۔ کسی نے بتوں کے آگے دُعائیں کیں۔ کسی نے ناک رگڑی۔ کسی نے چلے کھینچے۔ کسی نے ٹونے ٹوٹکے اور جادو سے کام لیا۔ کسی نے علماء و مشائخ کو آگے کیا۔ بہتوں نے قوت و دولت و جماعت و حکومت کے بتوں سے استمداد چاہی۔ اور اس طرح اپنے تمام بتوں سمیت رسول اللہ صلعم کے مقابل اکھاڑہ جمایا۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے قل یا ایھا الکافرون لا اعبد ماتعبدون ولا انتم عبدون ما اعبد ولا انا عابد ما عبدتم ولا انتم عبدون ما اعبد لکم دینکم ولی دین۔ کہدے۔ اے وہ جو انکار کر رہے ہو جن کی تم عبادت کر رہے ہو اُنکی میں عبادت نہیں کرتا۔ اور جس کی میں عبادت کرتا ہوں اس کی تم عبادت نہیں کرتے۔ اور جنکی تم عبادت کر رہے ہو ان کی میں ہرگز عبادت نہیں کرنے لگا۔ اور جس کی میں عبادت کرتا ہوں معلوم ہوتا ہے اس کی تم عبادت نہیں کرنے لگے۔ پس اب انجام کو دیکھو کہ ہم دونوں کو کیا بدلہ ملتا ہے کیونکہ تمہیں اپنے کیئے کا بدلہ ملے گا اور مجھے اپنے کیئے کا بدلہ۔ دیکھو کہ کون کامیاب ہوتا ہے کس کا معبود سچا قادر ثابت ہوتا ہے اور کس کے معبود جھوٹے اور عاجز ثابت ہوتے ہیں گویا پرستاروں کی فوج لڑے گی اور معبودوں میں سے جو سچا اور قادر اور مالک الملک ہے اُسی کی فتح ہوگی اور اسی کی قدرت کا ظہور ہوگا۔ پھر اس لڑائی کا انجام بتلایا۔ کہ قل جاء الحق وزھق الباطل انا الباطل کان زھوقا۔ کہدے حق آگیا اور باطل بھاگ گیا۔ بے شک باطل بھاگنے والا تھا۔ صاف فرمادیا کہ حق آگیا اور اب باطل بھاگ جائیگا حق کی پرستش ہوگی اور معبودان باطلہ مٹائے جائیں گے۔ اب کیا ہوتا ہے؟ سخت مقابلہ ہوتا ہے۔ رسول کریم صلعم کو اور آپ کے صحابہ کو دکھ دیا جاتا ہے ستایا جاتا ہے۔ وطن سے نکالا جاتا ہے۔ قتل کی تدبیریں ہوتی ہیں۔ اور دنیا میں جس قدر تدبیریں قتل کی ہوسکتی ہیں وہ سب کی سب رسول کریم صلعم کے قتل کرنے کے لیئے کام میں لائی جاتی ہیں۔ تنہائی میں قتل کر دینا۔ سوتے میں قتل کر دینا۔ سجدے میں قتل کر دینا۔ دھوکا دے کر قتل کر دینا۔ بلوہ کر کے قتل کر دینا جنگ میں قتل کر دینا۔ گلا گھونٹ کر قتل کر دینا۔ زہر دے کر قتل کر دینا یہ تمام صورتیں قتل کی آپ کے ساتھ برتی گئیں۔ مگر آپ کو اللہ تعالےٰ نے واللہ یعصمک من الناس کے وعدے کے مطابق محفوظ رکھا۔ مخالفوں نے آپ کو وطن چھوڑنے پر مجبور کیا۔ اس پر بھی صبر نہ آیا تو مدینہ

جہاں آپ تشریف رکھتے تھے اس پر چڑھائی کر دی۔ پھر جنگوں کی نازک حالت کا نقشہ اس سے ذہن میں آسکتا ہے کہ قریش دشمن۔ عرب کے تمام قبائل دشمن۔ قیصر و کسریٰ دشمن۔ اور دیگر تمام حکمران جو ارد گرد تھے سب کے سب دشمن۔ خاص شہر کے اندر یہود و نصاریٰ دشمن۔ اوس و خزرج کے قبائل دشمن مُٹھی بھر مسلمان اور اندر باہر سارا زمانہ دشمن۔ یہ نازک حالت اور معدودے چند مُسلمان۔ اور پھر تحدی یہ کہ اعملوا علےٰ مکانتکم انی عامل فسوف تعلمون اپنی جگہ اپنے مقدور بھر پُورا زور لگا لو۔ میں بھی اپنا کام کر رہا ہوں۔ پس عنقریب پتہ لگ جائیگا۔ پھر فرمایا انی اشھد اللہ واشھدوا انی بریٔ مما تشرکون من دونہ فکیدونی جمیعاً ثم لا تنظرون۔ میں خدا کو گواہ ٹھیراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو بے شک میں بیزار ہوں اُن سے جنہیں تم خدا کے سوا شریک ٹھیراتے ہو پس میرے مقابل میں تم اور تمہارے معبود سب کے سب مل کر تدبیریں کر لو اور زور لگا لو اور مجھے کوئی مہلت نہ دو۔ پھر فرمایا قل لو کان معہ الٰھۃ کما یقولون اذا لابتغوا الیٰ ذی العرش سبیلا کہدے اگر خدا کے ساتھ کوئی اور معبُود بھی ہے۔ جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں۔ تب تو میرے مخالفوں کے لیئے کامیاب ہونے کے لیئے راہ آسان ہے۔ کیونکہ پھر ان کے معبُودانِ باطلہ خدا کے پاس پُہنچ کر فیصلہ اپنے پرستاروں کے حق میں کروالیں گے۔ غرضکہ ان تحدیوں نے آگ پر تیل کا کام کیا۔ اور حق اور باطل میں عجب گھمسان کا رن پڑا۔ باطل نے اپنی تمام قوت لگادی کہ حق کا مقابلہ کرے۔ مگر وہ تو ازل سے مقدر ہوچکا تھا۔ کہ حق غالب ہو اور باطل پاش پاش ہو پس وہ دیکھو خدا کا پہلوان سر پر کامیابی کا تاج رکھے آتا ہے۔ فتح و ظفر قدموں پر لوٹ رہی ہیں نصرت و تائیدات الٰہیہ جلو میں ہیں۔ اقبال پیچھے پیچھے دوڑ رہا ہے۔ افضالِ الٰہیہ پھُول برساتے آتے ہیں۔ ہاں وہ آتا ہے اور خدا کا گھر بتوں سے پاک کرتا ہے نہ صرف کعبہ۔ بلکہ ہر ایک کعبۂ دِل جس کی نسبت حدیث قدسی وارد ہے۔ کہ میں آسمان و زمین میں نہیں سماتا۔ مگر مومن کے دلمیں سماجاتا ہوں۔ بتوں سے پاک کیا جاتا ہے۔ تمام بُت توڑے جاتے ہیں۔ اور ایک خدا کی تعظیم و عبادت قایم کی جاتی ہے۔ یہی ہے وہ خدا کا پہلوان جس کا ترانہ داؤد نے اپنی زبور میں گایا ؎

پہلوانِ حضرتِ ربِّ جلیل برمیاں بستہ ز شوکت خنجرے
تیرِ او تیزی بہر میداں نمود تیغِ او ہر جا نمودہ جوہرے

کرد ثابت بر جہاں عجزِ بتاں — وانمودہ زور آں یک قادرے
تا نماند بے خبر از زورِ حق — بت شنا و بت پرست و بت گرے

الغرض حضرت نبی کریم صلعم نے تمام معبودانِ باطلہ اور ان کے پرستاروں کا مقابلہ کرکے اور کامیاب ہوکے لمن الملك اليوم - لله الواحد القهار کا نقشہ دُنیا کے سامنے پیش کردیا۔ یعنے مظفرؔ و منصور ہوکر اُس دن دنیا پر ثابت کردیا۔ کہ دیکھو آج خداوند کی بادشاہت ظاہر ہوئی جو اکیلا اور سب پر غالب ہے۔ یہ وہی بادشاہت ہے جس کے نزدیک آنے کی مسیح نے منادی کی اور فاران سے جلوہ گر ہونے کی موسےٰ نے بشارت دی۔ پس رسول کریم صلعم کی رسالت نے تمام معبودان باطلہ کا قلع قمع کرکے توحید پر ہمیشہ کے لیئے دلیل قائم کردی اس لیئے لا اله الا الله اگر توحید کا دعوےٰ ہے۔ تو اس کے ساتھ محمد رسول الله توحید پر دلیل قطعی ہے۔

حفاظت توحید کے ذرائع - (۱) کلمہ طیبہ اشهد ان لا اله الا الله میں اگر توحید ہے تو اشهد ان محمدا عبده و رسولهٗ۔ توحید کی حفاظت کے لیئے ساتھ موجود ہے۔ جاننا چاہیئے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات فرمایا ہے چنانچہ فرماتا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم - بے شک ہم نے انسان کو عمدہ سے عمدہ پیمانہ پر پیدا کیا ہے۔ پھر فرمایا و فضلکم علی العلمین۔ اُس نے تمام دُنیا جہان اور عالموں پر تمہیں فضیلت دی ہے۔ آدم کی فرمانبرداری کے لیئے فرشتوں کو حکم دے کر فرشتوں پر بھی فضیلت صاف طور پر بیان فرمادی۔ اس کے بعد انسانوں میں نبیوں کے گروہ کو خاص طور پر ممتاز فرمایا۔ چنانچہ فرماتا ہے ان الله اصطفیٰ ادم و نوحًا و ال ابراهيم و ال عمران علی العلمين۔ بے شک اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کی آل اور عمران کی آل کو دُنیا جہانوں پر فضیلت دی۔ ان برگزیدوں اور رسولوں میں پھر بعض کو بعض پر فضیلت ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے تلك الرسل فضلنا بعضهم علی بعض۔ یعنے ان رسولوں میں بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی ہے۔ ان رسولوں میں پھر جناب محمد رسول اللہ صلعم کو سب پر فضیلت دی۔ چنانچہ خاتم النبیین فرماکر یہ بتلایا کہ تمام کمالات نبوت آپ پر ختم ہوگئے اور آپ کی نبوت کا دامن قیامت تک وسیع ہے۔ اور نبوت کے گویا آپ ایسے حقیقی وارث ہوئے کہ اب جسے بھی اس کمال سے حصہ لینا ہو اُس کو آپ کی غلامی کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ اور

آپ کی غلامی سے الگ ہوکے اس میں سے حصہ کسی کو نہیں مل سکتا۔ اور آپ کی شریعت کا حلقہ کسی کے کان سے نہیں نکل سکتا ؎

ختم شد بر ذات پاکش ہر کمال — لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے
آں خداوندش بداد آں شرع و دیں — کاں نگردد تا ابد تغییرے

پس نبیوں میں سب پر فضیلت ہونے کی وجہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ آپ کل مخلوقات میں سے افضل اور برتر ہیں۔ پھر جب آپ کو خداتعالیٰ نے قرآن کریم میں عبدہٗ فرماکر دنیا کو بتایا کہ باوجود خیر خلق ہونے کے یہ ہمارا بندہ ہی ہے۔ اور اس سے زیادہ نہیں تو اس سے ثابت ہوگیا کہ پھر کوئی اور خدا کا شریک نہیں ہو سکتا۔ جب بہترین خلائق خدائی میں شریک نہ ہو سکا اور بندہ ہی رہا تو کسی اور کا ذکر ہی کیا ہے۔ اسی وجہ سے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ لازم طور پر رکھا جس سے ہمیشہ قلب پر یہ اثر ہوتا ہے۔ کہ جب محمدؐ جو بہترین خلائق ہے بندہ ہے تو کسی اور مخلوق کو کب شرکت خدائی میں ہو سکتی ہے۔ اور اس طرح دنیا کے لوگوں کا یہ قاعدہ بھی توڑا گیا جو وہ اکثر بانی مذہب کو ہی خدا بنا لیا کرتے تھے۔ مثلاً کرشن اور رامچندر اور بدھ اور مسیح وغیرہ کو خدائی کے تخت پر بٹھایا گیا۔ اس لیئے ہمیشہ کے لیئے بانی اسلام کو عبدہٗ و رسولہٗ کے لقب سے یاد کرتے رہنا ضروری قرار دیا گیا تا یہ شرک کبھی راہ نہ پاوے۔ کیونکہ جب پہلے لوگ مثلاً مسیح وغیرہ جن کی رسالت کچھ زیادہ نمایاں بھی نہ تھی۔ خدا بن گئے۔ تو آنحضرت صلعم کی نسبت جن کی رسالت نے تمام معبودان باطلہ کا خاتمہ کر دیا اور اُن کے مقابلے میں بیّن طور پر مظفر و منصور ہوئی۔ الوہیت کے خیالات کا راہ پا جانا بالکل فطرتی امر تھا۔ پس عبدہٗ و رسولہٗ کا کلمہ آپ کے نام کے ساتھ لگانا اور اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ کو اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ بطور اُس کے ایک جزو کے رکھنا حفاظت توحید کے لیئے تھا۔ تاکہ انسان توحید پر قائم رہے اور کبھی شرک میں مبتلا نہ ہو سکے۔

(۲) قرآن کریم بھی حفاظت توحید کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ قرآن کی نسبت فرمایا یبین اللہ لکم ان تضلوا۔ تمہارے لیئے اللہ کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم گمراہ نہ ہو۔ وہ کیا ہے جسے کھول کر بیان کرتا ہے وہ توحید ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ۔ انما الٰھکم الٰہ واحد کہدے بے شک میں تمہارے جیسا ہی انسان ہوں میری طرف وحی کیجاتی ہے کہ بے شک تمہارا

خدا ایک ہی خدا ہے۔ پھر خود قرآن کریم کے صحیح و سالم اور محفوظ رہنے کے لیئے یہ تسلّی دی کہ میں خود اس کا محافظ ہوں۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون بے شک ہمنے ہی اس ذکر کو نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ جس کی واقعات زمانہ بڑی زور سے شہادت دے رہے ہیں۔ پس ثابت ہؤا کہ قرآن کریم کا مقصد توحید کا کھول کھول کر بیان کرنا ہے تا انسان گمراہ نہ ہو اور توحید سے نہ بھٹک جائے۔ اور قرآن ہر زمانہ میں محفوظ ہے اس لیئے توحید بھی اس کے ذریعہ محفوظ ہے ۔

(۳) خلفا بھی حفاظت توحید کے لیئے آتے ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنّھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئاً ومن کفر بعد ذٰلک فاولٰئک ھم الفٰسقون۔ یعنے وعدہ کرتا ہے اللہ اُن لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیئے۔ کہ ضرور وُہ اُن کو خلیفہ بنائے گا زمین میں جیسے خلیفے بنائے اُن لوگوں کو جو ان سے پہلے ہوئے۔ اور ضرور ضرور مضبُوط کرے گا اُن کے دین کو جس کو اُس نے اُن کے لیئے پسند کیا اور خوف کو جو اُن کے لاحق حال ہوگا ضرور ضرور امن سے بدل دیگا۔ اور وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائینگے اور جو کوئی اس کے بعد ناشکری کرے گا۔ وہ پھر خود عہد کو توڑنے والا ہے۔" صاف فرمایا کہ خلافت کا مقصد تمکین دین اور جس قسم کا خوف دین کے لاحق حال ہو اُس کو امن سے بدلنا ہے۔ اور تمکین دین اور امن کا مقصد توحید بتلایا۔ تا خدا کی عبادت میں کوئی شریک نہ ٹھیرایا جاوے۔

اشاعت توحید۔ اس کے مختلف ذرائع ہیں :۔

(۱) رسالت۔ قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ ھو الذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدّین کلہ ولو کرہ المشرکون۔ وہی تو خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچّا دین دے کر بھیجا تا کہ اُسے کل دینوں پر غالب کر کے دکھائے۔ اور اگرچہ مشرکوں کو بُرا ہی کیوں نہ لگے۔ ظاہر ہے کہ مشرکوں کو توحید کی اشاعت ہی بری لگا کرتی ہے۔ اور توحید کا غلبہ انھیں ناپسند ہوتا ہے۔ کیونکہ اُن کے اصوُل کے خلاف ہوتا ہے۔ مزید برآں دین کی یوں

تشریح کی کہ رضیت لکم الاسلام دینًا یعنے تمہارے لیئے دین اسلام پسند کیا۔ پھر اسلام کی تشریح یوں فرمائی کہ بلیٰ من اسلم وجہہ للہ وھو محسن۔ مسلمان وہ ہے جس نے اپنا مونھ خدا کی کامل فرمانبرداری میں رکھدیا اور عمل سے بھی ثابت کیا۔ پھر خدا کی نسبت فرمایا۔ کہ قل ھو اللہ احد۔ کہدے وہ اللہ ایک ہے۔ اس طرح رسالت کا مقصد توحید ہوا۔ کیونکہ دین حق توحید ہی ثابت ہوا۔ جو رسل لاتے ہیں۔

(۲) قرآن۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرأیتہ خاشعًا متصدعًا من خشیۃ اللہ وتلک الامثال نضربھا للناس لعلھم یتفکرون ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو۔ عالم الغیب والشھادۃ ھو الرحمن الرحیم۔ اور اگر ہم نازل فرماتے اس قرآن کو پہاڑ پر تو اے مخاطب تو دیکھتا۔ کہ وہ خدا کے خوف سے جھک گیا ہوتا اور پھٹ پڑا ہوتا۔ اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیئے بیان کرتے۔ تاکہ وہ ذرا سوچیں۔ وہ اللہ ایسا ہے کہ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ غیب اور ظاہر کا جاننے والا ہے۔ وہ رحمن اور رحیم ہے۔ اسی طرح توحید کی تعلیم سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ چنانچہ خود بھی قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الھکم الہ واحد (کہدے میں تمہارے جیسا انسان ہوں۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے) فرما کر بتلادیا کہ قرآن کا مقصد توحید ہے۔ مگر قرآن تب ہی مفید مطلب ہو سکتا تھا جب اس کی ہر زمانہ میں حفاظت ہوتی رہتی۔ اس کے لیئے یوں تسلّی دی کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون۔ بے شک ہم نے ہی اس ذکر کو اُتارا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں اور واقعات زمانہ نے شہادت دی کہ قرآن جیسی محفوظ کتاب دُنیا میں کوئی نہیں۔ جب وہ محفوظ ہے تو فرمایا فاقرؤا ما تیسر من القرآن قرآن سے جو میسّر ہو پڑھا کرو۔ تا توحید کی اشاعت ہوتی رہے۔

(۳) خلافت۔ آیت استخلاف سے ابھی میں نے ثابت کیا ہے۔ کہ خلافت کا مطلب بھی توحید ہی ہے۔ یعنے توحید کی حفاظت و اشاعت کی جائے۔ جیسے کہ یعبدوننی لا یشرکون بی شیئًا سے ظاہر ہے۔ یعنے خلافت کا مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں خدا کی عبادت ہو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرایا جاوے۔ دُوسرے یہ کہ رسالت کا فرض منصبی جو لیظھرہ علی الدین کلہ میں بتلایا گیا ہے یعنے توحید اور اسلام کو کل دنیا کے دینوں پر غالب کرکے دکھانا۔ اس کا تکمیل پر پہنچانا

شہادت کا فرض ہے۔

(۴) اشاعت۔ قرآن کریم فرماتا ہے ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر ط واولٰئک ھم المفلحون۔ اور چاہیئے کہ تم میں سے ایک گروہ ایسا ہو جو خیر کی طرف بلاوے اور نیک کام کرنے کو کہے اور بُرے کاموں سے روکے اور یہ لوگ کامیاب ہونگے۔ اب خیر کیا ہے۔ اس کے سمجھنے کے لیئے قرآن کریم کو ہی لو۔ فرماتا ہے ما یود الذین کفروا من اھل الکتٰب ولا المشرکین۔ ان ینزل علیکم من خیر من ربکم ط واللہ یختص برحمتہٖ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ انکار کرنے والے ہیں وُہ نہیں چاہتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر خیر نازل ہو۔ اور اللہ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے لیئے جسے چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضلوں والا ہے۔ سیاق سباق اور تمام مفسرین کے اتفاق رائے سے یہ بات ثابت ہے کہ یہاں خیر سے مراد وحی ہے پس یدعون الی الخیر کا مطلب یہ ہوُا کہ اس قرآن کی وحی کی طرف لوگوں کو بلائیں۔ قرآن کی وحی کی نسبت میں اوپر ثابت کر چکا ہوں کہ وُہ توحید ہی جیسا کہ اوحی الیّ انما الٰھکم الٰہ واحد سے ظاہر ہے کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ تمہارا خدا ایک خدا ہے۔ پس مطلب یہ ہوُا کہ توحید کی طرف دعوت کرنے کے لیئے تم میں ہمیشہ ایک گروہ قائم رہنا چاہیئے۔ جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی کرے۔

(۵) اذان۔ قرآن کریم فرماتا ہے واذا نادیتم الی الصلوٰۃ اتخذوھا ھزوًا ولعبًا ذٰلک بانھم قوم لا یعقلون۔ اور جب تم نماز کی طرف اذان کے ذریعہ بُلاتے ہو تو بعض لوگ اسے حقیر اور بے حقیقت سمجھتے ہیں۔ یہ اس لیئے کہ وہ بے عقل لوگ ہیں۔ پس یہاں یہ بتلایا کہ اذان کو حقیر یا بے حقیقت سمجھنا بے عقلی ہے۔ بلکہ اس کے اندر بڑی گہری حقیقت موجود ہے اور یہ بڑی قابل قدر چیز ہے۔ کیونکہ دراصل اس کے ذریعہ اشاعت توحید مقصود ہے۔ پانچ وقت مسلمانوں پر فرض کیا۔ کہ وہ بلند سے بلند مقام پر چڑھ کر خدا کی توحید کی منادی کریں تاکہ کسی وقت تو کوئی سعید رُوح فائدہ اُٹھالے۔ اذان کے لفظوں کو اللہ سے شروع کیا۔ اور اللہ ہی پر ختم کیا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اشھد ان لا الٰہ الا اللہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ اشھد ان محمدًا رسول اللہ اشھد ان محمدًا رسول اللہ حیّ علی الصلوٰۃ حیّ علی الصلوٰۃ حیّ علی الفلاح

حيّ على الفلاح الله اکبر الله اکبر لا اله اِلّا الله ۔ اللہ سب سے بڑا ہے ۔ اللہ سب سے بڑا ہے ۔ اللہ سب سے بڑا ہے ۔ اللہ سب سے بڑا ہے ۔ میں گواہی دیتا ہوں کوئی خدا نہیں سوا اللہ کے ۔ میں گواہی دیتا ہوں کوئی خدا نہیں سوا اللہ کے ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلعم اللہ کا رسول ہے ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلعم اللہ کا رسول ہے (یہ حفاظت توحید کیلئے ہے) نماز کی طرف دوڑو ۔ نماز کی طرف دوڑو (جو خالص خدا کی عبادت ہے) فلاح و نجات کی طرف دوڑو ۔ فلاح و نجات کی طرف دوڑو (کیونکہ نماز جو خالص خدا کی عبادت ہے فلاح و نجات کی کنجی ہے) اللہ سب سے بڑا ہے ۔ اللہ سب سے بڑا ہے ۔ کوئی خدا نہیں سوائے اللہ کے ۔ اب بتلاؤ اس سے بڑھ کر اور توحید کی منادی کیا ہو سکتی ہے ۔ اور یہ روزانہ پانچ وقت مسلمانوں پر فرض ہے ۔

توحید کی علّت غائی

توحید کی علّت غائی نجات ہے ۔ جس کے معنے ہیں لامحدود ترقی ۔ جس کو اجر غیر ممنون سے قرآن نے تعبیر کیا ہے یعنے ایسا اجر جو کبھی ختم نہیں ہوتا ۔ انسان کو احسن تقویم پر پیدا کر کے پھر اُسے توحید پر چلا کر گویا ابدی ترقی کی راہ اس پر کھول دی ہے ۔ اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ کائنات عالم میں جو بھی چیز پیدا کی گئی ہے ۔ ظاہر ہو یا باطنی قرآن کریم نے اسے ایک نعمت قرار دیا ہے جو انسان کی ترقیاتِ ظاہری و باطنی کے لیئے مسخّر کی گئی ہے ۔ چنانچہ فرماتا ہے الم تروا ان الله سخر لكم ما فى السموات وما فى الارض واسبغ عليكم نعمه ظاهرةً وباطنةً ط کیا تم لوگوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ۔ سب کو اللہ نے تمہارا فرمانبردار بنا یا ہے ۔ اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کی ہیں ۔ اس آیت کریمہ میں صاف طور پر بتلایا ہے ۔ کہ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے سب کا سب ظاہری یا باطنی رنگ میں تمہارے لیئے ایک نعمت ہے اور سب کی سب تمہاری فرمانبردار ہیں ۔ پس ان نعمتوں کا شکر یہی ہے کہ ان سے کما حقہ فائدہ اٹھاؤ اور ترقیات کرتے چلے جاؤ ۔ ان کو اپنا خادم سمجھو ۔ معبود نہ سمجھو ۔ کیونکہ جو شخص ان کو معبود سمجھتا ہے ۔ وہ اُن سے خدمت نہیں لے سکتا ۔ اور اس لیئے ترقی بھی نہیں کر سکتا ۔ اور جو شخص اُن کو اپنا خادم

سمجھ کر ان سے کام لیتا ہے۔ وہ ترقی کے آسمان پر تارا بن کر چمکتا ہے۔ چنانچہ ایک آتش پرست یا پانی کو معبود بنانے والا ان سے کوئی نفع نہیں اٹھا سکتا۔ مگر ان کو خادم سمجھ کر اُن سے کام لینے والا اُن سے ریل دوڑا سکتا۔ اور طرح طرح کی کلیں چلا سکتا اور نفع اُٹھا سکتا ہے۔ ایک دریا کا پرستار اُس سے کوئی نفع نہیں اُٹھاتا۔ اِن اس کو خادم سمجھنے والا اس سے نہریں نکالتا اور زراعت کو سیراب کرتا ہے۔ اس کی آبشاروں سے بجلی نکالتا اور ریل چلاتا گویا تمام ترقیات کی جڑ کل کائنات کو اپنا خادم سمجھنا ہے۔ اور یہی وہ گُر اور اصل ہے۔ جو قرآن کریم نے توحید کے اندر انسان کے ذہن نشین کرایا ہے۔ تا انسان کل کائنات پر بحیثیت خلیفۃ اللہ کے حکمران ہو۔ اور اس پر ابدی ترقیات کے دروازے کھولے جائیں۔ لیکن یہیں تک نہیں انسانوں میں بھی مختلف استعداد اور قابلیتوں کے افراد ہوتے ہیں۔ تو کیا ایک انسان اپنے سے بڑے انسان کے آگے عبادت کے لیے سر جھکا دے۔ ہرگز نہیں خلقکم من نفس واحدۃ فرما کر بتلا دیا۔ کہ تم سب ایک جنس سے پیدا ہو۔ اس لیے انسان انسان سب برابر۔ تمام انسانوں میں سے محمد رسول اللہ کو خاتم النبیین اور اسوہ حسنہ فرما کر آپ کی ذات بابرکات کو تمام کمالات انسانی کا جامع۔ اور آپ کے نمونہ کو بہترین نمونہ قرار دیکر اور تمام نوع انسان پر فضیلت اور شرف عطا فرما کر پھر بشر مثلکم اور عبدنا کہکر بتلا دیا۔ کہ وہ بھی معبود نہیں ہو سکتے۔ بلکہ بلحاظ بشریت و عبودیت کے وہ تمہارے مانند ہی ہیں۔ پس اس مثلکم میں غضب کی تاثیر ہے۔ کیونکہ جب وہ شخص جو بہترین خلائق ہے۔ اور کمالات انسانی کے انتہائی نقطہ پر پہنچا ہوا ہے۔ ایک انسان ہی ہے۔ تو پھر دوسرے انسانوں کو بھی ترغیب ہوتی ہے۔ کہ ہم بھی اسی کے نقش قدم پر چل کر اپنی اپنی استعداد کے مطابق انسانی کمالات سے حصہ لیں۔ چنانچہ اسی لیے قرآن کریم میں آتا ہے۔ کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ کہدے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔ پس قرآن نے یہ سکھلایا۔ کہ اپنے سے بڑھ کر باکمال انسانوں کو جب دیکھو۔ تو اُن کے آگے پرستش کے لیے سر نہ جھکاؤ۔ بلکہ اُن کو نمونہ سمجھ کر اُن کے نقش قدم پر چل کر تم بھی ان کمالات سے حصہ لو۔ جو شخص کسی باکمال کے آگے عبادت کے لیے سر جھکاتا ہے۔ وہ گویا اس کمال سے اپنے محروم رہنے پر مُہر لگاتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کمال کو انسانی

حیثیت سے بالاتر سمجھتا ہے۔ اور جو اُس باکمال کی اتباع کرتا ہے۔ وہ اپنے لیئے اس کمال کا دروازہ کھول لیتا ہے۔ پس قرآن کریم نے توحید کے ماتحت جہاں ایک طرف تمام کائنات پر انسان کی بحیثیت خلیفۃ اللہ کے حکومت قائم کی۔ وہاں دوسری طرف اپنے سے بڑھ کر باکمال انسانوں کی جن میں سب سے بڑھ کر انبیاء کا گروہ قرار دیا۔ اور اُن میں سب سے بڑھ کر محمد رسول اللہ صلعم کا مرتبہ رکھا۔ صرف اتباع کو ضروری قرار دیا۔ تا انسان ترقی کے معراج پر گامزن ہو۔ گویا تمام کائنات ماتحت اور خادم۔ اور تمام انسان برابر۔ انسانوں میں جو کمالات میں اعلےٰ مقام رکھتا ہے ادنےٰ کو اس کے نمونہ کی اتباع کرنی چاہیئے۔ حصُول کمالات کے لیئے۔ نہ کہ پرستش اور بس۔ یہ ہے وہ ترقی کی راہ جو لا انتہاہی ہے۔ اور جو صرف توحید۔ ہاں صرف توحید کے ذریعہ ہی انسان پا سکتا ہے۔ توحید کے جس پہلو کو کسی قوم نے چھوڑا ہے۔ وہیں سے وہ تنزل کی قعر میں جا گری ہے۔ مثال کے طور پر یوُرپ کو لو۔ یوُرپ کی قوموں نے ظاہری نعمتوں کے متعلق توحید سے کام لیا۔ یعنے کل کائنات ظاہری کو اپنا خادم سمجھا۔ اور علوم ظاہر کے ہر ایک باکمال کو اپنے جیسا انسان سمجھ کر اُس کے نقش قدم پر چلے۔ اس لیئے دنیا میں ترقی کے معراج پر پہُنچ گئے۔ لیکن باطنی نعمتوں میں توحید سے کام نہ لیا۔ اور ایک انسان کے کمال کو دیکھ کر اُسے خدا مان لیا۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ باطنی ترقیات سے محرُوم رہ گئے۔ اور رفتہ رفتہ نوبت با ینجا رسید کہ دین کی آنکھ کانی ہو کر خدا پرستی سے مادہ پرستی کے گڑھے میں جا گرے۔ پس ظاہری اور باطنی ترقیات کی جڑ توحید ہے اور توحید کا کمال اسلام میں ہے۔ جیسا کہ میں اوپر ثابت کر آیا ہوں۔ اس لیئے یہی ایک مذہب ہے جو انسان کے لیئے ابدی نجات اور لا انتہا ترقیات کا دروازہ کھولتا ہے۔ اور باقی سب دعوٰے ہی ہے۔ وآخر دعوٰینا ان الحمد للہ رب العالمین ○

خاکسار

بشارت احمد عفی اللہ عنہ

اسلامی جنگوں کی ابتداء

اور غرض

(البقرہ - رکوع ۲۴)

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا۔ قرآن کریم کی ترتیب میں یہ سب سے پہلی آیت ہے جس میں قتال فی سبیل اللہ کی اجازت یا حکم دیا گیا ہے۔ اور ربیع اور ابن زید کا قول ہے کہ بلحاظ نزول بھی یہ سب سے پہلی آیت ہے جس میں قتال کی اجازت دی گئی۔ مگر سورۃ الحج میں بھی چونکہ یہ اجازت نازل ہو چکی۔ اور الحج کا نزول مکہ میں ہوا۔ اس لیئے قتال کی اجازت پر سب سے پہلی وحی سورۃ الحج کی یہ آیت ہے۔ اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ - لیکن اس آیت میں محض اجازت ہے۔ اور آیت زیر بحث میں حکم کا رنگ ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ قتال کے بارے میں پہلی وحی سورۃ الحج کی وہ آیت ہے جو اوپر لکھی گئی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آیت زیر بحث جنگ کے شروع ہو جانے پر دلالت کرتی ہے۔ اس آیت میں تین شرطیں جنگ کرنے پر لگائی گئی ہیں۔ اوّل یہ کہ قتال فی سبیل اللہ ہو۔ دوسرے یہ کہ صرف ان لوگوں سے جنگ ہو جو مسلمانوں سے جنگ کرتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ جنگ میں زیادتی نہ ہو۔

سب سے پہلے فی سبیل اللہ کا لفظ قابل غور ہے۔ معترضین خصوصاً عیسائیوں نے فی سبیل اللہ کے معنے لوگوں کو بجبر مسلمان کرنے کے لیئے ہیں۔ مگر یہ صرف ان کے اپنے دماغوں کی اختراع ہے۔ قرآن کریم میں الفاظ فی سبیل اللہ ان معنوں میں ہرگز نہیں آئے۔ صدقات کے ذکر میں اسی سورت کے اخیر پر بار بار فی سبیل اللہ فرمایا۔ تو کیا اس سے یہ مراد ہو سکتی ہے۔ کہ لوگوں کو بجبر مسلمان کرنے کے لیئے اپنے مالوں کو خرچ کرو۔ اوّل تو

خود ان الفاظ سے ہی کہ تم اُن سے جنگ کرو۔ جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ فی سبیل اللہ کے معنے وُہ نہیں جو عیسائی معترض کہتے ہیں۔ یہاں تو جنگ کی ابتداء دشمن کی طرف سے ہے۔ مسلمانوں کو بڑے بڑے دکھ اور مصیبتیں پُہنچائی گئیں۔ اُن پر اُنھوں نے صبر کیا۔ اور آخر جب دشمن تلوار سے بالکل اُن کو نیست و نابود کرنے پر تُل گیا۔ اور خود اسلام کی زندگی معرض خطر میں آگئی۔ تو تب فی سبیل اللہ جنگ کرنیکا حکم ہوُا۔ جس سے معلوم ہوُا کہ فی سبیل اللہ سے مراد حفاظت اسلام ہے۔ بلکہ جب تک محض مسلمانوں پر ظلم تھے۔ اور گو مُسلمان مارے جاتے تھے۔ مگر ایسی حالت نہ تھی۔ کہ خود اسلام کو نیست و نابود کرنے کا دشمن نے عزم کر لیا ہو۔ اس وقت تک جنگ کا حکم نہیں دیا گویا درحقیقت یہ جنگ حفاظت مال و املاک یا حفاظت ملک یا حفاظت جان یا حفاظت قوم کے لیئے بھی نہ تھے۔ بلکہ محض اس لیئے کہ اللہ تعالےٰ کا نام دُنیا سے نہ مٹایا جائے۔ اسی لیئے اس کو فی سبیل اللہ لڑنا کہا۔ دفاعی جنگ اس کا نام نہیں رکھا۔ ہاں ایک جگہ کمزور ایمان والوں کو سمجھانے کے لیئے کہا۔ تعالوا قاتلوا فی سبیل اللہ او ادفعوا (آل عمران ۶۶) یعنی آؤ اللہ کی راہ میں یعنی اللہ کے نام کو مٹائے جانے سے بچانے کے لیئے جنگ کرو۔ اور اگر یوں نہیں سمجھتے تو کم از کم یوں ہی سمجھ لو۔ کہ دفاع کے لیئے تو یہ جنگ کرنا اب امر مجبوری ہو گیا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے۔ کہ بدر کے دن جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم رو رو کر دُعائیں کر رہے تھے تو آپ کے مُونھ سے یہی الفاظ نکلے اللھم ان اھلکت ھذہ العصابۃ فلن تعبد فی الارض ابدا۔ اے خدا اگر تو نے ان مُٹھی بھر مُسلمانوں کو ہلاک کر دیا تو پھر زمین میں تیری عبادت کبھی نہ ہوگی۔ اس سے بھی فی سبیل اللہ کے معنوں پر روشنی پڑتی ہے پس اسلامی جنگوں یعنی ان جنگوں کی جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کرنی پڑیں۔ یہ ایک خصوصیت ہے۔ کہ وہ نہ تو ملک اور قوم کے لیئے اور نہ ہی مال اور سلطنت کے لیئے تھیں بلکہ محض اس غرض کے لیئے کہ تاکفّار اسلام کا نام و نشان دنیا سے نہ مٹا دیں۔

دوسری شرط جو لگائی گئی وہ یہ ہے۔ کہ تم صرف ان لوگوں سے جنگ کرو جو تمہارے ساتھ کرتی ہیں۔ اس میں اگر ایک طرف یہ بتا دیا۔ کہ ابتداء پھر بھی کسی صورت میں تمہاری طرف سے نہیں ہونی چاہیئے۔ بلکہ دشمن جنگ میں ابتداء کرے۔ تو پھر تم بھی کرو۔ تو دُوسری طرف یہ بھی واضح کر دیا

کہ ہر ایک متنفس دشمن نہیں۔ اسی بناء پر اسلام کی جنگوں میں یہ حکم تھا کہ کسی بوڑھے یا بچے یا عورت کو قتل نہ کیا جائے۔ مگر چونکہ اس وقت ان تین قسموں کو چھوڑ کر باقی ساری قوم دراصل جنگ میں شامل ہوتی تھی۔ اور سب لوگ جو ہتھیار اُٹھانے کے قابل ہوں جنگ میں شامل ہوتے تھے۔ فوج معمولی آبادی سے علیحدہ نہ ہوتی تھی۔ اس لیئے آج ہم اسی بناء پر اس نتیجہ پر بھی پہنچتے ہیں کہ اس زمانہ میں الذین یقاتلونکم میں صرف افواج شامل ہونگی اور عام مُلکی آبادی مستثنےٰ رہے گی۔ چنانچہ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے ماتحت راہبوں کو خواہ وہ ہتھیار اُٹھانے کے قابل ہوں مستثنےٰ کر دیا۔ کیونکہ اُن کا کام جنگ کرنا نہ تھا۔

تیسری شرط یہ ہے۔ کہ جنگ کے اندر ضرورت جنگ سے تجاوز نہ کیا جائے۔ جنگ کی اصل غرض تو دشمن کو کمزور کرنا ہے پس جب وہ حاصل ہو جائے۔ تو خواہ مخواہ جان و مال کا اتلاف جائز نہیں اسی لیئے یہ بھی حکم تھا۔ کہ دشمن کے مکانات کو ان کے کھیتوں کو خواہ مخواہ تباہ نہ کیا جائے۔

ان تینوں شرطوں نے اگر ایک طرف اسلامی جنگوں کو معمولی ملکی جنگوں سے الگ کر دیا تو دوسری طرف اس سے پہلے جس قسم کے مذہبی جنگ ہوتے تھے۔ اُن کی سختی کو بھی بالکل دُور کر دیا یہودیوں کے مذہبی جنگوں کے مقابلہ میں اسلام کے یہ مذہبی جنگ نری رحمت ہی رحمت تھے۔ کیوں کہ یہودیوں کے جنگوں میں دشمن کے بچے عورتیں بوڑھے تہ تیغ کر دیئے جاتے تھے۔ اور ایک متنفس بھی زندہ نہ چھوڑا جاتا تھا۔ بلکہ مویشیوں تک فنا کر دیئے جاتے۔ اور کھیتوں اور باغوں اور گھروں کے مال واسباب بلکہ خود مکانات کو آگ کے سپرد کیا جاتا۔ سو یہودیوں کے جنگ دشمن کے قطعی استیصال کے لیئے اور اُس کو دُنیا سے نیست و نابود کرنے کے لیئے ہوتے تھے۔ مگر اسلام کے جنگ صرف اس دشمن کی حد اعتدال کے اندر سزا کے لیئے تھے۔ جس نے اسلام کی بیخ کنی اور اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لیئے کمر باندھ لی تھی۔ افسوس ہے کہ اس تہذیب کے زمانے میں بھی یورپ کے ملکی جنگ یہودیوں کے مذہبی جنگوں سے زیادہ قریب ہیں۔ گو قوانین بین الاقوام میں اسلامی جنگوں کے اعتدال کی طرف میلان پایا جاتا ہے۔ ہاں اُن قوانین پر جنگ کے وقت میں جو انتہائی جوش و غضب کا وقت ہوتا ہے۔ عمل کر کے دکھانا ہر ایک شخص کا کام نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نے اُس اعتدال کا کمال عین جنگوں کے اندر دکھایا ہے۔ اور یہی

وجہ ہے۔ کہ جنگوں کے احکام کے اندر بار بار تقوے اور اعتدال اور انصاف اور عفو اور درگذر کی تعلیم دی جاتی تھی۔

واقتلوھم حیث ثقفتموھم۔ اور جہاں کہیں ان کو پاؤ قتل کردو۔ ان الفاظ سے یہ نتیجہ نکالنا۔ کہ جہاں کوئی غیر مسلم ملے اُسے قتل کردینا چاہیئے۔ سراسر حماقت ہے۔ ہر ایک غیر مسلم سے تو جنگ کرنے کا بھی حکم نہیں۔ بلکہ جیسا کہ پچھلی آیت اور اس کے نوٹ سے ظاہر ہے۔ صرف ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم ہے۔ جو پہلے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور اقتلوھم میں ھم کی ضمیر الذین یقاتلونکم کی طرف جاتی ہے۔ اس آیت میں غیر مسلموں کا تو نام نہیں نہ اس سے پہلی آیت میں ہے۔ بلکہ شروع رکوع سے کفار یا غیر مسلموں کا تو ذکر تک نہیں آیا پس اقتلوھم میں ھم سے مراد کفار نہیں۔ بلکہ وہی ہیں جن کا ذکر پچھلی آیت میں ہے۔ یعنی الذین یقاتلونکم۔ یا وہ لوگ جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔ یا جنگ کرنے میں ابتدا کرچکے ہیں۔ پس انہی کو جہاں پائے جائیں قتل کرنے کا حکم ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے۔ کہ جب ایک دشمن مسلمانوں کے استیصال کے لیئے کمربستہ ہورہا تھا۔ تو کیا اب اس کے بالمقابل یہ کہا جاتا۔ کہ وہ تو جہاں تم کو پائے گا قتل کرنے کی کوشش کرے گا۔ مگر تم کو اس کے قتل کرنے کی کبھی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ آخر جب دشمن سے جنگ چھڑ چکی ہے تو اب وہ دشمن خواہ کہیں ہو ضروری ہے۔ کہ اسکو قتل کیا جائے۔

واخرجوھم من حیث اخرجوکم۔ جہاں سے اُنھوں نے تم کو نکالا وہاں سے تم ان کو نکال دو۔ اس میں گویا یہ بتایا ہے۔ کہ جنگ کب تک جاری رہے۔ اسمیں جنگ کا جاری رہنا قصاص کی حد تک جائز رکھا ہے۔ وہ جگہ جہاں سے ان لوگوں نے جو اب مسلمانوں سے جنگ کررہے تھے نکالا تھا مکہ تھی۔ اور گو ان کی طرف سے جنگ کی ابتداء کیئے بغیر اسلام نے جنگ کا حکم نہیں دیا۔ مگر اب جب جنگ شروع ہوگئی تو یہ بالکل حق تھا۔ کہ جہاں سے مسلمان بجبر نکلے گئے تھے وہ جگہ واپس لیلی جائے۔ اس میں جنگوں کے اندر آخری کامیابی کی پیش گوئی بھی ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُن اسلامی جنگوں کی غرض دشمن کو نیست و نابود کرنا یا مسلمان کرنا نہ تھی۔ بلکہ صرف اپنے جائز حقوق کو قائم کرنا اور ان چیزوں اور حقوق کو واپس لینا تھا۔

جن سے وہ ظلم سے اور ناحق محرُوم کیئے گیئے تھے ✦

والفتنة اشد من القتل۔ فتنة کے معنوں میں لکھا ہے۔ اصلها عرض الذهب علی النار لاستخلاصه من الغش۔ یعنی اصل اسکا سونے کا آگ میں ڈالاجانا ہے۔ اس غرض کے لیئے کہ تاکھوٹ اور میل بالکل الگ ہو جائے۔ اور فتنہ اور فتن کے الفاظ قرآن کریم میں ان اذیتوں کے متعلّق استعمال ہوئے ہیں۔ جو کفّار کی طرف سے مسلمانوں کو پُہنچتی تھیں۔ جیسا کہ آیت ان الذین فتنوا المومنین والمؤمنات ثم لم یتوبوا فلهم عذاب جهنّم سے ظاہر ہے۔ ایسا ہی فرمایا ومن الناس من یقول امنا بالله فاذا اوذی فی الله جعل فتنة الناس کعذاب الله۔ یہاں اس ایذا کا نام جو اللہ کی راہ میں دیجائے فتنۃ رکھا ہے۔ ایسا ہی ایک جگہ فرمایا ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا۔ یعنی کفّار کی طرف سے ایذا پُہنچنے کا خطرہ ہو۔ اور یہاں تو خود اخرجو هم من حیث اخرجوکم کہہ کر ظاہر کردیا ہے۔ کہ یہاں فتنہ سے مراد مسلمانوں کا اُن کے گھروں سے نکالا جانا ہے۔ یعنی یہ حکم کہ جنگ کو اُس وقت تک جاری رکھو جب تک ان کفار سے مسلمانوں کے وُہ حقوق ملجائیں۔ جن سے انھیں بجبر محرُوم کیا گیا ہے۔ اسی لیئے ہے کہ بلا قصُور وطن سے بیوطن کردینا اور مال و املاک کا چھین لینا قتل سے بھی بڑھ کر ہے ✦

ولا تقاتلو هم عند المسجد الحرام۔ حتّٰی یقاتلوکم فیه۔ مسجد حرام کی حدود میں جنگ کرنا عرب کے اندر جائز نہ سمجھا جاتا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم بھی اس پاک گھر کی حرمت کا پورا لحاظ رکھو۔ حتّٰی کہ اس کی حدود کے قریب بھی جنگ نہ کرو۔ یہاں تک کہ وُہ ان حدُود کے اندر جنگ کی ابتدار کریں ✦

فان انتهوا فان الله غفور رحیم۔ انتهوا کے معنے ہیں رُک جائیں۔ باز آجائیں۔ یعنی اگر مسلمانوں کو دُکھ دینے سے رُک جائیں۔ جس کا ذکر لفظ فتنہ میں کیا ہے۔ تو تم معاف کردو کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی غفور اور رحیم ہے۔ وہ خطاکاروں سے عفو اور رحم کا معاملہ کرتا ہے۔ اور اصل غرض تو فتنہ کو روکنا ہے ✦

وقٰتلو هم حتی لا تکون فتنة ویکون الدین لله۔ اسی آیت کے معنوں پر اس ساری

بحث کا آخری دارومدار رکھا گیا ہے۔ جو اسلامی جنگوں کی انتہائی غرض سمجھی گئی ہے۔ لفظی معنے تو ان الفاظ کے صرف اس قدر ہیں۔ کہ تم ان سے جنگ کرتے رہو۔ یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے۔ اور دین اللہ کے لیئے ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ ان الفاظ سے کیا مطلب ہے۔ معترضین اسلام کا یہ خیال ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس وقت تک جنگ کرتے رہو۔ جب تک کفر اور شرک باقی نہ رہے۔ اور سب لوگ مسلمان ہو جائیں۔ اس بات کی شہادت کہ یہ معنے درست نہیں۔ اسی قدر کافی ہے کہ سب سے پہلے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے اس کے خلاف کیا۔ کیونکہ آپ نے تو متعدد موقعوں پر کفار کے ساتھ صلح کی۔ اور بالخصوص صلح حدیبیہ کا واقعہ تو ہر ایک شخص کو معلوم ہے۔ جس میں آپ نے ایسی شرائط کے ساتھ جو مسلمانوں کے لیئے بظاہر مفید نہ تھیں۔ کفار مکّہ کے ساتھ صلح کی۔ اگر اللہ تعالےٰ کا حکم یہ ہوتا۔ کہ جب تک سب مسلمان نہ ہو جائیں اس وقت تک جنگ کرتے جاؤ۔ تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کیوں بار بار کفّار سے صلح کرتے ہیں۔ جن معاہدہ عہدناموں کو کفّا توڑ ڈالتے تھے۔ جیسا کہ ینقضون عہدھم فی کل مرۃ سے ظاہر ہے اور کیوں آپ کو قرآن کریم میں یہ حکم ہوتا۔ فان جنحوا للسلم فاجنح لھا۔ کہ اگر وُہ صلح کی طرف مائل ہوں۔ تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو جاؤ۔ اس طرح پر نہ صرف نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کا عمل ہی قرآن کے خلاف نہیں ٹھیرتا۔ بلکہ خود قرآن کا ایک حکم دُوسرے کے مخالف ہو جائے گا۔ کیونکہ ایک جگہ تو گویا یہ حکم دیتا ہے۔ کہ لڑائی بند نہ کرو جب تک سارے کافر مسلمان نہ ہو جائیں۔ جیسا کہ معترضین کا خیال ہے۔ اور دوسری جگہ یہ حکم دیتا ہے۔ کہ اگر کافر صلح کی طرف مائل ہوں تو صلح کرو۔ پس ان معنوں کے جو معترضین پیش کرتے ہیں غلط ہونے پر یہ قطعی اور کافی شہادت ہے ؞

اَب سوال یہ ہے کہ پھر ان الفاظ کے کیا معنے ہونگے۔ سب سے پہلے ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ لفظ فتنہ کے کیا معنے مراد لیئے جا سکتے ہیں۔ اس لفظ کے اصلی معنے اور پھر قرآن کریم کی آیات سے بعض شہادتیں کہ اس پاک کتاب میں یہ لفظ کن معنوں میں استعمال ہُوا ہے۔ دیئے جا چکے ہیں جہاں یہ دکھایا گیا ہے کہ کفّار کی طرف سے جو ایذا مسلمانوں کو پہنچائی جاتی تھی۔ انکو گھروں سے نکالا جاتا تھا۔ اُن کو مار ڈالا جاتا تھا۔ اسی کا نام قرآن کریم نے فتنہ رکھا ہے

صحیح بخاری میں یہی معنے لفظ فتنہ کے کیئے ہیں۔ جہاں حضرت ابن عمر کی ذیل کی روائیت موجود ہے۔ کان الاسلام قلیلا فکان الرجل یفتن فی دینہ اما قتلوہ واما یعذبوہ حتیٰ کثر الاسلام فلم تکن فتنۃ مسلمان تھوڑے تھے سو ایک شخص کو اس کے دین کی وجہ سے دکھ دیا جاتا تھا (یفتن) یا اسے قتل کر دیتے یا ویسے دکھ پہنچاتے۔ یہاں تک کہ اسلام بڑھ گیا سو پھر فتنہ یعنی دکھ دیا جانا باقی نہ رہا۔ اس روایت سے نہ صرف لفظ فتنہ کے معنے ہی صاف ہو جاتے ہیں۔ بلکہ سارے فقرہ لا تکون فتنہ کے معنے واضح ہو جاتے ہیں ✤

اسی طرح یہ دکھایا جا چکا ہے کہ یکون الدین للہ کے یہ معنے نہیں ہو سکتے۔ کہ کل لوگ مسلمان ہو جائیں۔ بلکہ درحقیقت ان الفاظ میں اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ جس کا ذکر لا تکون فتنہ میں ہے۔ کیونکہ جب دین کی وجہ سے دکھ نہ دیا جائے گا۔ تو پھر دین محض اللہ کے لئے ہوگا۔ اور دین کا اللہ کے لیئے ہونا یہی ہے کہ اس میں جبر باقی نہ رہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ خود فرماتا ہے لا اکراہ فی الدین علاوہ ازیں بخاری کی ایک روائیت سے ان الفاظ کے معنے خوب واضح ہوتے ہیں عن ابن عمر اتاہ رجلان فی فتنہ ابن الزبیر۔ فقالا ان الناس صنعوا وانت ابن عمر وصاحب النبی صلے اللہ علیہ وسلم فما یمنعک ان تخرج۔ فقال یمنعنی ان اللہ حرم دم اخی۔ فقال الم یقل اللہ۔ فقاتلوھم حتیٰ لاتکون فتنۃ۔ فقال قاتلنا حتیٰ لم تکن فتنۃ وکان الدین للہ وانتم تریدون ان تقاتلوا حتیٰ تکون فتنۃ ویکون الدین لغیر اللہ۔ یعنی ابن زبیرؓ کے فتنہ میں دو شخص حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور اُنھوں نے کہا کہ لوگوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ اور آپ حضرت عمرؓ کے بیٹے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ آپ کیوں نہیں نکلتے۔ آپ نے جواب دیا مجھے یہ بات روکتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بھائی کا خون حرام کیا ہے۔ اُنھوں نے کہا۔ کیا اللہ تعالےٰ نے نہیں فرمایا وقاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنہ۔ آپ نے جواب دیا۔ ہم نے جنگ کیا۔ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہا۔ اور دین اللہ کے لیئے ہو گیا۔ اور تم چاہتے ہو کہ جنگ کرو۔ یہاں تک کہ فتنہ ہو جائے۔ اور دین غیر اللہ کے لیئے ہو جائے۔ اب اس روایت سے نہایت صفائی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ فتنہ کے لفظ کے کیا معنے سمجھتے تھے۔ وہ فتنہ سے مراد کفر و شرک نہیں لیتے تھے۔ بلکہ ظلم اور فساد

اور دکھ دینا ہی معنے فتنہ کے ان کے نزدیک تھے۔ انہی معنوں میں حضرت ابن عمرؓ نے فتنہ کا لفظ استعمال فرمایا۔ اور انہی معنوں میں دونوں سائلوں نے۔ اور حضرت ابن عمرؓ نے آخری الفاظ میں کہ تم اب اس لیئے جنگ کرتے ہو کہ ایک فتنہ کھڑا ہو جائے اور دین غیر اللہ کے لیئے ہو جائے۔ یہ بھی بتا دیا کہ اللہ کے لیئے یا غیر اللہ کے لیئے دین کے ہونے کے کیا معنے ہیں گویا درحقیقت فتنہ کا ہونا دین کا غیر اللہ کے لیئے ہونا ہے اور فتنہ باقی نہ رہنا ہی دین کا اللہ کے لیئے ہونا ہے۔ ورنہ حضرت ابن عمرؓ کا یہ منشا نہ تھا کہ تم اب اس لیئے جنگ کرتے ہو۔ کہ خدائے واحد کی پرستش کو مٹا کر یا دین اسلام کا خاتمہ کر کے پھر کفر اور شرک کو پھیلاؤ۔ بلکہ مطلب یہ تھا۔ کہ جب ایک فتنہ برپا ہوگا۔ تو پھر لوگوں کی دین کے معاملہ میں وہ آزادی نہ رہے گی جو اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کہ ہو +

انہی معنوں کی تائید میں قرآن کریم کی سورت حج کی وہ آیت ہے جس میں جنگ کی اجازت دے کر جنگ کی اصل غرض کو بیان کیا ہے ولولا دفع اللّٰہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوٰۃ ومسٰجد یذکر فیھا اسم اللّٰہ کثیرا۔ یعنی اگر اب ان لوگوں کی شرارتوں کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے دفعیہ نہ کر دیا جائے تو پھر نتیجہ یہ ہوگا کہ راہبوں کے خلوت خانے اور گرجے اور عبادتگاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے برباد ہو جائیں تو گویا درحقیقت اسلامی جنگوں کی غرض یہ تھی۔ کہ مذہبی خلوت خانوں کو گرجوں کو ہر مذہب کی عبادتگاہوں کو مسجدوں کو بچایا جائے۔ یا بالفاظ دیگر سب مذاہب کی حفاظت کیجائے اور اسی غرض کو بالفاظ دیگر یہاں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ ویکون الدین للّٰہ۔ دین اللہ کے لیئے ہو جائے۔ زید و بکر کا جبر اس میں کوئی نہ رہے +

فان انتھوا فلا عدوان الا علی الظٰلمین۔ یعنی اگر یہ اب بھی فتنہ سے رک جائیں مسلمانوں کو دکھ دینا چھوڑ دیں۔ دین کے معاملہ میں جبر نہ کریں تو پھر ہم بھی سزا اُن سے اُٹھا لیں گے۔ کیونکہ سزا تو ظالموں کے لیئے ہے۔ اگر یہ ظلم ترک کر دیں تو سزا بھی موقوف کر دیجائیگی یہ اسی کے ہم معنے ہے۔ جو آیت مذکورہ بالا میں فرمایا فان انتھوا فان اللّٰہ غفور رحیم۔ اگر یہ رک جائیں تو اللہ تعالےٰ بھی عفو اور رحم کا معاملہ ان سے کرنے کے لیئے تیار ہے۔ یہی وجہ تھی

کہ جب کبھی کفار ان شرائط پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے صلح کرنے پر راضی ہوتے تھے۔ کہ وہ مسلمانوں کو دکھ نہیں دیں گے۔ ان پر چڑھائی نہیں کریں گے۔ تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فی الفور صلح کر لیتے تھے۔ اسی کے مطابق قرآن کریم کی یہ آیت ہے فان جنحوا للسلم فاجنح لہا جب یہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی صلح کر لو۔ کیونکہ اصل غرض تو فتنہ کا دور کرنا تھا۔ اور جب ذرا صلح ہوتی تھی تو کثرت سے کفار اسلام میں داخل ہونے لگ جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ کفار کو فکر پڑ جاتی تھی۔ اور وہ پھر معاہدات توڑ کر اسلام کی ترقی کو تلوار کے ذریعہ سے روکنا چاہتے تھے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ان الفاظ میں الذین ینقضون عہدھم فی کل مرۃ ۔

الشہر الحرام بالشہر الحرام والحرمت قصاص۔ حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینہ کے بدلہ میں اور تمام حرمت والی اشیاء میں قصاص ہوگا۔ عرب میں چار مہینے حرمت والے تھے۔ جن میں تمام قومی جنگیں رک جاتی تھیں۔ تجارتیں کھل جاتی تھیں۔ اور لوگ امن و امان سے سفر کر سکتے تھے۔ کوئی شخص سخت سے سخت دشمن کو کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔ جب اسلامی جنگوں کے احکام نازل ہوئے تو حرمت والے مہینوں میں جنگوں کے حکم کا ذکر ہونا بھی ضروری تھا۔ اسلام چونکہ ہر ایک پہلو میں رحمت ہی رحمت تھا۔ اس لیے ان مہینوں کی حرمت کو اسی طرح برقرار رکھا۔ ہاں چونکہ کفار نے تو مسلمانوں کے دکھ دینے میں حرمت والی چیزوں کی بھی پروا نہ کی تھی۔ یہاں تک کہ خود مسجد الحرام میں مسلمانوں کو دکھ دیئے گئے اسلیے فرمایا کہ اگر یہ کافر حرمت والے مہینوں میں جنگ کریں تو قصاص کے رنگ میں مسلمان بھی مجبور ہونگے۔ کہ ان مہینوں کے اندر جنگ کریں۔ اور یہی صورت باقی حرمت والی چیزوں میں ہوگی یعنی یہی شہر الحرام والا حکم بلد الحرام اور حالتِ احرام کے لیئے ہوگا۔ یہی حرمات ہیں۔ یعنی نہ حرمت والے مقام کے اندر جنگ ہوگی نہ حالتِ احرام میں جنگ ہوگی۔ حرمت والے مہینے چار ہیں۔ یعنی ذیقعدہ[۱]۔ ذی الحجہ[۲]۔ محرم[۳]۔ رجب[۴] ۔

فمن اعتدٰی علیکم فاعتدوا بمثل ما اعتدٰی علیکم۔ جو شخص تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے ویسا ہی جواب اس کی زیادتی کا تم اس کو دو اعتداء

کے معنے لغت میں مجاوزۃ الحق کے ہیں۔ یعنی حق سے یا حد سے تجاوز کرنا۔ لیکن ان الفاظ کے معنے ہم یُوں نہیں کر سکتے کہ جو تم پر زیادتی کرے۔ تم بھی اس پر ویسی زیادتی کرو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے۔ کیونکہ زیادتی کرنے والے کو درحقیقت سزا دیجاتی ہے یا اس کی زیادتی کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ وہ فعل خود زیادتی نہیں بلکہ عین حق ہے۔ پس زیادتی کرنے والے کا مقابلہ کرنا اپنے حق سے تجاوز نہیں اور اس لیئے فاعتدوا علیہ کے معنے یوں نہیں کیئے جائیں گے کہ تم اس پر زیادتی کرو۔ بلکہ ترجمہ یُوں ہوگا۔ کہ تم اس کی زیادتی کا مقابلہ کرو یا جواب دو۔ یہی معنے مفسّرین اور اہل لُغت نے کیئے ہیں۔ چنانچہ مفردات میں ہے۔ اے قابلوہ بحسب اعتدائہ یعنی اس کی زیادتی کے مُطابق اس کا مقابلہ کرو ✤

وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ۔ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اور اپنے ہاتھوں سے اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالو۔ بخاری میں اس کے متعلق نزلت فی النفقۃ۔ یعنے یہ آیت خرچ کرنے کے بارے میں اُتری اور خود سیاق و سباق عبارت چاہتا ہے۔ کہ اس آیت میں خرچ کرنیکا حکم دیا گیا ہے۔ اور چونکہ فی سبیل اللہ کا لفظ قرآن کریم میں جہاد پر بولا گیا ہے۔ اس لیئے ظاہر اور صاف معنے اس آیت کے یہی ہیں۔ کہ چونکہ تم کو جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ اور جہاد کے لیئے اموال کی ضرورت ہے۔ اس لیئے اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ کیونکہ اگر ایسا نہ کروگے تو اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والے ہوگے۔ جب دشمن اس بات پر تلا ہوُا تھا۔ کہ وُہ مسلمانوں کا نام و نشان دُنیا سے مٹادے تو اب اس کے بالمقابل تیاری نہ کرنا اور روپیہ اور مال صرف کرنے سے بچنا۔ درحقیقت خود ہلاکت کو اپنے اُوپر لانا تھا۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں ہے۔ کہ جب قتال کی اجازت نازل ہوئی تو ایک شخص نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ ہمارے پاس زاد نہیں۔ فامر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان ینفقوا فی سبیل اللہ وان یتصدقوا وان لا یکفوا ایدیھم عن الصدقۃ ولو بشق تمرۃ تحمل فی سبیل اللہ فیھلکم افنزلت ھذہ الآیۃ علی وفق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ یعنی اس شخص کی عرض پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ لوگ اپنے اموال کو اللہ کی راہ میں خرچ کریں اور صدقہ کریں۔ اور اپنے ہاتھوں کو صدقہ

سے نہ روکیں۔ خواہ کھجور کا ٹکڑا ہی ہو جو اللہ کی راہ میں دیا جائے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ کرینگے تو ہلاک ہو جائیں گے۔ اسی کے مطابق آیت نازل ہوئی۔ احسان کا حکم جو اس کے بعد ہے اسی معنی کا مؤید ہے +

آج بھی مسلمانوں کو غور کرنا چاہیئے۔ کہ اُن کے مذہب پر کس قدر حملے ہو رہے ہیں۔ اور اگر وُہ اپنے اموال کو اشاعت اسلام کے لیئے اللہ کی راہ میں نہ لگا دیں گے۔ تو وہ خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والے ہونگے۔ اور درحقیقت ہلاکت تو صاف نظر آتی ہے۔ کاش اب بھی مسلمان اپنی ذاتی مصائب کو دین کی مصیبت عظمےٰ کے سامنے ہیچ سمجھیں اور اپنے آرام اور آسائش کو خدا کے دین کے لیئے قربان کردیں +

سالِ نو اور برٹش نومسلم

جیساکہ ہم پہلے بھی اپنے ناظرین کو اطلاع دے چکے ہیں۔ ووکنگ مشن کا سب سے کامیاب کام ان نومسلموں کے دلوں میں اسلام کی اشاعت کا سچّا جوش پیدا کر دینا ہے۔ جو اس کے ذریعہ سے دائرہ اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔ اور جن کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ لیکن صرف تعداد کی ترقی ہمارے لیئے خوشی کا موجب نہ ہوسکتی تھی۔ جب تک کہ ان نومسلموں کے اندر سچّا اسلامی جوش بھی پیدا نہ ہوتا سو خدا کا احسان ہے کہ ایک طرف اگر ہم یہ فرحت بخش خبر اپنے ناظرین کو پہنچانے کے قابل ہیں۔ کہ اس تحریک کی بدولت ایک سو سے زائد انگریز مرد اور عورتیں اسلام میں داخل ہو چکی ہیں۔ تو دوسری طرف اس خبر کی اشاعت خود ہمارے لیئے خوشی اور تقویت کا موجب ہے۔ کہ ان نومسلموں کے دلوں میں اسلام کی خدمت اور اشاعت میں حصہ لینے کا شوق اور جوش ہے۔ اسلام مذہب ہی ایسا ہے کہ کوئی شخص اگر خالی الذہن ہو کر اس کی خوبیوں پر نظر ڈالے تو اسے اپنا گرویدہ بنا لیتا ہی یہ نہ صرف فطرت انسانی کے سارے تقاضوں کو ہی پورا کرتا ہے۔ بلکہ ہر قسم کے تمدّنی اخلاقی اور روحانی ضروریات کو پُورا کرنے کا سامان بھی اس کے اندر موجود ہے۔ پھر یہ کس قدر خوشی پہنچانے والی بات ہے کہ اسلام کی بدولت مشرق و مغرب میں ایک ایسا اتحاد پیدا ہو رہا ہے جو ان دونوں کو ایک کرنے

والا ہے۔ اسلام ہر قسم کی قومی تنگ خیالیوں کو جڑ سے کاٹتا ہے۔ کیونکہ اسکا سب سے پہلا اصول یہی ہے کہ خدا ایک قوم کا خدا نہیں۔ بلکہ دُنیا کی ساری قوموں کا ایک ہی خدا ہے۔ اور سب قومیں ایک ہی کنبہ ہیں۔ کیسے پیارے یہ الفاظ ہیں۔ جنھوں نے آج سے تیرہ سو سال پیشتر مشرق و مغرب کے اتحاد کی بنیاد رکھدی۔ رب المشارق والمغارب۔ مشرقی سرزمینوں اور مشرقی قوموں کا بھی وہی رب ہے اور مغربی سرزمینوں اور مغربی قوموں کا بھی وہی رب ہے۔ اسی لیئے کل دُنیا کو مخاطب کرکے فرمایا یایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (الحجرات ۱) اے لوگو جو اس زمین پر رہتے ہو ہمنے تمکو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور تمکو شاخیں اور قبیلے بنایا۔ تاکہ تم ایک دُوسرے کو پہچانو۔ تم میں سب سے زیادہ عزّت والا وہی ہے۔ جو اللہ کے نزدیک سب سے متقی ہے۔ کیا اتحاد کا پاک اصُول باندھا ہے۔ ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ گویا تم سب ایک ہی کُنبے اور ایک ہی برادری ہو۔ پھر یہ بھی سچ ہے۔ کہ قومیں اور قبیلے الگ الگ بھی ہوئے۔ مگر یہ اسلیئے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان کر اُن سے محبّت کرو اور ہمدردی کرو۔ نہ اس لیئے۔ کہ ایک دوسرے کو بیگانہ اور اجنبی قرار دے کر بغض و نفرت باہم بڑھاؤ۔ پھر فرمایا کہ دُنیا میں تم ایک دُوسرے سے بڑا اور زیادہ عزّت والا بننا چاہتے ہو۔ سو یاد رکھو کہ انسان کی حقیقی عزّت نیکی میں ہے۔ اور نیکی یہی ہے۔ کہ خدا کے حقوق کو بھی ادا کرے اور بنی نوع انسان کے ساتھ بھی ہمدردی کرے۔ پس حقیقی بڑائی نہ قومیت اور قبیلہ سے حاصل ہوتی ہے نہ مال و دولت سے نہ عہدہ و مرتبہ سے بلکہ اس مالک حقیقی کے نزدیک تم سب ایک ہی ہو۔ اور تم میں بڑا وہی ہے جو اپنے فرائض کو شناخت کرتا اور اُن کو پورا کرتا ہے۔ اس سے بڑھکر محبّت اور ہمدردی اور ایک دوسرے کے اُوپر شفقت پیدا کرنے کا اور کیا اصول ہو سکتا ہے۔ اسلام ہی ایک مذہب ہے جس میں انسان کو انسان کے ساتھ اور قوم کو قوم کے ساتھ اتحاد اور یگانگت پیدا کرنے کی صحیح راہ بتائی گئی ہے۔ اور یہی ایک مذہب ہے جو دُنیا میں حقیقی صلح کی بُنیاد رکھتا ہے۔ اور جنگوں اور جھگڑوں کو کم کرتا ہے۔

پھر ایک اور خوبی اسلام کی یہ ہے۔ کہ وہ ایک ایسا مذہب ہے جو کوئی اصول عقل انسانی کے خلاف نہیں سکھاتا۔ بلکہ اس کے تمام اصول ایسے ہیں۔ کہ وہ معقولیت کی بنا پر پورے اُترتے ہیں پس جسقدر معقولیت دُنیا میں ترقی کرے گی۔ جس قدر انسان اس بات کو سیکھیں گے۔ کہ بجائے جذبات کے

عقل کی بنیاد پر انسان کی اصلی ترقی کا دار و مدار ہے۔ اسی قدر وہ اسلام کے قریب آئیں گے ✦

ہم اپنے نومسلم بھائیوں اور بہنوں سے یہ امید رکھتے ہیں۔ کہ جہاں وہ اپنے وعظ سے اسلام کی خوبیوں کو دوسروں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ وہ اپنے پاک چال چلن اور اپنی وسیع ہمدردی اور بنی نوع کی خدمت کے نمونہ سے بھی دوسروں کو اسلام کی طرف بلائیں گے۔ اور ان نومسلموں کے ساتھ اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کو بھی توجہ دلاتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دنیا میں قایم کیا جانے کی اصل غرض رہی اسی کو بتایا ہے۔ کہ وہ دوسروں کو اپنے قول سے اور فعل سے اپنے وعظ سے اور نمونہ سے بھلائی کی طرف بلائیں۔ اور سب سے بڑی بھلائی تو اسلام ہی ہے فرماتا ہے کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله ولو آمن اهل الكتاب لكان خيرا لهم (آل عمران) تم سب قوموں سے بہتر قوم ہو جنکو لوگوں کی بھلائی کے لیئے پیدا کیا گیا ہے۔ تم اچھی باتوں کو کرنے کا حکم دیتے ہو۔ اور بُری باتوں سے روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔ اور اہل کتاب بھی اگر ایمان لے آتے تو اُن کے لیئے بہتر ہوتا۔"

دوسروں کو نیکی کی طرف بلانا صرف مذہب کے واعظین کا کام نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک مسلم کا فرض اوّل یہی ہے۔ ہر ایک مسلمان کو چاہیئے۔ کہ وہ ایک سچے مسلم کی زندگی بسر کرے۔ اور اُسکے قول اور فعل میں اسلامی رُوح کام کر رہی ہو۔ اس سے وہ لوگ جو اسلام کی تعلیم سے ناواقف ہیں خود کھنچے چلے آئیں گے۔ سب سے بڑی فیاضی دوسروں کو صراط مستقیم دکھانا ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو مسلمان کہلاتے ہیں۔ اور قرآن پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مگر مُسلم کے فرائض سے غافل اور قرآن کی تعلیم سے کوسوں دُور پڑے ہوئے ہیں۔ اُن کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اسلام ایک مسلمان سے کیا چاہتا ہے۔ عمل کرنے کا مرتبہ تو بعد میں ہے۔

ذیل میں ہم یحییٰ النصر پارکنسن صاحب کے ایک مضمون کا جو جنوری ۱۹۱۶ء کے پرچہ اسلامک ریویو میں نکلا ہے ایک حصہ دیتے ہیں۔ اس مضمون کی ابتدا میں فاضل مضمون نویس نے عیسائیوں کے تیوہار کرسمس کے ابتدا پر روشنی ڈالی ہے۔ اور آخر پر اپنے نومسلم بھائیوں کو جو برطانیہ کلاں میں ہیں کچھ نصیحتیں کی ہیں۔ اور اسلامک ریویو کے متعلق بھی اُن کو ان کے فرائض سے آگاہ کیا ہے ہم بھی اپنے ناظرین سے امید رکھتے ہیں کہ وہ بھی اسلامک ریویو کے متعلق اپنے فرائض کو ادا کرینگے

کوشش کریں۔ کتنا بڑا عظیم الشان کام۔ یورپ۔ امریکہ اور کل انگریزی خوان دُنیا میں اسلام کی تبلیغ کرنا مسلمانوں میں اس قسم کے کام کی کتنی اور مثالیں ہیں۔ ایک بھی نہیں۔ مگر باوجود کام کی عظمت کو تسلیم کرنے کے اور باوجود اس اعتراف کے۔ کہ ہمارے ہاتھ میں یہی ایک ذریعہ ہے جس سے اسلام کی تعلیم کو ہم دوسروں تک پُہنچا سکتے ہیں۔ ہماری کوششیں کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ اکثر لوگوں میں تبلیغ کا احساس ہی نہیں۔ لیکن اسلام کی تبلیغ کا احساس پیدا کرنا اگر ضروری ہے۔ تو اس کے لیئے خود مسلمانوں کے اندر اس رسالہ کی اشاعت کا بڑھانا لازمی ہے۔ ہمارے وہ احباب جو اس رسالہ کو اسلام کے حقیقی خدمت کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اُن پر فرض ہے کہ وہ اپنے دوسرے بھائیوں میں اس کی اشاعت کو بڑھانے کی کوشش کریں۔ ایک ایک مشنری سوسائیٹی بعض وقت کئی کئی لاکھ رسالے نکالتی ہے۔ مگر یہاں کل دُنیائے اسلامی میں ایک ہی رسالہ اور اُسکی اشاعت دس ہزار تک بھی نہ پُہنچے۔ ہماری غفلت کا کافی ثبوت ہے۔

پاپرکنسن صاحب اپنے مضمون محولہ کے آخر میں لکھتے ہیں:۔

"موجودہ نمبر کے ساتھ اسلامک ریویو کی ایک نئی جلد شروع ہوتی ہے۔ اور ایک اور سال کے لیئے تبلیغ کے میدان میں اُس نے قدم اُٹھایا ہے۔ ابتدا سے ہی اس رسالہ کی غرض یہ رہی۔ کہ اسلام کے اصول کو برطانیہ کے لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کرے۔ اور یہی غرض اس کی آج بھی ہے۔ کیا اُس نے گذشتہ میں اپنے فرائض کو ادا کیا ہے۔ اس سوال کا جواب خود اس کے پڑھنے والوں پر چھوڑتا ہوں۔ میرے یقین میں مضمون نویسوں نے اپنی قابلیت کے بہترین جوہر اس میں دکھائے ہیں۔ اور اس سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ خاص ترقی اس کے ذریعہ سے ہوئی ہے۔ نتائج ہر طرف بین ہیں۔ نکتہ چینی میں کمی ہو رہی ہے۔ اور روزانہ اخبارات اب اسے اس عداوت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ جیسا پہلے دیکھتے تھے۔ برٹش مسلم سوسائیٹی۔ کیا بلحاظ تعداد کے اور کیا بلحاظ قوت اور جوش کے ترقی کر رہی ہے۔ لیکن میں اپنے قارئین کو اس غلطی میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ کہ کل ترقی کا اندازہ محض ان اعداد کے شمار سے ہو سکتا ہے جنہیں نومسلموں کی تعداد بیان کی جا سکتی ہے۔ اس رسالہ کے ساتھ ہمدردی اور اس میں دلچسپی ایسے مقامات میں اور ایسی طرح پیدا ہو چکی ہے۔ جو ہمارے ابھی علم میں بھی نہیں۔ بیج جا بجا گر گیا ہے

مگر پختگی کی حالت کو پہنچنے کے لیئے یہ ابھی بہت سا وقت لیگا۔ اور جب اس کا وقت آئیگا تو معلوم ہوگا۔ کہ حقیقت میں یہ رسالہ کس قدر کام کر چکا ہے۔ ابھی ہم یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ کس حد تک اور کہاں کہاں ہمارا اثر پہنچ چکا ہے۔ ریویو ابھی بچہ ہے۔ اور اس کا اثر اس کی عمر میں ترقی کے ساتھ بڑھتا چلا جائے گا۔ اور اس لیئے اس کے کام کی شوکت بھی رفتہ رفتہ ہی بڑھے گی۔

ہاں اس نئے سال کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ ہمارے مضمون نگار اور قارئین رسالہ اپنے ارادوں اور ہمتوں میں ایک تازگی کی روح پیدا کریں۔ جو ہماری اور اس رسالہ کی شان کے لائق ہو۔ کسی کام میں اگر کمزوری یا غفلت دکھائی جائے۔ تو مستقل اور دیرپا اثر اس کا پیدا نہیں ہو سکتا بلکہ جس کام کو ہاتھ ڈالا جائے اس میں ہر وقت نئی گرمی نیا جوش۔ نئی ہمت اور اُسکی کامیابی پر نیا ایمان پیدا ہوتے رہنا ضروری ہے۔ اور یہی بڑھتی ہوئی ہمت اور بڑھتا ہوا ایمان اُسکی کامیابی کی اصل جڑھ ہوتا ہے اگر یہ باتیں ہمارے اندر پیدا ہو جائیں تو وہ ہمیں اس قابل بنا سکتی ہیں کہ ہم بڑھتی ہوئی کوشش کیساتھ اُس منزل کے طے کرنے میں قدم اُٹھائیں اور مقصود حقیقی کے عُمدہ سے عُمدہ گوہر ہمارے ہاتھ میں آئیں۔

پس برادران اُٹھو اور کام میں لگ جاؤ۔ ہم ایک ایسے عالم میں ہیں۔ کہ جس میں زندگی کے ساتھ حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اور ہماری زندگی کی قیمت اور قدر نہ صرف ہمارے افعال سے بڑھ سکتی ہے۔ ہمارے کام ایسے ایثار اور بے نفسی کے کام ہونے چاہئیں۔ کہ ہم دُوسروں کے لیئے رہنمائی کا کام دے سکیں۔

یاد رکھو کہ کام کرنا ہی حقیقی زندگی ہے۔ یہی حیات ہے۔ اور سستی اور کاہلی انسان کی اخلاقی موت ہے۔ جس چیز کے متعلق تم کو یقین ہے۔ کہ وہ صداقت ہے۔ اس کا ساتھ مضبُوط ہو کر دو ہاں یہ اچھی طرح سے غور کر لو۔ کہ جس چیز کو تم نے لیا ہے وُہ صداقت ہی ہے۔ تمام چیزوں کا اچھی طرح معائینہ کر لو۔ اور خوب تحقیق کر لو۔ لیکن تحقیقات کے بعد جب ایک نتیجہ پر پہنچ جاؤ تو پھر کام میں سُستی نہ آنے دو۔

تنقید ہی صحیح علم کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے پھر جس طرح تم دُوسروں کے افعال اور خیالات پر تنقید کی نظر دوڑاتے ہو۔ اپنے افعال اور خیالات کو بھی تنقید کے ماتحت لاؤ۔ اپنے خیالات کی دوسروں سے بھی تنقید چاہو۔ اور اس سے کوئی خوف مت کرو۔ جب ایک شخص حق پر ہو تو

پھر ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ جو شخص زیادہ علم حاصل کرتا ہے۔ وہ کاموں کو زیادہ سرانجام دینے کے زیادہ قوت اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔ علم سے ہی طاقت پیدا ہوتی ہے۔ علم ہی ایک قوم کو دوسری پر فوقیت دیتا ہے۔ علم ہی تہذیب کی بنیاد رکھتا اور افراد اور قوموں اور نظاموں کے ٹھیک سانچے میں ڈھالتا ہے۔ اخلاق و عادات کے بنانے میں یہ سب سے اہم جزو ہے۔ اور اسلیئے قومی اور تمدنی زندگی کی یہ بنیاد ہے۔ صرف اسی طرح پر ہی ایک شخص ان اعلےٰ صفات کو حاصل کر سکتا ہے۔ جن تک خداداد عقل کے ذریعہ سے انسان کا پہنچنا ممکن ہے۔ مضبوط رہو اور کوئی خوف مت کرو وللآخرۃ خیر لک من الاولےٰ ارشاد خداوندی ہے مستقبل ماضی سے بہتر ہے

ثم السلام علیکم"

نئے عہدنامہ کی عمر

پادری آرجی گرڈسٹون کرائیسٹ چرچ کا آنریری پادری لکھتا ہے:۔

"یہ کس قدر قدیم ہے۔ میں پسند کرتا ہوں کہ اہم مضامین کے مطالعہ میں اس چیز سے شروع کروں جو سب سے آخر ہے۔ اسلیئے میں نئے عہدنامہ سے شروع کرتا ہوں اور میں پوچھتا ہوں کہ وہ یونانی نسخہ جسکا ترجمہ ہمارے پاس ہے کسقدر قدیم ہے۔ اس کی پہلی طبع شدہ ایڈیشن سنہ ۱۵۱۶ء میں چھپی تھی۔ لیکن یہ ہمکو گذشتہ زمانہ میں بہت دور تک نہیں پہنچاتی۔ یہ ایراسمس کا کام تھا۔ اسکا سب سے پرانا مروج قلمی نسخہ ہمیں جہاں تک قریب قریب اندازہ لگایا جا سکتا ہے سنہ ۳۵۰ء تک لے جاتا ہے۔ مگر اب بھی تین سو سال کا عرصہ رہجاتا ہے۔ جو ہمیں کتاب کی پیدائش تک پہنچائے یعنی نئے عہدنامے کے نبیوں اور رسولوں کے زمانہ تک اس لمبے عرصہ پر سے کس طرح گذر سکتے ہیں یعنی وہ وقت جو سنہ ۳۵ء اور سنہ ۱۰۰ء کے جب آخری مصنف اس کتاب کا مرچکا ہوگا۔ درمیان گذرا۔ یہ زمانہ ہماری اغراض کے لیئے اس طرح پورا ہو سکتا ہے۔ کہ ابتدائی زمانہ کے عیسائی مصنفین میں جو سنہ ۱۵۰ء سے پہلے گذر چکے ہیں۔ اور جنکو اصل کتابوں کے دیکھنے کا موقعہ ملا ہوگا نقل کردہ فقرے ملتے ہیں۔ جو ان کتابوں سے لیئے گئے ہونگے۔ جو اب تباہ ہو چکی ہیں۔ سنہ ۳۰۳ء میں رومی شہنشاہ ڈیوکلیشن نے حکم دیا۔ کہ ہر ایک نسخہ آسمانی نوشتہ کا ضائع کر دیا جائے۔ اور اس طرح یہ

اکثر نسخہ جات تباہ ہو گئے۔ مگر مصالح الٰہی نے کچھ کتابیں ایسی بچا دیں۔ جن میں ان پرانے نسخوں سے عبارتیں نقل کی ہوئی تھیں۔ مشہور لارڈ ہیلیس نے ایک دفعہ کھانے کے میز پر یہ سوال کیا فرض کرو۔ کہ انجیل کے مروّجہ نسخوں میں سے کوئی بھی باقی نہ رہے تو کیا یہ ممکن ہوگا۔ کہ ابتدائی عیسائی تصانیف میں سے حوالجات کو اکٹھا کر کے نیا عہد نامہ بنا لیا جائے۔ اُس نے اس خیال پر کام کرنا شروع کیا۔ اور چونکہ علمی خیالات کا آدمی تھا۔ اور اس کے لیئے جن کتابوں کی ضرورت تھی وہ اس کے پاس موجود تھیں۔ اِس لیئے دو یا تین ماہ کے عرصہ میں وہ اس بات کے اندر کامیاب ہو گیا۔ کہ ابتدائی زمانہ کے بزرگوں کی تحریروں میں سے ایسے منقولہ فقرے اکٹھے کر سکے جن میں ہر ایک درس نئے عہد نامہ کے مل جاتی تھی۔ سوائے قریباً آٹھ آیتوں کے

پس تمہارے لیئے پہلی تین صدیوں کی عیسائی تحریروں میں ایسا سامان موجود ہے کہ سارا نیا عہد نامہ وہاں سے بن سکتا ہے۔ بشرطیکہ ترتیب قائم کرنیکا کوئی ذریعہ تمہارے ہاتھ میں ہو۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ وہ طریق ہے جس سے ہمکو نئے عہد نامہ کی عمر اور اُسکی صحت کا پتہ ملتا ہے۔ ہم اس زمانہ سے پہلے اس کی طبع کے زمانہ تک پہنچتے ہیں۔ پھر موجودہ قدیم نسخہ کے زمانہ تک پہنچتے ہیں وہاں سے ابتدائی بزرگوں کی تحریروں تک پہنچتے ہیں۔ اور اس طرح آخری قدم پہلی صدی میں رکھتے ہیں۔ جہاں سے یہ کتاب ہمارے پاس آئی۔

غالباً ہمارے ناظرین پادری صاحب کی اس تحریر سے بہت سے مفید سبق حاصل کر سکیں گے اور انجیل کی قدامت اور اسکے قابل اعتبار ہونیکا بھی صحیح اندازہ لگا سکیں گے۔ اور جس کتاب کی یہ حالت ہو کہ ساڑھے تین سو سال تک اسکے کسی نسخے کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ اسکے متعلق یہ کہنا کہ قرآن نے اسکو محرّف مبدّل کہنے میں ایک ایسا الزام دیا ہے جو ثابت نہیں ہو سکتا۔ پہلے درجہ کی خوش فہمی ہے۔ اوّل مشکل تو یہ کہ انجیل کی متی کی روایت کے مطابق تو کوئی مرقس کی اور کوئی یوحنا کی اور اصل لکھنے والوں کا پتہ نہیں کہ کون تھے پھر آجتک بڑے بڑے محقق حیران ہیں کہ اسکے لکھے جانیکا صحیح زمانہ کسطرح مقرر کریں کوئی پہلی صدی کے اندر اندر اسکا لکھا جانا مانتا ہے تو کوئی اسکے بھی پیچھے۔ پھر پہلے ساڑھے تین سو سال کا نسخہ بھی ندارد۔ پھر اگر از سر نو انجیل کو بنانیکی ضرورت پڑے تو اسکے جمع کرنیکی طرز بھی کیسی نرالی ہے کیا یہ کتاب اس کامل اور پاک کتاب کا کوئی مقابلہ کر سکتی ہے جسکی نہ صرف حضرت عثمان کے نسخے ہو بہو آجتک موجود ہیں۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ہر زمانہ میں ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کے سینوں میں اسطرح محفوظ رہی ہے کہ اگر ایک بھی نسخہ اسکا کسی زمانہ میں نہ ملے تو وہ ایسی ہی محفوظ ہے جیسے کروڑوں نسخوں کی موجودگی میں خدا تعالیٰ نے اپنی کامل حکمت سے حفاظت کاملہ کے سامان کسی اور کتاب کو سوائے قرآن کریم کے عطا نہیں فرمائے۔ خدا کے کام حکمت سے خالی نہیں ہوتے۔ ان کتابوں کی ہمیشہ کیلئے ضرورت نہ تھی اس لیئے اسکی حفاظت کو اپنے ذمہ نہ لیا۔ مگر قرآن کی۔ چونکہ قیامت تک ضرورت تھی اور اسکے بعد کوئی کتاب نازل ہونیوالی نہ تھی۔ اس لیئے اسکی حفاظت کو بھی اپنے ذمہ لیا۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون ۰ +

اجرت اشتہارات

رسالہ اشاعت اسلام کا دائرہ اشاعت ایک سال کے قلیل عرصہ کے اندر محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دو ہزار سے متجاوز کر گیا ہے۔ ہمیں امید واثق ہے۔ کہ بڑی عجلت سے اسکا دائرہ اشاعت دس ہزار ہو جاویگا مشتہرین کے لیئے اپنے اشتہار درج کرانیکا اس سے بڑھ کر نادر موقع اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ منیجر رسالہ

انداز صفحہ	ایک بار	سہ ماہی	ششماہی	سالانہ
چوتھائی ״	عہ	[illegible]	للعہ	[illegible]
نصف ״	[illegible]	صہ	لعہ	۱۵ [illegible]
پورا ״	للعہ	۱۱ [illegible]	۱۸ [illegible]	۳۰ [illegible]

نوٹ :۔ باقی امورات خط و کتابت سے طے ہو سکتے ہیں۔

النبوۃ فی الاسلام

حضرت مولوی محمد علیؒ صاحب ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔ کی تازہ تصنیف جس میں نبوۃ و رسالت کی غرض و غائت اور اس کے امتیازی نشانات۔ ختم نبوۃ۔ محدثیت و مجددیت مبشرات حضرت مرزا غلام احمد قادیانی۔ مسیح موعود کے دعوے مسیحیت۔ آپکی کتابوں میں اصطلاحات نبوت اور آپ کی خصوصیت کے متعلق نہایت لطیف پیرایہ میں سیر کی بحث کی گئی ہے۔ اور ثابت کیا گیا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئے یا پرانے نبی کا آنا قرآن شریف۔ احادیث صحیحہ اقوال ائمہ اور نیز کتب مسیح موعود سے بکلی ممتنع ہے *

اخبار وطن کی اس کتاب کے متعلق رائے "جمہور اسلام کو اس سے اسی قدر دلچسپی ہو سکتی ہے۔ جو مختلف جماعتوں اور فرقوں کے باہمی مناظرات سے اُسے بالعموم ہونی چاہیئے ...... اس میں صرف مرزا صاحب کی متدعویہ نبوت پر ہی بحث نہیں کی گئی۔ بلکہ قرآن کریم۔ احادیث شریف۔ اقوال ائمہ اور آخر میں مرزا صاحب کی کتب سے بتایا گیا ہے۔ کہ نبوت و رسالت کی اصل غرض و غائت کیا ہے۔ نبوۃ و رسالت کے کونسے امتیازی نشانات ہیں۔ پھر ختم نبوت کی حقیقت کو بتا کر آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کمالات کو نہایت لطیف پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ اور آپکو افضل الانبیاء اور اسلام کو کامل و مکمل مذہب ثابت کیا گیا ہے"

۵۶۰ صفحہ کی کتاب قیمت بجلد ایک روپیہ (عہ) مجلد صرف ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ)

پتہ :- مینیجر اشاعت اسلام عزیز منزل احمدیہ بلڈنگس۔ نولکھا۔ لاہور

ان وعدوں کی تصدیق ہر حصہ دنیا سے ہو رہی ہے کہ ہزاروں سندوں میں سے چند درج کرتا ہوں

قیمت فی شیشی جو سات مریض کے لیئے کافی ہے (عہ) سو دو سو روپیہ نہیں سولہ آنہ خرچ کر کے امتحان کر لیویں۔ دعویٰ سچا ہے یا مبالغہ جسکی ہزار دو ہزار نہیں کئی ہزار ہر قوم و ملت ہر ملک کے لوگ گواہی دیتے ہیں۔ کہ وہ آزما چکے ہیں۔ دوائی کے جس قدر فوائد مشہور ہوئے ہیں وہ سب درست ہیں۔ پھر کیوں آپ پس و پیش و دکھ اٹھاتے ہیں۔ اکسیری دوا کو منگوا کر مرض سے نجات پاکر موجد کے ایجاد کی داد دیجیئے۔ داخلی خارجی طور پر ہر مرض میں بچہ جوان بوڑھا مرد عورت کو بلا اذیت نفع پہنچاتے ہیں۔ انڈیا میں بوجہ غربت و بے سر و سامانی جس قدر امراض پیدا ہوتے ہیں ان سب کا حکمی علاج ہے۔ کتاب آب حیات۔ جس میں مفصل ترکیب و بدرقہ و صحت یافتہ لوگوں کے نام و نشان ہیں۔ پتہ لکھنے والے کو مفت بھیجی جاتی ہے۔ طاعون کا علاج میں اس سے بچنے کی تدابیر مفت۔ اخیر عمر تک جوانی کی قوتیں کس طرح قایم رہ سکتی ہیں مفت +

طاعون کی گلٹی پر لگانے سے گلٹی گم ہو جاتی ہے۔ اور اگر متواتر چند خوراک دیجاویں طاعون کو نمونیا۔ کھانسی کو دور کرتا ہے۔ بچھو۔ سانپ گزیدہ کو فائدہ کرتا ہے +

قیمت ایک شیشی ایک روپیہ (عہ) چھ شیشی پانچ روپیہ (صہ) درجن دس روپیہ (عہ)

پتہ

ڈاکٹر حکیم غلام نبی زبدۃ الحکما مصنف سلسلۂ زندگانی

موچی دروازہ۔ لاہور

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ

حضرت مولینا مولوی محمد علی صاحب ایم اے۔ ایل ایل۔ بی کے وجود باجود سے علمی و مذہبی دنیا بخوبی واقف ہے آپ نے حال ہی میں قرآن کریم کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ جو لندن میں زیر طبع ہے۔ اردو خوان پبلک اور بالخصوص مسلمان احباب کو مبارک ہو کہ آپ نے قرآن کریم کے تفسیری نوٹوں کو اردو میں بھی شایع کرنا شروع کر دیا ہے۔ جس کے دو حصہ شائع ہو چکے ہیں۔ پہلے حصہ میں صرف پارہ اوّل کے نوٹ ہیں۔ اور دوسرے میں جو نکات القرآن کے نام سے شائع ہوا ہے۔ سورہ بقرہ ختم کر دی گئی ہے۔ حصہ اوّل کے متعلق ہندوستان کے ممتاز ترین اخبارات زمیندار اور وطن کی رائیں حسب ذیل ہیں:۔ (**زمیندار** ۱۵۔ اپریل ۱۹۱۵ء) جناب مولوی محمد علی صاحب ایم اے ان عزیز الوجود بزرگوں میں سے ہیں جنکی عالمانہ زندگی کا کوئی لمحہ خدمت اسلام سے خالی نہیں رہتا۔ وہ روزانہ قرآن کریم کا درس دیتے ہیں۔ اور ہر آیت کی تفسیر میں حقائق و معارف کے دریا بہا دیتے ہیں۔ حال ہی میں ان درس مقدس کے بعض اہم اقتباسات انھوں نے خود ہی قلمبند کر کے شائع فرمائے ہیں۔ جن میں اکثر آیات جزو اوّل اور کسی قدر آیات جزو ثانی کی تفسیر ہے۔ اور اس خوبی کی تفسیر ہے۔ کہ شاید اردو زبان کا خزانہ ایسے تابناک جواہر ریزے بڑی مشکلوں سے بھی نہ نکال سکے"

(**وطن** ۱۳۔ اپریل ۱۹۱۵ء) "مولوی صاحب موصوف نے قرآن شریف کے پہلے پارہ کے تفسیری نوٹ لکھکر شائع کیے ہیں۔ ہمارے پاس بھی ایک کاپی بغرض ریویو انھوں نے بھیجی ہے۔۔۔ کاغذ لکھائی چھپائی سب موزون اور قابل تعریف ہے۔ اسوقت تک کثرت مشاغل کے سبب بالاستیعاب اس کتاب کو پڑھنے کا موقعہ نہیں ملسکا۔ لیکن جستہ جستہ مختلف مقامات کو ہمنے دیکھا ہے اور اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ یہ نہایت مفید کتاب ہے۔۔۔ اس کی قدر مسلمانوں کو ضرور کرنی چاہیئے۔ جیسی کہ مولویصاحب کے علم و فضل سے توقع تھی انھوں نے زمانہ حال کی ضروریات اور غیر مذاہب والوں کے اعتراضات کو جو وہ قرآن شریف پر کیا کرتے ہیں پیش نظر رکھکر یہ نوٹ لکھے ہیں۔۔۔ ہماری خواہش ہے کہ مولوی صاحب موصوف اسی طرح پورے قرآن شریف کے تفسیری نوٹ شائع کر سکیں۔۔۔ ہم اپنی طرف سے اس کتاب کی پچاس جلدیں خرید کر مساجد کے ان اماموں کو جو کم استطاعت ہیں۔ فائدہ عام کے لیئے مفت تقسیم کرنا چاہتے ہیں"

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ حصہ اوّل (۱۲)۔ نکات القرآن حصہ دوم قیمت (۱۲)

نوٹ:۔ حصہ سوم خدا تعالےٰ کے فضل سے زیر طبع ہے +

المشتہر منیجر رسالہ اشاعت اسلام عزیز منزل۔ احمدیہ بلڈنگس نولکھا۔ لاہور

ایک سلائی سے اندھی آنکھ روشن کرنے والا جواہر نور العین

بیس روپے ماشہ والا خالص ممیرہ بھی جواہر نور العین کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور ممیرہ اور دیگر اقسام کے سرمہ کی تو اس کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں کیونکہ اسکی ایک سلائی سے دھند میں دھندلا دور نظر دیکھنی شبکوری یعنی رتوندی رفع اور ایک ہفتہ میں رونے بہنے ککرے ناخنہ پربال پھولہ موتیا بند ضعف بصارت اور ہر قسم کا اندھا پن معدوم ہو کر نظر بحال ہو جاتی ہے اور آنکھ بنوانے اور عینک لگانے کی ضرورت نہیں رہتی قیمت فی ماشہ درجہ خاص ۵ درجہ اعلیٰ للعہ محصول علاوہ

بے شمار سندات میں سے صرف چند کی مختصر نقل انکے اصلی الفاظ میں

موتیا بند اور پھولے کے دس نفر
اچھے کر دیئے دستخط سردار امیر محمد خان صاحب گورنر غزنی

۲۵ برس کی بند آنکھ کھل گئی
اور پربال دور ہو گئے دستخط لالہ رام صاحب زمیندار کابل

دس برس کے ککرے بہنے رونے
دور کر دیئے دستخط شہزادہ ضیاء الدین صاحب از ...

اپریشن جو ککرے دور نہ ہوئے تھے
جواہر نور العین نے اچھے کر دیئے دستخط عبدالرحیم سوداگر انارکلی لاہور

دس سال کی شبکوری دور کر دی
دستخط خواجہ احمد الدین صاحب از راولپنڈی

۱۵ سالہ چیچک کا پھولہ دور کر دیا
دستخط سردار سید محمد صاحب از کابل

شربت جانفزا

بھوک لگانا کھانا ہضم کرنا اور سریع اور نفیس خون پیدا کر کے تمام جسم کی پرورش کرنا اور دبلے پتلے کو فربہ کرنا اور جانفزا قوت بخشنا اور دل و دماغ کو طاقت دے کر عقل تیز ہوش و حواس درست حافظہ تیز کرتا ہے بحالت ضعف و غشی اسکی ایک خوراک دینے سے ۵ منٹ میں مریض ہوش میں آ کر بات چیت کرنے لگتا ہے خاص کر گرم مزاج کے بچے جو ہمیشہ کمزور دبلے پتلے اور چڑچڑا رہتے اور سینہ کی امراض میں مبتلا رہتے ہیں اس کے استعمال سے جلد تر و تازہ ہو جاتے ہیں کھانسی اور سل کی امراض کیلئے تو اکسیر بے نظیر ہے ایک ہفتہ میں ۲ پونڈ وزن بڑھاتا ہے قیمت فی شیشی ۱ روپیہ حسن افروز چہرہ کی چھائیاں اور سیاہ داغ دور کر کے سیاہ فام کو گلفام بناتا ہے قیمت [illegible]

پتہ :- جواہر نور العین بخش سالار جنگ منیجر شفاخانہ دہلی دروازہ لاہور

تصحیح

جلد اوّل ...... بابت ماہ نومبر ۱۹۱۵ء ...... نمبر (۱۲)

اشاعت اسلام

صفحہ (۴۸۹) کے سطر اوّل

میں "ایک کپتان رابرٹسن صاحب مرحوم کا خاندان ہے"

غلط لکھا گیا ہوا ہے۔

اصل یہ ہے کہ ایک مسٹر رابرٹسن صاحب کا خاندان ہے

یہ شخص زندہ ہے۔ اور سوداگر پیشہ ہیں +

نوٹ:۔ سب احباب اصلاح فرمالیں۔ نہایت تاکید۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی۔اے۔ ایل ایل۔ بی) و مولوی صدر الدین (بی۔اے۔ بی۔ٹی)

نمبر (۳)	بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۶ء	جلد (۲)

فہرست مضامین

ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ فروری سنہ ۱۹۱۶ء

قیمت سالانہ تین روپے

وی پی وصول کنندگان اصحاب امور ذیل پر توجہ فرمائیں

بعض وقت ہم کو وہ کوپن زر وصول شدہ وی۔پی کے ساتھ ڈاک خانہ سے محفوظ حالت میں نہیں ملتا۔ کہ جس پر وصول کنندہ کا نام اور پتہ ہوتا ہے کا نمبر ہوتا ہے۔ کہ روپیہ تو ہمیں وصول ہو جاتا ہے لیکن کوپن کے مذکورہ بالا نقص کے باعث ہمیں خریدار کا پتہ نہیں چلتا اور دفتر سے آئندہ رسالہ جاری نہیں ہو سکتا۔ ایسی شکایات کثرت سے آتی ہیں۔ اسمیں ہمارا قصور نہیں۔ اس نقص کا دفعیہ یوں ہو سکتا ہے۔ کہ جس وقت کوئی صاحب وی۔پی وصول کریں۔ یا تو اُسی وقت ایک کارڈ سے ہمیں اطلاع بخشیں کہ انھوں نے وی۔پی وصول کر لیا۔ اور اپنا پتہ اور اسم گرامی خوش خط لکھدیں۔ یا جس وقت دوسرے ماہ رسالہ نہ پہنچے۔ تو فی الفور ہمیں اطلاع دیں۔ کہ وہ قیمت تو دے چکے ہیں لیکن رسالہ نہیں پہنچا۔ عین عنایت ہوگی +

منیجر

اشاعت اسلام (عزیز منزل) احمدیہ بلڈنگس نولکھا۔ لاہور

تصاویرات نومسلمانانِ لندن

ہم نے متعدد تصویریں نومسلموں کی ووکنگ آفس لندن سے منگوائی ہیں۔ قیمت فی تصویر صرف ایک آنہ (ا/)

نوٹ :۔ محصول ڈاک وخرچہ وی۔پی بذمہ خریدار +
درجن کے خریدار کو دو آنے (۲/) رعایت

منیجر اشاعت اسلام لاہور

Mr. Shams-ud-Din Sims,

who is represented by this photograph, relates a very interesting story in connection with his acceptance of Islam. He used to look upon the mosque as a heathen temple in which he thought queer things and idols were adored, and the chief object of worship, he understood, was the Sun. He often thought of coming to the mosque to satisfy his curiosity. But his information, like that of most of the Britishers, was so fantastic that he was afraid to come. At last his curiosity got the upper hand and led him "to venture," as he described afterwards, "into these fantastic premises." He found, to his astonishment, that the Muslim church was clear of all kinds of images, and that the Imam urged in his sermon that our worship should be confined to the Only One God. He was thus able to see how he was labouring, in common with others, under a false conception of the Islamic Faith, which is pre-eminently characterized by the doctrine of the Unity of the Common Creator of all the nations. It was not long before he joined Islam and received a Muslim name (Shams-ud-Din—the Sun of the Faith) that alludes to what brought him into the fold.

He is one of the most enthusiastic Muslims. His natural linguistic aptitude has helped him to learn how to read the Quran in Arabic and also to write Arabic characters. A beautifully written formula of the faith, done in an attractive floral style by our brother, decorates the mantelpiece of the house of the Imam. He cries the call to prayers as often as he happens to be at the mosque, and endeavours to show the truth to others. We hope Allah will bless him more and more.

جنوری کا مہینہ انگلستان میں سخت سردی کا مہینہ ہے۔ اور باہر چلنا پھرنا یا زیادہ میل ملاقات بھی نہیں ہوسکتی۔ مولوی صدرالدین صاحب امام مسجد ووکنگ کی طبیعت بھی اس ماہ میں زیادہ علیل رہی۔ با ایں ایک نئی روح اسلام میں داخل ہوئی۔ جس کی رپورٹ حسب ذیل مولوی صاحب کے ۱۹ جنوری کے خط میں ہے +

"مس ہیری کو چند ماہ سے اسلام سے دلچسپی تھی۔ اس عرصہ میں وہ نہ صرف اسلامک ریویو اور دیگر رسالہ جات کا مطالعہ کرتی رہیں۔ بلکہ دو دفعہ لنڈن سے سفر کرکے ووکنگ تشریف لائیں۔ تاکہ مزید حالات سے آگاہی حاصل کریں۔ آخرش اللہ تعالے نے اس سعید روح کو اسلام جیسی نعمت عظمیٰ نصیب کی اور اُنھوں نے لنڈن میں نماز جمعہ کے وقت اسلامی مجمع میں اسلام اختیار کیا۔ خدا تعالیٰ اس خاتون پر اپنی برکات نازل فرمائے۔ اس کو صراط مستقیم دکھانے میں ہماری ایک بہن امینہ نے جو ان کی ہمسائی ہیں بڑی سعی کی۔ اور اس کا بڑا ثواب انہی کے حصہ میں لکھا جائے گا۔ اُنھوں نے اس نومسلمہ کی بڑی تعریف کی ہے۔ اور اس کی پاکیزگی کی خصوصیت سے مدّاح ہیں۔ ان کا نام عفیفہ رکھا گیا

جو ان کے انگریزی نام مریم کا ترجمہ بھی ہے۔

عسىٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم۔ موجودہ جنگ نے ہر قسم کے کاروبار کو بہت سا نقصان بھی پہنچایا ہے۔ مگر ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا نتیجہ بابرکت ہی کریگا۔ اور اس میں بہت ملکوں اور قوموں کی بہتری ہوگی۔ سردست ہماری اسلامی مشن کے کام کی مزید توسیع میں بھی کسی قدر رکاوٹ ہی واقع ہوگئی۔ اور ہماری گورنمنٹ اور اس کے حلیفوں کی پوری طاقت بھی اس وقت جنگ میں فتح حاصل کرنے پر ہی صرف ہو رہی ہے۔ اس لیئے ضرور ہے کہ انگریزی پبلک کی توجہ بھی زیادہ تر اسی طرف ہو۔ لیکن ہم یقین رکھتے ہیں کہ جو بیج اس وقت اندر ہی اندر بویا جا رہا ہے یہ ضایع نہیں جائے گا۔ اور وقت پر اللہ تعالیٰ اس کو بار آور کرے گا۔

مولوی صدر الدین صاحب ولایت سے اطلاع دیتے ہیں کہ ترجمۃ القرآن انگریزی (جو درحقیقت ترجمہ نہیں بلکہ تفسیر ہے) کا مسودہ مطبع میں چلا گیا ہے۔ پروفوں کی صحت اور بلاکوں کی تیاری میں غالباً چھ ماہ کا عرصہ اور لگ جائے گا۔ کاغذ کی قیمت جنگ کی وجہ سے بہت بڑھ گئی ہے۔ جس سے خرچ پر بہت اثر پڑے گا۔ اور غالباً جلد بندی کی قیمت میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔ کتاب کا حجم بھی جس قدر پہلے خیال کیا گیا تھا۔ اس سے زیادہ ہو جائے گا۔ اندریں حالات قیمت پہلے اندازہ سے بہت بڑھ جائے گی جس کا صحیح اندازہ اب طبع پر ہی ہو سکے گا۔ جو صاحب خریدنا چاہیں وہ صرف اپنے ناموں کا اندراج کراویں۔ اور یہ بھی اطلاع دیدیں کہ معمولی ایڈیشن خریدیں گے یا لائبریری ایڈیشن۔

علقمہ کی موت کی کیفیت

"جنّت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے"

ایک دفعہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے درمیان تشریف رکھتے تھے تو علقمہ کا ذکر چل پڑا جو اُس وقت سخت بیمار تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا کہ علقمہ کا کیا حال ہے۔ عرض کیا گیا کہ حالت خراب ہے اس پر آپ نے اُن کی حالت دریافت کرنے کے لیئے ایک آدمی روانہ کیا۔ کچھ دیر کے بعد وُہ واپس آیا اور عرض کی کہ علقمہ کی حالت تو نہائیت زار ہے۔ اور ایسی نزع کی حالت میں نہ تو وہ دُعا کرنے کے قابل ہے نہ خدا کی طرف توجہ کر سکتا ہے۔ اس امر کے سننے سے آپ کو نہایت تاسف ہؤا۔ اور دریافت فرمایا کہ کیا علقمہ کی ماں زندہ ہے۔ عرض کیا گیا کہ زندہ ہے۔ آپ نے ایک خادم کو بلایا اور فرمایا کہ جاؤ اور علقمہ کی ماں سے کہو کہ محمد (صلعم) نے تم کو سلام کہا ہے اور بلایا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر بُہت بوڑھی اور ضعیف ہوں تو پھر میں خود اُن کے پاس جاؤں گا۔

جب رسول اللہ صلعم کا یہ پیغام اس ضعیفہ کے پاس پُہنچا تو وہ کہنے لگیں کہ بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ خدا کا رسول بُلائے اور میں نہ جاؤں۔ میں فوراً حاضر ہوتی ہوں۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نہایت مہربانی سے پیش آئے اور بیٹھنے اور کچھ دیر دم لینے کے لئے فرمایا۔ جب وہ کچھ دیر دم لے چکیں تو آپ نے اُن سے دریافت کیا کہ تمہارے لڑکے کا کیا حال ہے۔ عرض کی کہ بُہت بیمار ہے موت کے دروازہ پر ہے مگر موت آ نہیں چکتی۔ اور نزع کی ایسی سخت تکلیف ہے کہ سنگ دل دشمن بھی اس کی اس حالت کو دیکھ کر آنسُو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ نہ زبان سے دُعا و استغفار نکل سکتی ہے نہ خدا کی طرف دھیان لگا سکتا ہے۔

اس پر آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ تمہارے لڑکے سے ایسا کونسا خطرناک جُرم سرزد ہؤا ہے جسکی وجہ سے وہ خدا کے رحم سے اس طرح مہجور پڑا ہؤا ہے۔ حالانکہ خدا کا رحم تو ماں کے رحم سے بھی بہت بڑھ کر ہے۔ اور اُسکی شفقت و محبت اس ماں کی محبّت و شفقت سے جس نے تم کو جنا ہے۔ بدرجہا

بڑھ چڑھ کر ہے۔

بڑی بی بولیں کہ میرا لڑکا نہایت نیک پرہیزگار متقی پارسا راستباز اور دیانتدار ہے۔ پانچ وقت نماز پڑھتا ہے۔ رات کا زیادہ حصہ اپنے خالق کے آستانہ پر کھڑا رہتا اور اُس کے قدموں پر نہایت عاجزی سے سر کو رگڑتا اور دُعائیں کرتا ہے۔ رمضان کے پُورے روزے رکھتا۔ اس کے علاوہ نفس کشی کے لیئے دوسرے مہینوں میں بھی روزے رکھتا ہے۔ جب روپیہ پاس ہوتا ہے تو سخاوت سے کام لیتا ہے۔ غریبوں کو دیتا محتاجوں کی مدد کرتا۔ مسافروں کی مہمان نوازی کرتا۔ یتیموں کو پالتا ہے۔ نہائیت متواضع حلیم اور منکسرالمزاج ہے۔ تکبّر۔ شیخی و نمود پاس تک نہیں پھٹکیں ہمسایہ کے مال پر کبھی طمع نہیں کی۔ بلکہ ہمسایوں کے ساتھ مہربانی اور محبت سے پیش آتا ہے۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ میرا لڑکا قرآن کریم کے تمام احکام کا پورا پورا فرمانبردار ہے"

تب آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ پھر اُس نے اپنی ماں کو ناراض کیا ہے جس کی وجہ سے وہ باوجود اپنے تمام اعمال صالحہ اور نیکیوں کے خدا کی رحمت سے مجبُور ہو رہا ہے۔

اس پر علقمہ کی ماں نے عرض کیا کہ ہاں یہ سچ ہے میرا لڑکا اپنی بی بی کو خوش کرنے کے لیئے اکثر میری مخالفت کرتا اور میری ناراضگی کی پروا نہ کرتا تھا"

یہ سُن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے لوگوں کو حکم دیا کہ لکڑیاں جمع کر کے ایک بڑا الاؤ لگاؤ۔ جب یہ ہو چکا تو آپ نے فرمایا کہ علقمہؓ کو لاؤ اور اس الاؤ پر رکھ کر اسے آگ لگا دو جب علقمہ کی ماں نے یہ سُنا تو وہ رونے اور چلاّنے لگی اور کہنے لگی حضوُر میرے لڑکے نے آپ کا ایسا کونسا قصوُر کیا ہے جو آپ اسکو زندہ جلانے لگے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ نیک بخت تیری نافرمانی کر کے تیرا لڑکا سزا کا مستوجب ہو چکا ہے۔ اور وہ جہنّم کی آگ میں جھونکا جائے گا۔ دُنیا کی یہ ناچیز آگ جہنّم کی آگ کے مقابلہ میں کوئی شئے نہیں پس میرا مطلب یہ ہے کہ اگر تو اس کا قصوُر معاف نہ کرے گی تو جو سزا اُس کو مرنے کے بعد ملنی ہے۔ تو اُس کا کچھ حصّہ دُنیا میں دیکھ لے اور سمجھ لے۔ کیونکہ خدا کی رحمت اس لڑکے پر کبھی نازل نہیں ہوتی جو اپنی ماں کو ناراض کرتا اور اُس کے دل کو دکھاتا ہے۔

علقمہ کی ماں بولی کہ میں اپنے لڑکے کے قصوُر کو معاف کرتی ہوں اور خدا کے حضور بھی التجا کرتی ہوں۔ کہ وہ بھی اس کے قصوُر کو معاف کرے اور اُس پر رحم فرماوے۔

جب علقمہ کی ماں اپنے بیٹے کا قصور معاف کر چکی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مع صحابہ کے علقمہ کو دیکھنے کو تشریف لے گئے اور اُس کو بالکل آرام و سکون میں پایا۔ علقمہ نے اپنی ماں سے معافی مانگی اور خدا کے حضور دُعائیں کرتا ہوں وفات پاگیا۔ علقمہ کی تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ خود آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہ نے کیا۔ اس کو دفن کر چکنے کے بعد حضور علیہ السلام نے ماؤں کی ناراضگی سے لوگوں کو ڈرایا اور فرمایا کہ دُنیا میں ماں سے بڑھ کر کوئی تم پر حق نہیں رکھتا۔ اُس نے تمھیں پیٹ میں رکھا۔ پالا پوسا۔ بڑا کیا۔ تربیت کی اور تمہارے لیئے اپنے تئیں فراموش کر دیا۔ پس جب تم بڑے ہو تو سب سے پہلے تمھیں اپنی ماں کا خیال رکھنا چاہیئے۔ علقمہ کی حالت تمہارے لیئے مقام عبرت ہے۔ کیا وہ متقی صالح فیاض اور حلیم نہ تھا۔ لیکن ماں کے ساتھ بدسلوکی کرنے کا جرم تمام نیکیوں کے مقابلہ میں وزندار ثابت ہوا۔ اور اگر اس کی ماں اسے معاف نہ کر دیتی تو وہ آخرت میں سزا کا مستوجب ہو چکا تھا۔ پس میرے عزیزو اس کو یاد رکھو اور اپنے بچوں کو سکھاؤ کہ وہ اپنے ماں باپ کے بڑھاپے میں ان کی پرورش کریں۔ ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آویں اور کبھی اُن سے سخت کلامی نہ کریں۔ اگر ایسا کروگے تو تمہارا کوئی نیک عمل خدا کی درگاہ میں مقبول نہ ہوگا۔ کیونکہ جنّت تمہاری کے قدموں کے تلے ہے۔ (راقمہ مسز عذیو جنگ صاحبہ۔ حیدرآباد دکن۔ ہندوستان)

رحمۃ للعالمین

ما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین

(اور ہم نے تمکو نہیں بھیجا۔ مگر سارے جہان کیلیئے رحمت)

(از قدوائی)

"سنہ ۱۹۰۶ء میں جب مجھے پہلی مرتبہ مقام خلافت کی زیارت کا اتفاق ہوا تو میرے ہم مذہب بھائیوں نے دلی جوش کے ساتھ میرا خیر مقدم کیا۔ اور سلطنت کے اعلےٰ سے اعلےٰ ارکان نے مجھے بار شرف یابی بخشا۔ چنانچہ شیخ الاسلام اور قاضی عسکر کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ ہز ایکسلنسی

محمود آفندی اُس وقت قاضی عسکر تھے۔ اب یہی سنتا ہوں کہ وہ وفات پا گئے ہیں۔ وہ ایک بڑے فاضل شخص تھے۔ اور گو ہیں نے ان کو ایک طرف سے کھلے لباس ہیں اور سر پر عمامہ رکھے ہوئے پایا۔ مگر وہ آج کی یورپ کی دنیا سے بخوبی واقف تھے۔ اور نپولین تک کے بعض جنگی اصول پر تنقید کرنے کے لیئے تیار رہتے۔ گو آپ عمر رسیدہ تھے۔ مگر بناوٹ ہیں مضبوط اور تندرست اور توانا نظر آتے تھے۔ اور تمام بڑے بڑے اسلامی مذہبی پیشواؤں اور فاضلوں کی طرح ایک سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اور اُن کا مکان بہت ہی صاف تھا۔ اور ایسا ہی اُن کی نشست گاہ۔ مگر اُن کا سامان حد درجہ کا سادہ تھا۔ ایک پھوس کی صاف چٹائی پر دو پلنگ بچھے تھے۔ دیواروں پر کسی قسم کی آرائش نہ تھی صرف ایک تصویر کی چوکھٹ تھی۔ اور اُس اکیلی چوکھٹ میں جو کہ سارے کمرے بلکہ سارے مکان کی زینت کا باعث ہو رہی تھی کیا تھا۔ وہی قرآن کی آیت جس کو ہم نے عنوان میں نقل کیا ہے۔ وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین ✣

کیا ایک بشر کے لیئے اس سے بڑھ کر کوئی عزت کا خطاب ہو سکتا ہے۔ کیا اس سے بڑا اور اعلےٰ مقصد کوئی انسان اپنے آگے رکھ سکتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو سارے جہانوں کے لیئے رحمت ثابت کر کے دکھائے۔ ہاں اُس خدا نے جو انسانوں کی فطرتوں اور ان کی استعدادوں سے واقف ہے۔ وہ جو مخلوق کے لیئے سراپا رحمت اور محبت ہے۔ اسی نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اس خطاب کا مستحق سمجھا۔ اُسی نے آنحضرتؐ کے سامنے یہ مقصد عالی رکھا۔ کہ وہ اپنے آپ کو نہ صرف اس جہان کے لیئے بلکہ کل جہانوں کے لیئے رحمت ثابت کریں ✣

وہ محبت جو مسلمانوں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ جن کو وہ خدا کا محبوب اور نبیوں کا خاتم یقین کرتے ہیں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ آپ کو اس دنیا میں ظاہر ہوئے تیرہ صدیاں گذر چکیں۔ دنیا نے بے شمار تغیرات اور انقلابات دیکھے۔ اور اس کے وقت سے بہت آدمی ہاں بہت بڑے بڑے انسان دنیا میں ہوئے اور گذر گئے۔ جیسا کہ اس وقت سے پہلے بھی ہوئے اور گذر گئے۔ اس کے وہ مخلص اور وفادار صحابہ بھی جنھوں نے اس کے لیئے اپنی جائدادوں کو چھوڑ دیا ایسے وقت میں جبکہ ہر طرف مصائب اور تکالیف اس کو پہنچائی جا رہی تھیں جنھوں نے اُس کی حفاظت کے لیئے اپنی جانوں کو قربان کر دیا جو اپنے بچوں اور اپنے

دلوں سے بڑھ کر آپ سے محبّت کرتے تھے وہ بھی سب گذر گئے۔ حضرت موسےؑ کے پیروؤں نے حضرت موسیٰؑ کو کہا کہ تم خود ہی جا کر جنگ کرو۔ حضرت عیسےؑ کے پیروؤں نے خود حضرت عیسےؑ کو پکڑوا دیا۔ اور چند روپیوں کے عوض اپنے آقا کو بیچ ڈالا۔ مگر محمد صلّے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ وہ مقدّس انسان تھے جنھوں نے پہلے دن سے جب وہ آپ پر ایمان لائے آخر دن تک صدق اور وفاداری کا وہ کامل نمونہ دکھایا جس کی نظیر ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ وہ ہجرت کا واقعہ جو دُنیا کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رہے گا۔ جہاں سے اسلامی سنہ شروع ہوتا ہے۔ اس میں صرف ایک رفیق ابو بکرؓ آپ کے ساتھ تھا۔ اور اس ایک رفیق کے ساتھ آپ مکہ سے نکلے جبکہ کل کے کل لوگ آپ کے قتل کرنے کا فیصلہ کر چکے ہوئے تھے اور اپنے کارندے اس غرض کے لیئے متعیّن کر چکے ہوئے تھے۔ اور جب ایک رفیق نے اس تنہائی کی خطرناک گھڑی میں آپ کا ساتھ دیا تو آپ کا ایک دوسرا رفیق علیؓ آپ کے بستر میں لیٹ گیا۔ اور آنحضرت کی چادر کو اپنے اوپر اوڑھ لیا۔ تاکہ قاتلوں کی وُہ تیز اور خونخوار تلواریں جو انھوں نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لیئے تیّار کی تھیں اس کے جسم پر اپنا کام کریں۔

اب نہ علیؓ ہے اور نہ ابو بکرؓ اور وہ سیکڑوں اور ہزاروں وفادار صحابہ جنھوں نے علیؓ اور ابو بکرؓ کی طرح اپنے آپ کو دشمنوں کے تیروں اور تلواروں کے سامنے نبی کریم صلّے اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیئے ڈھال بنا دیا وہ بھی سب گذر گئے۔ اب اسلام عرب کے بیابان تک محدود نہیں۔ نسل انسانی کی قریباً ایک چوتھائی محمد صلّے اللہ علیہ وسلم کی نام لیوا ہے۔ دُنیا نے بھی اس وقت سے بہت ترقی کی ہے اور بہت بڑھ گئی ہے پرانی دُنیا کے ساتھ ایک نئی دُنیا اور نمودار ہو گئی ہے سائنس کی ترقیات اس زمانے سے لے کر آج کہیں کی کہیں پہنچ گئیں ہیں۔ ہمارے زندگی کے سامان ترقی کر گئے ہیں۔ اور خیالات نے بھی بہت ترقی کی ہے۔ مگر ایک بھی مسلمان ایسا نہیں جسکو آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہی محبّت نہ ہو جو اُن مسلمانوں کو تھی جنھوں نے اس مقدّس انسان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا یا جو اُس کے زمانے کے بعد آئے۔ چین میں تلاش کرو یا اسٹریلیا میں یورپ میں یا ایشیا میں۔ نئی دنیا میں یا پرانی میں۔ ایسے مسلمان کا وجود نہ پاؤگے لارڈ ہیڈلے اسی طرح اس سے محبّت کرتا ہے جس طرح ہارون رشید کرتا تھا۔ ہارون رشید اسی طرح

ایسے ہی محبّت کرتا تھا جیسے آپ کے وفادار صحابی۔ نہ زمانہ اس محبّت میں جو کہ مسلمانوں کو آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے کسی طرح کم نہیں کر سکا۔ مُلکی حد بندیاں بھی اس محبّت کو کم نہیں کرتیں۔ عیسےٰ اور موسےٰ کی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی مشرق کے رہنے والے تھے۔ اور خیال کیا جاتا ہے کہ مشرق اور مغرب مل نہیں سکتے۔ لیکن نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبّت میں جیسے مغرب کا مسلمان ویسے ہی مشرق کا مسلمان۔ اس لاتبدیل وفاداری اور محبّت اس بےنظیر اخلاص کی جس پر نہ ملکوں کی حد بندیوں کا اثر ہے نہ زمانہ اپنا کوئی اثر دکھاتا ہے۔ کیا وجہ ہے صرف یہی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو کل جہان کے لیئے رحمت ثابت کر دکھایا۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ قریباً سب کے سب نبیوں اور بڑے آدمیوں کی عزّت اُن کے ہمعصروں میں کم ہوئی ہے۔ اور بعد کی آنے والی نسلوں میں زیادہ حضرت مسیح کی زندگی کے مطالعہ سے اسکا خوب ثبوت ملتا ہے۔ جتنے جتنے لوگ اس کے زمانہ کے قریب تھے اسی قدر کم اُنھوں نے اسکی عزّت کی۔ اسی لیئے انھیں خود بھی یہ شکایت کرنی پڑی کہ نبی کی عزّت اپنے وطن اور اپنے گھر میں نہیں ہوتی۔ آخر تک وہ اپنی قوم کی ایذاؤں کا شکار رہا۔ اوروں کو چھوڑو اس کے اپنے حواری جو سب سے بہتر اس کے حالات سے واقف تھے اور گھر بار بھی چھوڑ چکے تھے وہ بھی اسکی خاطر نہ صرف تکلیف اُٹھانے سے ہی گریز کرتے نظر آتے ہیں۔ بلکہ اُنھیں میں سے ایک کا کام تھا کہ اُسے دشمن کے ہاتھ پکڑوا دیا۔ خود پطرس نے اُس کا انکار کیا۔ حضرت مسیح کی وفات پر ایک لمبا عرصہ گذر گیا۔ جب اس کی سادہ اور نیک زندگی کے اردگرد کہانیاں جمع کر کے اُسے ایک راز کی صورت بنا دیا گیا۔ جب مشرکوں کے اعتقادات لے کر یسوع کے نام کے ساتھ اُن کو وابستہ کر دیا گیا تو انسان مسیح جو لوگوں میں کسی بڑی محبّت کا جذبہ پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہوا تھا گو وہ مسیح نبی اللہ جو اپنے مقصد کی تکمیل نہ کر سکا۔ اور جسے کہنا پڑا کہ تسلّی دہندہ نسل انسانی کی ہدایت کے لیئے اور خدا کی بادشاہت میں داخل کرنے کے لیئے آئے گا۔ اُس انسان اور نبی کی بجائے ایک فرضی خدا کا بیٹا بنا یا گیا۔

مسیح موسےٰ کی طرح ایک اسرائیلی نبی تھے۔ اور ان کے مشن کا دائرہ بھی اسی طرح محدود تھا مگر ان سب تغیرات کے ساتھ اُس کے مشن کو بھی عمومیت کا رنگ دیا گیا۔ لیکن ایک عام مذہب

ہونے کے لیئے عیسائیت کس قدر ناموزون تھی۔ اس کی شہادت تاریخ سے ملتی ہے۔ جبتک لوگ صرف اس انسان کے بنائے ہوئے مذہب کی پیروی کو ضروری سمجھتے رہے۔ اُس وقت تک وہ کسی اعلےٰ حالت پر نہیں پہنچ سکے۔ بلکہ اخلاق میں تمدّن میں۔ ملکی رنگ میں اور علمی رنگ میں ایک گری ہوئی حالت میں رہے۔ خود ان کے مذہب کی بنیاد ایک غیر معقول بات پر تھی وہ یقین کرتے تھے۔ کہ گناہ کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ کہ عورت سخت مجرم ہے۔ کہ تین ایک ہیں اور ایک تین ہے۔ کہ خدا کے ہاں بھی بیٹا ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا اس قسم کی بہت سی غیر معقول باتوں پر اُن کے مذہب کی بنیاد تھی۔ ایسا ہی مذہب کی تمدّنی بنیاد بھی کسی عمدہ اصُول پر نہ تھی۔ مجرّد انہ زندگی کو اچھا سمجھا جاتا تھا۔ اور اس طرح پر ماں اور باپ کا مرتبہ نظروں میں گرایا گیا۔ ذہانت کُند ہوگئی۔ علمی تحقیق کے محرکات کم کیئے گئے۔ توہم پرستیاں پھیلائی گئیں مسیح کی نبوت کی بنیاد ایسی کہانیوں پر رکھی گئی۔ جن میں عجوبہ باتوں اور معجزات کا ذکر ہو جب تک عیسائی لوگ کلیسیا کی حکومت کے ماتحت رہے وہ ایک تاریکی کی حالت میں رہے اور تہذیب کے ادنےٰ مقام سے آگے نہیں بڑھ سکے عقل و فکر سے کام لینے کے زمانہ کی ابتدا اس وقت سے ہوتی ہے جب کلیسیا کا ستارہ غروب ہوگیا۔ آج یورپ اور عیسائیت اپنی تہذیب پر فخر کرتے ہیں لیکن مشرقی نکتہ خیال سے وہ مقام انسان کے نفس کی تہذیب اور تکمیل انسانی کا اعلےٰ مقام نہیں اور آج اس جنگ میں جو بعض خطرناک امور کا اظہار بعض عیسائی اقوام سے ہوا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس تہذیب کا اثر حقیقت میں یورپ کے دلوں پر کچھ نہ تھا۔ مگر وہ ترقی کی حالت جس پر موجودہ تہذیب کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ یہ بھی کلیسیا کے ساتھ خطرناک جھگڑوں کے بعد حاصل ہوئی ہے اور آج عیسائی مذہب کے بنیادی سربستہ راز پر ایمان رکھنے والے لوگوں میں سے فہیم لوگ کثرت سے نکل گئے ہیں۔ یورپ آج اپنی ترقی پر فخر کر سکتا ہے۔ وہ یہ فخر کر سکتا ہے کہ اس کی حکومت بہت سے بڑا عظموں پر ہے۔ لیکن ان باتوں کے لیئے وہ عیسائیت یا کلیسیا کا ممنون احسان نہیں

اب تاریخ اسلام پر نظر دوڑاؤ تو معلوم ہوگا۔ کہ جتنے جتنے مسلمان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ کے نزدیک تھے۔ اور جس قدر زیادہ انھوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی اُسی قدر زیادہ اُنھوں نے ہر پہلو سے ترقی کی۔ یعنی اخلاقی پہلو۔ تمدّنی پہلو۔ ملکی پہلو

اور علمی پہلو کے لحاظ سے ان کا تنزل شروع نہیں ہوا۔ جب تک کہ وہ اسلام سے دور نہیں جا پڑے۔ ایک وقت وہ دُنیا کی سب سے زیادہ مہذب تعلیم یافتہ قوم تھے۔ درمیانی زمانوں میں صرف وہی اکیلے علم کی مشعل کو روشن کرنے والے تھے۔ جب یورپ پر ایک سخت ظلمت محیط تھی جسقدر زیادہ اُنھوں نے اسلام سے محبّت کی اسی قدر تہذیب میں بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دنوں میں عرب کی آبادی گویا کامل انسانوں کا ہی مجموعہ تھی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی الواقع خدا کی سلطنت کو زمین پر لائے۔ اِس طرح پر کہ آپ نے ایک ایسا نمونہ قائم کیا۔ جو بہترین اور کامل ترین نمونہ اپنے وقت کے لوگوں کے لیئے اور ان لوگوں کے لیئے ہوُا جو اُن کے پیچھے آنے والے تھے مسلمانوں کی کامیابی کا حقیقی راز جبتک کہ وہ مسلمان رہے سوائے اسکے کچھ نہیں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کامل سے کامل اور اعلےٰ سے اعلےٰ نمونہ تھے۔ اسکے بالمقابل یورپ کے دانا ہمیشہ چلاتے رہے ہیں۔ اور اب تک چلاتے رہتے ہیں کہ اس دُنیا کی ترقی اُن زنجیروں اور روکوں کو کاٹ دینے پر منحصر ہے جو عیسائیت نے قوائے عقلی کے نشوونما پر ڈال رکھی ہیں۔ مگر اسلام کے دانشمند فرزند آج بھی اپنے ہم مذہبوں کو یہی تعلیم دیتے ہیں کہ وہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے لیئے بہترین نمونہ سمجھیں اور ایسی ہی زندگی کو اختیار کریں۔ جیساکہ زمانۂ نبوت میں مسلمانوں کی تھی۔ کیوں اس لیئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو دُنیا کے لیئے رحمت ثابت کیا۔

نہ زمانہ ماضی میں دنیا میں کوئی ایسا شخص ہوُا اور نہ آج دُنیا میں موجود ہے جس کی زندگی کے اندرونی اور خانگی پہلوؤں کی نہایت باریک تفصیلات پبلک کے سامنے کھول کر رکھی گئی ہیں اور نہ صرف اپنے ہمعصروں اور ہموطنوں کے سامنے بلکہ ہر زمانے ہر ملک کے کروڑ در کروڑ انسانوں کے سامنے اور جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح نسل انسانی کے لیئے نمونہ بننے کے قابل ثابت ہوُا ہو۔ وہ روایات جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ذریعہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے تھیں ہم کو پہنچی ہیں۔ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اندرونی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اور اُن میں سے ایک ایک اور وہ سب کی سب اس انسان۔ ہاں فخر نوع انسان کی عزت کو ہمارے دلوں میں بڑھاتی ہیں۔ یعنی وہی لفظ کے حقیقی معنے کی رُو سے جہانوں کے لیئے رحمت ثابت ہوُا ＊

قریباً تمام مذاہب حتیٰ کہ بدھ اور یسوع کے پیروؤں نے اپنے نبیوں کو خدا بنا دیا۔ لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ یہی کہا انما انا بشر مثلکم۔ میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں بایں کوئی شخص ایسا نہیں جس کی محبت انسانوں کے دلوں میں اس خالص بشر سے بڑھ کر ہو کیوں اس لیئے کہ یہ بشر جہانوں کے لئے رحمت ثابت ہوا۔

پھر تمام نبیوں نے اپنے نبوت کے دعوے کی بنیاد معجزات پر رکھی اور حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بہت بڑھ کر تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے پیروؤں نے بھی روحانی طاقت کے بڑے بڑے معجزات دکھلائے ہیں لیکن آپ نے اعلان یہی کیا کہ میرا دعوٰی نبوت کی بنا میری تعلیم کا کمال ہے۔ نہ معجزات کا دکھانا۔ لیکن جن لوگوں کے بڑے بڑے معجزات مشہور کیئے جاتے ہیں ان میں سے کون ہے جس نے نسل انسانی کے دلوں میں اتنی محبت پیدا کی ہو جتنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے۔ کیوں؟ اس لیئے کہ آپ کی تعلیم اپنے اندر کمال رکھتی تھی۔ اور آپ کا وجود واقعی جہانوں کے لیئے رحمت تھا۔

لوگ آج اُن باتوں پر ہنستے ہیں جن کو مختلف قوموں نے معجزات کے نام سے موسوم کر رکھا ہے۔ یہاں تک کہ موسےٰ اور مسیح کے معجزات کو بھی کہانیاں کہا جاتا ہے۔ لیکن وُہ معجزہ جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دکھایا۔ کہ سارے جزیرہ نمائے عرب کی کایا ایک قلیل عرصہ میں پلٹ دی اور ذلیل سے ذلیل حالت سے نکال کر اعلےٰ سے اعلےٰ حالت پر پہنچا دیا۔ اس کا آج کوئی متشکک بھی انکار نہیں کرسکتا۔ ایک مشہور متعصب عیسائی مصنّف سر ولیم میور نے اس انقلاب کا اقرار جو درحقیقت دُنیا کے اعظم ترین معجزات میں سے ہے۔ ان الفاظ میں کیا ہے۔

"دو ایک ایسے وقت سے جس کا پتہ تاریخ بھی نہیں دیتی۔ مکہ اور سارا جزیرہ نما رُوحانی موت کی حالت میں پڑا ہوا تھا۔ یہودی عیسائی یا فلسفیانہ تحقیقات کے چھوٹے چھوٹے اور عارضی اثرات عرب کے دلوں پر ایسے ہی تھے جیسا کہ ایک جھیل کے ساکن پانی کی سطح پر کوئی ہلکی سی لہر نمودار ہو جائے۔ نیچے سب سکون اور بے حرکتی کی حالت میں رہے۔ لوگ توہم پرستی میں ظلم اور بدکاری میں ڈوبے ہوئے تھے۔ یہ ایک عام رواج تھا۔ کہ سب سے بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیواؤں کو اپنی زوجیت میں لے لیتا جو باقی جائداد کے ساتھ مال کی طرح بطور ورثہ اُس کو پہنچ جاتی۔ تکبر اور

افلاس نے اُن کے درمیان دختر کشی کی رسم کو جاری کر دیا تھا۔ جیسا کہ ہندوؤں میں کر دیا اُنکا مذہب ایک بڑی موٹی بت پرستی تھی اور اُن کا ایمان بعض نہ دیکھی ہوئی ہستیوں کا توہم آمیز خوف تھا۔ جن ہستیوں کی خوشی کو وہ حاصل کرنا چاہتے اور جن کی ناراضگی کو دُور کرنا چاہتے تھے اور ایک حاکم کل باری تعالےٰ کی ہستی پر فی الواقع اُن کا کوئی ایمان نہیں تھا۔

زندگی بعد الموت اور نیک اور بد کی جزا، اعتقادات افعال کے محرکات ہونے کے رنگ میں عملاً مفقود تھے۔ تیرہ سال ہجری سے پہلے مکہ اس ذلت کی حالت میں مردہ پڑا ہوُا تھا۔ مگر ان تیرہ سالوں نے کیسا زندگی کا انقلاب پیدا کیا۔ کئی سو انسانوں کا ایک گروہ ایسا تھا۔ کہ اُس نے بُت پرستی کو ترک کر دیا۔ اس کی جگہ ایک خدا کی عبادت اختیار کی اور اس ہدایت کے لیئے اپنے آپ کو کامل طور پر فرمانبردار بنا دیا۔ جس کو وہ خدا کی طرف سے وحی یقین کرتے تھے۔ وہ بار بار اور جوش کے ساتھ قادر مطلق سے دعائیں کرتے تھے۔ معافی کے لیئے اسی کے رحم کیطرف نظر اُٹھاتے اور یہ کوشش کرتے کہ نیک اعمال کے ساتھ ساتھ سخاوت پرہیزگاری اور انصاف کی پیروی اختیار کریں۔ وہ اب خدا تعالےٰ کی کامل طاقت اور اپنے چھوٹے سے چھوٹے کاموں میں اسی کی ربوبیت کے احساس کے نیچے زندگی بسر کرتے تھے۔ قدرت کے تمام عطیات میں زندگی کے تمام رشتوں میں اپنے انفرادی اور قومی کاموں کے ہر ایک پہلو میں وہ خدا کے ہاتھ کو کام کرتا ہوُا دیکھتے اور سب سے بڑھ کر یہ نئی زندگی جس میں وہ خوش تھے اُسے وہ خاص فضل کا نشان سمجھتے تھے اور اپنے اندھے ہموطنوں کے کفر کو خدا کی طرف سے سخت دلی کی مہر یقین کرتے تھے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو اس زندگی کے پہنچانے والے تھے۔ اور خدا کے نیچے اُن کی امیدوں کا سرچشمہ تھے۔ اور آپ کے سامنے وہ بلا عذر سر تسلیم خم کرتے تھے۔"

صرف عرب ہی نہیں بلکہ ساری دُنیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور نمونہ کے اثر کے نیچے آئی ہے۔ آپ نے ایک ہمیشہ تک رہنے والا اثر نسل انسانی کے ہر ایک ملک کے لوگوں کی زندگی پر اور اُن کی زندگی کے ہر پہلو پر چھوڑا ہے۔ آپ نے عورتوں کو وہ حقوق دیئے جو کبھی پہلے انکو حاصل نہ ہوئے تھے۔ اور آج تک بھی یورپ اور عیسائی ممالک میں حاصل نہیں ہوئے آپنے اُن کو اس الزام سے بری ٹھیرایا کہ وہی نسل انسانی کی گناہ کا موجب ہیں۔ آپ نے والدین کیلیئے

ادب کی تعلیم دی۔ آپ نے غلاموں اور مزدوروں کی حیثیت کو وہاں تک پہنچایا۔ کہ آج یورپ کے جمہوری ممالک میں بھی وہاں تک نہیں پہنچے۔ آپ نے ساری نسل انسانی کو ہر ایک قوم اور رنگ اور خیالات کے پردوں اور عورتوں کو خواہ وہ دنیا کے کسی حصے میں ہوں ایک ہی زنجیر میں منسلک کیا۔ اُس زنجیر میں جس کو حبل اللہ کہکر آپ نے یہ بتا دیا۔ کہ آپ سارے انسانوں کے لیئے ایک ہی سلسلۂ اخوت قایم کرنا چاہتے ہیں۔ جہاں آج امریکہ جیسے جمہوری خیالات کے عیسائی ملک میں کالی قوموں کے لیئے ایک مار پیٹ کا قانون بھی موجود ہے۔ جہاں آج یورپ کی تہذیب میں یورپین اور غیر یورپین کے لیئے علٰحدہ علٰحدہ حقوق تجویز کئے جاتے ہیں۔ اور اُسکی تعلیمی درسگاہوں میں بھی رنگ کا سوال اُٹھایا جاتا ہے۔ جہاں سارے عیسائی ممالک کی نجات کا انحصار صرف ایک مسیح کے خون پر رکھتے ہیں اور اعمال ہیچ ہیں۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے آج سے تیرہ صدیاں پیشتر نہ صرف ہر ایک قوم اور ملک سفید وسیاہ کو یکساں ملکی اور تمدنی حقوق عطا فرمائے۔ بلکہ نجات کے دائرہ کو بھی وسیع کر کے ہمیشگی کے جہنم سے آخر سب ہی قوموں کو باہر نکالا۔ اور کسی کے نیک اعمال کو محض ردی کی طرح نہیں ٹھیرایا۔ بلکہ ہر ایک نیک کام کا نیک پھل بتایا۔ خدا کی بے شمار برکتیں اور رحمتیں اس فخر نوع انسان پر نازل ہوں جو تمام دنیا کے لیئے رحمت ثابت ہوا۔ اور جس کے لیئے خدا نے فرمایا " وما ارسلناک الا رحمۃ للعٰلمین "۔

اسلامی دستور العمل

از لارڈ ہیڈلے

حمد باری تعالیٰ۔ شکر گذاری۔ دُعائے استقامت وہدایت۔ اسلامی عبادت کے لب لباب اور جزو اعظم سمجھے جاتے ہیں۔ یہاں ظاہری رسم ورواج کا نام تک نہیں ہوتا۔ اور میرے نزدیک مذہب کی سچائی کی سب سے بہترین شہادت مساجد کی بیحد سادگی میں پائی جاتی ہے۔ جہاں کوئی شئے خیالات کو قطعًا پراگندہ نہیں کر سکتی۔ اور اُس خالق حقیقی کے قرب

حاصل کرنے کے لیئے کسی بیرونی امداد کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ نماز کے بارہ ارکان سے جس قدر عجز و انکسار اور اطاعت اللہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اس سے باطنی اور روحانی فضل کا کھلا کھلا اور آشکارا نشان ہویدا ہوتا ہے۔ اور اسی فضل کی برکت سے ہم میں یہ تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ کہ اس زندگی کے ہر شعبہ۔ ہر موقع اور ہر حالت میں ہم اُس مالک حقیقی کی حمد و شکر گذاری کریں۔ اور اُس سے امداد کے خواہاں ہوں۔

ہاں اگر ہمارے دل میں خدا تعالےٰ کی سچی محبت اور تڑپ ہے تو ہم خواہ کسی حالت میں ہوں۔ لیٹے۔ کھڑے۔ بیٹھے۔ رکوع یا سجود میں ہماری دُعائیں ضرور سُنی جائیں گی۔ اور ہم قبولیت کے درجہ کو بلاشبہ حاصل کرلیں گے۔

میرے خیال میں مساجد کی پنجوقتہ نماز کے علاوہ گھروں میں بھی عبادت اور دعاؤں کی بُنیاد ڈالنی چاہیئے۔ جہاں کہ دن میں دو مرتبہ اہل خانہ اکٹھا ہوکر عبادت میں شریک ہوسکیں۔ اس طرح ذاتی طور سے حمد و صلوٰۃ کا سلسلہ ضرور جاری ہونا چاہیئے۔ اور یہ فعل از خود تہِ دل سے سرزد ہونا چاہیئے۔ اور اس میں کسی قسم کے جبر یا ارادہ کا دخل نہو۔ ہر ایک انسان کی رُوحانی زندگی کا یہ خاصہ ہونا چاہیئے۔ کہ صُبح اُٹھتے ہی اُس کے مُونھ سے الحمدللّٰہ کی صدا یکلخت نکل پڑے۔ اور پھر ان الفاظ کا سرور شام دن باقی رہے۔

میرے خیال میں خانگی عبادت اس طرح شروع کرنی چاہیئے۔ کہ اوّل قرآن مجید کی کوئی سورت یا چند آیات تلاوت کی جائیں۔ بعدہٗ مشہور و معروف اسلامی دُعا پڑھی جاسکے۔ الحمد للہ رب العٰلمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین ایاک نعبد و ایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ اس کے بعد اور دعائیں کی جائیں اور اختتامی دُعاء کے قبل شکریہ اور استقلال و استقامت کی دُعا کیجاوے جو اس طرح ہو "اے میرے پیارے خدا تو بہت ہی قریب اور نزدیک تر ہے۔ تو ہر جگہ تاریک رات اور چمکتے ہوئے دن میں صراط مستقیم پر چلانے اور رہنمائی کے لیئے موجود ہے" بعد ازاں سب سے آخری اور اختتامی دُعا یوں ہوسکتی ہے۔ کہ "اے خداوند خدا چونکہ بغیر تیرے ہم تجھے خوش کرنے کے

قابل نہیں ہوسکتے۔ اس لیئے اپنے فضل و کرم سے یہ بخش کہ تیری روح القدس ہر امر میں ہمارے دلوں پر حکومت اور ہماری رہنمائی کرے"۔

مؤخر الذکر دُعا عیسائی مذہب کی دُعا ہے جس کا خاتمہ اس طرح ہوتا ہے کہ "ہمارے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے"۔ اصل دُعا نہایت اچھی دُعا ہے اور ایک مسلمان بھی مانگ سکتا ہے اسکا خاتمہ موردِ اعتراض نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ بالکل غیر ضروری اور بے فائدہ ہے۔ ہم اپنی التجا اپنے خالق اور اپنے مالک کے حضور پیش کرتے ہیں۔ جو کہ سب سے اعلےٰ اور سب سے اوّل ہے۔ جب ہم اس کی حمد و ثناء کرتے ہیں اور اسی سے مدد طلب کرتے ہیں تو اسکی کیا ضرورت ہے کہ کسی اور کا نام اس کے درمیان لیا جاوے۔ جب ہم اپنے خالق کے پاس جاتے ہیں۔ اور اُس کا قرب تلاش کرتے ہیں تو ہم کسی مخلوق کا نام کیوں لیں۔ ہاں جب کبھی برگزیدہ نبیوں کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ یعنی حضرت موسےٰ۔ جناب مسیحؑ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کا نام آتا ہے تو ہم ان کی نہایت تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمارا ایمان ہے کہ یہ بزرگ خدا تعالےٰ کی طرف سے مقدّس پیغام اور ہدایات لے کر نازل ہوئے۔ اس جگہ اسلام ہی کا منور چہرہ چمکتا ہے۔ کیونکہ اسلام یہ بتلاتا ہے کہ ایک بندہ یا مخلوق اپنے خالق کا قرب بغیر کسی دُنیوی شفاعت یا دستگیری کے حاصل کرسکتا ہے جس وقت ہم اپنے مقدّس نبی کا نام لیتے ہیں تو بے ساختہ درود پڑھتے ہیں۔ اِسی طرح ہم حضرت مسیحؑ اور دیگر انبیاء سابقین کو عزّت اور تعظیم و تکریم سے یاد کرتے ہیں۔ اسلام انسانی کمزوریوں اور الہامِ الٰہی کی ضرورت کو اس قدر سمجھتا اور پہچانتا ہے۔ کہ وہ اُن میں بالکل امتیاز یا علٰحدگی نہیں کرسکتا۔ ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلعم سب سے آخری اور جلیل القدر نبی ہیں اور آپؐ کی ستودہ عملی زندگی اور حمیدہ خصائل کے ذریعہ سے خدا تعالےٰ کی مرضی زمین پر ظاہر ہوئی اور ہمارا یہ بھی اعتقاد ہے کہ اگر ہم اُن اعلےٰ اور ارفع نمونوں پر چلنے کی کوشش کریں جو آنحضرت صلعم نے ہمارے لیئے چھوڑے ہیں۔ تو ہم بالضرور قادرِ مطلق کی مرضی پوری کریں گے۔ ہمیں اپنی دعاؤں کے اخیر میں یہ کبھی کہنے کا وہم بھی نہیں گذرتا کہ "ہمارے خداوند محمدؐ کے وسیلے سے"۔ کیونکہ ہم بخوبی جانتے ہیں۔ کہ جس وقت کوئی شخص خدا تعالےٰ کے حضور عرض گذرانتا ہے۔ خدا اُس کی سُنتا ہے۔ یہ بات کس قدر رنجیدہ ہو

کہ قادر مطلق کا قرب صرف ایک شفیع یا رہبانی کے ہی ذریعہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ حضرت موسٰے علیہ السّلام۔ جناب مسیح ناصری اور آنحضرت صلعم نے اپنا اپنا پیغام پہنچا دیا۔ لیکن خدا تعالےٰ ہی اپنے بندوں کی سُنتا اور اُن کو تسلّی بخشتا ہے۔

اسلامی نماز کا فلسفہ

نمبر (۲)

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ نماز کے مقررہ اوقات بذات خود اپنے اندر ایک خاص فلسفہ رکھتے ہیں۔ یہ اوقات معیّنہ نماز کے لیئے نہایت ہی موزون اور مناسب ہیں۔ اور انسان کی سرشت عبودیت کے لیئے ایک قسم کا معیار اور محک ہیں۔ علاوہ بریں انسان کی اپنی چال چلن درست کرنے میں پوری امداد کرتے اور اس امر کی تعلیم دیتے ہیں۔ کہ ہر موقع اور ہر آن صبح اور شام دن اور رات انسان اپنے فرائض کو مدّنظر رکھے۔ اپنے وقت کا موازنہ کرے۔ اور اپنے ہر ایک کام میں پابندی وقت کو ملحوظ خاطر رکھے۔ اور اپنے فریضہ کی ادائیگی کے لیئے ہر وقت چست و ہوشیار رہے۔

ایک مسلم کتنا ہی دلچسپ اور خوش گوار کام میں مشغول ہو۔ لیکن جب نماز کا وقت آتا ہے۔ اور بخلاف گرجے کے گھنٹے کی بے معنی اور کرخت آواز یا صدائے ناقوس کے مؤذن کی بلند اور دلکش اذان کی آواز اللہ عزّ وجل کی حمد و ستائش کرتی ہوئی گونجتی ہے اور ایک سچے مسلم کو حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح یاد دلاتی ہے۔ اس وقت سب کے سب اپنا فرض منصبی سمجھ کر نماز کے لیئے چل کھڑے ہوتے ہیں۔ اور نماز کو تمام مشاغل اور دلچسپیوں پر ترجیح دیتے ہیں اور مؤذن اذان دیتے وقت اپنے کانوں کو اس لیئے بند کر لیتا ہے۔ کہ اپنے بھائیوں کو نماز کی طرف بلاتے وقت کوئی دوسری آواز مثلاً ریل گاڑی کی کھڑکھڑاہٹ یا ہوائی جہاز کی سنسناہٹ اُس کے اس کار منصبی میں خلل انداز

اور باعث انتشار نہ ہو۔ اور جب وہ موذن کی پکار اور اس فریضہ کی آواز سنتے ہیں جو اُن کو قادر مطلق خدا کون و مکان کے فرمانروا یوم حساب کے مصنف اعلےٰ بادشاہوں کے شاہنشاہ۔ قدوس اور پاک جل شانہٗ کے آگے سر تسلیم خم کرنے کو پکارتی ہے۔ تو کیا انکو زیبا ہے کہ اُس معبود حقیقی کے رُوبرو میلے اور گندے ہاتھ مُنہ لیکر حاضر ہوں۔ حالانکہ جب وہ دنیا کے ایک معمولی افسر یا حاکم کے سامنے جاتے ہیں تو اپنے جسم اور لباس کی صفائی کا بہت ہی خیال رکھتے ہیں۔ شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ جسمانی طہارت قدرتاً روحانی پاکیزگی کا ایک جزو لاینفک ہے۔ دیگر مذہبی معلموں نے بھی طہارت کا درجہ خدا پرستی کے بعد رکھا ہے۔ لیکن اُنھوں نے اور اصولوں کی طرح اس کو بھی صرف چند ہدایات پر اکتفا کر دیا اور ان کو عملی صورت میں لانے کا کوئی طریقہ قطعاً اختیار نہیں کیا لیکن آنحضرت صلعم نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیئے جس طرح قواعد مرتب کیئے ہیں اُسی طرح اُن کو عملی صورت میں بھی برت کر ہمارے لیئے نمونہ پیش کیا ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک طہارت جسمانی اور روحانی مذہبی فریضہ میں داخل ہے۔ چنانچہ غسل کے لیئے بھی خاص ارکان مقرر کر دیئے ہیں۔ اور ایک ٹب میں محض غوطہ لگا لینے سے کوئی شخص پاک نہیں ہوتا۔ بلکہ دیگر ارکان کو بھی خاص طور پر مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ تاکہ جسم واقعی پاک اور صاف رہے غسل کے ساتھ لباس کی پاکیزگی اور تندرستی اور سائنس کے رُو سے بھی صفائی کا معقول لحاظ رکھا گیا ہے

العرض جب مُسلمان نماز کے واسطے جاتے ہیں تو پہلے وضو کر لیتے ہے یعنی جسم کے وہ جو حصے کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ اچھی طرح دھوئے جاتے ہیں۔ بند اور گندے پانی میں نہیں بلکہ صاف شفاف اور بہتے ہوئے پانی میں۔

اِس طرح مسلمان پاک صاف دل تازہ اور مطہر جسم کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں جب مسجد میں جانے اور نماز پڑھنے یا قرآن پاک کو چھونے کے لیئے جسمانی طہارت لازمی ہے تو ایک مسلمان اپنے دل میں فطرتاً یہہ محسوس کرتا ہے کہ اُس خالق حقیقی کے حضور میں حاضر ہونے کے لیئے صفائی قلب اور پاکیزگیٔ دل کی کس قدر ضرورت ہے۔ مسلمان اس بات کا پختہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہ سوائے خدا تعالےٰ کے کسی اور سے مدد نہیں طلب کر سکتے پس ہر حالت میں خواہ وہ

پاک ہوں یا نہ ہوں۔ اُسی ایک معبود کے آگے سر جھکانا ہے۔ یعنی اُن کے دل میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے۔ کہ اُس کے سامنے جسمانی طہارت کے ساتھ حاضر ہونا چاہیئے۔ اور اپنے دلی خیالات کا اظہار صفائی کی حالت میں کرنا چاہیئے۔ الغرض وضو سے جس طرح ظاہری صفائی ملحوظ ہے۔ اُسی طرح اس کے اندر ایک باطنی پاکیزگی بھی منظور ہے۔ مسلمان جب وضو کے وقت اپنا ہاتھ دھوتا ہے تو اُس سے صرف یہ مراد نہیں کہ وہ ہاتھوں کے گرد یا آلائش سے پاک کرتا ہے۔ بلکہ اُن ناپاک امور سے جن کا اُس نے ارتکاب کیا ہو اپنے ہاتھوں کو پاک صاف کرتا ہے۔ اور جب وہ اپنا چہرہ۔ ناک۔ کان۔ ہاتھ۔ پاؤں دھوتا ہے۔ تو اس سے یہ مراد ہے کہ وہ ان اعضاء کو جو کسی افعال شنیعہ کے مرتکب ہوئے ہوں پاک کرتا ہے۔

مثلاً اگر کسی نے اپنی زبان کو غیبت کر کے پلید کر لیا ہو یا اُس کے کان دوسری کی بدگوئی سن کر ناپاک ہو گئے ہوں تو اُسے چاہیئے کہ ان اعضاء کو اس قسم کی نجاست سے پاک کرنے کے بعد خدا تعالیٰ کے حضور نماز میں کھڑا ہو۔ اور پھر جب وضو کے وقت اپنی تر انگلیوں سے سر پر مسح کرتا ہے تو اس سے اس کی یہ مراد ہوتی ہے۔ کہ اس کا دماغ ہر قسم کے بُرے خیالات سے منزّہ اور صاف ہو جائے۔ قبل ازیں کہ وہ اپنے خالق حقیقی سے باتیں شروع کرے۔

الغرض ارکان وضو سے صرف جسمانی ہی طہارت مراد نہیں ہے۔ بلکہ دماغی اور روحانی پاکیزگی بھی مقصود ہے۔ وضو کرنے کا یہ مقصد ہے کہ ہر ایک مسلمان کے دل میں یہ بات ڈالی جاتی ہے کہ جسمانی صفائی اور روحانی پاکیزگی ایک دُوسرے کے ہم پہلو ہیں اور رُوح اسی حالت میں اپنے خالق کے ساتھ ہمنوا ہو سکتی ہے۔ جبکہ جسم نہایت پاک اور مطہر ہو۔ چنانچہ اسلامی جماعت میں قواعد وضو یا طہارت کی وجہ سے بہت سی ناپاکیوں میں کمی واقع ہو گئی ہے۔ اور ایسے لوگوں کا اضافہ ہو گیا ہے۔ جو نماز میں پاک و صاف دل کے ساتھ شامل ہوتے ہیں اور خدائے حیّ قیوم سمیع و علیم کے حضور اپنی غلطیوں اور گناہوں سے سچی توبہ کر کے اور بھی زیادہ پاکی کے طالب اور جویاں ہوتے ہیں۔ پس وہ ظاہری اور باطنی معنوں میں فی الحقیقت پاک و صاف ہو کر نماز ادا کرتے ہیں۔ نماز کے قبل وضو کرنے سے نماز کی اہمیت اور پاکیزگی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اور مرد و عورت اپنے فریضہ کو اُس خالق رب العالمین حیّ و قیوم خدا کے حضور نہایت خلوص کیساتھ

ادا کرتے ہیں۔ پس جس طرح اسلام کے اندر اور بھی ارکان و قواعد و ضوابط موجود ہیں۔ اسی طرح نماز کے قبل وضو بھی ضروری اور لابدی شئے ہے۔ اس کے متعلق قرآن شریف فرماتا ہے یاایھا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین وان کنتم جنبا فاطھروا..... ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھرکم ولیتم نعمتہ علیکم ولعلکم تشکرون.... یاایھا الذین امنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون (المائدہ ۶-۸)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب نماز کے لیئے تیار ہو تو اپنے مونہوں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو اور سروں پر مسح کرلو اور پاؤں کو ٹخنوں تک دھولو اور اگر حالت جنب میں ہو تو غسل کر لیا کرو..... اللہ تعالےٰ تم پر کسی قسم کی تنگی کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کرے تاکہ تم شکر کرو..... اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ خدا کے لیئے کھڑے ہو جانے والے انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو جاؤ۔ اور کسی قوم کی دشمنی تمکو اس بات کا مجرم نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو یہ تقوےٰ سے بہت قریب ہے۔ اور اللہ کا تقوےٰ کرو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس کو جانتا ہے۔ یہ بات بھی غور کے قابل ہے کہ صرف ظاہری صفائی یا پاکی مکتفی نہیں ہوسکتی۔ جیساکہ متذکرہ بالا آخری آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ بیرونی صفائی گو حفظان صحت کے لحاظ سے تو ایک اچھی چیز ہے لیکن تقوےٰ اور انصاف انسان کو راستی کو قریب لاتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ دلوں کے رازوں سے بخوبی واقف ہے۔ پس اگر ہم دو ہزار مرتبہ وضو کریں اور اس کے حضور ناپاک دل اور نجاست آلود خیالات لیکر حاضر ہوں تو ہماری نماز کبھی قبول نہ ہوگی اور ہماری دعائیں ہرگز سنی نہ جائیں گی۔ اس لیئے ہم کو چاہیئے کہ اُس قدوس خدا کے دربار میں عجز و انکسار اور خلوص اور صفائی قلب کے ساتھ حاضر ہوں۔

حضرت نبی کریم صلعم نے مسلمانوں کو صفائی قلب اور دل کو نخوت و تکبر اور منافقت سے پاک کرنے کے واسطے بہت زور دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ اپنے دلوں کو ہر کسی قسم کی گندگیوں اور کمزوریوں سے منزّہ کرو۔ اور اپنے دماغ کو ہر قسم کے حاسدانہ خیالات سے جو خدا کی طرف سے

توجّہ کو پھیرنے والے ہوں پاک کرو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جسمانی طہارت نہایت ضروری ہے۔ لیکن دماغی اور روحانی طہارت اس سے کہیں زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ قرآن شریف کا مقصد صرف تمہارا تزکیہ نفس ہے ✣

رشتہ داروں کے حقوق ایک مسلم پر

ہدیۃ الزوجین

(ایک ہندوستانی فرمانروا کی قلم سے۔)

ہدیۃ الزوجین یعنی پہلا حصہ اس کتاب کا جس میں مسلمانوں کے اس حصۂ زندگی پر بحث ہوگی جو خانہ داری کے نام سے موسوم ہے ہز ہائینس بیگم صاحبہ بھوپال کی قلم سے نکلا ہے۔ ذیشان اور عالی مرتبہ مصنفہ کے نام سے ہندوستان کا ہر فرد بشر واقف ہے۔ یہ ایک نہائت ہی دلچسپ کتاب ہے اور موجودہ زمانہ کی ایک بڑی بھاری ضرورت کو پورا کرنے والی ہے۔ اس میں مفصّل ہدایات میاں بیوی کے باہمی حقوق اور ذمہ داریوں کے متعلق دی گئی ہیں۔ اور یہ نہایت ہی خوشی کا مقام ہے کہ ہز ہائینس باوجود ان کثیر اور اہم ذمہ داریوں کے جو ہندوستان کی ایک بڑی ریاست کے بار انتظام نے اُن کے ذمہ ڈالی ہوئی ہے۔ اور جن کو وہ احسن طریق پر پورا فرما رہی ہیں۔ اپنی علمی قابلیت سے بھی مخلوق کو فائدہ پہنچاتی رہتی ہیں۔ اور اس طرح پر آپ کی توجّہ نہ صرف اپنی رعایا کی بہبودی پر ہی منعطف ہے۔ بلکہ اہل اسلام کے ہر ایک قسم کے فوائد آپ کے مدنظر ہیں۔ اور وقتاً فوقتاً آپ کی علمی فضیلت سے ہندوستان کا لٹریچر فائدہ اُٹھاتا رہتا ہے۔ مگر آپ کی موجود تصنیف ان سب میں بڑھ کر قیمتی تحفہ ہے۔ ہر ایک شخص جو مسلمانوں کی خانگی زندگی کے حالات سے واقفیت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اِس کتاب سے صحیح علم حاصل کر سکتا ہے۔ اصل کتاب اُردو میں ہے۔ لیکن اس کا انگریزی ترجمہ ہز ہائینس کے ان بہنوں کے لیئے جنھوں نے مغرب میں اسلام کو قبول کیا ہے۔ بہت مفید اور بابرکت ہوگا۔

ہم مندرجہ ذیل ہدایات اس کتاب کے آخری باب سے نقل کرتے ہیں جس میں ان ذمہ داریوں کا ذکر ہے جو اسلام کے ماتحت ایک شخص کے ذمہ اپنے رشتہ داروں کے لیئے عائد ہوتی ہیں۔ اور ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارے رسالہ کے ناظرین کے لیئے ان سے بہت سی باتوں پہ نئی روشنی پڑیگی وہ حالت جو ہم بعض دوسرے ممالک میں دیکھتے ہیں کہ مائیں افلاس کی حالت میں زندگی بسر کر رہی ہیں اور بیٹے اپنے تعیّشات میں منہمک ہیں۔ اسلام میں ہرگز نہیں پائی جاتیں۔ بلکہ خانہ داری کا جو مغربی مفہوم ہے اس کے لحاظ سے وہ ذمّہ داریاں جو ایک مسلم پہ عاید ہوتی ہیں بہت وسیع ہیں۔ اور باوجود اُن کی وسعت کے وہ صرف لفظی یا نام کی ذمّہ داریاں ہی نہیں۔ بلکہ عملاً اپنی آسائش کو قربان کر کے دوسروں کی آسائش کو مدنظر رکھنا اسلام کی اصلی تعلیم ہے۔ عالی مرتبہ مصنّفہ نے اس مضمون کو ایسی صفائی سے لکھا ہے۔ کہ ہم آپ کے اصل الفاظ پر کچھ بڑھانا نہیں چاہتے +

ذوی القربےٰ

گھر کے تمام تعلّقات صرف میاں بیوی سے ہی وابستہ نہیں ہیں۔ بلکہ ان تعلّقات کے سلسلہ میں وہ اقربا اور اعزا بھی شامل ہیں۔ جن کی خدمت اور خبر گیری مرد یا عورت کے ذمّہ عائد ہوتی ہے۔

اولاد بالعموم دونوں کی متاع مشترکہ ہے۔ جس کی قدرتی محبّت دونوں کے دلمیں ہوتی ہے اور اس کے متعلّق والدین کے جو فرائض ہیں وہ اس قدر صاف ہیں۔ کہ محتاج بیان نہیں لیکن بعض خاندانوں میں سوتیلی اولاد سے بھی سابقہ پڑتا ہے۔ اگر ایسی اولاد پہلی بی بی سے ہے تو موجودہ بی بی کو اگرچہ اس کے ساتھ قدرتاً الفت نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس کا فرض ہے کہ وہ حقوق العباد اور خاوند کی خوشی کے خیال سے اُس کے ساتھ محبّت کرے۔ کیونکہ خداوند کریم نے اس کو باپ کی دولت و ثروت میں حصّہ دار اور مستحق بنایا ہے۔ اسی طرح اگر عورت کے پہلے خاوند سے کوئی اولاد ہے اور وہ قابل پرورش ہے۔ تو اگرچہ وہ موجودہ خاوند کی دولت و آمدنی میں کوئی استحقاق نہیں رکھتی۔ لیکن عورت کی خوشی اور استحسان کے خیال سے اس کی پرورش کرنی چاہیئے۔ اس کے علاوہ عورت کو حق حاصل ہے۔ کہ وہ اپنے مہر اور نان و نفقہ

سے ایسی اولاد کی پرورش کرے +

اسلام میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم اور صحابہ کرام نے اسی محبت و شفقت کے ساتھ جو اپنی صلبی اولاد کے ساتھ ہوتی ہے۔ ایسی اولاد کی پرورش کی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ہر فعل مسلمانوں کے لیئے ایک سنّت اور صحابہ کرام کا ہر ایک کام ایک نمونۂ عمل ہے +

اب ذرا غور سے دیکھو کہ مندرجۂ بالا قسم کی اولاد کے ساتھ عورت و مرد کی محبتیں گھر میں کس قسم کی مسرّت پیدا کرتی ہیں۔ اور زوجین میں کس طرح محبت بڑھنے کا باعث ہوتی ہیں +

تعلقات عزیزداری میں والدین اور ذوی القربےٰ کا خیال رکھنا۔ ان کی خبرگیری کرنا اور ان کی خدمت بجالانا بھی فرائض میں داخل ہے۔ والدین جو ہزاروں تکلیفیں اُٹھا کر اولاد کی پرورش کرتے ہیں۔ اس بات کا حق رکھتے ہیں۔ کہ اولاد اُن کی خدمت بجالائے۔ اور جب وُہ اپنی دولت اور کمائی کا بڑا حصّہ اولاد کی پرورش میں صرف کرتے ہیں۔ تو ان کا استحقاق ہے۔ کہ وہ اولاد کی کمائی اور دولت سے بھی فائدہ اُٹھائیں :-

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَجُلاً اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ لِيْ مَالاً وَّاِنَّ وَالِدِيْ يَحْتَاجُ اِلٰى مَالِيْ قَالَ اَنْتَ وَمَالُكَ لِوَالِدِكَ اِنَّ اَوْلَادَكُمْ مِنْ اَطْيَبِ كَسْبِكُمْ كُلُوْا مِنْ كَسْبِ اَوْلَادِكُمْ (ابو داؤد و ابن ماجہ)

عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ کہ میرے پاس مال ہے اور میرا باپ میرے مال کا حاجتمند ہے۔ فرمایا تو اور تیرا مال دونوں تیرے باپ کی ملک ہیں۔ (ازاں بعد حاضرین کیطرف روئے سخن کر کے فرمایا) کہ تمہاری اولاد تمہاری پاک اور حلال کمائی ہے (تو) تم اپنی اولاد کی کمائی میں سے بے دغدغہ کھاؤ۔

والدین کی اطاعت۔ فرمانبرداری اور خدمت جس درجہ اولاد پر فرض ہے اور اعزاد اقربا کے ساتھ جیسے حسن سلوک اور مودّت و محبت کی ترغیب و تاکید کی گئی ہے۔ اس کا اندازہ قرآن حکیم اور احادیث نبوی سے بخوبی ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ امر بھی غور کرنے کے قابل ہے۔ کہ خداوند کریم کے نزدیک والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اس درجہ وقیع ہے۔ کہ جہاں اُس نے اپنی عبادت کرنے شرک وفسق سے بچنے اور نماز و زکوٰۃ کے ادا کرنے کا حکم دیا ہے وہاں والدین کے ساتھ احسان کرنے کی بھی ہدایت فرمائی ہے:۔

وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ؀

اور اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اور اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھیراؤ اور ماں باپ اور قرابت والوں یتیموں اور محتاجوں اور قرابت والے پڑوسیوں اجنبی پڑوسیوں اور پاس کے بیٹھنے والوں اور مسافروں اور جو لونڈی غلام تمہارے قبضہ میں ہیں ان سب کے ساتھ سلوک کرتے رہو۔ اللہ ان لوگوں کو دوست نہیں رکھتا۔ جو اتراتے اور بڑائی مارتے پھریں“

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ حُسْنًا اِنْ جَاھَدَاکَ لِتُشْرِکَ بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْھُمَا ط

اور ہمنے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنیکا حکم دیا اور (یہ بھی سمجھا دیا) کہ اگر ماں باپ تیرے درپے ہوں کہ تو کسی کو ہمارا شریک ٹھیرائے جس (کے شریک خدا ہونے) کی تیرے پاس کوئی معقول دلیل ہے ہی نہیں تو (اس بات میں) ان کا کہا نہ ماننا“

وَبَرًّا بِوَالِدَیْہِ وَلَمْ یَکُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا ؀

اور اپنے والدین کے خدمت گذار (بھی) تھے اور سخت گیر (اور) خود سر نہ تھے“

وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا وَّبَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ؀

اور مجھکو حکم دیا کہ جب تک زندہ رہوں نماز پڑہوں اور زکوٰۃ دوں اور نیز مجھکو اپنی ماں کا خدمتگذار بنایا اور مجھ کو سخت گیر اور بدراہ نہیں کیا“

یہی نہیں کہ احسان کی ہدایت کی گئی ہو۔ بلکہ ادب اور نرمی سے بات کرنے کی بھی تاکید کی گئی ہے:۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ○	اور (اے پیغمبر) تمھارے پروردگار نے حکم قطعی دیدیا ہے کہ (لوگو!) اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا (اے مخاطب) اگر والدین میں کا ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں تو ان کے آگے ہوں بھی نہ کرنا اور نہ انکو جھڑکنا۔ اور اُن سے (کچھ) کہنا (سنا ہو تو) ادب کے ساتھ کہنا (سُننا)۔"

ان کے ساتھ خاکساری کرنے۔ اور اُن کے لیئے دُعائے مغفرت اور رحمت کے مانگنے کی ان الفاظ میں ہدایت کی گئی ہے :-

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ○	اور (اے شخص) محبت سے خاکساری کا پہلو ان کے (یعنی ماں باپ کے) آگے جھکائے رکھنا اور (انکے حق میں) دُعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار جسطرح انھوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا ہے (اور میرے حال پر رحم کرتے رہے ہیں) اسطرح تو بھی ان پر (اپنا) رحم کیجیو۔"

والدین کے بعد زیادہ تر جو قریبی عزیز ہوتے ہیں ان کی تفصیل کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ ان کی نسبت صرف ذیل کی ایک ہی حدیث کو پڑھ لینا چاہیئے "حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسُول اللہ اس بات کا حقدار کون ہے۔ کہ جس کے ساتھ میں سلوک کروں فرمایا تیری ماں۔ عرض کیا۔ پھر کون فرمایا تیری ماں۔ عرض کیا پھر کون فرمایا تیری ماں۔ اُس نے عرض کیا پھر کون۔ فرمایا تیرا باپ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیری ماں (یعنی اپنی ماں سے سلوک کر) پھر تیری ماں۔ پھر تیری ماں۔ پھر تیرا باپ۔ پھر جو تجھ سے زیادہ قریب کا رشتہ رکھتا ہو"

اسی طرح ایک اور حدیث بھی ترمذی شریف میں ہے۔ کہ آنحضرت نے تین دفعہ ماں کے ساتھ۔ اور پھر باپ کے ساتھ سلوک کرنے کے بعد۔ پھر جو زیادہ قریب ہو اُس کے ساتھ سلوک کرنے کی ہدایت فرمائی ہے +

ترمذی شریف میں ایک حدیث حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں ایک بڑے گناہ کا مرتکب ہو گیا ہوں تو کیا میرے لیئے توبہ ہے۔ فرمایا کیا تیری ماں زندہ ہے۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا تیری خالہ موجود ہے۔ کہا ہاں۔ فرمایا "اس کے ساتھ سلوک کر"

اب اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہیئے کہ خالہ کے ساتھ سلوک کرنے کی اس لیئے ہدایت کی گئی کہ وہ خوش ہو کر گناہ کے بخشے جانے کی خدا سے دعا کرے اور اس کے ساتھ جو ماں کی طرح ہے صلہ رحمی کرنا کفارۂ گناہ کا موجب ہوگا۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کی تمام خوبیاں ایک ایک کر کے رخصت ہوتی جاتی ہیں۔ اور انکی جگہ خرابیاں آتی جاتی ہیں۔ یہی حالت رشتہ داری کے تعلقات کی بھی ہے۔ اگر ایک بھائی دولتمند یا آسودہ حال ہے۔ اور دوسرے بھائی غریب ہیں۔ یا کسی کے والدین غیر مستطیع ہیں۔ تو اول تو خود اس آسودہ حال شخص کو ہی ان کی پروا نہیں ہوتی۔ پھر اگر بیوی بھی بدمزاج یا سسرال والوں سے متنفر ہو تو ان لوگوں کی زندگی جن کے حفظ حقوق کے متعلق اس طرح کے احکام ہیں جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ نہایت بے کسی اور ذلت کی زندگی ہو جاتی ہے۔ مگر یہ دونوں یعنی شوہر اور بیوی نہ دنیا کا لحاظ کرتے ہیں نہ آخرت کے اُس عذاب سے ڈرتے ہیں جو ان اعمال کے باعث اس عالم میں ان پر نازل ہوگا +

والدین اور اعزہ کے ساتھ حسن سلوک اور مودت و محبت وہ حقوق ہیں جو خداوند کریم نے اولاد پر اور دوسرے اعزہ پر مقرر کیئے ہیں۔ ان حقوق کے ادا نہ کرنے کی بابت خواہ دُنیاوی قوانین میں کوئی چارہ کار نہ ہو۔ لیکن جو لوگ حشر و نشر پر ایمان اور روز محشر کی باز پرس پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ ضرور سمجھتے ہیں کہ اس کا اس دنیا میں نہ سہی اس دنیا میں چارہ کار ہے اگر بیوی کے اثر سے اس کا خاوند ان حقوق کو ادا کرنے سے مجبور رہو تو آخرت میں اس کا بار ان دونوں پر پڑے گا۔ البتہ اگر بیوی اپنی ملک و جائداد میں سے اپنے اعزہ کے حقوق ادا کرنے چاہیئے اور خاوند مانع ہو تو چونکہ خاوند کی اطاعت سب پر مقدم ہے۔ اس لیئے عورت تو گنہگار نہ ہوگی۔ مگر خاوند معصیت میں مبتلا ہو جائے گا۔ پس اس معاشرتی زندگی

ہیں گھر کی مسرت و برکت اور خداوند کریم کی رحمت کا بہت بڑا انحصار والدین اور اعزہ کے ساتھ حسنِ سلوک پر مبنی ہے ✤

عموماً ساسیں جب اپنے بیٹے کا گھر بار کرتی ہیں تو وہ اس بات کو فراموش کر جاتی ہیں کہ وہ بھی کبھی "بہو" تھیں اور بہوئیں کبھی اس بات کو خیال میں نہیں لاتیں کہ ایک دن وہ بھی ساس بنیں گی۔ پس یہی فراموشی اور بے خیالی ساس بہوؤں کے فساد کی جڑ ہوتی ہے۔ جو عورتیں عقلمند ہوتی ہیں وہ سمدھیانے سسرال اور میکے کے جھگڑوں کو پاس نہیں آنے دیتیں اور کوئی بات ایسی نہیں کرتیں کہ نزاع برپا ہو۔ نزاعات کے برپا نہ ہونے اور انسداد کا سب سے بہتر ذریعہ یہی ہے کہ گھر کے ہر شخص کو ایک دوسرے کے مرتبہ اور حق کا خیال رکھنا چاہیئے اور ان حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیئے جو خداوند کریم نے مقرر کیئے ہیں۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○	"یہ اللہ کی (باندھی ہوئی) حدیں ہیں تو اُن سے آگے مت بڑھو اور جو اللہ کی باندھی ہوئی حدوں کے آگے بڑھ جائیں تو یہی لوگ برسرناحق ہیں"

عربوں کا احسان تہذیب پر

(از ایس۔ ایچ۔ لیڈر مصنف ڈیزرٹ گیٹوے۔ وہائٹ مسٹریز آف ایجپٹ وغیرہ)

اورینٹ لٹریری سرکل میں اس مضمون پر کہ عربوں کا تہذیب پر کیا احسان ہے۔ بولنے کی جرأت کرتے ہوئے۔ مجھے اس وجہ سے کچھ دقت ہے کہ میں جانتا ہوں کہ میرے سامعین کچھ مشرقی دنیا کے رہنے والے ہیں اور کچھ مغربی دنیا کے۔ میری دونوں سے درخواست ہے کہ میرا مضمون سننے میں وہ وسعت حوصلہ کو کام میں لائیں۔ بعض تاریخی امور کو بیان کرنے میں میں ڈرتا ہوں۔ کہ مشرقی طالب علموں کے نزدیک میں واضح باتوں کو دہرانے والا ہونگا میں جانتا ہوں کہ مشرقی لوگوں کو تاریخ سے کس قدر محبت ہے۔ بالخصوص جبکہ اس کا تعلق اسلام سے ہو۔ اور اس لیئے مجھے یقین ہے۔ کہ جو کچھ میں کہوں گا اُس میں اسلام کے پیروؤں

کے لیئے بہت نئی باتیں نہ ہونگی۔ لیکن اس گہری دلچسپی اور ہمدردی کی وجہ سے جو مجھے اپنے مشرقی دوستوں کی آرزوؤں سے ہو بالخصوص جو شمالی افریقہ اور مصر کے رہنے والے ہیں میں صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ ایک مغربی دل پر کیا خیالات اس امر کے متعلق پیدا ہوتے ہیں کہ کس طرح ایک قوم کا گذرا ہوا شان وشوکت کا زمانہ ان کی موجودہ تمناؤں پر اثر ڈال سکتا ہے۔ اس کے بالمقابل بعض اپنے انگریز سامعین کے لیئے میں ان خیالات کی دوبارہ تحریک کرنے والا ہونگا۔ جو وہ بھول چکے ہیں اور اُن تاریخی واقعات کی کسی قدر ناخوش آئیند یاد دہانی کرنے والا ہونگا جن کو مغربی لوگوں کی دلچسپی نے ایک طرف پھینک دیا ہے۔

میں ڈرتا ہوں کہ میں بعض لوگوں کی خود پسندی کو یہ کہکر کچھ صدمہ ہی پہنچاؤں گا کہ یورپ بھی ان لوگوں کا ممنون احسان ہے جن کا کچھ دھندلا سا علم ہمیں صرف اسی قدر ہے کہ وہ عربوں کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ اُن کو یقین دلاتا ہوں کہ میری طبیعت کا ناجائز میلان نہ ایک طرف ہے اور نہ دوسری طرف مشرق اور مغرب دونوں تاریخی صداقت کے محتاج ہیں۔ اور وہ دونوں اس بات کے بھی محتاج ہیں کہ ایک دوسرے سے جو کچھ کوئی حاصل کر سکتا ہے کرے۔ وہ باہمی سمجھوتا جسکے ہم سب اس قدر خواہشمند ہیں اس وقت شروع ہوگا جب مغرب اس بات کے ماننے کے لیئے تیار ہو کہ مشرق کے پاس خزانے ہیں جو اس کے اپنے خزانوں سے کسی طرح کم نہیں اور جو نسل انسانی کی عامہ بہبودی میں کام دے سکتے ہیں۔

آج رات میں آپ کو وہ زمانہ یاد دلانا چاہتا ہوں جب مشرق نے تہذیب کی مشعل کو بلند کر رکھا تھا۔ حالانکہ مغرب اُس وقت تاریکی کے زمانوں میں ٹامک ٹوئیے مار رہا تھا۔ مصر کے اُن طالب علموں کے لیئے خواہ وہ مسلمان ہوں یا قبطی جو آج یہاں ہیں۔ یہ کہانی بالخصوص جوش پیدا کرنے والی ہے۔ کیونکہ اگر عرب دنیا میں نئے جوش اور ولولے لائے اور اُن کے ساتھ مفتوحہ ملکوں کو زندگی کی حرکت دی تو یہ بھی اُن کے کمالات میں سے تھا۔ کہ جہاں کہیں اُنھوں نے تعلیم اور فنون اور دستکاریوں کو پایا۔ ان کو تباہ نہیں کیا۔ بلکہ ان کو ترقی دی۔ ایران میں بالخصوص یہ حالت تھی مصر میں ہم بہت سے آثار قدیمی قبطی لوگوں کی محنت کے پاتے ہیں۔ جو تہذیب کی

اُس شاندار ترقی میں معاون ہوئے۔ جس نے مضبوط عرب حکومت کے ماتحت پرورش پائی۔ اگر میں ہندوستان کا ذکر نہیں کرتا تو یہ اس لیئے کہ مجھے ابھی تک کوئی ذاتی علم اس دلچسپ ملک کا نہیں ہے ؛

آپ میں سے بہت سے لوگ ابتدائی عرب کی تاریخ سے ایسے اچھے واقف ہیں۔ کہ مجھے آپکو زیادہ تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔ صرف چلتے چلتے اس طاقت کے حیرت انگیز نشوونما کا ذکر کروں گا جس نے حضرت محمدؐ کے ظہور سے ایک سو سال کے اندر اندر اپنے آپ کو مشرق میں دلی سے لے کر ہسپانیہ میں غرناطہ تک کا مالک بنا دیا۔ جس نے ایک سلطنت اس سے بہت زیادہ طاقتور بنائی۔ جس کو رومیوں نے آٹھ سو سال میں بنایا تھا ؛

میں آپ کو مختصر طور پر ایک انگریز کے نکتہ خیال سے وہ حالات بتانا چاہتا ہوں۔ جن کے تحت تہذیب کی اس مشعل نے جو عربوں نے یونانیوں کے کمزور ہاتھوں سے لے لی۔ یورپ پر اسکے تاریکی کے زمانہ میں اپنی روشنی ڈالی۔ ہمارے آقا یسوع کی زندگی میں جس کا نام ہم سب خواہ مسلمان ہوں یا عیسائی بڑی عزت کے ساتھ لیتے ہیں۔ ایک بڑی روشنی دنیا پر نمودار ہوئی بدقسمتی سے جیسے زمانہ گذرتا گیا عقاید اور عملیات کے فروعی امور پر احمقانہ جھگڑے پیدا ہو کر وہ روشنی دن بدن تاریک ہوتی چلی گئی خدا کی توحید جس کے متعلق جوش و خروش سے جھگڑے ہو رہے تھے۔ بالکل بھلادی گئی۔ وہ لوگ یسوعؑ کے متعلق ہر ایک سوال پر غور کرنے سوائے ان امور کے جو ان کو اس کے اسوۂ حسنہ کی تقلید کی طرف لیجانے والے ہوں۔ اس کمزوری اور فساد کی حالت میں عرب کے بیابان سے ایک توانا قوم ایک مرتبہ اُٹھ نکلی۔ وہ لوگ جو اب تک گمنامی کی حالت میں رہے تھے۔ غیر معمولی طاقت کی وجہ ایسے اُٹھائے گئے کہ ایک مرتبہ ہی وہ ایک عظمت کے مقام پر پہنچ گئے۔ ان کی تلوار کی فتوحات کا جیسا کہ میں نے کہدیا ہے مجھے بہت تھوڑا ذکر کرنا ہے سوائے اس کے کہ میں کہوں کہ یہ تہلکہ ڈالنے والا انقلاب مغرب میں بعض لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ علم کو نابود کر دیگا۔ اور دنیا میں وحشیانہ حالت کو عروج دیگا۔ اور میں اس بات کے تسلیم کرنے پر بھی مجبور ہوں۔ کہ جہالت اور غلط بیانی کی وجہ سے مغرب کے بہت سے لوگ اب بھی ان فتوحات کو اسی رنگ میں سمجھتے ہیں یہ

ناانصافی ہے۔ اور جہالت مشرق میں ہو یا مغرب میں۔ جہاں ہو انصاف سے روکتی ہے۔

جن باتوں کا میں اختصار کے ساتھ ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ علمی اور اخلاقی فوائد ہیں جن کا ایک دیرپا اور مستقل اثر کل عالم پر ہوا اور جن کے لیئے بلاشبہ تہذیب عربوں کے غلبہ کے زیر احسان ہے فتح کے پہلے حملے میں اس نئی طاقت نے ایران سے مجوسی۔ آتش پرستی کو نابود کردیا جو اگر نہ رک جاتی تو سارے مشرق میں پھیل جاتی۔

اس کے بعد اس نے مصر اور ہندوستان کے بعض حصوں میں جوگ کی توہم پرستیوں کو دور کیا اور رومیوں کے مناظرانہ علم الٰہی کو جو صرف نام کے عیسائی تھے۔ حالانکہ عملی رنگ میں بت پرستوں سے بدتر تھے۔ مٹا دیا۔ اور بعدہٗ عربوں کی اس طاقتور ترقی میں قسطنطنیہ کے دربار کا کمزور انتظام گرے ہوئے اخلاق اور ذلیل انتظام سلطنت فنا ہو گیا۔

ان کے مخالف بھی اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ عرب کے ان جفاکش جوشیلوں کی جنگی طاقت کے ساتھ ایسی صفات ملی ہوئی تھیں جنھوں نے دُنیا کو از سر نو زندگی بخشی۔ بعض وہ نیکیاں جن کو وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ ان قوموں کے درمیان جن کو اُنھوں نے فتح کیا متروک یا نابود ہو گئیں۔ ہمارے لیئے منشیات سے پرہیز کفایت شعاری اور زندگی کی وہ سادگی قابل غور ہے جو ابتدائی زمانہ کے بلند مرتبہ خلفائے اسلام نے دکھائیں۔ اور جن کو نہ دولت اور نہ عزت کا خیال کبھی کم کر سکا۔ وہ استقامت قابل غور ہے۔ جس کو کسی قسم کی مشکلات نہ دبا سکیں اور نہ کم کر سکیں۔ وہ فیاضی قابل غور ہے۔ جس کو آجکل کے لوگ اس سے دُور پڑے ہوئے ہونے کی وجہ سے باور بھی نہیں کر سکتے۔ وہ تقوےٰ قابل غور ہے کہ جس کے اندر سچا جوش نظر آتا ہے اور عملی زندگی کی وہ سعی قابل غور ہے جو ایک ایسا نہ رکنے والا اثر دل پر ڈالتی ہے۔ کہ اُنکی فتوحات اپنی سرعت اور کثرت کی وجہ سے معجزانہ رنگ رکھتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب عرب تنہائی کے ایک بالکل تاریک کونے سے باہر نکلے تو وہ سب صفات ان کے اندر موجود معلوم ہوتی تھیں۔ جن کی ضرورت اس وقت دنیا کے جگانے اور دُنیا کی ترقی کے لیئے تھی۔ اگر دُنیا کی نجات کو نہ بھی مانا جائے۔

ایک لمحہ کے لیئے ہم ان اصُولوں پر غور کرتے ہیں۔ جنھوں نے ان لوگوں کو اٹھایا ہوگا۔ جبکہ

ایک قوم کو فتح کرنے کے بعد وہ اس کے انتظام اور ترقی دینے میں مشغول ہو گئے تھے۔ اس کے لیئے صرف قرآن اور حضرت محمدؐ کے چند اقوال کو دیکھنا کافی ہے۔ قرآن میں ہے ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔ جس شخص کو دانائی اور حکمت دیگئی اس نے خیر کثیر پا لیا۔ اور حضرت محمدؐ فرماتے ہیں عزت دولت سے نہیں بلکہ علم سے ہے۔ ایک اور حدیث کا یہ مفہوم ہے کہ عالم کی سیاہی شہید کے خون کی طرح قیمتی ہے۔

ایسا ہی پیغمبرؐ نے فرمایا۔ کہ ایک عالم ہزار جاہل ماننے والوں سے شیطان پر زیادہ بھاری ہے یہ بھی آپ کا خیال پایا جاتا ہے کہ عبادت کی نسبت علم مرتبہ کو زیادہ بڑھاتا ہے۔ ایک عالم عابد پر ایسی فضیلت رکھتا ہے۔ جیسا کہ پورا چاند ستاروں پر۔ اور آپ نے فرمایا۔ کہ علم کی تلاش میں لگ جاؤ خواہ وہ چین میں ملے۔ ہمارے یہاں مغرب میں ایک ضرب المثل ہے۔ کہ قلم تلوار سے بڑھکر طاقتور ہے۔ اس کی صداقت جیسی صفائی سے عرب کی تاریخ میں ملتی ہے اور کہیں نہیں ملتی۔ اور مسلمانوں کی موجودہ حالت اس پر شاہد ہے۔ گو مسلمانوں کی ملکی طاقت کم ہوگئی ہے مگر کوئی چیز دنیا کو اُن کے علمی خزانوں کے فوائد سے محروم نہیں کر سکتی۔

پہلے علم ادب کو لو۔ علم ادب جو ابتداء میں مشرق سے ہی یورپ میں آیا۔ دوسری مرتبہ پھر عربوں کی ذہانت ہی اُسے یورپ میں لانے والی ہوئی جو درحقیقت پرانے اور نئے علم ادب میں ایک زنجیر کا کام دیتے ہیں۔ مغرب میں علم ادب بالکل نابود ہو چکا تھا اور جاہلانہ وحشیانہ رنگ کا دور تھا۔ جب عربوں کی سلطنت عروج کی حالت پر تھی۔ لاطینی۔ کلیسیا ہر ایک قسم کے اچھے علوم سے محض ناآشنا تھی۔ جو کچھ استفادہ لجہ میں لاطینی مصنفوں نے حاصل کی۔ فلسفہ میں یا طب میں یا علم ہندسہ میں وہ اس کے بعد تھی۔ جب عربوں کی شہرت نے اُن کی جہالت کو متنبہ کیا اور انہی کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ وہ کسی یونانی مصنف کی تصنیف کے ماہر نہ تھے۔ اور جس قدر لاطینی میں علوم آئے وہ انھوں نے عربی سے ہی لیئے یہ عربی کے ذریعہ سے ہی تھا۔ کہ ہم ایک لاطینی ترجمہ کے ذریعہ سے ٹالمی کی تحریروں تک پہنچ سکے اور اقلیدس علم ہندسہ میں اس قدر لمبے عرصہ سے ہمارا معلم ہے اس تک بھی ہم عربوں کے ذریعہ سے ہی پہنچے ہیں۔ بڑے بڑے فاضلوں کا یہ خیال ہے۔ کہ بہت سی یونانی تصانیف

اب تک عربی ترجموں میں مل سکتی ہیں۔ جن کے اصل مدت سے گم ہوچکے ہیں۔

علم کی دو شاخوں یعنی نظم اور قصہ نویسی پر عربوں کا خاص احسان ہے۔ مشرقی لوگوں کا نظم کا شوق اسلام سے بہت مدت پہلے کا ہے۔ اور یہ دعوے سے کہا جا سکتا ہے۔ کہ قصہ نویسی کی طرز عرب میں ہی پیدا ہوئی اور عربوں کے ذریعہ سے یورپ میں پہنچی۔ دسویں صدی عیسوی سے پہلے کا قصہ کا نمونہ صرف ایک ہی ہے۔ جو عنترہ کے قصے کے نام سے مشہور ہے جو ایک عربی قصہ ہے جس میں قصہ نویسی کی تمام ضروریات موجود ہیں۔ اور جس سے پہلے یورپ کا کوئی قصہ اس طرز کا موجود نہیں۔ چاسر سے لے کر ملٹن تک انگریزی علم ادب میں تمام شاعروں اور مصنفوں کے کلام میں عربوں کا اثر برابر موجود پایا جاتا ہے۔

اب ہم سائنس اور فلسفہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جب یورپ اس وحشیانہ پن اور جہالت سے نکلا جو عربوں کے علمی زمانہ کے مقابل پڑا ہوا ہے۔ تو علمی دولت کی تین قیمتی کانیں اس کے لیئے کھل گئیں۔ بالخصوص عربی تحصیل علم کے میدان میں۔ ان میں سے ایک کان فلسفہ کی تھی۔ جس نے دل کی اس زندگی کو تازہ کر دیا۔ جس کا یونانی لغویت نے اس قدر برا استعمال کیا تھا اور جس کو رومیوں کی خراب عادتوں نے تباہ کر رکھا تھا۔ دوسرے مضمون علم ہندسہ اور علوم استقرائی تھے۔ جن کی یونانیوں اور رومیوں نے کبھی زیادہ قدر نہ کی اور نہ ان کا تتبع کیا۔

مشرقی ممالک میں بہت سے طالب علم اس فاضل انگریز لارڈ بیکن کی تصنیفات کے متعلق بہت کچھ جانتے ہیں جس کی نیچرل فلاسفی کی تحقیقاتوں نے مغرب میں علوم کے ذرائع کو بہت بڑھایا ہے۔ مجھے ہمیشہ یہ بات معلوم کر کے خوشی ہوئی ہے کہ مصر کے نوجوان لارڈ بیکن کی قدر کرتے ہیں۔ مجھے اس سے کچھ تعجب نہیں ہوا۔ کیونکہ بہت سے ان سرچشموں کا پتہ لگانے کے لیئے جن سے لارڈ بیکن نے اپنے خیالات کو لیا اور ان کو بڑھایا ہمیں تیرھویں صدی تک واپس جانا پڑتا ہے۔ راجر بیکن جو ۱۲۱۴ء میں پیدا ہوا مشرقی زبانوں میں خوب ماہر تھا ہسپانیہ کے موروں کی یونیورسٹیوں میں اس نے فضیلت حاصل کی اور اس زمانہ کے عرب مصنفوں سے ایسا ہی واقف تھا۔ جیسا یونانی اور

لاطینی تصانیف سے لارڈ بیکن نے جو سترھویں صدی میں ہوا اسی فاضل سے اپنے خیالات کو لیا اور اپنے مشہور استقرائی نظام کے پہلے اصولوں کو اسی سے لیا۔ اور یہ ایک ایسا امر ہے جو اس بات کو یقین تک پہنچا دیتا ہے کہ بیکن کے فلسفہ کا اصلی سرچشمہ عربوں کے علوم ہی تھے۔ عرب کے فلاسفر ایک بے نظیر طبعی ذہانت کے ساتھ جفاکشی اور محنت کو بھی جمع رکھتے تھے۔ اور محنت سے جس قدر علوم حاصل ہو سکتے تھے اُن سب کو حاصل کرتے تھے جس چیز کا وہ علم حاصل کرتے اس پر ہر ایک پہلو سے غور کرتے اور ان کے دلائل میں ایسی صفائی اور باریک بینی ہے کہ جس مضمون کو وہ ہاتھ ڈالتے اس کو کامل طور پر روشن کر کے چھوڑتے ان کے کام نے یورپ کے قوائے ذہنی کو بہت بلند کر دیا۔ وہ بڑی قومی ترقی جو بارھویں صدی عیسوی کے بعد انگلستان میں نمودار ہونی شروع ہوئی۔ وہ انہیں باتوں کا اثر تھا۔

سائنس کے معاملہ میں بھی انصاف چاہتا ہے کہ ہم اس بات کا اعتراف کریں کہ جب دسویں صدی میں یورپ علمی جہالت میں سویا ہوا تھا تو عرب بڑے شوق کے ساتھ ان سائنس کے مسائل کی تحقیقات میں لگے ہوئے تھے جنھوں نے مغربی دنیا میں علم اور زندگی کی ایک نئی روح پیدا کرنی تھی۔ مُوروں کے ان مدرسوں میں جو کہ ہسپانیہ میں تھے۔ یورپ کے طلباء کا سلسلہ لگا تار جا رہا تھا۔ انگلستان سے فرانس سے جرمنی سے اطالیہ سے۔ تاکہ ان علمی خزانوں سے بہرہ ور ہوں جو عربوں کے قبضہ میں تھے اور تا یورپ بھی ان خزانوں میں سے حصہ لے۔ ہسپانیہ کی عربی یونیورسٹیاں علوم کے سرچشمے تھے۔ جہاں عیسائی جہالت اپنی ابتدائی تعلیم کے لیئے جاتی تھی عربی استادوں کے مشہور مغربی شاگردوں میں پیٹر ونریبل اور پوپ سلوسٹر ثانی بھی تھے۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ پندرھویں صدی کے آخر تک انگلستان۔ فرانس اور اطالیہ کے سکولوں میں مشکل سے کوئی مشہور یا فاضل آدمی ایسا ہوگا جس کی سوانح اس احسان کا اعتراف نہ کرتی ہو جو بلا واسطہ یا بالواسطہ عربی علوم نے نسل انسانی پر کیا۔

علم کیمیا میں عربوں کا مرتبہ بلا شبہ موجدوں کا ہے۔ یہ مشہور سائنس جو تجربہ کے فلسفے کا پہلا سرچشمہ ہے۔ عربی ذہانت کی ہی حقیقی ایجاد تھا۔ یہ بڑا زبردست ثبوت

اس بات کا ہے کہ اُس زمانہ کی علمی جد و جہد کس قدر بلا فتور تھی۔ مشرق کا تیز متخیلہ پہلے اُن کو ایسی باتوں کی تلاش کی طرف لے گیا جو زیادہ تر قصہ گوئی کا رنگ رکھتی تھیں۔ مثلاً وہ آب حیات یا فلاسفر کا پتھر جو موت کو ٹال دے اور الکیمیا یعنی دوسری دھاتوں کو سونے میں تبدیل کرنے کا شوق۔ مگر ان کے علوم کے تجربہ نے ان کو جلد ہی اس دھوکہ سے باہر نکال دیا اور ان کی تحقیقاتوں کے عملی رنگ نے ان کی قوت متخیلہ کی غلطیوں کو جلد ہی درست کر دیا۔ انھوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ حیوانی نباتاتی اور معدنی دنیاؤں کے اجزا کا مطالعہ کیا۔ ہوا آگ مٹی اور پانی پر تجربے کیئے الکحل اور ایسڈ کی ملتی جلتی اور متقابل خصوصیات کو تحقیق کیا۔ بہت سی ایجادات کیں۔ کافور صفت تیلوں کو دریافت کیا۔ پارہ کی طبی خاصیات معلوم کیں اور بعض زہریلی دھاتوں کا صحت بخش ادویہ میں تبدیل کیا جانے کا پتہ لگایا۔ مغرب نے ان تمام تحقیقاتوں کو ایشیا اور ہسپانیہ کے عربوں سے لیا۔ اور اپنی ٹھہری ہوئی طبائع کے ساتھ اُن کو وہ مقررہ اصول اور قوانین کے ماتحت لائے اور اُس کو ایک سائنس کے مرتبہ پر پہنچایا۔ اس کے بعد کی کیمیا کی تاریخ موجودہ یورپ کی ساری علمی ترقیات کے ساتھ وابستہ ہے +

کیمیا کی ان ابتدائی تحقیقاتوں کی بنا پر علم طب اور علم دوا سازی میں بڑی بڑی ترقیاں ہوئیں بڑے سے بڑے طبی فضلاء اس بات کے اعتراف میں متفق ہیں کہ عربوں کا احسان یورپ پر علم طب کے دوبارہ حاصل کرنے اور اس کی ترقیات پر بہت بھاری ہے۔ ان مشرقیوں نے حد درجہ کی محنت اور جفاکشی کے ساتھ اپنے آپ کو علم طب کے مطالعہ میں لگایا۔ اور ان سب باتوں کو حاصل کیا جو یونانیوں کو معلوم تھیں۔ اس میدان میں ان کو علم کیمیا نے اس قابل بنایا کہ وہ اپنے تمام پہلے پیش روؤں سے بہت آگے نکل گئے۔ دوا سازی کے علم میں انھوں نے بیماریوں کے علاجوں کی فہرست کو بڑی بھاری وسعت دی اور بہت سی نئی مفرد ادویہ کو بڑھایا۔ انھوں نے پہلے پہل شکر کو بنایا۔ اور اس طرح پر انسان کی خوراک میں ایک لذیذ جزو کا اضافہ کیا جس سے اس سے پہلے عموماً لوگ ناواقف تھے۔ کیونکہ شہد جو صرف ایک ہی معلوم شیرینی تھی۔ بہت کمیاب اور بہت قیمتی چیز تھی۔ انھیں باتوں سے طبابت کا بڑا کمال پیدا ہوا۔ عربوں نے بالخصوص مرض کی علامتوں کی تشخیص کو مطالعہ میں لانے کی کوشش کی۔ اور اسمیں کامیابی حاصل کی

اپنے شوق اور باریک بینی کی وجہ سے بہت سے تاریک مسائل کو انھوں نے حل کر دکھایا اور بہت سی امراض کے اثرات سے ان کی وجوہات کا پتہ لگایا اور مؤثر علاج تجویز کیئے جلدی علاج کے امراض میں وہ بالخصوص کامیاب ہوئے چیچک کے مہلک مرض کی تحقیق کا سہرا انھیں شرقی طبیبوں کے سر ہی ہے۔ خسرا کی کیفیت کا پتہ لگانے میں بھی وہ سب سے اوّل ہیں۔ کئی قسم کے پھوڑے بالخصوص وہ جن کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ گلے کی کئی قسم کی بیماریاں عرب کے طبّی ہُنر کی وجہ سے ہی معلوم ہوئیں۔ جیسا کہ آج طب کے طالب علم تسلیم کرتے ہیں۔ سکر یمول جو ایک مشترق بھی تھا اور طبیب بھی تھا۔ چند سال ہوئے جب اُس نے اس مضمون کا مطالعہ کیا تو اس نے اس بات کا اعتراف کیا۔ کہ علم طب اپنی موجودہ ترقی یافتہ صورت میں بھی پرانے عرب مصنفوں کی تحقیقاتوں سے ابھی بہت کچھ فایدہ اٹھا سکتا ہے۔"

جب یورپ نے تاریکی سے باہر نکلنا شروع کیا تو افریقہ ہسپانیہ اور سسلی کے طبّی مدرسوں نے ان مدرسوں کو جو نئے بنائے گئے اپنی روشنی سے منور کیا۔ گبن کہتا ہے کہ پہلا طبّی مدرسہ جو یورپ کی تاریکی میں نمودار ہوا سلرنو کا مدرسہ تھا۔ وہ شخص جس کی ذہانت نے یورپی علوم کا یہ نیا مرکز قائم کیا وہ ایک راہب قسطنطین نام تھا۔ اس نے اپنی عمر کے ۳۹ سال مشرق میں ایک علمی سفر پر خرچ کئے اور بغداد سے واپس آیا۔ بعد کی طبّی ترقیات اسی شخص کی تصنیفات اور تعلیمات کا نتیجہ ہیں۔ نہ صرف وہ جو سلرنو کے مدرسے میں ہوئیں۔ بلکہ اُن تمام مدرسوں میں جو کہ تھوڑا کے یورپ کے مختلف ممالک میں اس کی شاخوں کے طور پر قائم ہو گئے۔ فن علاج کا لازمی نتیجہ یہ ہوا۔ کہ بیماروں کے لئے ہسپتال اور پاگلوں کے لیئے پاگل خانے قائم ہو گئے۔ ایک یہودی ربّی بنیامین ٹولیڈا کا رہنے والا بغداد کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے :۔

"خلیفہ ایک دیندار اور فیاض آدمی ہے۔ اور اس نے دریا کے دوسری جانب عمارات بنائی ہیں۔ ان عمارات میں بہت سے بڑے بڑے مکانات بازار اور غریب بیماروں کے علاج کے رہائش کے مکانات ہیں۔ جو کہ وہاں علاج کرانے کے لیئے آتے ہیں۔ یہاں قریباً ساٹھ طبّی گودام ہیں۔ جن میں ہر قسم کی ادویہ اور دیگر ضروریات خلیفہ کے سرکاری گودام سے آتی ہیں۔ اور ہر ایک بیمار جو مدد کے لیئے درخواست کرتا ہے۔ اُس کو سرکاری خرچ رکھا

جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بالکل شفایاب ہو جاتا ہے۔ ان کے علاوہ ایک بڑی عمارت ہے جو پاگلوں کی رہائش کی جگہ کہلاتی ہے۔"

۱۳۰۴ء میں ایک بڑی بھاری پاگل خانے کی بنیاد قاہرہ میں رکھی گئی اور جب تک اس کو ایک صدی سے بھی زیادہ عرصہ نہیں گذر گیا۔ اُس وقت تک یورپ میں اس قسم کے کسی رواج یعنی پاگل خانوں کے علیحدہ بنایا جانے کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ تب بھی یہ چیزیں ہسپانیہ سے نکلکر یورپ میں پھیلیں ٭ (باقی آئندہ)

ایک پُرانے انگریز بادشاہ کا توحید الٰہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار

(مرقومہ پروفیسر ھارون مصطفےٰ لیون ایم۔اے)

برٹش میوزیم کے تمغوں اور سکوں کی شاخ میں ایک عجیب و غریب اور دلچسپ سونے کا سکہ محفوظ ہے جس کو بنے ہوئے بارہ سو تیس (۱۲۳۰) سال سے زیادہ گذر چکے ہیں۔ اور جس پر عربی حروف میں صاف الفاظ میں یہ اقرار موجود ہے "لا اله الا الله وحده لا شريك له - محمد رسول الله" اور اس کے حاشیہ کے ارد گرد ذیل کا اقرار ہے محمد رسول الله ارسله بالهدی ودين الحق ليظهره على الدين كله -

جن الفاظ کے یہ معنے ہیں کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے وہ ایک ہے اُسکا کوئی ہمسر نہیں۔ محمدؐ اللہ کا رسول ہے۔ اللہ نے ان کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ سارے دینوں پر غالب کرے۔ یہ سکہ آفا شاہ مرسیا نے کندہ کرایا اور اُسی نے اس کو مضروب اور مروّج کیا۔ مرسیا انگلستان کے درمیانی حصّہ میں ایک قدیم اینگلو سیکسن بادشاہت تھی جو دریائے کینٹ کے دونوں طرف نارہٹسی سے لے کر ویلز تک پھیلی ہوئی

تھی۔ اور شاہ آفا کا زمانہ ۷۵۷ء سے لے کر ۷۹۶ء تک ہے۔ مرسیا کی سلطنت ابتدا میں ایک چھوٹے سے حصے پر محدود تھی اور اس لفظ کا اصلی مفہوم ایک سرحد کا ہے جس کو مخالف ہمسایوں کے ہاتھ سے بچایا جاتا تھا۔ یہ مخالفین ویلز کے باشندے یا قدیم برطانوی لوگ تھے جو صدیوں تک اینگلو سیکسن حملہ آوروں کے ساتھ اس حصہ ملک میں غلبہ کے لیئے لڑتے رہے۔ کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں آہستہ آہستہ مرسیا میں ملتی چلی گئیں اور سب سے پہلے غالباً چھٹی صدی عیسوی کے آخری نصف حصے میں اس کی بنا پڑی۔ مگر یہ سلطنت پینڈا کی تخت نشینی تک جو ۶۲۶ء میں واقع ہوئی بہت کمزور حالت میں رہی۔ اور اس بادشاہ کے زمانہ میں اسکی محکم تدبیر اور منصفانہ حکومت کی وجہ سے دوسری سلطنتوں پر اس کو فوقیت حاصل ہوگئی بالخصوص ۶۳۳ء میں ایڈون بادشاہ پر فتح حاصل کرنے کے بعد۔ مگر ۶۵۵ء میں پینڈا کو آلون شاہ نارتھمبریا نے شکست دے کر قتل کر دیا اور مرسیا کی سلطنت کا غلبہ ایک وقت کے لیئے جاتا رہا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انگلستان سات سلطنتوں میں تقسیم شدہ تھا۔ یعنے مرسیا۔ کینٹ۔ ایسٹ انگلیا۔ نارتھمبریا۔ ویسکس۔ سسکس۔ ایسکس۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اُن میں سے صرف پہلی پانچ سلطنتیں سکے مضروب کرتی تھیں۔ وولفؔ ہیر پینڈا کے بھتیجے نے جو ۶۵۶ء سے لیکر ۶۷۵ء تک حکمران رہا۔ نارتھمبریا والوں کو پیچھے دھکیلا۔ اور جنوب کی طرف دریائے ٹیمز تک اپنی سلطنت کے حدود کو پھیلایا۔ وولف ہیر اس سلطنت کا پہلا بادشاہ تھا۔ جس نے بُت پرستی کو چھوڑ کر عیسائی مذہب کو اختیار کیا۔ اس کے جانشینوں میں سے ایک اتھل بالڈ نے جو ۷۱۶ء سے ۷۵۷ء تک حکمران رہا۔ مرسیا کے حدود کو اور وسعت دی۔ اور قریب قریب کے ممالک کے بڑے بڑے حصے اپنی سلطنت میں شامل کر لیئے۔ لیکن مرسیا کے سب سے زبردست بادشاہ آفا ۷۵۷ء سے ۷۹۶ء تک اور سین وولف ۷۹۶ء سے ۸۱۹ء تک تھے۔ ان میں سے موخر الذکر بادشاہ کی وفات کے بعد یہ سلطنت بڑی سرعت کے ساتھ زوال پذیر ہوگئی اور ۸۲۹ء میں اگبرٹ شاہ ویسکس کی سلطنت میں شامل ہوگئی۔

سامنے کے صفحہ پر اس سکہ کا اصل فوٹو اور جو عبارت اس پر کندہ ہے اسکا عکس دیا جاتا ہے۔ تاکہ اس عجیب و غریب سکہ کا ناظرین خود معائنہ کرلیں۔ اگر اصل فوٹو ولایت سے آگیا تو بعد میں شائع کر دیا جائیگا۔
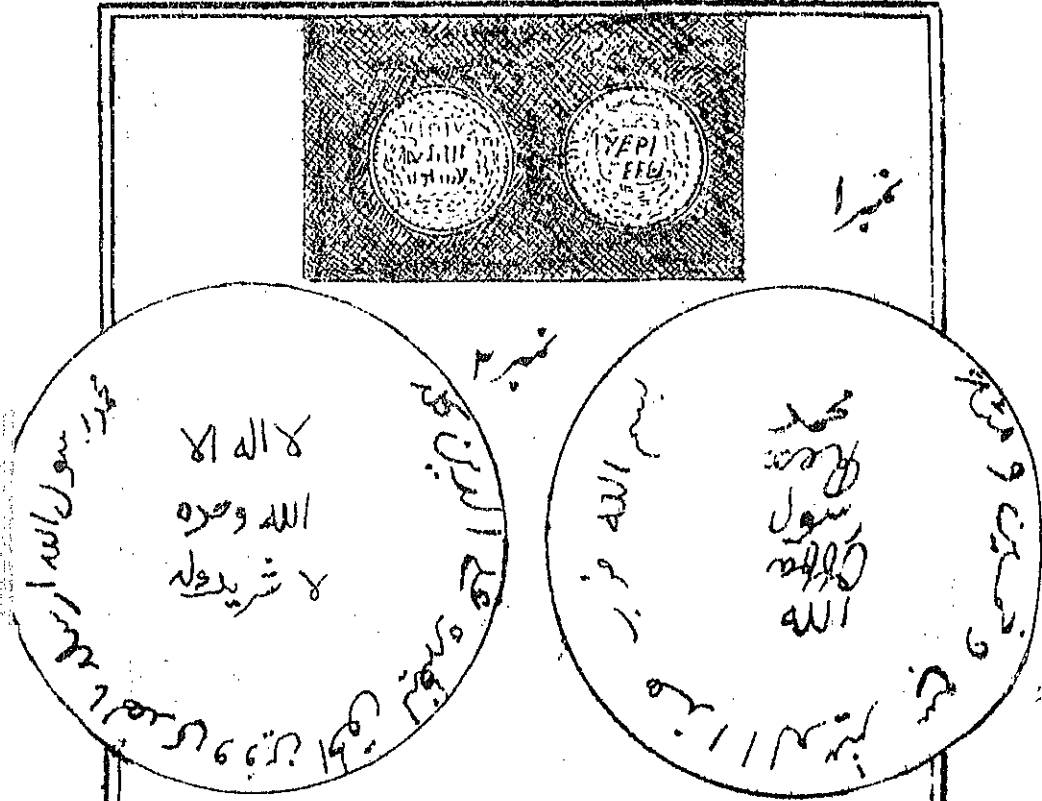
نمبر ۱ - پہلی تصویر میں اصل سکہ کا فوٹو ہے۔ مگر حروف باریک ہونے کی وجہ سے ٹھیک پڑھے نہیں جا سکتے +

نمبر ۲ - دوسری تصویر میں حروف کو بڑے کرکے دکھایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سکے کے دونوں طرف کیا عبارت ہے +

سامنے کی طرف درمیان میں یہ الفاظ ہیں :- لاالہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ
نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے۔ ایک ہے کوئی اسکا شریک نہیں

اور حاشیہ پر یہ الفاظ ہیں :- محمد رسول اللہ ارسلہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ
محمد اللہ کے رسول ہیں۔ انکو بھیجا اللہ نے ہدایت کیساتھ اور دین حق کیساتھ تاکہ اسے کل دینوں پر

پشت کیطرف درمیان میں یہ الفاظ ہیں :- محمد رسول اللہ ——— affarrac
محمد اللہ کا رسول ہے ——— آقا - بادشاہ

اور حاشیہ پر دلیل { بسم اللہ ضرب ھذا الدینار سبع وخمسین ومئة
کے الفاظ ہیں۔ { اللہ کے نام سے یہ دینار مضروب ہوا - ایک سو ستاون ۱۵۷ میں

شاہ آفا جس کے دوران حکومت میں یہ دلچسپ سکہ مضروب ہوا جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں ۷۵۷ء میں مرسیا کے تخت پر بیٹھا اور وہ پنیڈا کے باپ دبا سے شروع کر کے اس سلطنت کا نواں بادشاہ تھا۔ اس نے سلطنت کو بہت کمزور حالت میں پایا اور غالباً اس کی سلطنت کے ابتدائی سال اپنے ملک کے اندر ہی حکومت اور انتظام کرنے پر صرف ہوئے ۷۷۱ء سے اس کی فتوحات کا دور شروع ہوتا ہے۔ ۷۷۵ء میں اس نے شاہ کینٹ کی فوجوں کو شکست دی اور ۷۷۹ء میں مغربی سیکسنوں اور ویلس والوں کے خلاف کامیابی سے جنگ کی ان مؤخر الذکر لٹیروں سے حفاظت کے لیئے اس نے ایک بڑی مٹی کی دیوار بنائی جو انگلستان اور ویلز کی ساری سرحد کے اوپر پھیلی ہوئی تھی۔ فلنٹ شائر کے شمالی ساحل سے لیکر جو سمندر کی اس شاخ پر ہے جو ڈی کے نام سے مشہور ہے۔ ڈینبگ منٹگمری رسلوپ۔ ردنور۔ ہیرفورڈ میں سے ہوتی ہوئی گلوسٹر شائر تک پہنچتی تھی۔ جہاں اس کا آخری جنوبی حصہ دریائے وائی کے دہانے کے قریب ہے۔ اس عظیم الشان دیوار کے بعض حصص ابتک خاصے بلند نظر آتے ہیں۔ گو اس کا بڑا حصہ زمانہ اور باد و باران اور انسانی ہاتھوں کی غارتگریوں سے نیست و نابود ہو چکا ہے۔ اس کام کی تکمیل پر بے انداز محنت خرچ ہوئی ہوگی۔ قریباً اس کے متوازی مگر کوئی دو میل مشرق کی طرف ہٹ کر ایک اور چھوٹی دیوار ہے۔ جس کا نام والٹس ڈائک ہے۔ یہ بھی آفا نے ہی بنائی اور ۷۸۵ء میں اس کی تکمیل کی یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان دونوں بندوں کی درمیانی جگہ تجارتی اغراض کے لیئے غیر جانبدار قطعہ زمین کا کام دیتی ہوگی +

آفا کے تعلقات رومن کیتھولک مرکز کے ساتھ دوستانہ تھے۔ پوپ کے دو وکیل جو مرسیا میں آئے ۷۸۶ء میں بادشاہ نے ان کو ایک دربار میں شرف باریابی دیا۔ ان دو وکیلوں نے جو رپورٹ شاہ آفا کے متعلق پوپ ایڈرین اوّل کو بھیجی۔ اس میں شاہ آفا کی طرف سے غربا کے لیئے کچھ رقم بطور سخاوت اور گرجا کی روشنی کے انتظام کے لئے دیئے جانے کا ذکر بھی ہے +

مرسیا کی سلطنت کی سکہ سازی انگلستان کی ان سات بادشاہتوں میں سب سے بڑی معلوم ہوتی ہے سب سے پہلے مرسیا کے سکے عموماً چاندی کے پائے جاتے ہیں۔ جن کا وزن عموماً آٹھ سے لیکر بیس گرین تک ہے۔ ان ابتدائی مرسیا کے سکوں پر پنیڈا اور اتھلرڈ کے نام ہیں۔ ان میں سے

اوّل الذکر سکے بالکل رومن طرز کے ہیں۔ لیکن موخر الذکر سکوں میں رومن طرز کے علاوہ کچھ دیسی نقش بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعد کے بنے ہوئے ہیں۔ پنیڈا کے سکوں پر جو حروف کندہ ہیں وہ رومن اور رُونک حروف ہیں۔ مگر الفلرڈ کے سکوں میں صرف رونک حروف ہیں جو بت پرست شمالی لوگوں کی الف با ہے۔ بادشاہ کا نام ہر حالت میں سکے کے دُوسری طرف ہے الفلرڈ کی وفات سے لیکر جو ۹۰۱ء میں ہوئی۔ آفا کی حکومت تک جو ۹۲۵ء میں شروع ہوئی نصف صدی سے کچھ زیادہ کا عرصہ ایسا ہے کہ اس کے اندر مرسیا کے سکوّں کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔
آفا نے کوئی قدیم طرز کے سکے مضروب نہیں کیئے۔ اور اس کے سکے زیادہ تر پینی یعنے آنی کی قیمت کے ہیں۔ یہ چاندی کے سکے ہیں۔ اور اٹھارہ سے لے کر بیس گرین تک ان کا وزن ہوتا تھا۔ یہ یقین کیا جاتا ہے کہ آفا پہلا بادشاہ تھا جس نے پینی کو انگلستان میں رواج دیا۔ سکے کی یہ طرز۔ مگر اس کا نقشہ نہیں۔ شارل مین کے ڈنیر سے لیا گیا تھا۔ آفا کے ان سکوں میں جو پینی کے قسم کے ہیں۔ نقشے میں اور بناوٹ میں ایسا کاریگری کا کمال پایا جاتا ہے۔ کہ اس بارہ میں اُس سے پیچھے آنے والے بادشاہوں کے سکے بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ نہ صرف سکوں کی طرزیں ہی تعداد میں زیادہ ہیں۔ بلکہ اُن میں نقشوں کا بھی بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ موٹے طور پر دو حصّوں پہ تقسیم کیئے جا سکتے ہیں۔ ایک وہ جن میں بادشاہ کے اوپر کے دھڑ کی تصویر ہے اور دُوسرے وُہ جن میں وہ تصویر نہیں۔ یہ تصویر جن سکوں پر موجود ہے اپنے اندر اصلیت کا رنگ رکھتی ہے۔ اور بلا شبہ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں صحیح تصویر اوتارنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سکوں کے دوسری طرف جو نقشے ہیں ان میں زیبائشی نقوش اعلےٰ درجہ کے پائے جاتے ہیں۔ اور زیادہ تر عجیب طرز کی بنی ہوئی صلیبوں یا پھولوں کے نمونے ہیں دھڑ کے اوپر کے حصّے کی بنی ہوئی تصویریں اچھی بنی ہوئی ہیں۔ اور سر کی تصویر گویا ایک زندہ انسان دکھاتی ہے۔ بال عموماً سنوارے ہوئے اور ان میں شکن ڈالے ہوئے ہیں۔ مگر بعض تصویریں بے ترتیبی کی حالت میں بھی ہیں۔ سکوں پر جو عبارت کندہ ہے وہ رومن عبارت میں ہے۔ مگر کہیں پرانے رونک حروف کا بھی اثر موجود ہے۔ ٹکسالوں کے ناموں کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ لیکن ہم کہہ سکتے ہیں کہ سب سے بڑا مرسیا کا ٹکسال لندن میں ہوگا۔ مگر خود ان سکوں سے یہ

ثابت ہوتا ہے کہ ۷۷۶ء میں شاہ کینٹ اور اس کی افواج کو جو شکست اٹفورڈ کے مقام پر ہوئی اور جب کینٹ مرسیا کا باجگذار ہو گیا تو آفا کینٹربری کے ٹکسال کو استعمال کرتا رہا۔

آفا کا سونے کا وہ عجیب و غریب سکہ جس پر عربی حروف کندہ ہیں۔ سکوں کے طالبعلموں کے درمیان بہت زیر بحث رہا ہے اور یہ عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ دنیا کے عجیب سے عجیب چیزوں میں سے یہ ایک چیز ہے۔ بہت سے رسالے اور مضامین اس سکہ اور اس کی اصلیت پر لکھے گئے ہیں۔ اور اس کے متعلق مختلف قسم کے خیالات لوگوں میں پائے جاتے رہے ہیں ۲۵ نومبر ۱۸۴۱ء میں پیرس کے رہنے والے ایڈرین ڈی لانگ پریئر نے ایک مضمون اس سکہ پر لنڈن نیمس میٹک سوسائٹی کے سامنے پڑھا۔ اُسی سوسائٹی کے سامنے مسٹر جے۔ وائی۔ ایکرمین نے ایک مضمون ۲۴ مارچ ۱۸۴۲ء کو پڑھا جس میں اس سکہ کے مضروب ہونے پر بحث کی گئی ہے مسٹر ہربرٹ اے گروبر نے ۱۸۹۹ء میں برطانیہ کلاں اور آئرلینڈ کے برٹش میوزیم کے سکوں پر ایک رسالہ میں اس سکے کا بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن کینیتھ ۱۸۸۴ء میں کتاب گولڈ کوئنس آف انگلینڈ میں صفحہ ۱۱ و ۱۲ میں اس سکہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور اُس کتاب کی ابتداء میں اسکی تصویر بھی دی ہے۔

اسی سکہ پر برٹش نیومس میٹک سوسائٹی کے پریزیڈنٹ کارلین برٹن نے ایک مفصل اور نہایت دلچسپ مضمون لکھا تھا۔ اور حال میں ہی یعنے ۱۹۱۴ء میں ایک اعلےٰ درجہ کا مضمون مسٹر جے۔ ایلن ایم۔ اے نے لکھا ہے۔

ان مختلف اصحاب نے جو کچھ بحث اس سکہ پر کی ہے اور جن مختلف نتائج پر وہ پہنچے ہیں۔ اور ایسا ہی بعض اور لوگوں نے جن کے نام ایسے مشہور نہیں جو کچھ اس سکہ کے متعلق لکھا ہے ان سب تحقیقاتوں کا نتیجہ ذیل کے چار عنوانوں کے ماتحت آتا ہے۔ یعنی ان میں سے ایک نہ ایک رائے کی تائید ان مختلف مضمون نویسوں نے کی ہے۔

اوّل۔ کہ شاہ آفا مسلمان ہو گیا تھا۔ اور اس نے اپنے اسلام کا اعلان سکوں پر کلمۂ توحید کا اقرار کر کے کیا۔

دوئم۔ کہ آفا کو ان عربی الفاظ یعنی لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک له محمد رسول اللہ

ارسلہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ کے معنے معلوم نہ تھے اور نہ اس کو پتہ تھا۔ کہ ان الفاظ کا مفہوم کیا ہے۔ اور اُن کو صرف بیل بوٹے خیال کر کے اُس نے سکہ پر یہ نقش منقش کرا دیئے اور الفاظ آہفا رکیس یعنی شاہ آفا اپنے نام کے اظہار کے لیئے بڑھا دیئے۔

سوئم۔ کہ چونکہ بُہت سے بیت المقدس کے زائرین ان ایام میں انگلستان سے بیت المقدس کو جایا کرتے تھے۔ اور چونکہ بیت المقدّس اس وقت اس وقت مسلمانوں کے زیر حکومت تھا اس لیئے شاہ آفا نے یہ سکے۔ اس غرض کے لیئے مضروب کیئے ہونگے۔ کہ وہاں آسانی سے قبول کیئے جا سکیں۔ اور ان کے چلنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اور تجارتی وغیرہ اغراض میں بھی یہ کام دے سکیں۔

چھارم۔ کہ اس سکہ کی غرض اس کو عام طور پر رواج دینا نہ تھا۔ بلکہ چونکہ آفا نے پوپ کو ۳۶۵ سونے کی مہریں سالانہ دینی کی تھیں۔ اس لیئے یہ سکہ صرف اسی خاص غرض کے لیئے مضروب ہؤا تھا۔

ایڈیٹر اشاعت اسلام۔ شاہ آفا کا سکہ واقعی دنیا کی عجیب چیزوں میں سے ایک ہے۔ اس کے متعلّق جن چار نتائج پر عیسائی محقق پہنچے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شاہ آفا درحقیقت مسلمان ہوگیا تھا اور اسلام کے اعلان کے لیئے ہی انھوں نے یہ سکہ اس طرز پہ مضروب کرایا۔ اور اس پر کلمۂ شہادت اور آیات قرآنی کندہ کرائیں قبل اس کے کہ میں ان اعتراضات پر غور کروں جو اس نتیجہ کو ماننے سے لازم آتے ہیں باقی تین نتائج کے متعلّق چند الفاظ لکھنے کی ضرورت سمجھتا ہوں۔ نتیجہ نمبر ۲ کا مؤید ایڈیٹر دی لانگ پریسر ساکن پیرس ہے۔ اور اس امر کی تائید میں اس نے پانچ اور سکے جو مختلف عیسائی ممالک میں مضروب ہوئے۔ پیش کیئے ہیں۔ مگر یہ پانچ سکے ہرگز اس نتیجہ کی تائید نہیں کرتے سب سے اوّل یہ امر غور طلب ہے کہ اگر عربی زبان کوئی مردہ زبان ہوتی جس کا نہ بولنے والا کوئی دُنیا پر ہوتا اور نہ ہی اس کا لٹریچر پھیلا ہؤا ہوتا تو یہ بات ممکن تھی کہ عربی کے حروف کا ایک بادشاہ اور اُس کے تمام عملے کو پتہ نہ لگتا اور یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ یہ کسی زبان کے حروف ہیں یا محض بیل بوٹے ہیں۔ مگر اس زمانہ میں جس کا یہ سکہ ہے۔ اسلامی حکومت اپنے پورے عروج پر تھی۔ اور چونکہ بیت المقدس کی زائرین

کثرت کے ساتھ بیت المقدس میں آتے جاتے تھے۔ اس لئے ان کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات بھی تھے۔ عربی زبان نہ صرف عرب کی ہی زبان تھی۔ بلکہ جہاں جہاں مسلمانوں کی حکومت پہنچی وہاں عربی زبان بہت جگہ تو عام آبادی کی زبان بن گئی تھی۔ اور بعض جگہ سارے دفاتر و قوانین وغیرہ کے عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے وہاں کی علمی زبان عربی ہی بن چکی تھی۔ اس لئے یہ خیال کرنا کہ ۵۸۰ھ ہجری میں یعنی اسلامی حکومت کو قائم ہوئے ڈیڑھ سو سال پیچھے انگلستان کا ایک بادشاہ اور اس کے سارے وزرا علماء و فضلا اور اس کی سلطنت کے ارکین جن میں سے بہتیرے ہر سال بیت المقدس میں جاتے اور مسلمانوں سے میل ملاقات کرتے تھے۔ عربی زبان سے ایسے ناواقف تھے کہ وہ اس قدر بھی نہ پہچان سکتے تھے کہ یہ عربی کے حروف ہیں یا کوئی بیل بوٹہ اور بے معنی نقش ہیں۔ ایک ایسی بات ہے جس کو ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی عقلمند انسان تسلیم نہیں کر سکتا۔ پس یہ نتیجہ بالکل بعید از قیاس ہے۔ اور ان مثالوں سے جو مسٹر لانگ پرئیر نے دی ہیں اس نتیجہ کی کوئی تائید نہیں ہوتی۔ پہلی مثال یہ ہے کہ کیسٹائل کے عیسائی بادشاہ الفانسز و ہشتم نے ایک سکہ مضروب کیا تھا جس پر کچھ عربی عبارت تھی۔ مگر وہ عربی عبارت صاف طور پر عیسائی مذہب کی موید ہے۔ چنانچہ ایک طرف کی عبارت خود اس مضمون نویس نے حسب ذیل بتائی ہے :- الامام البیعۃ المسیحیۃ الباب الف باسم الاب والابن والروح القدس اللہ وحدہ وغیرہ یعنی عیسائی کلیسیا کا امام پوپ الف۔ باپ اور بیٹے اور روح القدس خدائے واحد کے نام سے۔ اور دوسری طرف کی عربی عبارت کا ترجمہ حسب ذیل ہے "کیتھولکوں کا امیر الفانسز و ابن سانچو۔ اللہ اس کی مدد اور حفاظت کرے۔" اب اس سکہ کو جس پر عیسائی مذہب کا صاف اقرار موجود ہے۔ اس شہادت میں پیش کرنا کہ اس زمانہ میں بغیر معنے جاننے کے عیسائی بادشاہ عربی عبارت کو بے معنی نقش سمجھ کر نقل کر دیا کرتے تھے کس قدر بودہ پن ہے۔ کیا اس کو کوئی شخص دلیل کہہ سکتا ہے۔ اس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ عربی عبارت عیسائی بادشاہ نے اپنے حسب منشاء کندہ کرائے۔ باقی مثالیں جو فاضل مضمون نویس نے دی ہیں وہ بھی اسی قسم کی ہیں یعنی محض عربی عبارت کا سکوں پر ہونا بطور ایک دلیل کے پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ سوال عربی حروف اور عبارت کا نہیں بلکہ یہ ہے کہ اس کا مفہوم کیا ہے

اگر باقی سکّوں میں عربی عبارتوں کا مفہوم عیسائیت کی تائید میں ہے تو اس سے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ لوگ جنھوں نے ایسے سکہ مضروب کیئے وہ معنے سمجھتے تھے۔ اور اپنے حسب منشاء انھوں نے عربی عبارتیں سکّوں پر منقش کرائیں۔ ان بقیہ چار سکّوں میں سے دو تو وہ ہیں جو صلیبی جنگوں میں بمقام سینٹ جین دی ایکڑ مضروب کیئے گیے اور ان کی غرض ہی۔ عربی بولنے والے ممالک میں ان سکّوں کا چلانا تھا۔ تیسرا سکہ بھی صلیبی جنگوں کے تعلق میں ہی مضروب ہؤا۔ چوتھا سپانیہ میں ہشام ثانی کے وقت کے قریب مضروب ہؤا۔ اور ظاہر ہے کہ سپانیہ اسوقت مسلمانوں کی حکومت کے ماتحت تھا۔ اس لیئے اگر کسی قریب کی سلطنت مسلمانوں کے زیر اثر ہو کر نقل کے طور پر کوئی سکہ مضروب کر دیا ہو تو اس کو شاہ آفا کے سکہ سے کوئی نسبت نہیں ہے۔

تیسری رائے یہ ہے کہ شاہ آفا نے ان لوگوں کے لیئے یہ سکہ مضروب کرایا ہو جو بیت المقدس کی زیارت کے لیئے انگلستان سے جاتے ہوں یہ بھی بعید از قیاس ہے۔ اور نہ اس کی کوئی مثال تاریخ میں ملتی ہے۔ اگر یہ رسم عیسائی ممالک میں ہوتی تو عام رسم ہونی چاہیئے تھی۔ اور جب دوسرے ممالک کے لوگوں کو ایسی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی تو شاہ آفا کی سلطنت کے جو چند آدمی جاتے ہونگے اُن کے لیئے ایسی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔

چوتھی رائے بھی قابل قبول نہیں۔ پوپ کو بھیجنے کے لیئے خاص سکّہ بنوانا ایک بے معنی بات ہے۔ انگلستان کے اور سارے یورپ کے بادشاہ پوپ کو روپیہ بھیجتے تھے۔ شاہ آفا کو کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ کہ صرف ۳۶۵ سالانہ مہروں کے لیئے ایک خاص سکہ مضروب کراتا۔ اور پھر سالہا سال تک یہی سکہ برابر پوپ کے خزانے میں رہے۔ مگر وہاں کسی کو یہ بھی پتہ نہ لگے کہ اس سکہ پر کیا لکھا ہؤا ہے۔ مانا کہ اس زمانہ میں عیسائی بہت جاہل تھے۔ مگر اس کے لیئے تو ایسے علم کی ضرورت نہ تھی۔ پھر بالخصوص یہ عجیب بات ہے کہ نہ سارے انگلستان میں کسی شخص کو معلوم ہؤا کہ اس سکہ پر کیا لکھا ہؤا ہے۔ اور نہ ہی اٹلی کے ملک میں جس کے تعلقات مشرقی ممالک کے ساتھ بہت بڑھے ہوئے تھے۔ اور رات دن کی لوگوں کی آمد و رفت تھی۔ اور اسلامی بادشاہوں کے ساتھ خط و کتابت بھی ہوگی۔ بلکہ یہ تو ممکن ہے کہ انگلستان جیسے دور پڑے ہوئے ملک میں عام طور پر لوگوں کو یہ پتہ نہ ہو کہ عربی عبارت کیا ہے۔ اور اسکا مفہوم کیا۔ اگر اٹلی والوں کا اسکے

بننے سے۔ بے خبر ہونا کسی طرح قابل تسلیم نہیں اور یہ ناممکن ہے کہ باوجود علم ہونے کے پوپ ایک ایسے سکہ کو قبول کر لیا جائے جس پر نہ صرف محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی صداقت کا اقرار ہی موجود ہے۔ بلکہ ساتھ ہی یہ عظیم الشان پیشگوئی بھی موجود ہے۔ کہ اسلام آخر کار کل مذاہب پر غالب ہوگا اور سب مذاہب کو کھا جائے گا۔ عیسائیت سے اُس زمانہ میں اسلام سے بڑھ کر کسی کو اپنا دشمن نہ سمجھے۔ اور عیسائیت کے ہی مرکز میں مسیح کی گدی پر بیٹھنے والے کے گھر میں یہ سکہ سالہا سال پہنچتا رہے۔ جس کا مطلب یہ ہو کہ آخر عیسائیت پر اسلام غالب آئے گا ؛

غرض مذکورہ بالا چار رایوں میں سے تین مؤخر الذکر رائیں کسی طرح قابل قبول نہیں۔ اب ہم سب سے پہلی رائے کو لیتے ہیں۔ کہ شاہ آفا مسلمان ہو گیا ہو۔ اور اپنے اسلام کا اعلان بذریعہ اس سکہ کے کیا ہو۔ میں اس میں بھی کسی قدر ترمیم کروں گا۔ سارے واقعات پر غور کر کے یہ بات بہت قرین از قیاس ہے کہ شاہ آفا کو اسلام کی تبلیغ کسی نہ کسی طرح پہنچی۔ اور وہ اسلام کی صداقت پر اور اس کے منجانب اللہ ہونے پر یقین لایا۔ اور اسی صداقت کا اعلان اُسنے بذریعہ اس سکہ کے کیا۔ گو کھلے طور پر عیسائیت کو ترک کرنیکا اعلان اس نے نہ کیا ہو۔ اور نہ ہی ان حالات کے اندر یہ ممکن ہو کہ وہ عیسائیت کے عقیدہ سے کھلی بیزاری کا اظہار کر کے پھر اس ملک کا بادشاہ بھی رہ سکے۔ بلکہ اس کی جان بھی ایسی صورت میں نہ بچ سکتی تھی۔ تاہم اس نے اپنے اندرونی خیالات کے صحیح نقشہ سے اور اسلام کی صداقت کا جو جذبہ اس کے دل میں موجزن تھا۔ اس سے دُنیا کو اور بالخصوص آنے والی نسلوں کو بیخبر رکھنا نہیں چاہا۔ اور اس سکہ کے ذریعہ سے اپنے حقیقی مذہب کو وہ دُنیا پر ظاہر کر گیا۔

اسی سے کسی قدر ملتا جلتا ہمارے ہی ملک کا ایک واقعہ ہے جس کا ذکر کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں اور وہ واقعہ اسی ملک ہند کے ایک مشہور اور مسلم بزرگ کی نسبت ہے۔ باوا نانک صاحب جو سکھ مذہب کے بانی تھے ان کے اصل عقیدہ کے متعلق کہ آیا وہ ہندوؤں کا عقیدہ رکھتے تھے یا مسلمانوں کا یا ان دونوں کے بین بین ان کا کوئی اور عقیدہ تھا۔ ہمیشہ اختلاف رہا ہے یہاں تک کہ اُن کی وفات کے وقت بھی یہ جھگڑا اٹھا۔ اور مسلمانوں کا یہ مطالبہ تھا۔ کہ وہ مسلمان ہیں۔ ان کی لاش اسلامی طرز پر دفن کی جاسکے۔ اور ہندو اسے ہندوؤں کے طریق پر جلانا

چاہیئے تھے۔ سکھ مذہب کی کتابوں کے اندر جس قدر اقوال باوا نانک صاحب کے پائے جاتے ہیں یا جس قدر واقعات ان کے متعلق پائے جاتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان میں سے بعض اقوال اور واقعات کو ایسا رنگ دیا گیا ہے کہ وہ اُس کے مسلمان ہونے کے منافی معلوم ہوتے ہیں لیکن ایک ہی بات فیصلہ کر دیتی ہے۔ کہ ایسے اقوال اور واقعات کے مقابل کیوں وہ واقعات اور اقوال زیادہ قابل اعتبار ہیں جن سے اسلام کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔ وہ بات یہ ہے کہ سکھ مذہب کو بانی مذہب کی وفات کے بعد ایسے ملکی واقعات پیش آئے کہ روز بروز اسلام سے اس کا تنفّر اور ہندو مذہب کی طرف میلان بڑھتا گیا۔ اور اس لیئے جو کچھ باوا نانک صاحب کا اصلی مذہب تھا وہ بھی اسی اثر کے نیچے آکر اصلیّت کو چھوڑ گیا۔ اور ایسے اقوال اور واقعات اس میں داخل ہو گئے جو ان بعد کے تاثرات کا نتیجہ تھے۔ اگر سکھ مذہب کے بعد کی تاریخ ایسے لوگوں سے اثر قبول نہ کرتی جن کو مذہب اسلام کے ساتھ بغض تھا تو یہ اقوال اور واقعات اس تاریخ میں داخل نہ ہو سکتے۔ پس خود یہ بات کہ سکھ مذہب کو بعض ملکی وجوہ سے اسلام کے ساتھ بغض پیدا ہو گیا۔ اس بات پر شاہد ہے۔ کہ وہ اقوال اور واقعات جن سے اسلامی تعلیم کے خلاف کوئی امر مترشح ہوتا ہے اسی بغض کا نتیجہ ہیں اور بالمقابل ایسے بیّن اور کھلے کھلے اقوال اور تاریخی واقعات جو باوا نانک صاحب کی صداقت اسلامی کے شیدا ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں چھوڑتے۔ ان کا اس وقت تک سکھ مذہب کی کتابوں میں باقی رہنا باوا صاحب کے اصل مذہب کا پتہ بتاتا ہے۔ کیونکہ جہاں اسلام کے خلاف بعض باتوں کا سکھ مذہب کی تعلیم میں راہ پا جانا بالکل قرین قیاس ہے اسلام کی تائید میں بعد میں کسی بات کے داخل ہونے کی کوئی صورت نہ تھی ⁂

لیکن اصل بات جس کی طرف میں یہاں توجّہ دلانا چاہتا ہوں وہ باوا نانک صاحب کی قولی نہیں بلکہ فعلی شہادت ہے۔ جو ان کے مذہب کا ٹھیک پتہ بتاتی ہے۔ باوا نانک صاحب ایک مذہبی بزرگ تھے۔ اور انھوں نے اپنی یادگار اپنے پہننے کا ایک چولہ چھوڑا ہے۔ جو اس وقت ڈیرہ بابا نانک ضلع گورداسپور میں کئی سو غلافوں کے نیچے محفوظ ہے۔ اور جس میں اس قدر زمانہ میں کسی قسم کا تغیر تبدل وقوع میں نہیں آیا۔ کیونکہ اس کے اوپر کے غلافوں نے باوا صاحب کے

پیروؤں کو بھی اس کی اصل حقیقت سے بے خبر رکھا۔ اس چولہ کے متعلق جو کچھ ذکر باوا صاحب کی جنم ساکھیوں میں ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس پر کچھ تحریر بھی ہے۔ مگر وہ تحریر کیا ہے۔ یہ کسی کو معلوم نہ تھا۔ ہاں مضمون کے رنگ میں یہ بات جنم ساکھیوں میں لکھی گئی۔ کہ وہ مختلف زبانوں کے حروف میں کوئی تحریر ہے۔ اور یہ خیال کیا گیا۔ کہ جیسے باوا صاحب کا مذہب عوام کے خیال میں ہندو مذہب اور اسلام کے بین بین تھا۔ اسی طرح یہ چولہ کی تحریر بھی مختلف مذاہب کی تعلیم کا کچھ کچھ حصہ ہے۔ مگر حال میں جو اس چولہ کی اصل تحریر کو دیکھا گیا (جس کے متعلق پورے واقعات اور چولہ کا نقشہ مع اصل تحریر کے ایک کتاب ست بچن نام میں محفوظ کئے گئے ہیں) تو معلوم ہوا کہ اس چولہ پر بہت کچھ لکھا ہوا ہے۔ مگر وہ سب کا سب ایک ہی زبان یعنی عربی زبان میں ہے اور سوائے مذہب اسلام کے کسی مذہب کی تعلیم کا اس پر نشان نہیں پایا جاتا۔ کہیں کلمہ شہادت ہے کہیں آیۃ الکرسی ہے۔ کہیں اسمائے الٰہی ہیں۔ کہیں دیگر آیات قرآنی ہیں۔ اب اس فعلی شہادت نے یہ ثابت کر دیا۔ کہ باوا نانک صاحب کا اصلی مذہب وہی ہے۔ جو چولہ پر ہے۔

جس قسم کی شہادت ایک مذہبی بزرگ کے متبرک لباس سے ملتی ہے اسی قسم کی فعلی شہادت اپنے اندرونی خیالات کے اظہار کے لیئے شاہ آفا نے اس سکہ پر چھوڑی ہے اور واقعی بادشاہ کے متعلق شہادت سکہ ہی سب سے بڑھ کر ادا کر سکتا تھا۔ اس کی تائید میں اگر اور شہادتیں نہ ملیں یا وہ محو کر دی گئی ہوں۔ تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ ایک عیسائی ملک میں صداقت اسلامی کی شہادت کا محفوظ رہنا قریباً قریباً محال تھا۔ ورنہ ممکن ہے کہ شاہ آفا نے اور کچھ شہادت بھی اپنے اسلامی عقیدہ کی چھوڑی ہو۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں۔ کہ شاہ آفا کا علانیہ اقرار اسلام اور ترک مسیحیت ایک سخت مشکل کام تھا۔ مگر اس کے دل میں کیا خیالات موجزن تھے۔ اس سکہ نے بتا دیا اور یہ بھی اللہ تعالےٰ کی حکمت ہے۔ کہ ایک طرف باوا صاحب کے چولہ کو اسلام کی صداقت کی شہادت ادا کرنے کو محفوظ رکھا اور دوسری طرف شاہ آفا کے سکہ کی یادگار کو بھی دُنیا سے نہیں مٹایا۔ گو کل دُنیا میں یہ سکہ اب ایک ہی باقی رہ گیا ہے۔ جو کہ برٹش میوزیم میں ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ کسی اسلامی بادشاہ کے دینار کی یہ نقل ہو۔ مگر اس

اسلامی بادشاہ کے نام کی بجائے آقا کے اپنا نام دینا اور کلمۂ شہادت اور رسالت نبوی کے اقرار کو باقی رکھنا یہ صاف بتاتا ہے۔ کہ شاہ آقا نے ارادتاً ایسا کیا۔ اور پھر اس سکہ پر اس آیت کا موجود ہونا جو سارے ادیان پر آخر اسلام کے غلبہ کا اظہار کرتی ہے۔ شاید اپنے اندر ایک پیشگوئی بھی رکھتا ہو اور کیا عجیب ہے کہ اسلام کی صداقت کا سارے یورپ میں سے پہلے انگریزی قوم میں ہی اب آخر مانا جانا اس پیش گوئی کو پورا کرنے والا ہو۔ یورپ کے مختلف ممالک کے تعلقات کسی نہ کسی رنگ میں مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔ مگر جو تحریک قبولیت اسلام کی انگریزی قوم میں شروع ہوئی ہے۔ وہ ابھی تک یورپ کی کسی دوسری قوم میں شروع نہیں ہُی۔ پس یہ سکہ بہرحال اپنے اندر ایک شہادت رکھتا ہے۔ کہ نہایت قدیم زمانہ میں بھی ایک انگریز بادشاہ کے دل پر اسلام کی صداقت کا اثر ہوا۔ اور وہ اثر اس قدر قوی تھا۔ کہ اُس نے نہیں چاہا کہ اس کے خیالات اس کے ساتھ ہی مر جائیں۔ بلکہ ایک سکہ کے رنگ میں اپنے عقیدہ کو چھوڑ کر اُس نے اپنی قوم کے سامنے شہادت حقہ ادا کر دی۔ ہاں یہ کہا جائے گا۔ کہ ان سکوں پر صلیب کی شکل بھی ہے۔ مگر وہ درحقیقت صلیب نہیں۔ بلکہ جیسا کہ اس فن کے ماہرین نے اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ سکے کو چار حصوں میں اس غرض کے لیئے تقسیم کیا ہے کہ تا بوقت ضرورت اس کا نصف اور چوتھائی بھی کام دے سکے۔ ابتدائی زمانے میں سکوں کی بہتات نہ تھی۔ اور وہ اس قدر پتلے ہوتے تھے۔ کہ آسانی سے جہاں نشان ہو وہاں سے توڑے جا سکتے تھے۔ باقی رہی یہ بات کہ شاہِ آقا پوپ کو ۳٦۵ مہریں سالانہ دیا کرتا تھا۔ یہ بھی اُسکے دل سے مسلمان ہونے کے منافی نہیں۔ کیونکہ جیسا کہ اس مراسلہ سے صاف پایا جاتا ہے جس میں یہ رقم دیا جانے کا ذکر ہے۔ یہ مہریں محض صدقات کے طور پر دیجاتی تھیں۔ اور اسلام صدقات کا دینا کسی خاص مذہب تک محدود نہیں کرتا۔ بلکہ اس کی فیاضی عام ہے۔ اور کلیسیا میں روشنی پر اس روپے کا خرچ ہونا بھی کسی طرح شاہِ آقا کے اسلامی عقیدہ کے منافی نہیں ہے۔ ممکن ہے آئندہ زمانہ میں کوئی مزید شہادت اسی کی موید پیدا ہو جائے +

انبیائے بنی اسرائیل پر آنحضرت کی فضیلت

تلک الرسل فضلنا بعضھم علےٰ بعض۔

اس آیت میں درحقیقت اشارہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سب رسولوں پر فضیلت کی طرف ہے۔ اس کر سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر کیا اور آگے حضرت عیسےٰ کا ذکر ہے۔ اور یہ دونوں رسول بنی اسرائیلی سلسلہ میں ایک نمایاں امتیاز رکھتے ہیں یعنی حضرت داؤد علیہ السلام اس سلسلہ کی ظاہری شان و شوکت کے لحاظ سے کہ اس شان و شوکت کا اظہار آپ ہی کے ذریعہ سے ہوا جب بنی اسرائیل ایک عظیم الشان سلطنت کے مالک بن گئے اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام اسکی روحانی شوکت کے لحاظ سے کیونکہ موسوی سلسلہ اپنے روحانی کمال کو آپ کے ذریعہ سے ہی پہنچا۔ اور وہ اخلاقی اور روحانی تعلیم جو حضرت مسیح کے ذریعہ سے بنی اسرائیل کو دیگئی وہ سب انبیائے سابق کی تعلیم پر فوقیت لیگئی۔ اس طرح پر جہاں ان دونوں رسولوں کی فضیلت کیطرف اشارہ ہے اس سے بھی لطیف تر اشارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی طرف ہے۔ جو اصل مقصود ہے کیونکہ بنی اسرائیل کے یہ دو عظیم الشان نبی جنھوں نے موسوی سلسلہ کو ظاہری اور روحانی ہر دو پہلوؤں میں کمال تک پہنچایا۔ انہی دونوں نے سب سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے گیت پیشینگوئی کے رنگ میں گائے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت داؤد کے کلام میں اور حضرت مسیح کے کلام میں آپکی آمد کو خود خدا کی آمد کہا گیا ہے۔ گویا باوجود اپنی کمالات ظاہری و باطنی کے جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات ظاہری و باطنی کو ایسے بلند مرتبہ پر پایا کہ آپ کی ہر شان میں انکو خدا کی شان نظر آئی۔ اور اس طرح پر اس آیت کے اندر ایک لطیف اشارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی طرف ہے۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات آپ کی اس فضیلت پر شاہد ہیں اور خود قرآن کریم کو جو فضیلت دیگر کتب پر حاصل ہے۔ کہ وہ سب صداقتیں کامل طور پر اس کے اندر جمع کر دیگئی ہیں جو متفرق طور پر پہلی کتابوں میں تھیں۔ بلکہ ایسی تمام صداقتیں جنکی ضرورت قیامت تک ہوگی یہ بھی فضیلت درحقیقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیگر انبیاء پر ہے۔ آپ کا کافۃ للناس مبعوث ہونا۔ آپ کا رحمۃ للعالمین کا خطاب پانا۔ آپ کی امت کا خیر امۃ اخرجت للناس قرار دیئے جانا۔ یہ سب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی فضیلت پر شاہد ہیں۔

چھ مشہور دوائیوں کا بکس
ڈاکٹر ایس کے برمن کی مجرب دوائیں گذشتہ ۳۱ سال
سے تمام ہندوستان میں استعمال ہو رہی ہیں۔ اس لیئے قدیم خریداروں کو مخاطب کرنے کی ضرورت
نہیں۔ صرف نیئے اصحاب کے لیئے جو اشتہاری ادویات سے متنفر ہو گیئے ہوں یقین دلانے اور آزمائش
کے لیئے یہ مندرجہ ذیل چھ مشہور اور مجرب ادویات کے (نمونہ کا بکس) بنا ہے جس میں اس قدر کافی ہر ایک
ادویہ ہیں۔ کہ آزمائش پورے طور سے ہو سکتی ہے۔ یہ پیٹنٹ شیشیوں میں بھری ہوئی خوبصورت کاغذ کے بکس
میں بند رہتی ہیں۔ جسکے ساتھ ان کے حالات کی چھپی ہوئی کتاب اور استعمال کے ترکیب بھی رہتی ہے۔ گھر بار
کے لیئے یہ انمول ہے۔ اور مسافرت کیحالت میں بہت مدد دیتی ہے۔ تھوڑے خرچ میں ڈاکٹر ایس کے برمن کی
خاص مفید دواؤں کا فائدہ ملتا ہے۔ اپنی خواہ دوسروں کی تھوڑے ہی خرچ میں بہتری ہو سکتی ہے۔ ہر
ایک پوری شیشی کے دام الگ الگ ہیں ✤
دواؤں کے نام
دمہ کی دوا۔ دمہ کیسا ہی زور میں ہو فوراً دباتی ہے ✤
کولا ٹانک۔ ہر ایک کے لیئے طاقت بڑھانے کی دوا ✤
مقوی باہ کی گولیاں۔ جیسا نام ویسا فائیدہ ✤
عرق کافور۔ ہیضہ اور گرمی کے دست کی ایک ہی دوا ✤
جلاب کی گولیاں۔ جلاب کی گولیاں شب کو سوتے وقت کھالینے سے صبحکو خلاصہ اجابت ہوتی ہے ✤
پودینہ سبز۔ درد شکم و ریاحی درد کی دوا ✤
پوری حالت کی فہرست بلاقیمت طلب کر کے دیکھیئے۔ ادویات ہر جگہ دوکان داروں اور دوا فروشوں
سے مل سکتی ہیں۔ ورنہ کارخانہ سے طلب کیجیئے ✤
ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تارا چند دت اسٹریٹ کلکتہ

امرت دھارا صابن

بدہضمی یا خرابی یا ضعف بھوک نہ لگنا
نمک سلیمانی
حکیم ڈاکٹر حاجی غلام نبی زبدۃ الحکماء لاہور

مروارید ثلاثہ

یہ ہر سہ کتب مصنفہ خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری ہیں۔ جو تین خاص مضمون پر نایاب اور بے مثل کتابیں ہیں جو بتفصیل ذیل درج ہیں :۔

(۱) براہین نیرہ حصہ اوّل (معروف بہ زندہ و کامل الہام)۔ قیمت .... (۱۰/)

اس میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ قرآن ایک خاتم اور ناطق الہامی کتاب ہے۔ جس میں تہذیب تمدن کے کامل قوانین موجود ہیں۔ اس ضمن میں مصنف نے ایک حکیمانہ بحث میں موجودہ تہذیب پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ کل مذاہب دیگر کے عقائد اور اصولوں پر نہایت منطقی بحث کی گئی ہے ۔۔

(۲) ام الالسنہ (معروف بہ زندہ و کامل الہامی زبان)۔ قیمت بارہ آنے...... (۱۲/)

یہ کتاب بالکل جدید تصنیف ہے۔ اور جدید مضمون پر لکھی گئی ہے۔ اپنی نوع کی یہ پہلی کتاب اردو انگریزی لٹریچر میں لکھی گئی ہے۔ اس میں یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ عربی الہامی زبان ہے۔ اور کل دنیا کی زبانیں اس زبان سے نکلی ہیں۔ اور ابتدا میں سب ملکوں کے آبا و اجداد عربی الاصل تھے۔ یہ کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے ۔۔

(۳) اسوہ حسنہ (معروف بہ زندہ و کامل نبی)۔ قیمت صرف چار آنے...... (۴/)

اس میں آنحضرت صلعم کا کامل نمونہ بحیثیت انسان کامل پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب قبولیت عامہ حاصل کر چکی ہے۔ اس کو پڑھ کر ماننے کے سوا چارہ نہیں رہتا۔ کہ محمد صلعم خاتم النبیین ہیں اور اگر کوئی کامل نبی ہو سکتا ہے۔ تو آپ کی ذات پاک ہی ہے ۔۔

نوٹ :۔ محصول ڈاک وغیرہ بذمہ خریدار ہوگا ۔۔

پتہ

منیجر اشاعت اسلام عزیز منزل احمدیہ بلڈنگس۔ نولکھا لاہور

نوٹ :۔ احباب ان ہر سہ کتب کے آرڈر ارسال فرمانے میں عجلت فرمائیں۔ وگرنہ بعد ازاں مایوسی ہوگی۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر واولئک ہم المفلحون

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی - اے - ایل - ایل - بی) و مولوی صدر الدین (بی - اے - بی - ٹی)

نمبر (۵)	بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۱۶ء	جلد (۲)

فہرست مضامین

ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۶ء

ماہ مئی سنہ ۱۹۱۶ء کو مرزا یعقوب بیگ صاحب آنریری سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

قیمت سالانہ تین روپے

اشاعت اسلام بک ڈپو

تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری

(۱) براہین نیرہ حصہ اول المعروف بہ۔ قرآن ایک خاتم اور عالمگیر الہام ہے۔ اردو قیمت دس آنے (۱۰/)

(۲) ام الالسنہ یعنی عربی مبائن کل زبانوں کی ماں ہے۔ اردو قیمت دس آنے ...... (۱۰/)

(۳) اسوہ حسنہ۔ الموسوم بہ "زندہ اور کامل نبی" اردو قیمت چار آنے .... (۴/)

(۴) احادیث نبوی کا اقتباس انگریزی قیمت (۲/)

مسلم پریسٹر انگریزی قیمت چار آنے ... (۴/)

تحفۂ آصفیہ تبلیغ بنام حضور نظام حیدرآباد دکن اردو قیمت (۲/)

بنگال کی دلجوئی انگریزی و اردو فی کتاب قیمت (۱/)

مسلم مشنری کے ولایتی لکچروں کا سلسلہ اردو قیمت (۱/)

اور تین عدد انگریزی لیکچر قیمت تین آنے ... (۳/)

مسلم انڈیا اینڈ ٹورڈز گورنمنٹ انگریزی۔ کرشن اوتار اردو۔ فی کتاب قیمت ایک آنہ ...... (۱/)

اسلامک ریویو و مسلم انڈیا کی جلدیں ۱۹۱۳-۱۹۱۴ء انگریزی قیمت فی جلد سنہ ۱۹۱۳ء (عہ) جلد سنہ ۱۹۱۴ء (عہ)

رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ اسلامک ریویو کے سابقہ پرچے جولائی سنہ ۱۹۱۴ء لغایت دسمبر سنہ ۱۹۱۴ء قیمت (عہ)

دیگر مختلف تصنیفات

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ پارہ اول مرتبہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ اردو۔ قیمت فی جلد ... (۱۲/)

نکات القرآن حصہ دوم ایضاً " ..... (۲/)

عصمت انبیاء (۲) غلامی " " .... (۴/)

دی ٹرن اوکینگ ٹو اسلام مصنفہ جناب لارڈ ہیڈلے صاحب بالقابہ انگریزی قیمت فی جلد بارہ آنے ... (۱۲/)

التوحید جس میں لا الہ الا اللہ کی مختصر تفسیر ہے مصنفہ جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب ایل۔ ایم۔ ایس ... (۱/)

طریق فلاح جس میں بت پرستی کی بنیاد اور اس سے بچنے کی آسان راہ ہے مصنفہ جناب شاہ صاحب ایل۔ ایم۔ ایس ... (۱/)

Miracle of Mohd

مصنفہ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر ایٹ لا۔ انگریزی (۱۲/)

اسلام اینڈ سوشلزم " " " (عہ/)

پیغام صلح انگریزی و اردو فی رسالہ قیمت ... (۱/)

النبوۃ فی الاسلام۔ نبوت کی اصل غرض و غایت مصنفہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ قیمت ... (عہ)

حدوث مادہ .... (۴/)

جلد اول مکمل سنہ ۱۹۱۵ء رسالہ اشاعت اسلام قیمت (سے)

منیجر خواجہ عبد الغنی۔ عزیز منزل احمدیہ بلڈنگس نولکھا لاہور

نوٹ:۔ علاوہ ۱-۲-۳-۴ ناظرین کرام ان کتب کو اپنے حلقۂ اثر میں اور غیر مسلم احباب میں تقسیم فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

(MUHAMMAD NASRULLAH)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو و مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۲) بابت ماہ مئی ۱۹۱۶ء نمبر (۵)

شذرات

اس رسالہ کے ساتھ جس معزز انگریز نومسلم کی تصویر شائع ہوتی ہے اور جو انگریزی فوج میں کپتان کے عہدہ پر ہیں۔ ان کا نام نامی البرٹ آرمسٹرانگ میکلالن ہے جن کے اسلام لانے کا اعلان" گذشتہ رسالہ میں ہو چکا ہے ان کا اسلامی نام محمد نصر اللہ رکھا گیا ہے۔ ان کا اپنا دستخطی اعلان اسلامک ریویو کے اپریل نمبر کے ساتھ شائع ہوا ہے جو بالفاظ ذیل ہے:-

میں البرٹ آرمسٹرانگ میکلالن ولد پادری الگزنڈر میکلالن اس اعلان کے ذریعہ سے برضا و رغبت خود اپنے ایمان اور سچے دل سے اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ میں اپنے لئے مذہب اسلام اختیار کرتا ہوں۔ اور کہ میں صرف ایک اللہ کی پرستش کروں گا۔ اور کہ میں اس بات پر ایمان لاتا ہوں کہ محمد صلعم اللہ کے رسول اور اس کے بندہ ہیں اور کہ میں سب انبیاء ابراہیم موسیٰ عیسیٰ علیہم السلام وغیرہم کی یکساں عزت کرتا ہوں اور کہ میں اللہ تعالےٰ کی مدد سے ایک مسلم کی زندگی بسر کروں گا۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

عمر ۲۷ سال دستخط ۔ اے ۔ اے ۔ میکلالن کپتان ۔ آر ۔ آف ۔ او ۔ آر ۔ ٹنشر فیروز پور

مارچ کے مہینہ میں تین انگریز مرد داخل اسلام ہوئے یعنی ایک مسٹر ڈی مل جو
سیلون کے رہنے والے ہیں اُنھوں نے اپنا اسلامی نام جمال الٰہی تجویز کیا ہے۔ اور دو اور انگریز
افریقہ میں مسلمان ہوئے ہیں۔ جو مغربی افریقہ کے باشندے ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام موداہرٹ
ہے۔ اور اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا ہے اور دوسرے کا نام سپوطی ہے۔ اور اسلامی نام عبدالصمد
تجویز ہؤا ہے۔ ان دونوں صاحبوں نے اعلان اسلام کے فارم کے علاوہ بڑے بڑے اخلاص
کی چِٹھیاں مولوی صدر الدین صاحب امام مسجد ووکنگ کے نام لکھی ہیں ؛

خدا کے فضل سے اسلامک ریویو کا دائرہ تبلیغ انگلستان تک محدود نہیں۔ بلکہ انگلستان
پھر کم و بیش یورپ کے دیگر ممالک میں پھر دیگر ممالک عالم میں اس کا اثر روز بروز پھیل رہا ہے
اور اس وقت تک فرانس۔ بلجیم۔ اٹلی روس کے بعض اعلےٰ طبقہ کے اشخاص کے علاوہ امریکہ اور
افریقہ میں بھی نومسلم پہونچے ہیں بلکہ آسٹریلیا اور ایشیا پر بھی اثر ہؤا ہے۔ اگر کوئی نقص ہے تو صرف
اس کی اشاعت کی کمی۔ اس میں شک نہیں کہ محض اشاعت اس وقت تک زیادہ مفید ثابت نہیں
ہوتی۔ جب تک کہ اسکے ساتھ ایک مرکز قایم نہ ہو۔ جہاں لوگوں سے میل ملاقات پیدا کی جائے
اور اُن کے دلوں میں جو شکوک پیدا ہوں اُن کے بھی جواب دیئے جائیں۔ بلکہ یُوں کہنا چاہیئے کہ
بغیر ایک تبلیغی مرکز قائم کرنے کے تبدیل مذہب کی امید رکھنا بے فایدہ ہے۔ اور یہ محض اللہ تعالیٰ
کا فضل ہے کہ اسلامک ریویو دور دور کے ملکوں سے بھی مستعد طبیعتوں کو اپنی طرف اس زور سے
جذب کر رہا ہے کہ بغیر کسی اور محرک کے وہ اسلام کے اندر داخل ہو رہے ہیں اور اس طرح پر اس بات
کا ثبوت مل رہا ہے کہ تبلیغ اسلام کے لیئے کس قدر وسیع میدان پڑا ہے۔ جہاں اسلام کی تبلیغ کے
لیئے مرکز قایم ہو سکتے ہیں ؛

خود انگلستان کے اندر کس طرح پر اندر ہی اندر اسلام گھر کر رہا ہے تعجب آتا ہے۔ ۹ فروری ۱۹۱۶ء
کے ایک خط میں مولینا مولوی صدر الدین صاحب نے ایک واقعہ اس کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔ کہ
کس طرح ایک نوجوان خاتون نے جس کا نام مس ڈے بورن تھا مرتے وقت اپنے اسلام کے ساتھ

تعشق کا اظہار کیا۔ یہ نوجوان خاتون اپنی والدہ سمیت کچھ دن برابر ہر ہفتہ لیکچر میں آتی رہیں۔ ان کے پہلے مسجد میں آنے کی وجہ جو اُنھوں نے خود بیان کی یہ ہوئی کہ ماں بیٹی گرجا جا رہی تھیں مگر وہاں زیادہ دیر ہو گئی۔ قریب ہی مسجد دیکھ کر اُنھوں نے کہا کہ چلو آج اس کو ہی دیکھ لیں۔ کہ مسلمانوں کا مذہب کیسا مضحکہ خیز ہے۔ مسجد کے اندر آئیں تو پہلے ہی دن توحید کے لیکچر نے ایسا ان کے دلوں کو پکڑا کہ وہ سمجھ گئیں کہ حقیقی توحید صرف مسلمانوں کے پاس ہے اور جس کو وہ اب تک سچا مذہب سمجھ رہی تھیں۔ وہ درحقیقت شرک اور باطل ہے۔ کئی اتوار لیکچروں میں شمولیت کے بعد اُن کی آمد و رفت یکمرتبہ بند ہو گئی۔ آخر کچھ عرصہ بعد ایک دن اس خاتون کے والد مسجد میں آئے اور اُنھوں نے یہ بیان کیا کہ مس ڈے یورن چھ ہفتہ بیمار رہ کر انتقال کر گئیں۔ اور یہ بھی کہا کہ ساری بیماری میں وہ آپ کا ذکر کرتی رہیں۔ اور عشا کی نماز کے وقت اذان کو توجہ سے سنتی تھیں اور خیال کرتی تھیں کہ اب میرے سینہ سے خون آنا بند ہو تو مسجد میں جاؤں۔ مگر زندگی نے وفا نہ کی۔ اس موقعہ پر جو ہمدردی کا اظہار اہل مسجد کی طرف سے ہوا اس کا اقرار اس خاتون کے والد نے وہاں کے مقامی اخبارات میں کیا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا پاک پیغام کس طرح اندر ہی اندر دلوں کو مسخر کر رہا ہے۔ اور عجیب نہیں کہ کسی وقت اس کا اثر ہم کو یدخلون فی دین اللہ افواجا کے رنگ میں نظر آئے۔

اسلام کی تاریخ میں اس قسم کے صدہا واقعات پائے جاتے ہیں کہ کس طرح ظاہر مخالفت کے ہوتے ہوئے اسلام اندر ہی اندر طبائع پر اپنا نیک اثر ڈالتا رہا۔ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس کی اعلےٰ درجہ کی مثال ملتی ہے۔ ایک طرف تو اہل مکہ خطرناک مخالفت کرتے مسلمانوں کو دکھ دیتے مارتے گھروں سے نکالتے ہیں۔ دوسری طرف اُن کے دل گویا اسلام کے پاک اثر سے کھائے جا چکے تھے اور کثرت سے لوگ اس کی صداقت کے معترف تھے۔ چنانچہ جب بڑے بڑے سردار جو مخالفت کرتے تھے مر گئے تو لوگ جوق در جوق اسلام کے اندر داخل ہونے شروع ہو گئے ادھر مسلمانوں کے ساتھ جنگ ہو رہا ہے۔ ادھر انہی میں سے لوگ مسلمان ہوتے چلے جاتے ہیں خالد بن ولید احد کی جنگ میں مسلمانوں کے خلاف سپہ سالار بن کر جنگ کرتا ہے۔ اور فتح مکہ میں ایک دستہ فوج اسلامی کا سردار ہے۔ غرض اسلام کی تعلیم ایسی پاک اور ایسی فطرت انسانی کے تقاضوں کو

پورا کرنے والی ہے کہ سعید الفطرت لوگ کسی قوم کے بھی ہوں بہت جلد اس کی پاک تعلیم سے متاثر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور یہی واقعہ آج انگلستان میں ہو رہا ہے۔ بہت لوگ ہیں جنھوں نے اسلام کا اعلان نہیں کیا۔ مگر اسلام کی صداقت ان کو اپنا گرویدہ بنا چکی ہے۔

مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان تبلیغ اسلام کے فرض کی طرف سے بالکل غافل ہو رہے ہیں۔ یہ غفلت ایک مدت سے طاری ہے۔ اور اس لیئے شاید یہ خیال بھی مسلمانوں کے دلوں سے اُٹھ گیا ہے کہ اسلام کے اندر کیسی طاقت اور کیسا جذب ہے۔ قرآن سے بیگانہ اور نا آشنا ہو کر اسلام کی خوبیوں کا دل میں کیا خیال باقی رہ سکتا ہے۔ مگر اس وقت تو خدا تعالےٰ نے وہ اسباب بھی پیدا کر دیئے ہیں جنھوں نے اسلام کی خوبیوں اور اسلام کی قوت جذب کا عملی ثبوت دیدیا ہے۔ اور دکھا دیا ہے کہ کوئی شخص اسلام کے منور چہرہ سے پردہ اُٹھانے کیلئے تیار ہونا چاہیئے۔ اس پر فدا ہونے والے ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ یہی حقیقی جہاد تھا۔ اسی کا نام اللہ تعالےٰ نے جہاد کبیر رکھا ہے۔ چنانچہ قرآن کے حقائق سے دُنیا کو آگاہ کرنے کے متعلق ہی فرمایا جاھدھم بہ جھادا کبیرا۔ اسی جدوجہد میں مُسلمانوں کی زندگی تھی۔ کہ وہ اپنی تبلیغی کوششوں کو بڑھاتے چلے جاتے۔ مگر افسوس ہے کہ وہ اپنی زندگی کے اسباب سے بھی لاپروا ہیں۔

خدا تعالےٰ نے تو اشاعت اسلام کا حق ہر ایک مسلمان کے مال میں فرض کے رنگ میں بھی رکھدیا تھا۔ علاوہ اس سے جو جہاد کی ترغیب بار بار دلائی جس سے حقیقی مقصود اعلائے کلمۃ اللہ ہی ہے نماز کا قایم کرنا اور زکوٰۃ کا ادا کرنا اسلام کے ایسے ضروری اصول ہیں کہ قرآن کریم میں ان کا ذکر توحید الٰہی کے اقرار کے ساتھ کیا ہے۔ گویا ایک مُسلمان کی عملی زندگی ان دو کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کے سب بڑے بڑے کام اس زکوٰۃ سے نکلتے تھے لیکن جب مسلمانوں کی حالت گرنی شروع ہوئی تو سب سے پہلا انقلاب یہ بھی نظر آتا ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کیطرف سے مُسلمان غافل ہونے لگے۔ اور آہستہ آہستہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ اب شاید بہت سے مسلمانوں کو یہ معلوم بھی نہیں کہ یہ کیسی ضروری چیز ہے۔ اور جو اس فرض کو ادا کرتے بھی ہیں وہ اپنی جگہ خود

جس طرح چاہتے ہیں اور جس قدر چاہتے ہیں روپیہ صرف کر دیتے ہیں۔ اور اپنے دل میں ہی فرض کر لیتے ہیں کہ فلاں رقم جو ہم نے فلاں مسکین کو دی وہ زکوٰۃ کا ہی حصّہ ہے۔ حالانکہ قرآن کریم نے زکوٰۃ کے آٹھ مختلف مصارف قرار دیئے ہیں اور یہ ضروری ہے کہ ان سب مصارف میں کچھ نہ کچھ حصّہ زکوٰۃ کا جائے۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ زکوٰۃ کے مختلف مصارف میں ایک مصرف والعاملین علیہا بھی ہے۔ یعنی زکوٰۃ میں سے ان لوگوں کی تنخواہیں بھی ادا کیجانی چاہئیں جو زکوٰۃ کو جمع کرنے پر مقرر ہوں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کا منشا یہی تھا کہ زکوٰۃ کا روپیہ ایک جگہ جمع ہو اور وہاں سے مناسب طریق پر خرچ ہو نہ کہ ہر شخص بجائے خود جس طرح چاہے زکوٰۃ کو صرف کر دے۔ زکوٰۃ کا فریضہ کس قدر اہم فرائض میں سے ہے۔ کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی خلافت کے شروع میں ان لوگوں کے ساتھ جنگ کی جنھوں نے زکوٰۃ کا روپیہ ادا کرنے سے انکار کیا تھا۔ اور قرآن کریم میں زکوٰۃ کے نہ دینے والوں کے متعلّق بڑے سخت وعید آئے ہیں۔ جو شخص اس دُنیا کے چند پیسوں سے محبّت کر کے خدا کے حکم کو ٹالتا ہے۔ وہ پیسے بھی اُس کے لیئے برکت کا موجب نہیں ہوتے ؎

منجملہ دیگر مصارف زکوٰۃ کے دو مصرف یہ بھی ہیں ایک المولفۃ قلوبھم۔ دوسرا فی سبیل اللہ اوّل الذکر مصرف سے یہ مراد ہے کہ جب لوگوں کو تبلیغ اسلام کی جائے تو ایک گروہ ان میں ایسا پیدا ہو جاتا ہے۔ جو اسلام کی باتوں کو سُننا چاہتا ہے۔ اور سمجھنا چاہتا ہے۔ ان کے لیئے ایسے موقع پیدا کرنے چاہئیں کہ وہ سن سکیں۔ اور دوسرے مصرف سے مراد صاف اشاعت و تبلیغ اسلام کے اخراجات ہیں۔ حتیٰ کہ مجاہد یعنی وہ شخص جو اشاعت و تبلیغ اسلام کے کام میں مصروف ہیں۔ اس کو خواہ وہ صاحب نصاب ہی کیوں نہ ہو زکوٰۃ دینی جائز ہے۔ کیونکہ وہ اسے اپنی ضروریات پر نہیں بلکہ دین کی ضروریات پر خرچ کرتا ہے۔ یہ دو مصرف زکوٰۃ کے ایسے ہیں کہ اس وقت ووکنگ مشن کے ذریعہ سے یہ ہر دو اغراض پوری ہو رہی ہیں۔ اس لیئے ہم اپنے ناظرین کو یہ توجّہ دلاتے ہیں کہ وہ اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ گنوائیں۔ یہ وقت ہے کہ ہر ایک تبلیغ اسلام کے لیئے دل میں درد رکھنے والا مسلمان اپنے حلقۂ اثر میں یہ تحریک کرے کہ زکوٰۃ کا روپیہ یا کم سے کم اس کا ایک معقول حصّہ ووکنگ مشن کی امداد کے لیئے دیا جائے۔ اور مستورات میں بھی یہ تحریک کی جائے۔ کیونکہ مستورات کے پاس

کچھ نہ کچھ مال ایسا ضرور ہوتا ہے جو زکوٰۃ ادا کرنے کے قابل ہوتا ہے ✦

اسلام کے شیدائیو۔ اُٹھو اور اسلام کی اشاعت اور تبلیغ کے لیئے کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو جاؤ اور لوگوں کو اس امر کی طرف پورے زور سے متوجہ کرو کہ وہ اس کام میں جس کو اللہ تعالے نے اس قدر برکات سے مالامال کیا ہے۔ اور جس کے ذریعہ سے سینکڑوں دلوں میں اسلام کا نور پیدا کر دیا ہے اور ہزاروں میں اسلام کے ساتھ محبت اور ہمدردی پیدا کر دی ہے۔ اعانت کیلیئے کھڑے ہو جائیں۔ زکوٰۃ کا روپیہ اُنھوں نے بہرحال نکالنا ہے۔ کیوں نہ اُس کو اعلےٰ سے اعلےٰ مصرف یعنی اشاعت اسلام پر لگایا جائے۔ مسلمانوں میں دینے والے ہیں۔ مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ جو لوگ اس کام سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں وہ اپنے اپنے حلقہ احباب میں تحریک کر کے اس تجویز کو پورے طور پر کامیاب کرنے کی کوشش کریں۔ اگر ہندوستان کے مسلمانوں کی زکوٰۃ کا تھوڑا سا حصہ بھی اشاعت اسلام پر صرف ہونے لگے تو بیسیوں مشن اس کے سرپر قایم ہو سکتے ہیں ✦

ایک اسلامی یادگار

عنوان بالا کے تحت لارڈ ہیڈلے نے ایک تجویز لنڈن میں ایک مسجد قائم کیئے جانے کے لیئے ولایت کے اخبارات میں شائع کی ہے۔ اور اس تجویز کو گورنمنٹ کے سامنے بھی پیش کیا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ گورنمنٹ نے ہمیشہ ان جانبازوں کی یادگاریں کسی نہ کسی رنگ میں قائم کی ہیں۔ جنھوں نے اپنی جانوں کو گورنمنٹ کے لیئے قربان کر دیا ہے۔ اور اس لیئے اپنی نوعیت میں یہ کوئی نرالا مطالبہ نہیں۔ ہاں لارڈ ہیڈلے کے دل میں جو اسلام کی تڑپ ہے اُس کا اظہار اُن کی اس تجویز سے ضرور ہوتا ہے۔ وہ مسلمان سپاہیوں کی وفاداری

کی یادگار کو کسی بے فائدہ عمارت کی صورت میں دیکھنا نہیں چاہتے۔ بلکہ ایک ایسے رنگ میں اسے قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جو اسلام کی حقیقی یادگار کہلا سکتی ہے۔ اور جس کا عملاً مسلمانوں کو ایک عظیم الشان فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اس عظیم الشان سلطنت کے دار الخلافہ میں جو قریباً دس کروڑ مسلمانوں پر حکمران ہے۔ ایک مسجد یا اسلامی معبد کی تجویز تو درحقیقت یادگار کے خیال سے علیحدہ کر کے بھی ایک ایسی تجویز ہے کہ جس کی مدبران ملک کو ضرور قدر کرنی چاہیئے۔ کیونکہ جس صورت میں اس وقت لندن اس وسیع سلطنت کا ایک عظیم الشان مرجع بنا ہوا ہے تو اس کے اندر اس کی رعایا کے مختلف مذاہب کے معبد درحقیقت اس سلطنت کی عظمت وشوکت کی دلیل ہونگے اور یہی وجہ ہے کہ لارڈ ہیڈلے نے سچی اسلامی وسیع الخیالی سے مسجد کی تجویز کے ساتھ ایک ہی ہندوؤں اور سکھوں کے معبد کی تجویز بھی پیش کی ہے۔ اسلام تو درحقیقت سارے مذاہب کے معبدوں کی یکساں قدر کرتا ہے۔ اور سب سے پہلے جو مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت دی گئی تو اس لیئے نہیں کہ وہ صرف مساجد کی حفاظت میں کھڑے ہو جائیں۔ اور ان کو انہدام سے بچائیں۔ بلکہ اس لیئے کہ ہر ایک مذہب کے معبدوں کی حفاظت کریں۔ چنانچہ وہ آیت قرآنی جو اسلام کی اس وسعت خیالی اور بلند نظری پر شاہد ہے کہ کس طرح وہ سب مذاہب کو یکساں آزاد دیکھنا چاہتا ہے۔ اور کس طرح سب کے معبدوں کو باقی رکھنا مسلمان کا حقیقی فرض بتاتا ہے۔ حسب ذیل ہے:۔ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لہدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا۔ اگر اللہ تعالےٰ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ سے روک نہ دیتا تو راہبوں کی کوٹھڑیاں اور گرجے اور معبد اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے منہدم کردیئے جاتے۔ یہاں روکنے والے مسلمان ہیں۔ جن کو اس سے اقبل کی آیت میں جنگ کی اجازت دیجاتی ہے۔ جیساکہ اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر سے ظاہر ہے اور گرجاؤں اور معبدوں اور مساجد کے انہدام کے

درپئے اسلام کے دشمن ہیں۔ پس مسلمانوں کو گویا ان سب معبدوں کی حفاظت کے لیئے کھڑا کیا گیا۔ اور یہ اسلام کی نمایاں خصوصیتوں میں سے ایک خصوصیت ہے کہ دوسرے کسی مذہب نے اس قدر وسعت خیالی کا ثبوت نہیں دیا۔ گو قرآن بار بار یہی فرماتا ہے کہ سچا دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ اور اسلام کے سوائے جو شخص مذہب اختیار کرے گا وہ آخرت میں نقصان اُٹھائے گا۔ مگر با ایں سب کے معبدوں کی حفاظت کرنا ایک مُسلمان کا فرض قرار دیتا ہے۔ چنانچہ نہ صرف یہ تعلیم لفظوں ہی میں ہی قرآن کے اندر موجود ہے بلکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے بھی دکھادیا کہ ایک مُسلمان سب مذاہب کے معبدوں کا محافظ ہے۔ چنانچہ جو معاہدہ آپ نے عرب کے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ اُس میں ایک یہ فقرہ بھی ہے "علاوہ بریں یہ میرے پیرؤں کا فرض ہوگا۔ کہ وہ عیسائیوں کے گرجاؤں کی مرمت کریں۔ اور یہ مرمت کا خرچ ان کے ذمہ بطور قرضہ نہیں ہوگا۔ بلکہ محض خدا کی رضا کے لیئے اور اس معاہدہ کو پورا کرنے کے لیئے جو رسول اللہ نے اُن کیساتھ کیا ہے۔" اس سے بڑھ کر فراخدلی کا ثبوت دُنیا میں اور کیا ہو سکتا ہے۔ کیا دنیا کا کوئی مذہبی پیشوا ہے۔ جس نے دوسرے مذاہب کے معبدوں کی مرمت کو اپنے پیرؤوں کا فرض قرار دیا ہو۔ غرض لارڈ ہیڈلے صاحب کی یہ تجویز اس قابل ہے کہ امید ہے نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو اور سکھ بھی اس کی پورے زور سے تائید کریں گے۔ اور اس طرح پر یہ ایک نہیں بلکہ تین یادگاریں برٹش گورنمنٹ کی مذہبی بالیسی کی آزادی پر ہمیشہ کے لیئے گواہ رہیں گی ✤

ذیل میں لارڈ موصوف کا اصل مضمون درج کیا جاتا ہے۔ جو انھوں نے اخبار ڈیلی گرافک کے نام بھیجا ہے۔ اور اخبار مذکور میں شایع ہوا ہے۔ ڈیلی گرافک کے علاوہ یہ مضمون اور بھی ولایت کے اخبارات میں کثرت سے شائع ہوا ہے ✤

بخدمت ایڈیٹر صاحب اخبار ڈیلی گرافک۔

جناب من چند ہفتے ہوئے کہ میں نے محکمہ جنگ اور انڈیا آفس میں ایک تجویز پیش کی تھی۔ کہ ہمارے ہندوستانی بھائیوں کی بہادری اور وفاداری کی قدردانی کے اظہار کے لئے ایک مسجد

ان مسلمان سپاہیوں کی بہادری کی یادگار ہیں قایم کی جائے۔ جو سلطنت کی حفاظت کے لیئے جنگ کرتے ہوئے اپنی جانیں قربان کر چکے ہیں اور جو اب اس سرزمین میں جس کی خاطر انھوں نے اپنی جانیں دیں یا اور سرزمینوں میں اپنے گھروں سے ہمیشہ کے لیئے دور ہو کر سو رہے ہیں۔ ان ہمت افزا جوابوں سے جو مجھے موصول ہوئے ہیں مجھے یہ یقین کامل ہو گیا ہے کہ گورنمنٹ کو اس تجویز کی معقولیت کا احساس پورے طور سے ہو چکا ہے۔ اور تمام وہ لوگ جو ہمارے اسلامی بھائیوں کی محبت کرنے والی سرشت سے آگاہ ہیں وہ آسانی سے اس بات کو سمجھ لیں گے کہ ایسی قدردانی بہت ہی مفید اور قیمتی ثابت ہوگی اور اس زنجیر میں جو ہم کو ہماری مشرقی سلطنت سے وابستہ کرتی ہے۔ ایک اور کڑی کا اضافہ ہو جائے گا اور اس طرح تعلقات اور بھی مستحکم ہو جائیں گے۔ اسی قسم کی قدردانی کا اظہار سکھوں اور دوسرے ہندوؤں کے لیئے بھی ہونا ضروری ہے تاکہ اس وجہ سے حاسدانہ خیالات پیدا نہ ہوں۔ اس بات کے لیئے بہت سی قابل قدر وجوہ ہیں کہ کیوں یہ کام ابھی شروع ہو جانا چاہیئے۔ اور جنگ کے خاتمہ تک اس کا التوا نہ ہونا چاہیئے۔ میں اس بات کو محسوس کرتا ہوں کہ عام ریلیف فنڈ سے اس قسم کی یادگار قایم نہ ہونی چاہیئے اور نہ ہی میرا اس طرف اشارہ کرنے کا منشا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مسجد قوم کے خرچ سے تیار ہو۔ اور میری یہ آرزو ہے کہ گورنمنٹ ایک معقول رقم اس خرچ کے لیئے منظور کرے میں بہت خوش ہونگا اگر آپ کے ناظرین اس کے متعلق کچھ تجاویز کریں۔ تاکہ ہم گورنمنٹ کی ہر ممکن طریق سے مدد کر سکیں۔

رائل سوسائٹیز کلب — آپ کا صادق

سینٹ جیمس سٹریٹ ایس ڈبلیو — ہیڈلے (الفاروق)

۱۵۔ مارچ

غیر معقول عقیدے

(از لارڈ ہیڈ لے۔)

ایک چٹھی میں جو حال ہی میں مَیں نے اپنے ایک دوست کو لکھی تھی جو کلیسیائے انگلستان کا ایک عہدیدار ہے۔ میں نے یہ لکھا تھا کہ مذہب اسلام میں اس قسم کی مذہبی روکیں اور تعصب جو غیر معقولیت سے پیدا ہوں نہیں پائی جاتی ہیں۔ جیسے ہم دوسرے مذاہب میں پاتے ہیں۔ جواب میں اُنھوں نے مسجد سے یہ دریافت کیا ہے کہ تعصب سے اور غیر معقول تعلیم سے میرا کیا مطلب ہے اور یہ بھی دریافت کیا ہے کہ کیا اسلام اپنی تعلیم میں ایسی قسم کی مذہبی قیود عاید نہیں کرتا اور اسی طرح اپنی تعلیم نہیں منواتا جس طرح دوسرے مذاہب۔ اس چٹھی کے جواب میں جو محبت کے رنگ میں لکھی گئی ہے۔ میں نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ غیر معقول تعلیم سے میرا کیا منشا رہے۔

عیسائی مذہب مجھے یہ تعلیم دیتا ہے کہ اللہ تعالےٰ سب چیزوں پر قادر سب باتوں کو جاننے والا سب پر رحم کرنے والا ہے اور سب سے بڑھ کر اور سب سے پہلے محبت اور پاکیزگی میں غیر محدود ہے مجھے یہ بھی تعلیم دیجاتی ہے کہ اُس نے ساری چیزیں آسمان اور زمین کی پیدا کیں۔ اور کہ اُس نے انسان کو جو اس کے تمام عجائب کاموں میں سے عجیب تر ہے اپنی شکل پر بنایا۔ یہ سب کچھ اسلام کے مُطابق ہے۔

مگر اس سے آگے چل کر عیسائیت مجھے یہ بتاتی ہے کہ خدا کا ایک اکلوتا بیٹا تھا۔ اور کہ نسل انسانی کی کمزوریوں کو ناپسند کرنے کی وجہ سے جن کمزوریوں سے وہ بوجہ خالق ہونے کے پورے طور سے واقف تھا۔ اُس نے یہ فیصلہ کیا کہ نسل انسانی پر اپنے غضب کو دور کرنے کے لیئے اس اکلوتے بیٹے کو مروا ڈالے۔ حالانکہ وہ بیٹا خود خدا اور رُوح القدس بھی تھا۔ اب اِس فعل کے نیچے وہی پُرانے مشرکانہ خیالات موجود ہیں۔ کہ کس طرح ایک غضبناک خدا یا دیوتا کی مہربانی قربانی کے ذریعہ سے حاصل کی جاتی ہے۔ یہ ساری تعلیم اسلام کے مُطابق نہیں ۔

مسلمان یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ سارے مرد اور عورتیں جو اللہ تعالےٰ پر ایمان لاتے اور اس میں استقامت دکھاتے ہیں جو اپنے آپ کو اس کا کامل فرمانبردار بناتے ہیں۔ اور خوشی سے ان تکالیف اور ابتلاؤں کو قبول کرتے ہیں جو اُن کی بہتری کے لیئے ہوتی ہیں۔ اور اپنے ہمسائیوں یعنی سارے بنی نوع کے حقوق ادا کرتے ہیں نجات پائیں گے۔ درحقیقت انہی احکام الٰہی کی فرمانبرداری میں ہی نجات ہے اور ہم کفارہ کی ضرورت اس لیئے نہیں سمجھتے کہ ہم یہ ایمان رکھتے ہیں کہ جب کبھی کسی نافرمانی پر اللہ تعالےٰ سے سچے دل سے معافی مانگی جائے اور توبہ کی جائے تو وہ فوراً بلا کسی توسط کے اس گناہ کو معاف کر دیتا ہے بچپن کے زمانے سے میرا ہمیشہ یہی خیال رہا ہے کہ خدائے کریم اتنا بڑا اور غصے اور کینہ کے چھوٹے چھوٹے خیالات سے ایسا بری ہے کہ وہ ہم سب کو ایک شفیق باپ کی محبت آمیز نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ہم اس کے ہاتھ سے بنے ہوئے ہیں۔ اور جس طرح ہم اس سے آئے ہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے بھی ہیں۔ اس قسم کے خیالات کہ وہ اپنا غصہ ہمارے اُسکے مقرر کردہ رستہ سے ادھر اُدھر ہو جانے پر اپنے بیٹے پر نکالے۔ اور اس طرح اصلاح کرے۔ اسوقت بھی جبکہ میں ایک چھوٹا بچہ تھا مجھے اس تند مزاج لڑکی کا قصہ یاد دلاتے تھے جو اپنی سب سے عمدہ گڑیا کو اس لیئے ٹکڑے ٹکڑے کر دے کہ لکڑی کا برادہ جو اسکے اندر بھرا ہوا تھا وہ اس کی ایک لات میں سے نکلنے لگا تھا۔ جب میری تمام امیدیں ایک ایسے عقیدہ کو قبول کرنے کے لیئے منقطع ہو گئیں جس پر آنکھیں بند کر کے ایمان لانا پڑتا تھا۔ اور جو مجھے یقین ہو گیا۔ کہ ایک تاریکی کے زمانے میں صرف چند خاص اغراض اور مطالب کو سامنے رکھ کر بنایا گیا تھا۔ اور خدائے واحد پر میرا ایمان ہو گیا تو پہلے پہلی دفعہ یہ محسوس کیا کہ میرا قدم مضبوط زمین پر ہے ؏

میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان لوگوں کی جو ہمیں پیارے ہیں آئندہ نجات اور خوشحالی سب سے بڑا امر ہے جس پر ہم کو غور کرنا چاہیئے۔ عیسائیت کا یہ دعوے ہے کہ کوئی شخص جو اس بات پر ایمان نہیں لاتا اور رسوم مذہبی کے اثر اور تثلیث کو قبول نہیں کرتا وہ نجات نہیں پا سکتا۔ اسلام کوئی اس قسم کا غیر معقول دعوے نجات کے متعلق نہیں کرتا۔ اللہ تعالےٰ نے ہم کو بنایا۔ اسی کے ہم ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔ اللہ تعالےٰ کے بھیجے ہوئے تمام رسولوں جیسے حضرت موسےٰ عیسےٰ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر ایمان لانے کی تعلیم دی گئی ہے۔ مگر نجات کا انحصار صرف

اس بات پر ہے اور یہی ہمارے خیال میں اسلامی تعلیم کا لب لباب ہے کہ اللہ تعالےٰ کی کامل محبت اور اُس کی رضا کا اپنے آپ کو کامل فرمانبردار بنایا جائے جس میں لازماً یہ شامل ہے کہ بنی نوع انسان کے ساتھ کامل درجہ کی ہمدردی ہو۔ یقیناً ایسے مذہب کو غیر معقول نہیں کہا جا سکتا۔

دو سال سے زیادہ کا عرصہ گذرتا ہے جب میں نے علانیہ اسلام میں داخل ہونے کا اقرار کیا۔ تو میرے بعض رشتہ داروں نے مجھے خطوط لکھے جن میں مجھے یقین دلایا گیا۔ کہ اگر میں مسیح کی خدائی پر ایمان نہ لاؤں تو میں نجات نہیں پا سکتا۔ جواب میں میں نے اس طرف توجہ دلائی کہ میری رائے میں مسیح کی خدائی کا سوال ایسا اہم نہیں جیسا کہ یہ دوسرا سوال کہ کیا مسیح نے خدا کے پیغام لوگوں کو پہنچائے ہم ایمان رکھتے ہیں کہ وہ خدا کی طرف سے بھیجا ہوا ایک نبی تھا۔ اور اُس نے پیغام رسالت دنیا میں پہنچایا۔ جس کے پیچھے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی آئی جس نے اپنے پیغام اسیطرح دُنیا کو پہنچائے۔ اعتقاد کے سوال پر غور کرتے ہوئے میری سمجھ میں یہ نہیں آتا۔ کہ وہ خدا جو بڑا رحم کرنے والا ہے مجھے ہمیشہ کے جہنّم کی سزا اس لیئے دے کہ میں ایک خاص مذہبی فرقہ مثلاً عیسائیت کے اعتقادات کو کیوں قبول نہیں کر سکا۔ مگر یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ میرے اعمال بد کے لیئے وہ مجھے سزا دے۔ میرا دوست مجھ سے سوال کرتا ہے کہ کیا تم خود ہر ایک قسم کی بکواس تعصب جھوٹ مکر کمینگی ظلم بہتان وغیرہ کو ناقابل برداشت نہیں پاتے۔ یقیناً میں پاتا ہوں۔ مگر کیوں ایک ایسے مذہب کی تعلیم کو ہم برداشت نہیں کر سکتے جو ان سب باتوں پر لعنت بھیجتا ہے۔

اسلام اور عیسائیت دونوں ان باتوں سے روکتے اور اُن کو بُرا بتاتے ہیں۔ مگر یہاں آ کر فرق پڑ جاتا ہے۔ اسلام ان لوگوں کے لیئے نجات کا دروازہ بند نہیں بتاتا۔ جو اللہ تعالےٰ کے اور بندوں کے حقوق کو ادا کرنے والے ہوں۔ خواہ اُن کے خیالات دوسرے اُمور کے متعلق کچھ بھی ہوں۔ مگر عیسائیت دعوے سے کہتی ہے کہ نجات کا انحصار نیک کاموں پر نہیں بلکہ نجات ناممکن ہے جب تک کہ یہ نہ مانا جائے کہ مسیح خدا تھا۔ اور کہ وہ ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔ اور کہ بپتسمہ اور عشائے ربّانی وغیرہ کی رسُوم ضروریات میں سے ہیں۔ اور خدا ایک نہیں بلکہ تین ہیں اور یہی فرق ہے۔ اسلام کے سادہ اور معقول اور وسیع تعلیم اور عیسائیت کے غیر معقول عقائد پر اصرار کرتے ہیں

پھر میں اپنے دوست کی چٹھی کا ایک حصہ نقل کرتا ہوں۔ وہ لکھتا ہے

"وہ ایسے بیانات جن پر منوانے کی قید صادر نہ ہو ذیل کی طرز کے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً یہ کہا جائے کہ ممکن ہے خدا ہو یا نہ ہو۔ ممکن ہے مسیح خدا ہو یا نہ ہو۔ ممکن ہے خدا کی ذات میں ایک اقنوم ہو یا دو یا ایک ہزار۔ ہو سکتا ہے کہ محمدؐ خدا کے نبی ہوں اور ہو سکتا ہے کہ نہ ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ قرآن میں نری صداقت ہی صداقت ہو یا وہ غلطیوں سے پر ہو۔ ممکن ہے خدا پر ایمان لانا اور اسکی فرمانبرداری کرنا ضروری ہو اور ممکن ہے کہ نہ ہو تو کیا اس قسم کا مذہب جس کی بنا اس قسم کے بیانات پر ہو اس قابل ہے کہ کوئی انسان اسے قبول کرے یا دوسروں کے سامنے پیش کرے وہ مذہب جس پر برداشت کرنے والے مذہب کا نام صادق آسکتا ہے صرف ایسا مذہب ہو سکتا ہے جو ہر قسم کے اعتقادات اور اعمال کو جائز رکھے اور کسی امر کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ کرے"

اس کے جواب میں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ عیسائی اور مسلمان دونوں اس قدر پر ایمان لانے میں متفق ہیں کہ ایک خدا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ اور کہ ہمیں اس سے محبت کرنی چاہیئے اور اس کی فرمانبرداری کرنی چاہیئے اور بنی نوع کے ساتھ نیکی کرنی چاہیئے۔ اب غور طلب یہ امر ہے کہ اختلاف کہاں سے شروع ہوتا ہے۔ مسلمان کہتا ہے "میں اس سادہ ایمان پر مطمئن ہوں۔ اللہ تعالےٰ ہمیشہ میرے ساتھ ہے بغیر کسی درمیانی واسطہ کے میں ہر وقت اس کی جناب میں حاضر ہو سکتا ہوں۔ جو میں اس کی حمد کرتا ہوں جو میں نماز پڑھتا ہوں جو میں اس کے رحم کے لیئے دعائیں کرتا ہوں وہ سب کو سنتا ہے اور میرے گناہ معاف کرتا ہے" عیسائی کہتا ہے "نہیں یہ کافی نہیں مجھے کچھ اور بکار ہے۔ پروہت ہوں۔ قربانیاں ہوں۔ رسومات ہوں۔ کفارہ ہو جو خدا کے اکلوتے بیٹے کی عارضی موت سے پیدا ہو۔ پھر کنواریوں اور مقدس لوگوں کا ایک لمبا سلسلہ ہے اور ایک کلیسیا ہو جس کو میں مسیح کی دولہن کہوں تاکہ مذہبی دنیا میں یہ قائم رہ سکی"

یہ وہ بات ہے جس کا نام میں غیر معقولیت سے موسوم رکھتا ہوں۔

عیسائی کلیسیا کی سب سے پہلی شاخ کی یہ تعلیم ہے کہ انسان کے لیئے بہشت کا رستہ ٹھیک اور مناسب طور سے اسی وقت کھلتا ہے جب پہلے ایک پروہت اسے کھولنے والا ہو۔ پھر کسی مقدس بزرگ کی امداد طلب کی جائے پھر کنواری مریم کی پھر مسیح کی اور آخر کار ان سب ذرائع سے

خدائے قادر کے کان تک ہماری التجا پہنچ سکتی ہے۔ مرتے ہوئے انسان کو حد درجہ کی رحمت الہیٰ کی ضرورت ہے جس کے بغیر وہ اس دنیا کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔ گناہگار کو گناہ سے پاک ہونے کی ضرورت ہے۔ اور یہ دونوں باتیں کبھی دوسرے شخص کے ذریعہ سے بہتر آسکتی ہیں۔ جس کے متعلق کم و بیش یہ فرض کرلیا جاتا ہے کہ بہشت کے دروازہ کی کنجیاں اُس کے ہاتھ میں ہیں۔ میرے نزدیک یہ تمام غیر معقول باتیں ہیں جو انسان نے خود بنالی ہیں اور غیر ضروری ہیں۔ اسلامی اعتقاد کسی ایسے درمیانی واسطہ کو نہیں چاہتا۔ کیونکہ ہم اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ خدا کے ہونے کی وجہ سے ہم ہر وقت دن اور رات کے ہر لمحہ میں اس کے ہاتھوں میں ہیں۔"

اس قسم کے اعتقادات میرے نزدیک ذرا وسیع پیمانہ پر اس قسم کی دھمکیاں ہیں جیسی پرانے زمانہ میں نیک نیت والدین جھوٹے طور پر بچوں کو دیا کرتے تھے تاکہ وہ ڈر کر فرمانبرداری اختیار کریں۔ پادری زود اعتقاد لوگوں پر اپنا قبضہ اسطرح جمائے رکھتا ہے کہ وہ ان کو ایک فرضی یا اصلی دھمکیوں سے ڈراتا ہے کہ گویا ایک غضب آلود خدا ہر وقت اس کو جھپٹ لینے کے لیئے تیار ہے خشم آلود خدا گویا ایک ایسا دیوتا ہے جس کے سامنے ایک قربانی چڑھائی جا چکی ہے۔ مگر اس پر وہ مطمئن نہیں اور مزید قربانی چاہتا ہے۔ گویا علاوہ اس قربانی کے جو ہو چکی عقل اور دل کی قربانی بھی کرنی ضروری ہے۔ اس مہیب جنگ کے سارے مظالم اور خوفناک منظروں کے باوجود میں خدا کے انصاف اور رحم پر ایمان رکھتا ہوں۔ لیکن اگر میرا یہ اعتقاد ہو کہ خدا محض ایک رائے کے معاملہ میں یا خلاف تورات ایک بات کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے لوگوں کو ہمیشہ کے جہنم میں ڈالے گا تو میں اس کے رحم اور محبت پر ایمان نہیں رکھ سکتا۔ میں اپنے بچوں کو بہت کہتا ہوں تم جانتے ہو کہ میرے خیالات کیا ہیں اور میں نے اپنی قابلیت کے مطابق سب باتوں کی تشریح تمہارے سامنے کردی ہے۔ اب اس کے بعد اگر تم یہ ایمان رکھنا چاہو کہ کنواری مریم خدا کی ماں ہے۔ یا کہ مسیح خدا ہے تو میری محبت میں جو تمہارے ساتھ ہے کمی نہیں ہوگی۔ گو مجھے اس بات کا افسوس ضرور ہوگا۔"

چند خصوصیات اسلامی

اسلامی کہاوتیں

۱۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

مسلم کی زندگی کے بعض اہم ترین اور ضروری اصول چھوٹے چھوٹے فقروں کے لباس میں ہر ایک مسلمان کے سامنے آٹھوں پہر رہتے ہیں خواہ وہ خواندہ ہو یا ناخواندہ عرب ہو یا ایرانی یا افغان یا ہندوستانی یا چینی یا ترک یا مصری۔ ایشیائی ہو یا یورپ افریقہ یا کسی اور ملک کا رہنے والا ہو۔ آج اسلام میں داخل ہوا یا نسلاً بعد نسل مسلمان چلا آیا ہو چونکہ یہ اصول چھوٹے چھوٹے جملوں کے رنگ میں ہیں اس لیئے ان کا نام اگر اسلامی کہاوتیں رکھا جائے تو غیر موزوں نہیں ہے۔ ان جملوں میں نہ صرف بعض زریں اصول زندگی ہی پوشیدہ ہیں جو انسان کو ہر حال میں کام دینے والے ہیں۔ بلکہ یہ جملے یہ اسلامی کہاوتیں اس وجہ سے کہ ساری اسلامی دنیا میں شہرت رکھتے ہیں اور ہر ایک مسلمان گھرانے میں یکساں علم ان کا ہے اور ہر مسلم کی زبان پر یکساں پائے جاتے ہیں۔ درحقیقت اسلامی محبّت واتحاد کی ایسی قدر ضمانتیں ہیں ایسی زنجیر اخوت کی ایسی قدر کڑیاں ہیں جن کے اندر ساری دُنیا کے مسلمان جکڑے ہوئے ہیں اور جو مشرق کے ایک مسلمان کے دل کو مغرب کے مسلمان کے دل سے ملاتے ہیں۔ یہ جملے تمام ملکی اور زمین کی حد بندیوں سے بالاتر قوم اور ذات کی قیود سے آزاد۔ رنگ اور زبان کے اختلاف سے غیر متاثر ہیں اور وہ ایک مسلمان کی سچی وراثت ہیں۔ خواہ وہ ایک پررونق شہر میں ہجوم کے اندر ہو یا اکیلا کسی جنگل میں ہو۔ درحقیقت ان کا دائرہ ایسا ہی وسیع ہے جیسے کہ خود دنیا کا

مسلم کی زندگی کے ان زریں ہدایت ناموں کو میں ان الفاظ سے شروع کرتا ہوں جن سے قرآن کریم کی ابتدا ہے۔ اور جو وہ پہلا جملہ ہے جو ہر ایک ملک میں ہر ایک قوم میں ہر ایک گھرانے میں ہر ایک مسلم بچہ کو سب سے پہلے سکھایا جاتا ہے اور جن الفاظ کو ہر ایک مسلمان ہر کام اور بالخصوص اہم کاموں کی ابتدا میں دُہراتا ہے۔ دُنیا میں شاید کوئی مسلمان نہ ہوگا جو ان الفاظ سے

ناواقف ہو۔ اور وہ الفاظ کیا ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یا اور بھی اختصار کر کے صرف بسم اللہ جسکے معنے ہیں۔ خدا کے نام سے۔ بسم اللہ ایک رنگ میں سارے قرآن کریم کا گویا خلاصہ ہے۔ کیونکہ سورہ فاتحہ کے سارے مطالب اجمالی رنگ میں بسم اللہ کے اندر موجود ہیں اور اسطرح پر گویا بسم اللہ سورہ فاتحہ کا خلاصہ ہے۔ لیکن سورہ فاتحہ خود سارے قرآن کا خلاصہ ہے۔ اسی لیئے اس کا نام ام القرآن بھی ہے۔ ان الفاظ کو کیوں ایک مسلمان کے ہر کام کی ابتدا میں رکھا گیا ہے۔ خود ان الفاظ کی ابتدا اس پر روشنی ڈالتی ہے۔

انسان کی گری ہوئی حالت۔ ان ساری نسل انسان کی تنزل میں چلے جانے کی حالت کو مشاہدہ کر کے وہ انسان جو نسل انسانی کا سب سے بڑا ہمدرد ثابت ہوا ہے۔ محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم غار حرا کی کنج تنہائی میں عزلت گزین ہوا تاکہ ایک خلوص بھرے دل کے اندرونی رازوں کو اپنے مالک حقیقی کے سامنے کھولے اور اس کی جناب میں گڑگڑائے اور گریہ وزاری کرے اگرچہ آپ نے صرف عرب اور شام کی پستی کا ہی مشاہدہ کیا تھا۔ مگر آپ کا پاک دل گویا کل قوموں کی بگڑی ہوئی حالت پر اطلاع پا چکا تھا۔ جیسا کہ بعد کے ان الفاظ سے جو آپ کے قلب مطہر پر نازل ہوئے کہ ظهر الفساد فی البر والبحر ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن ایک طرف اگر آپ ان تاریکیوں اور جہالتوں ان بداعتقادیوں اور ناپاک اور ذلیل کاموں پر تاسف کرتے تھے تو دوسری طرف کوئی ایسی راہ بھی آپ کو نظر نہ آتی تھی کہ نسل انسانی کو اس گری ہوئی حالت سے باہر نکال سکیں۔ آپ کے ذرائع ایک اتنے بڑے کام کے لیئے کچھ بھی نہ تھے۔ آپ کا والد تو آپ کی پیدائش سے بھی چند ماہ پیشتر فوت ہو چکا تھا۔ ابھی چھ سال کی عمر تھی کہ والدہ ماجدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ دو سال بعد آپ کے دادا عبد المطلب بھی فوت ہو گئے۔ مال اور دولت آپ کے پاس نہ تھا۔ کہ کسی اصلاح کی بنیاد مال کے بھروسہ پر ڈالتے۔ علم آپ نے کوئی حاصل نہیں کیا تھا۔ بلکہ آپ کو پڑھنا اور لکھنا بھی نہیں آتا تھا۔ آپ امی یعنی ان پڑھ تھے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بار بار فرمایا ہے۔ اس طرح پر اس عظیم الشان اصلاح کے لیئے جس کی تڑپ ایک سچے ہمدرد نوع انسانی کے دل میں پیدا ہو سکتی ہے آپ کے پاس کوئی بھی سامان نہ تھا۔ آپ کے دل میں ایک تڑپ تھی۔ مگر اس کے پورا ہونے کا کوئی بھی سامان نہ تھا۔ آپ کو کوئی راہ نظر نہ آتی تھی

جن سے آپ ان لوگوں کو ان جہالتوں اور ظلمتوں سے باہر نکال سکیں۔ یہی تڑپ اور یہی مشکلات کا نقشہ قرآن کریم سورۂ والضحیٰ میں ایک ہی لفظ میں کھینچا ہے کیونکہ کوئی سامان آپ کے پاس تھا ہی نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے راہ دکھا دی۔ یہاں ضال سے مراد صرف اس قدر ہے کہ آپ کو اپنی کوشش سے۔ یا محض انسانی کوشش سے کوئی راہ نہ مل سکتی تھی۔ اور آپ حیران تھے کہ کیا ہوگا اور کس طرح دنیا سے تاریکی کا تسلط اٹھ کر لوگ حق کو قبول کریں گے کہ ناگہاں خدا کی طرف سے ایک روشنی نمودار ہوئی اور وہی۔ روشنی اُن تاریکیوں کے اندر آپ کی ہادی راہ ہوئی خدا کا فرشتہ ناموس اکبر جو ہمیشہ خدا کے پیغام اسکے برگزیدہ بندوں کو پہنچاتا رہا تاکہ وہ انسانوں کو تاریکیوں سے باہر نکالے آپ پر ظاہر ہوا اور سب سے پہلا پیغام یہی لایا کہ پڑھو۔ کیا پڑھیں اور کس طرح پڑھیں کیونکہ پڑھنا تو آپ جانتے نہ تھے اس لیئے آپ نے جواب میں یہی فرمایا ما انا بقاری میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔ فرشتہ نے پھر وہی لفظ دوہرایا اور پھر یہی جواب آپ نے دیا۔ یہاں تک کہ تین مرتبہ اسی بات کا اعادہ ہوا کیونکہ جو شخص پڑھنا نہیں جانتا تھا وہ کس طرح پڑھنے پر قادر ہو۔ اس لیئے ناموس اکبر نے چوتھی مرتبہ کہا اقراء باسم ربك الذی خلق اپنے رب کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا۔ ان الفاظ میں کیا بجلی کی طاقت تھی۔ ہاں بجلی کی طاقت بھی اس کے مقابل ہیچ ہے۔ کہ رب کے نام سے پڑھنے کا حکم پاتے ہی وہ سب تاریکی دُور ہو گئی وہ سب حیرت اور ظلمت کی کشمکش جاتی رہی۔ ایک لمحہ کے لیئے یہ خیال دل میں آیا کہ کیا کل عالم کی اصلاح کے عظیم الشان کام کو میں سر پر اٹھا سکتا ہوں مگر باسم ربك نے ساری مشکلات کو حل کر دیا اور سارے بوجھوں کے پہاڑ کو اڑا دیا۔ اور ادھر حکم ملا اُدھر آپ اصلاح خلق کے کام میں لگ گئے۔ وہ عظیم الشان کام جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لیئے اپنی کوشش سے کرنا ایسا ناممکن تھا کہ کبھی اُس کے کرنے کا وہم بھی کسی کو نہ ہو سکتا تھا۔ وہ خدا کی مدد سے ایسا سہل ہو گیا کہ اب کوئی مشکل آپ کی راہ میں باقی نہ رہی۔ ہاں اس خدا کے نام کی مدد سے ہی جو ناممکن تھا ممکن ہو گیا۔

یہ ہے ان الفاظ کی ابتدا اور ان حالات میں۔ ہاں اس بسم اللہ میں جس کے ساتھ قرآن کریم شروع ہوتا ہے۔ ایک مسلم کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ وہ عظیم الشان کام جو بظاہر ناممکن نظر آتا تھا۔ اُس کو خدا کے نام نے۔ ہاں اللہ تعالےٰ کی مدد اور نصرت نے ایسا آسان کر دیا تو ایک مسلم کی زندگی میں وہ کونسی مشکل ہے جو ایسے خدا کے نام کی مدد سے دُور نہیں ہو سکتی۔ ہاں اُس کا

یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جو کام اس کی اپنی کوشش سے نہیں ہو سکتا وہ بسم اللہ سے ہو سکتا ہے اور اسی لیئے اُسے تاکید ہے کہ وہ ہر کام کی ابتداء بسم اللہ سے کرے۔ وُہ بات جو انسان کو منزل مقصُود تک پہنچاتی ہے وہ جو اس سے بڑے بڑے جوانمردی کے کام کرا سکتی ہے وہ کیا ہے کامیابی کا یقین۔ یہ یقین کہ کوئی روک اسکے راہ میں ایسی نہیں جو دور نہ ہو سکے۔ اسی سے انسان کے اندر وہ عزم پیدا ہوتا ہے جس کے سامنے مشکلات کے پہاڑ دُھنی ہوئی روئی کی طرح اُڑ جاتے ہیں وتکون الجبال کالعھن المنفوش اسی یقین کو پیدا کرنے کے لیئے اسے بسم اللہ سکھائی گئی ہے۔ اور اسے بتایا گیا ہے کہ وہ کسی کام کو ناممکن نہ سمجھے بلکہ خواہ اس کی اپنی کوشش کسی کام کے مقابل میں کیسی ہی کمزور نظر آئے۔ اس کو اپنی کمزوری پر نہیں بلکہ اس ذات پاک کی طاقت پر بھروسہ کرنا چاہیئے جس نے سب کچھ پیدا کیا۔ اس طرح پر بسم اللہ گویا انسانی زندگی کی ساری مشکلات کی کنجی ہے۔ جس کے سامنے مشکلات کے تالے ٹوٹتے چلے جاتے ہیں۔ ہاں انسان کا دل اپنی کمزوری کو محسُوس کرتا ہے۔ مگر خدا کی مدد کا بھروسہ اس کی ساری کمزوریوں کو دُور کر کے اس کے دل کو پہاڑ کی طرح مضبوط بنا دیتا ہے بہت باتیں ہیں جو انسان کے نزدیک ناممکن ہیں۔ مگر خدا کے نزدیک کچھ ناممکن نہیں۔ پس بسم اللہ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ انسان کے قلب کی کیا حالت ساری مخلوق کی خالق کے سامنے ہونی چاہیئے۔ اپنی عاجزی کا پورا اعتراف اور خدا کی مدد کا کامل بھروسہ۔ پہلا اعتراف انسان کے قلب کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ دُوسری جگہ سے امداد حاصل کرے۔ دُوسرا یقین انسان کے لیئے وہ سرچشمہ ہے جو اس کی ساری کمزوریوں کو دُور کر دے گا۔ اور یوں توحید الٰہی کا عملی سبق ہر مسلمان کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ملتا ہے اور یہ وُہ بات ہے جو ساری کتب مقدسہ کی اوراق گردانی کے بعد بھی انسان کو کہیں نہیں مل سکتی ؎

ایک اور بات جو قابل غور ہے وُہ یہ ہے کہ صفات الٰہی کی جو تصویر بسم اللہ میں کھینچی گئی ہے وُہ کیسی ہے۔ یہاں تین نام ذات باری کے آئے ہیں۔ اللہ۔ رحمٰن۔ رحیم۔ اور چونکہ ایک مسلمان اپنے ہر کام کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھتا ہے۔ اس لیئے یہ تین نام گویا وہ صفات الٰہی ہیں جو شب و روز ایک مسلمان کے سامنے رہتے ہیں۔ اور انہی صفات الٰہی میں وہ شب و روز

پناہ ڈھونڈتا ہے۔ ان میں سے لفظ اللہ ذات باری کا ذاتی نام ہونے کے علاوہ توحید الٰہی کا ایک نشان ہے۔ کیونکہ یہ لفظ عربی زبان میں سوائے خدائے واحد کے اور کسی پر نہیں بولا گیا۔ پھر اسم اللہ جامع جمیع صفات حسنہ باری تعالےٰ ہے۔ دوسرا اسم ذات باری کا جو بسم اللہ میں پایا جاتا ہے۔ الرحمٰن ہے جس کے معنے ہیں صفت رحم کو کمال کے ساتھ رکھنے والا۔ وہ جس کا رحم کافر و مومن پر یکساں ہے۔ یعنی اس کی صفت رحمانیت کا یہ تقاضا ہے کہ انسان کے استحقاق پیدا کرنے سے پہلے وہ اپنا رحم اس پر کرتا ہے اور اس لیئے یہ رحم اسکا ساری مخلوق کے لیئے عام ہے۔ تیسرا اسم رحیم ہے۔ جس کے معنے ہیں وہ جس کی صفت رحم بار بار کام کرتی رہتی ہے صفت رحیمیت کا تعلق انسان کے افعال کے ساتھ ہے۔ یعنی جو شخص اپنے آپ کو اس قابل بناتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے وہ صفت رحیمیت سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ گویا صفت رحمانیت کا رحم ایک عام قانون کے رنگ میں ہے اور صفت رحیمیت کا رحم ایک فعل کے نتیجہ کے رنگ میں۔ وہ رحمان ہے کہ اُس نے انسان کے پیدا ہونے سے پہلے وہ سارے سامان پیدا کیئے جن سے انسان فایدہ اٹھاتا ہے اور وہ رحیم ہے کہ جو انسان اس کے قوانین اور سامانوں کو اپنے کام میں لاتا ہے وہ اُن سے فایدہ اُٹھاتا ہے۔ پس یہ تینوں اسمائے یعنی اللہ۔ رحمان۔ رحیم ذات باری تعالےٰ کے کمال۔ اسکی محبت اور اس کی رحمت پر دلالت کرتے ہیں۔ اور جو شخص ایسی ذات پر بھروسہ کرتا ہے اور اس سے مدد طلب کرتا ہے۔ وہ یقیناً محروم نہیں کیا جاتا۔

بسم اللہ اس بات کا فیصلہ بھی کرتی ہے کہ ایک مسلمان اپنے خدا کو کیسا سمجھتا ہے کیونکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم درحقیقت قرآن کریم کی تعلیم کا خلاصہ در خلاصہ ہے۔ اس لیئے جن صفات الٰہی کا یہاں اظہار ہے۔ وہ خدائے اسلام کی صفات کا اصلی نقشہ دکھاتی ہیں۔ اب بسم اللہ میں اسم اللہ کمال پر۔ اسم رحمان محبت غیر متناہی پر۔ اسم رحیم غلبہ رحم پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام اس خدا کو پیش کرتا ہے جس کی ذات میں کمال۔ اور جس کی صفات میں محبت اور رحم کا غلبہ ہے۔ اور ان صفات الٰہی کو ہر وقت نظر کے سامنے رکھنے سے ایک مسلمان بھی انہی صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔ پس نہ صرف بسم اللہ اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ خدائے اسلام کی صفات غالب محبت اور رحم ہیں۔ بلکہ ساتھ ہی یہ بھی سکھاتی ہے۔ کہ اس

انسان کو جو بہرحال ایک محبت اور رحم والے خدا کی مدد طلب کرتا ہے۔ خود بھی محبت اور رحم کی صفات اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں۔

بعض معترضین نے کہا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہو بہو طائف کے شاعر امیہ نے سکھائی تھی یہ یقیناً غلط ہے۔ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ کفار عرب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے لکھنے سے انکار کرتے ہیں اور اس کی بجائے اپنی پرانی طرز میں باسمک اللّٰھم لکھتے ہیں کیونکہ سہیل بن عمرو نے معاہدہ حدیبیہ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے سے انکار کر دیا۔ اس میں شک نہیں کہ ہر ایک قوم کے اندر ابتدا کرنے کے لئے بطور تبرک کوئی جملہ استعمال کیا جاتا ہوگا۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہی بسم اللہ کسی قوم میں مروّج تھی۔ اسلام کا کمال اس میں نہیں کہ پہلوں کی خوبیوں کا انکار کرے۔ بلکہ پہلوں میں بھی خوبیوں کا ہونا تسلیم کر کے اُن سے بڑھ کر خوبی کی بات پیش کرتا ہے۔ بسم اللہ کی جو صورت قرآن کریم نے سکھائی۔ اور جن جن صفات الٰہی کا اس کے اندر بطور خلاصہ نقشہ کھینچا وہی اسلام کے خصائص میں سے ہے۔

ایک اعلیٰ خاندان لیڈی کا قبول اسلام

اسلام ایسا مذہب ہے جس کی اشاعت کرنے والے وہی رہے جو الفقر فخری کا نعرہ لگاتے تھے۔ اسلام نہ کسی شاہ گوتم بدھ کا ممنون ہے نہ کانسٹائن کا۔ بلکہ تاریخ شاہد ہے۔ کہ اُس نے تو شہنشاہوں اور اُن کی سلطنتوں کو خاک کے برابر بھی نہیں سمجھا۔ جب کبھی کسی اصول کی بات آن پڑی۔ آج زار روس اور اس کی کل سلطنت مسلمان ہوتی۔ اگر مسلمان علماء نے اصول سے نہ ہٹنے میں سختی نہ کی ہوتی۔ اسلام نہ صرف اپنے بوریا نشینوں پر نازاں رہا ہے۔ بلکہ اُس نے جمہورانہ اصول ایسے رائج کیے ہیں۔ کہ بڑے بڑے متکبرین و مغرورین غریبوں اور گداؤں سے دوش بدوش کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بڑے بڑے بادشاہ اسلام کے

آگے سرنگون ہو گئے ہیں۔ بڑے بڑے کشورستان اسلام کے زیر بار احسان رہے ہیں۔ یہ اسلام کی ایک خاص شان ہے۔ کہ وہ اپنے بے نظیر اصولوں کے باعث دنیا میں نمودار رہا۔ اور ہے۔ نہ بادشاہوں کی تلوار کا وہ محتاج نہ دولتمندوں کی دولت کا۔ اسلام کے لیئے دل سے بے تاب ہونے والے اب بھی زیادہ تر غریب ہی ہوتے ہیں۔ ہمارے ہندوستان ہی میں سوا ایک اپنی مثال خاتون جنابہ مکرمہ محترمہ سلطان جہان بیگم والیہ بھوپال کے اور کون رئیس ہے۔ جس کے دل میں اسلام کا درد ہے۔ اسلام کسی خاص جماعت کا نہیں۔ بلکہ دنیا کا مذہب ہے۔ اور دنیا میں زیادہ تعداد بادشاہوں اور رئیسوں کی نہیں بلکہ مسکینوں درویشوں اور نادشاکی۔ لیکن اسلام ہرگز صرف غریبوں کا مذہب نہیں۔ اسلام امیر غریب بادشاہ فقیر سب کا مذہب ہے۔ اسلام سے غریب امیر ہو جاتا ہے۔ اسلام سے بادشاہ شہنشاہ بن جاتا ہے۔ اسلام کی مساوات ہرگز بادشاہ کی بادشاہی نہیں چھینتی۔ بلکہ اس کی بادشاہی میں اضافہ کرتی ہے۔ اور اسے پائدار اور خوشحال بناتی ہے۔ رئیسوں کی ریاست کی شان اسلام سے دوبالا ہوتی ہے۔ اس لیئے مبارک ہیں وہ رئیس انگلستان کے جو اسلام قبول کریں ۔

ڈاکٹر المامون سہروردی صاحب کے وقت میں لارڈ اسٹینلے نے اسلام قبول کیا تھا۔ خواجہ کمال الدین صاحب کے وقت میں لارڈ ہیڈلے نے اب ہمارے مولوی صدرالدین کے دور میں آنریبل مسز گفرڈ نے جو صاحبزادی لارڈ سڈبری ڈربی کی ہے Hon [illegible] اسلام قبول کیا۔ اس بزرگ خاتون کا نام حمیدہ بیگم رکھا گیا ہے۔ الحمدللہ الحمدللہ ان کا ایک صاحبزادہ لفٹنٹ بیری گفرڈ جس کا اسلامی نام محمد اسداللہ ہے۔ پہلے ہی مسلمان ہو چکا ہے۔ اور انھوں نے اطلاع دی ہے کہ دوسرا بیٹا بھی مسلمان ہے اعلان بھی انشاءاللہ کر دیگا۔ میں آج نہیں دس سال سے لکھتا رہا ہوں کہ یہاں اسلام کی اشاعت کچھ زیادہ دشوار نہیں۔ اگر معقول تنظیم عمل ہو۔ اور اس وقت تک کے لیئے معقول سرمایہ کا انتظام ہو جاوے۔ جب تک یہاں خود ہی مشن جاری

کرنے کا چسکا نومسلموں میں پیدا ہو جاوے۔ یہاں جس بات کی ضرورت ہے وہ اشتہار ہے۔ لوگوں کو یہ بتانا ہے۔ کہ ایک مذہب اسلام ہی ہے جو انسان کی عقل کے مطابق ہے جو انسان کے قلب کو تسکین دے سکتا ہے مشکل یہ ہے کہ یا تو یہاں اسلام سے واقفیت ہی نہیں۔ اور اگر ہے تو وہ واقفیت متعصب پادریوں کی پیدا کی ہوئی ہے اور اُسکا یہ حال ہے کہ اسلام کے نام سے ہیبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسلام وحشیوں کا مذہب سمجھا جاتا رہا۔ اگر یہاں اسلام کا اشتہار کافی ہو سکے تو تثلیث پرستی بہت جلد یہاں سے مفقود ہو سکتی ہے۔ عیسائی یہاں صرف جاہل اور وہ بھی عورتیں ہی ہیں۔ پڑھے لکھوں میں دھریت کا زور ہے۔ اسلام میں خدا نے دھریت اور توہم دونوں کے زیر کرنے کی قوت رکھی ہے۔ اسلام کی اشاعت یہاں آسان ہے۔ اگر کافی روپیہ صرف کیا جاوے۔ اسلئے کہ حرف آشنا ہیاں کی خلقت ہے۔ آزادی بھی ہے۔ تحریر اور تقریر دونوں ذریعہ سے اشاعت اسلام ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کے لیئے روپیہ کی بہت ضرورت ہے اور اس کی ابھی کمی اور بہت ہی کمی ہے۔ ابھی یہ توقع رکھنا کہ یہاں کے مشن کے کام کے لیئے روپیہ یہاں سے خود ہی مہیا ہو گا۔ سخت غلطی ہو گی۔ جو لوگ اسلام قبول کرتے ہیں اُن پر اسلام کے مشن کا بار ڈالنا ہماری جمعیت کے بھی خلاف ہے اور اس کی بھی کوئی وجہ نہیں۔ کہ جو مسلمان ہو وہ یہ جرمانہ بھی دے کہ اسلام کے مشن کا کفیل ہو ٭

ہمارے یہاں کے اہل مقدرت لوگوں میں کتنے وہ حضرات ہیں جنھوں نے اسلامی مشن میں مدد دی ہے۔ اس میں بھی ایک والیہ بھوپال کو مستثنےٰ کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اُس خاتون کو تو خدا نے واقعی شیدائے اسلام بنایا ہے۔ کوئی صدا اسلام کے لیئے بلند ہو اور وہ لبیک کہنے کو موجود۔ اگر عام طور پر یہی حال ہوتا تو آج ہمارے مشن کی حالت ہی اور ہوتی۔ روپیہ کی کمی ہی کی وجہ ہے۔ کہ مشن ایک دیہات میں پڑی ہے۔ چاہیئے یہ تھا۔ کہ مرکز لنڈن خاص میں ہوتا اور اسکے شعبے ہر بڑے بڑے شہر اور قصبہ میں شعبوں کا انتظام تو خیر جانے کچھ دیر کو ہی ہو

مگر بہت ضروری ہے۔ کہ جس قدر جلد ہو سکے لندن میں صدر مقام بنایا جاوے۔ یہاں ووکنگ میں لوگوں کا آنا جانا مشکل۔ پھر یہ ایک معمولی دیہات مشن کا پتہ ہی لوگوں کو نہیں چلتا۔ اور چلتا بھی ہے تو یہاں کوئی کیسے جلد جلد آسکتا ہے۔ جب ہماری نماز یہاں عید کے دن شان سے ہوئی cenema سنما کے ذریعہ سے تمام انگلستان میں ایسا اشتہار ہوگیا۔ کہ ہم لاکھوں روپیہ صرف کرتے۔ تب بھی ویسا نہ ہو سکتا۔ مگر افسوس ہے کہ ہم اُس اشتہار سے زیادہ فایدہ نہ اُٹھا سکے اگر لنڈن میں ہمارا مرکز ہوتا تو اُس اشتہار کی وجہ سے جوق جوق لوگ ہمارے یہاں روزانہ آتے رہتے۔ مجھے تو لندن کے مکان کی اس قدر بیتابی ہے۔ کہ اگر مرکزی اسلامیہ سوسائٹی کے پاس سرمایہ ہوتا تو میں فی الحال اسی کی طرف سے مکان لے لیتا +

یہ سوسائٹی جب پہلے اسلامک سوسائٹی کے نام سے منسوب تھی۔ تب بھی اُس کے اثر سے متعدد لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ اور اسلام سے تعصب تو ہزاروں کا اُس نے دفع کردیا تھا۔ بلکہ اُس کے جلسوں میں تو وہ لوگ بھی شریک ہوتے تھے جو کسی مشن کے جلسہ میں ہرگز نہ شریک ہوتے۔ اور اس طرح اُن کا اسلام سے جہل رفع نہ ہو سکتا +

انشاء اللہ وقت آویگا کہ یہاں کی مشن ہندوستان کی مالی مدد سے مستغنی ہو جاوے گا۔ مگر ابھی تو وُہ وقت نہیں۔ ابھی تو اگر ہندوستان کے مسلمان جلد جلد ایسی خوشخبریاں سُننا چاہتے ہیں۔ کہ فلاں لارڈ یا فلاں بیرونٹ مسلمان ہوئے تو اُن کو چاہیئے کہ وہ لنڈن میں مرکز کا انتظام کریں۔ جو کام ووکنگ میں ہو رہا ہے وہ بے شک جاری رکھنا چاہیئے۔ جو مسجد یہاں آباد ہو چکی ہے اُسے برابر آباد رکھنا چاہیئے۔ لیکن لندن میں مرکز ضروری ہے۔ لندن کی مسجد تو جب بنے بنے۔ اُس کے لیئے تو بہت بڑے سرمایہ کے جمع ہو جانے کا انتظار ہو رہا ہے۔ میرے نزدیک یہ غلط پالیسی ہے۔ لیکن اب اس کی بحث چھیڑنے

کا موقع نہیں۔ فی الحال یہ ہونا چاہیئے۔ کہ لندن میں کسی اچھے مقام پر دو اڑھائی سو پونڈ سال کے کرایہ پر مکان لے لیا جاوے۔ اور وہ مشن کے کام کا مرکز بنا دیا جاوے۔ مسجد نہیں تو لندن کے ایک مکان میں سے ایک بلال کی اذان کی آواز بلند ہونی چاہیئے۔ تب ہی ہم اُن سربرآوردہ مسلمانوں سے بھی خوب کام لے سکیں گے جو مسلمان ہوئے ہیں۔ اور لکچر اور سوشیل جلسے ہو سکیں گے۔ پس ہمارا کام یہ ہے کہ ہم یہاں کی خلقت سے اسلام کی رونمائی کرا دیں۔ باقی کام اُس کی اپنی دلربائی کرے گی۔

مشیر حسین قدوائی

ووکنگ مسجد

بقلم بلال نور احمد ۱۲/۴ /۱۳

ووکنگ مشن کے ترقی خواہ ضرور ان سطور کو پڑھیں

بلادِ غربیہ میں اشاعتِ اسلام کا کام آیندہ کس طرح چل سکتا ہے؟

اس مشن کی آمد و خرچ ۱۹۱۵ء

جس اہمیت کو آج ہمارا مسلم مشن کیا یہاں اور کیا انگلستان پہنچ چکا ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ یہ کامیابی خوارق العادہ طریق پر اللہ تعالےٰ نے اپنے ہی فضل و کرم سے ہمیں عطا کی۔ ہم اُس کے ہم مستحق اور نہ اُس کے حصول کے لیے ہماری کوششیں کافی تھیں۔ دنیا کا کوئی مذہب ہمارے مقابل اپنے تبلیغی کوششوں کے ثمرات گذشتہ دو تین صدیوں میں بھی ایسے بار آور نہیں دکھلا سکتا جو خدا تعالےٰ نے گذشتہ دو تین سال میں ہمیں عطا کیے۔ دراصل اللہ تعالےٰ نے مغرب میں کچھ اسباب بھی ایسے پیدا کر دیئے ہیں۔ کہ جنھوں نے وہاں کے غور و فکر کرنے والے اور مذہب سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب کو اسلام کے قریب کر دیا ہے۔ یہ لوگ مذہب مغرب کی موجودہ مروجہ شکل سے بیزار ہو کر مختلف رنگوں میں اُن صداقتوں کو تسلیم کرتے جاتے ہیں۔ کہ جن کی حیثیت مجموعی کا نام اسلام ہے۔ یہ وہ امور ہیں جن پر میری نگاہ بہ تدریج ابتدا میں پڑی۔ اور زیادہ مطالعہ اور زیادہ میل جول مزید تفحص حالات نے مجھے سمجھا دیا کہ یہ رشنلزم۔ یہ پوزیٹیو ازم۔ یہ سوشیلزم۔ یہ نسوانی تحریک طلب حقوق۔ یہ سپرچولزم یہ ناسٹیسزم یہ ایتھک ازم اور ایسا ہی دیگر روحانی اخلاقی مجلسی تحریکیں جو اس وقت بطور مذہب مغرب میں پوجی جاتی ہیں۔ اور جن سے صاف پایا جاتا ہے کہ ان میں کس قدر ہیجان مذہب ہے۔ یہ دراصل اسلام کی ہی مختلف شعبے مختلف رنگوں میں ہیں۔ انھیں نتائج پر میں سال ۱۹۱۳ء میں آیا۔ اور انھیں امور کو سامنے رکھ کر میں نے تبلیغ کا رخ بدلا

پھر میں نومبر ۱۹۱۴ء میں یہاں سے لاہور پہنچا۔ اور اپنی پہلی تقریر میں ان امور کا ذکر کر کے میں نے اپنا یقین ظاہر کیا تھا کہ اگر ہم اپنی تبلیغی کوششوں کو عقلمندی اور استقلال کے ساتھ یورپ میں جاری رکھیں تو اسلام مغرب میں حیرت انگیز ترقی کر جاوے گا۔ پھر ان امور کا اعادہ میں نے شروع سال ۱۹۱۵ء میں پنجاب اور صوبجات متحدہ کے مختلف شہروں میں کیا۔ جن لوگوں نے میری باتوں کو سنا وہ خود تصدیق کر لیں گے کہ میرے بیان کے بعد جو اس ایک سال میں نتائج مرتب ہوئے۔ انھوں نے میرے بیان کی کس قدر تصدیق کی۔ میرے یہاں پہنچنے پر پچاس اصحاب حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے۔ لیکن آج یک صد ساٹھ سے زائد اس وقت آنحضرت صلعم کے قدموں میں آ چکے ہیں۔ یہ نومسلم کس پایہ کے اور کس علم و فضل سے آراستہ ہیں ان کے ذکر کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔ رسالہ ہذا میں جو ماہواری رپورٹ چھپتی ہے وہ ان امور کا آئینہ ہے۔ میں صرف اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ نومسلم اخوان میں بعض ایسے فاضل اور اہل قلم ہیں کہ جن پر کسی قوم یا سوسائٹی کو ناز ہو سکتا ہے۔ طبقہ امراء میں سے لارڈ ہیڈلے اور اسی طبقے کی دو معزز خاتونیں طبقۂ فضلاء میں سے۔ پروفیسر (ایجلی) پارکنسن ایف۔ جی۔ ایس پروفیسر (مصطفےٰ) (اردن) بی اونی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ پروفیسر (امین) وہیملٹ ڈاکٹر آف لٹریچر۔ پروفیسر نور الدین سٹیفن وغیرہ یہ لوگ وہ ہیں جو یورپ میں شہرت کے مالک ہیں۔ ان کے علاوہ اہل قلم میں سے مسٹر محمد صادق ڈڈلے رائٹ فوجی افسران میں بعض کپتان اور لفٹننٹ وغیرہ وغیرہ ہمیں اس تعداد پر چنداں ناز نہیں جس قدر اس تبدیلی و انقلاب کے لیے ہم تحدیث شکر ادا کرتے ہیں جو آج یورپ میں اسلام کو وہ اسلام نہیں جو پہلے تھا۔ آج اسلام ایک ناجیتا جاگتا۔ ذریعہ معقول حکیمانہ اور مدلل مذہب تسلیم ہو چکا ہے۔ وہ مذہب جسے ناواقفوں یا متعصبوں نے دنیا کے لیے لعنت سمجھا۔ وہ قریب ہے کہ کل مخلوق الٰہیہ کے لیے رحمت سمجھا جاوے۔

اگرچہ جو ترقی تعداد نومسلمین میں ہوئی وہ بھی کافی سے زیادہ اطمینان بخش ہے۔ لیکن در اصل اس تعداد کو کئی گنا تعداد تک پہنچا دینا اور تھوڑے عرصہ میں ہزاروں تک کی تعداد دیکھ لینا کوئی مشکل امر نہیں بشرطیکہ ہم کافی طور پر اسلام کی اشاعت کر سکیں۔ مغربی دنیا اس وقت اپنے مذہبی عقائد سے بیزار ہو کر ایک صحیح مذہب کی تلاش کر رہی ہے جس کے پاس صحیح اور سچا مذہب ہی آج زندہ اور قائم مذہب اس کی خالی دل ہو سکتی ہے۔ میں اس بات پر ایک معقول ایمان رکھتا ہوں

[illegible] کے متعلق [illegible] سوال

کہ جو مذہب میں نے قرآن کریم میں دیکھا اور آنحضرت صلعم سے ہم نے سیکھا ہے۔ وہی مذہب ہے جو مغربی دُنیا کا مذہب ہوگا۔ ہاں یہ سب کچھ ہماری کوشش پر منحصر ہے +

میں نے یہ مختلف مواقع پر بیان کیا ہے کہ اشاعت مذہب کا بہترین طریق مغربی دنیا میں اسلامی لٹریچر کو پھیلانا۔ اور اُس کے ساتھ ایک مرکز قایم کرکے نومسلمین یا مستفسرین و متفحصین کو اسلامی زندگی دیکھنے کا موقعہ دینا۔ اور اس کے ساتھ موقع بموقع تقریر و لکچروں سے بھی امداد کرنا اس امر کے لیئے ہم نے اسلامک ریویو شایع کیا۔ اور یہ کوشش کی کہ جہاں تک ہمارے ذرایع اجازت دیں ہم اسے یورپ اور امریکہ میں مفت تقسیم کریں۔ یورپ میں ایسے ذرایع آسانی سے مہیا ہو جاتے ہیں کہ ہم اپنے لٹریچر کو ہزاروں تک کی تعداد میں اُن لوگوں کے پاس پہنچا سکتے ہیں جو واقعی مذہب سے دلچسپی رکھتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ہم یہ سرمایہ کہاں سے لا دیں کاش مسلمان اپنے مقابل غیر مسلموں کی تبلیغی کوششوں پر توجہ کریں۔ کیا وہ ڈھائی ہزار رسالہ کا مفت تقسیم کر دینا اُس لٹریچر کے مقابل کسی شمار و قطار میں ہے جو پادری لوگ ایک سمندر کی طرح دنیا میں پھیلا رہے ہیں۔ کیا اگر اس قدر قلیل مقدار یہ نتایج مرتب کر سکتی ہے تو پھر اگر ہمارا رسالہ مثلاً دس ہزار تک ماہوار مفت تقسیم ہو تو پھر کیا کچھ ہو سکتا ہے۔ یہی ایک غرض تھی جو مجھے انگلستان سے ہندوستان لائی۔ اللہ تعالےٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے اس قابل کر دیا تھا کہ میں قوم کے آگے اپنی محنت کے نتایج پیش کروں اور اُن کی خدمت میں عرض کروں کہ وہ اس کارخیر میں میرے ساتھ شریک ہوں۔ میں اگرچہ دو ڈھائی سال کی محنت شاقہ کے بعد ولایت سے واپس نومبر ۱۹۱۴ء میں ہندوستان آیا اور میں اس بات کا محتاج تھا کہ میں کچھ آرام کروں۔ لیکن وہ اخراجات ماہواری جو دو ہزار ماہوار کے قریب ۱۹۱۵ء کے شروع میں ہی پہنچ گئے تھے اُنھوں نے مجھے گھر بھی آرام لینے نہ دیا۔ مجھ سے جہاں تک ہو سکا میں پنجاب اور ہندوستان کے مختلف شہروں میں پھرا اور جس شہر میں جتنے دن رہا۔ قریب قریب ہر روز لوگوں کو خطاب کرتا رہا۔ جس سے میری صحت پر بھی بُرا اثر ہوا۔ لیکن میں نے اُس کی پرواہ نہ کی۔ اب چونکہ ووکنگ مشن کی روز افزوں کاروائیاں چاہتی ہیں کہ میں بہت جلد واپس چلا جاؤں۔ اور اگر اللہ تعالےٰ کو منظور ہوا تو چند ہفتوں کے اندر اندر میں ووکنگ میں پہنچ جاؤں گا۔ ایسے

میں نے پسند کیا کہ میں اپنی قوم کو ووکنگ کے حالات سے کسی قدر اطلاع دیتا جاؤں اور اس امداد سے بھی اطلاع دوں جو مجھے سال ۱۹۱۵ء میں میری تحریک پر ہوئی۔

میں اپنے مسلم بھائیوں کا جس قدر شکریہ ادا کروں تھوڑا ہے۔ میں جہاں گیا اور جس جگہ گیا میری وہ عزت و تکریم کی گئی کہ جس کا میں ذاتی طور پر مستحق نہ تھا۔ دراصل اس گئے گزرے زمانہ میں بھی مسلمانوں کو اسلام سے از حد محبت ہے وہ دل سے اشاعت اسلام کے گرویدہ و عاشق ہیں۔ انھوں نے مجھ میں ایک خادم اسلام اور عاشق اسلام کا رنگ دیکھا اس لیے انھوں نے مجھ سے ہر ایک قسم کا نیک سلوک کیا۔ خصوصاً وہ نیک سلوک جو مجھ سے مسلم والیان ریاستہائے ہندوستان نے کیا وہ میرے لیے خاص تشکر و امتنان کا موجب ہے۔ اعلیٰ حضرت حضور نظام دکن اعلیحضرت فرمانروائے بھوپال سر اعلیحضرت شیخ صاحب منگرول۔ ان بندگان عالی کا مجھے شاہی مہمان کے طور پر اپنی قلمرو میں رکھنا۔ اور پھر وہ سلوک مرعی رکھنا جو ایک شاہی مہمان سے ان کے ہاں ہوا کرتا ہے۔ یہ تو ان کے شاہی اخلاق کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ لیکن مختلف محل و مواقع پہ مجھے انکا خاص الخاص اشفاق کریمانہ کا مورد بنانا۔ یہ اس محبت کو ظاہر کرتا ہے جو عالیجناب ایسے عالیمرتبت مسلمان کا دل ایک خادم اسلام کے لیے اپنے پہلو میں محسوس کرتا ہے۔

میں یہ یقین کرتا ہوں کہ اگر جنگ کے ایام نہ ہوتے تو میرا یہ سفر بہت ہی بہتر نتائج مرتب کرتا۔ بہرحال جو کچھ ہوا وہ حالات موجودہ کے ماتحت میری امیدوں سے زیادہ ہوا۔ اس موقعہ پہ میں گورنمنٹ عالیہ کا بھی تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس پر آشوب زمانہ میں میرا کل شمالی ہندوستان میں سفر کرنا اور ہر ایک امن و آسائش کا حاصل کرنا جن اغراض کے لیے میں نے یہ سفر کیا ان اغراض کے ظاہر کرنے کے لئے پبلک لیکچروں کو بے روک ٹوک کرنا۔ بلکہ بعض مواقع پر خود علانیہ اعلیٰ مقامی افسروں کا میری امداد کرنا اور مجھے ہر طرح اپنی عنایات سے مرہون منت بنانا یہ اس دریا دلی کا ثبوت دیتا ہے جو اس گورنمنٹ عالیہ کا خاصہ ہے۔ اور جس کے لیے ہر ایک شخص کو ایسی گورنمنٹ کا شکرگذار ہونا چاہیئے۔

میں اس موقع پر اس سال کی آمد و خرچ سے اپنے معاونین کو اطلاع دینا چاہتا ہوں۔ یہ امر کئی دفعہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ہمارے مشن کے خرچ کی مدات تین قسم کی ہیں۔ اوّل اسلامک ریویو اور

ایساہی دوسرا اسلامی لٹریچر مفت تقسیم کرنا۔ دوم۔ ہر اتوار کے دن شمولیت وعظ کے لیئے چند مہمانوں کا ووکنگ میں باہر سے آنا اور ایساہی نومسلم ساکنین ووکنگ کو اپنے ہاں دوپہر کے کھانے اور سہ پہر کی پیالہ پر مہمان کرنا اور ایساہی جس قدر نومسلموں کو اسلام سیکھنے کے لیئے باہر سے ہمارے ہاں آنا یا بعض مستفسرین کا ہمارے ہاں ٹھہرنا اور ان کا تعہد بطور مہمان اسلامی طریق پہ کرنا۔ سوم۔ اخراجات متفرقات جس میں لندن یا دوسرے مقام پر علاوہ جمعہ کے وعظ و لکچر کے لیئے جانا اور مسجد ووکنگ کے متعلقہ اخراجات بڑی بھاری مدات خرچ کی پہلی دو ہیں یعنی مفت تقسیم رسالہ اسلامک ریویو اور لنگر خانہ۔ انھیں دو مدات کو علے الخصوص سامنے رکھکر معاونین مشن سے امداد کی درخواست کی گئی ہے حصول امداد کو سہل ترین بنانے کیلیئے میں نے یہ مناسب سمجھا ہے کہ اسلامک ریویو کی خریداری بہت بڑھادیجاوے۔ جس قدر اسکے خریدار زیادہ بڑھیں گے اسی قدر اسکے منافعہ کا کثیر حصہ اس کار خیر پر خرچ ہوگا۔ اسی غرض سے میں نے اسلامک ریویو کا ترجمہ اردو میں شائع کرنا شروع ہے اور اس کی قیمت ۳ سالانہ رکھدی ہے۔ کہ تاکہ اس کے منافعہ کا زیادہ حصہ بھی اس مشن پر خرچ ہو +

اسی طرح مفت تقسیم رسالہ اسلامک ریویو کی بھی دو صورتیں میرے سامنے رہی ہیں۔ ایک تو عام طور پر برادران اسلام کو مفت تقسیم رسالہ کے لیئے کہا گیا ہے کہ وہ یہ رسالہ خرید کر ہمیں مفت تقسیم کرنے کی اجازت دیں۔ یہ اپیل بھی خالی نہیں گئی۔ اور آگے چل کر معلوم ہوگا کہ ایک کافی رقم اس کی تقسیم کے لیئے ہم نے وصول کی +

اب میں ذیل میں آمد و خرچ کا ایک نقشہ بھی دیدیتا ہوں۔ آمد کی طرف جس قدر رقوم بطور امداد امسال وصول ہوئیں۔ ان سب کی ایک فہرست بھی میں نے رجسٹر آمد سے بنواکر اس تحریر کے ساتھ شامل کردی ہے۔ ممکن ہے کہ قارئین کرام میں سے کسی کے لیئے تحریص امداد کا موجب ہو سکے نیز معطی صاحبان بھی دیکھ سکتے ہیں۔ کہ جس قدر امداد انھوں نے کی وہ ان کی منشا کے مطابق ہی خرچ بھی ہوئی +۔ یہ نقشہ اور فہرست منسلکہ میں نے دفتر لاہور سے رجسٹرہائے آمد و خرچ سے بنوایا ہے۔ چندہ امداد میں ایسے خریدار بھی درج کر دیئے ہیں جنھوں نے قیمت دیکر رسالہ مفت تقسیم کرایا۔ خالص خریدار رسالہ جات میں نے ان کو قرار دیا جنھوں نے رسالہ اپنی ذات کے لیئے لیا۔

نقشہ آمد و خرچ

آمد	پائی - آنہ - روپیہ	خرچ	پائی - آنہ - روپیہ
قیمت از خریداران اسلامک ریویو و رسالہ اشاعت اسلام ...	۱۴۰۶۸-۱۰-۱	اسلامک ریویو و رسالہ اشاعت اسلام پر خرچ یہاں ہوا	۲۰۶۲-۱۵-۷
چندہ امدادی از حیدر آباد	۷۴۸۵-۰-۰	عملہ لاہور و انگلستان	۶۷۹۳-۴-۶
چندہ امدادی در ہندوستان	۶۷۷۲-۹-۰	سفر خرچ حیدر آباد و ہندوستان معہ تنخواہ ایک نفر اور ایک کلرک کے جو ہمراہ رہے	۱۱۸۲-۷-۹
قیمت کتب ام الالسنہ وغیرہ	۱۵۱-۶-۰	خرچ ام الالسنہ وغیرہ	۲۲۱-۱۵-۱
چندہ از صاحب معلومہ بحساب پچاس روپیہ ماہوار بابت مفت تقسیم اسلامک ریویو از اخیر مئی ۱۹۱۵ء لغایت دسمبر ۱۹۱۵ء	۳۰۶-۰-۰	واپسی رقوم بہ ڈاک خانہ و انجمن حمایہ اشاعت اسلام لاہور جو غلطی سے ووکنگ فنڈ میں جمع ہوئیں	۶۳-۲-۰
چندہ از جائے معلومہ بغرض تقسیم اسلامک ریویو	۹۶۷-۱۱-۱۱	واپسی قرضہ حسنہ	۲۰۰-۴-۰
وظیفہ خواجہ کمال الدین از جائے معلومہ بابت اٹھارہ ماہ از جولائی ۱۹۱۴ء لغایت دسمبر ۱۹۱۵ء	۱۸۰۰-۰-۰	متفرق	۳۸۲-۲-۲
		میزان بالا	۱۲۹۰۶-۳-۰
		رقوم جو وقتاً فوقتاً ولایت گئیں ...	۱۹۴۲۹-۱۲-۷
رخصتانہ از حضور نظام	۱۰۰۰-۰-۰	میزان	۳۲۳۳۵-۱۵-۷
		گرفتنی از ام الالسنہ	۷۰-۹-۰
سفر خرچ از انجمن ہائے مختلفہ	۲۵۷-۰-۰	بقایا بدست خود	۴۰۱-۱۲-۵
میزان کل	۳۲۸۰۸-۵-۰	میزان کل	۳۲۸۰۸-۵-۰

* ابتداء ۱۹۱۳ء میں میرے ایک عزیز دوست نے مجھے تیس پونڈ بطور امداد مشن اس شرط پر ولایت بھیجے تھے کہ اگر ووکنگ مشن میں کبھی آئندہ گنجائش ہو تو یہ رقم ان کو واپس کر دی جاوے سو ۱۹۱۵ء میں ۲۰۰ ان کو بھیجا گیا مع محصول ڈاک اور ۱۹۱۶ء میں آج تک ان کو ماہ فروری ۱۵ بھیجا گیا۔

ص۔ اس میں دو یا چار روپیہ کی کمی بیشی ہے مولوی صاحب کو بغرض تصحیح لکھا گیا۔ خواجہ کمال الدین

نقشہ بالا میں جو رقوم بطور امداد حیدرآباد اور دیگر علاقہ جات ہندوستان سے میںنے ان سفروں میں وصول کیں اس کی تقسیم کو معطی صاحبان نے میری انتفاع رائے پر چھوڑا تھا کہ جس نسبت سے چاہوں میں انہیں رسالہ انگریزی کی مفت تقسیم یا لنگر خانہ و دیگر ضروریات ووکنگ پر خرچ کروں۔ چنانچہ میںنے دفتر کو ابتدا میں یہی ہدایت دی کہ ان رقوم کو قریب قریب نصف نصف۔ ریویو انگریزی کی مد تقسیم میں اور لنگر خانہ وغیرہ میں دکھلا دیں۔ لیکن ان رقوم کی بعد از وضع خرچ تقسیم کس طریق پر ہوئی وہ ووکنگ کے خلاصہ حساب کے آنے پر بتلائی جا سکتی ہے۔ لاہور اور ووکنگ ہر دو جگہ باضابطہ حساب و کتاب رکھا جاتا ہے اور آمد و خرچ کی رقوم خواہ میری ذات سے تعلق رکھتی ہوں یا مشن سے ان کا اندراج کتابوں میں ہوتا ہے وہاں کا حساب شیخ نور احمد صاحب بلال کے ہاتھ میں ہے اور یہاں کا حساب کتاب منیجر دفتر رسالہ اشاعت اسلام کے ہاتھ میں ہے۔ میںنے شیخ صاحب کو لکھا ہے کہ وہ ۱۹۱۵ء کے آمد و خرچ کے حساب کا خلاصہ بھیج دیں۔ خصوصاً یہ کہ مختلف مدات میں کیا خرچ ہوا۔ ہاں میںنے اسی قدر حضرت مولانا صدر الدین صاحب کی خدمت میں عرض کر دی تھی کہ وہ امسال دو اور تین ہزار کے اندر اندر مفت تقسیم سالہ کر دیں۔ اس سال اخراجات لنگر خانہ بہت ہی بڑھ گئے۔ میں نے منشی نور احمد کو ایک دفعہ لکھا تھا کہ وہ تین یا چار ماہ کی تعداد مہمانوں سے ہمیں اطلاع دیں۔ چنانچہ گذشتہ جون سے آخر ستمبر تک دو ہزار آٹھ صد کے قریب مہمان آئے اور اس سے آئندہ دو ماہ میں ہزار سے زائد تھے۔ اگرچہ ان ایام میں دو عیدین بھی گذریں جنہیں ہزار کے لگ بھگ مہمان تھے۔ بہرحال جس طرح ضرورت پیدا ہوئی۔ ان دو مدات کے لئے روپیہ معطی صاحبان نے دیا خرچ کرنے کے لئے ولائیت بھیج دیا۔

ہاں ہم سے یہی ہو سکتا تھا کہ جس قدر روپیہ ہم وصول کریں وہ سب کا سب ضروری اخراجات کاٹ کر ولایت بھیجدیں۔ سو ایسا ہی کیا گیا۔ نقشہ آمد و خرچ میں دو باتیں قابل ملاحظہ ہیں اوّل جہاں تک اس مشن کا عملہ ہے اس نے پرلے درجے کے ایثار سے کام لیا۔ عملہ اس وقت حسب ذیل ہے:۔ ولایت میں مولانا مولوی صدر الدین صاحب۔ شیخ نور احمد صاحب بلال۔ ہندوستانی باورچی۔ ان کے علاوہ مولوی صاحب نے وقتاً فوقتاً اگر ولائیت میں کوئی اور رکھا اس کا خرچ نقشہ بالا میں نہیں دکھلایا گیا۔ ہندوستان میں۔ منیجر دفتر اسلامک ریویو اور اس کے ماتحت دو کلارک۔ ایک چپڑاسی۔ اور ایک دفتری جو ابتدا میں چند

ماہ بماہ ایک ایجنٹ بغرض تبلیغ و اشاعت اغراض مشن جو گذشتہ اکتوبر سے رکھا گیا اور میں خود۔ اتنے بڑے کام پر اس قدر قلیل عملہ اور پھر اس عملہ پر بھی صرف ساڑھے پانصد روپیہ ماہوار کا خرچ۔ یہ آج کل کے حالات کے ماتحت اسراف نہیں تو اور کیا ہے۔ ان مد عملہ پر جو میں نے خرچ دکھلایا ہے اس میں وہ رقم ماہواری بھی شامل ہے۔ جو میں اپنے ذاتی خرچ کے لیے لیتا ہوں لیکن اس کا بوجھ میں نے کسی قسم کے ڈونیشن یا زر امداد مشن پر نہیں ڈالا۔ میں نے اپنی ذات کا خرچ بحیثیت ایڈیٹر اسلامک ریویو صرف اسلامک ریویو پر کتب حساب میں ڈلوایا ہے۔ ایسا ہی کچھ رقم بطور امداد جو عملہ میں سے ایک خالص بیگ خان ہ مشن کو میں نے بطور قرض حسنہ دی ہے۔ وہ بھی میں نے اسلامک ریویو کی آمد میں سے دی ہے اور اس کا خرچ بھی اسلامک ریویو پر ڈالا ہے اس لیے کہ ان ہر دو رسالوں کے نفع نقصان کو میری ذات سے تعلق ہے۔ باقی اخراجات جو عملہ لاہور کے ہیں یا سفر خرچ یا اخراجات متفرقہ ہیں ان کا ½ اردو رسالہ پر ½ اسلامک ریویو پر اور ½ دیگر اغراض پر ڈال دیا ہے۔ اور جو عملہ ولایت یا واپس قرض حسنہ کی رقوم ہیں ان کو اسلامک ریویو اور دیگر اغراض پر نصف نصف ڈال دیا ہے۔

یہ امور محض آمد و خرچ کو حساب کتاب کے باضابطہ شکل میں رکھنے کے لیے کیئے گئے ہیں۔ ورنہ جو عمل ہوا ہے وہ تو یہ ہے کہ جو کچھ منافع ہر دو رسالجات کا ہوا یا جو رقم مجھے ذاتی طور پر بطور وظیفہ یا رخصتانہ بعض محسنوں سے ملی وہ سب کی سب میں نے آمد مشن میں ڈالدی ہے۔ میں آئندہ بھی اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے ایسا ہی کرنے کی توفیق دے۔

مسلم بھائیوں سے میری آخری اپیل

میں اب چند ہفتوں میں یہاں سے رخصت ہو کر ولایت جانے والا ہوں۔ دوران قیام ہندوستان میں نے ہر ایک قسم کا آرام چھوڑ کر مسلمان بھائیوں کو اس کار خیر کی اہمیت اور ضرورت سے آگاہ کیا۔ یہ مشن ایک حقیقت اور طاقت ہے۔ کوئی وہمی یا قیاسی امر نہیں۔ یہ مشن نظری حالات سے نکل کر واقعات اور عمل کا جامہ پہن چکا ہے۔ اس کے مفید اور یقینی طور پر کامیاب

ہو نہیں اب مشتبہ نہیں رہا۔ اس امر سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ خدا اور رسول کے احکام کے ماتحت ہمارے کل قومی کام ایک طرف اور یہ کام ایک طرف ہے۔ ہماری کل کی کل تحریکات پر اس مشن کو فوقیت ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اسلامی خیرات و زکوٰۃ کے مصرف پر کل دیگر خیراتی کاموں پر اسے ترجیح نہ دیں۔ نقشہ آمد سے ظاہر ہوتا ہے کہ چودہ ہزار کے قریب روپیہ محض بطور ڈونیشن مسلمانان ہند سے اس سال آیا اور اُس سے جس قدر بھاری کام ہوا۔ وہ ظاہر ہے کیا ۱۹۱۵ء میں جو تیس ہزار کا خرچ ہے اور جس کے مقابل کئی ہزار رسالہ اردو انگریزی بطور خریدار لوگوں کے گھروں میں بھی پہنچ چکا ہے۔ اس کے مقابل یہ کامیابی جو اس سال ہوئی وہ کچھ کم ہوئی ہے کہیں بھی اس کی نظیر دنیا بھر کی مذہبی تبلیغی کوششوں میں نظر نہیں آتی

لیکن اب جو میں ہندوستان سے چلا ہوں اور ممکن ہے کہ میری غیر حاضری میں بہت جلد کوئی ایسا قائمقام میرا نہ پیدا ہو سکے جو شہر بشہر پھر کر مسلم بھائیوں کو اُن کے فرض کی طرف متوجہ کرے۔ تو پھر کیا خود مسلم بھائی اپنے فرض کی طرف متوجہ نہ ہونگے۔

مسلمانو! خدارا جاگو۔ غفلت کو چھوڑ دو۔ اس وقت کو غنیمت سمجھو۔ اللہ تعالیٰ کے کام تو ہو کر رہیں گے۔ لیکن مبارک وہ ہے جو اس کام میں ہمارا ہاتھ بٹا دے۔ تمہارے مال جس دیانت اور احتیاط سے خرچ ہوئے ہیں وہ اس نقشہ سے تم پر ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور جس ایثار اور محبت سے کام کرنے والے لوگ تم کو مل گئے ہیں وہ بھی اس قحط الرجال میں شاذ و نادر کا معاملہ ہے خدا تعالیٰ ہی اس امر کا شاہد ہے کہ مجھے ایام وکالت کے مقابل دوگنا کام روزانہ کرنا پڑتا ہے اور جو کچھ میں نے بطور وجہ کفاف لیا وہ میری آمدنی وکالت سے جو ۱۹۱۲ء میں تھی کوئی نسبت ہی نہیں رکھتا لیکن یہ کسی پر احسان نہیں ان اجری الا علی اللہ کا خوش کن مقولہ ہی ہمارے لیئے راحت جان ہے۔ لیکن ہمارا ایثار کس کام آویگا۔ اگر ہمارے پاس اور سامان نہ ہوں۔ خدارا کچھ ایسا کام کرو۔ کہ یہ انگریزی رسالہ دس ہزار تک مُفت تقسیم ہو جاوے۔ اگر دس ہزار رسالہ تقسیم کرنے کے سامان کر دو۔ تو پھر اس کے منافع سے ہی دیگر اخراجات ووکنگ چل نکلیں گے۔

بیت شروع سال ۱۹۱۵ء میں آپ کو مخاطب کیا اور اردو رسالہ بھی اس لیئے شائع کیا کہ اسکے

منافع سے ووکنگ مشن چلے۔ اگر یہ رسالہ دس ہزار خریدا جا سکے تو میرے نزدیک موجودہ اخراجات کے لحاظ سے پورے اخراجات ووکنگ مشن کے نکل جاتے ہیں۔

اگرچہ یہ رسالہ میرا ہی شائع کردہ ہے۔ لیکن میری یہی غرض ہے کہ اس کے منافع سے اشاعت کے کام کو مدد کافی ملے۔ جیسے کہ گذشتہ سال کیا گیا۔ اس وقت اردو رسالہ کی تعداد اشاعت دو ہزار کے قریب ہے۔ اس اشاعت پر جو منافع ہوتا ہے وہ قطعاً مشن کے لئے کافی نہیں۔ اسی طرح انگریزی رسالہ کی اشاعت ابھی ڈیڑھ ہزار کے قریب ہے۔ یہ بھی بہت تھوڑی ہے میں یہ کہتا ہوں کہ اگر مسلمان بھائی صرف پانچ ہزار تک انگریزی اور دس ہزار تک اردو رسالے کو خرید لیں تو میں کسی اور امداد کا سر دست اُن سے مطالبہ نہیں کرتا۔ اور اگر مجھے خدا توفیق دے تو میں اس کے منافع کو اسی کام پر صرف کروں گا۔ ہاں جب تک یہ صورت نہو میں ان بزرگوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں جنھوں نے دریا دلی سے گذشتہ سال اپنے مالوں سے مجھے مدد دی وہ اب بھی دیں۔ یہ مال وہ بالفاظ قرآن کریم ایک تجارت پر لگاتے ہیں جسکا منافع جو آخرت کو بالفاظ ربی ملتا ہے وہ تو ضرور ملے گا لیکن اسکا منافع تو دم نقد مل رہا ہے۔

ذرا غور کرو۔ یہ رقوم امداد تو زیادہ تر مئی ۱۹۱۵ء سے پہلے پہلے مجھے وصول ہوئی تھیں۔ آج ابھی یہ ایک سال گذر گیا۔ فہرست سے ظاہر ہوگا کہ مئی ۱۹۱۵ء تک زیادہ حصہ امداد کا آپنے دیا۔ آج مئی ۱۹۱۶ء ہے اب بتلاؤ جو اس سال میں نتائج مرتب ہوئے وہ منافع کیا کچھ کم ہے۔ مسلمان بھائیوں خدا کے اس فضل کو دیکھو کہ جس غرض کے لیے جو کچھ تھوڑا بہت تم نے دیا وہ غرض پوری ہوگئی۔ پھر اسکے شکریہ میں کیا آپ کو مناسب نہیں کہ اور ہمت کرو۔ اس لیئے میں چاہتا ہوں کہ یہ مبارک مہینہ زکوٰۃ و خیرات کا ہے۔

تمہاری زکوٰۃ کا بہترین مصرف

ووکنگ مشن ہے۔ جیسا قرآن کریم کو کھولو وہ بھی نہیں یہی کہتا ہے۔ ہمارے مشن کی امداد کا ایک سہل طریق یہ ہے کہ تم ہمیں انگریزی رسالہ کی مفت تقسیم کے لیئے امداد دو۔ اپنی طرف سے متعدد رسالہ مفت تقسیم کراؤ۔ ایسا ہی لنگر خانہ کی امداد کا فکر کرو۔ ہاں ایک آسان طریق امداد کا یہ ہے کہ خود رسالہ اردو یا انگریزی خریدو اور دوستوں میں اس کی خریداری بڑھاؤ۔ گذشتہ سال میں

جناب دارشیخ صاحب قیمت کتب ۱۴ر
جناب یوسف خان صاحب .. //..... ۱۴ر
جناب مرزا امام علی بیگ صاحب .... عکر
ایچ عبداللہ خانصاحب ... قیمت کتب ۴ار
عبدالوحید صاحب اجمیر ...... //... ۶ر
جناب سید معزالدین صاحب ... //... ۱۵ر
صاحبزادہ جناب عبدالقیوم صاحب پشاور عه
جناب سید امیر حسن صاحب بنارس ..... عسه
جناب مرزا فیاض الدین صاحب // ..... عسه
// مرزا شمس الدین صاحب // ..... عسه
// رفیع الدین صاحب //...... عسه
// شاہ میر عالم صاحب //..... عسه
// عبدالواحد صاحب وکیل .. // ..... عسه
// ضیاء الدین صاحب انسپکٹر پوسٹ آفس ... صر
رقوم ذیل معرفت جناب ڈاکٹر غلام محمد صاحب ٹنگو :-
جناب صوفی ظفر حسین صاحب ...... عسه
// عالمگیر خان صاحب .... عسه
// سید مومن صاحب .... عسه
// خان روشن دین خانصاحب ... عسه
// محمد حیات خان صاحب ...... عسه
// منشی امیر حسین صاحب .... للعه
// منشی عبدالواحد صاحب .... سےر
// منشی نصیر الدین صاحب ...... عکر
// راجہ ولی محمد خانصاحب .... عکر
// خان باز گل خان صاحب .... عکر
تفصیل رقوم از چھاونی بنوں

جناب بابو مولا بخش صاحب پوسٹ ماسٹر بنوں عسه
// منشی مہر بخش صاحب .... // اعه ر
// غلام حسین صاحب ٹیلر ماسٹر ...... // اعه ر
// محمد رمضان خانصاحب // ..... // صر
// عبداللہ خان صاحب // ...... // صر
// شیخ لاٹ صاحب // .... // للعه ر
// نبی بخش صاحب ٹیلر ماسٹر .... // صر
// فیروز الدین صاحب // .... // عه
// علی بخش صاحب // .... // عه
// نور محمد صاحب // .... // عه
// زمان شاہ صاحب // .... // ۱۰ر
// مولا بخش صاحب // .... // عه
// نور مصطفیٰ صاحب // .... // ۴ر
// زمان علی صاحب // .... // عهر
// ننھو صاحب // .... // ۸ر
// جمال الدین صاحب // .... // ۴ر
// اللہ دتا صاحب // .... // ۴ر
// غلام غوث صاحب .... // عهر
// فضل الٰہی صاحب .... // ۸ر
// غلام محمد صاحب .... // صر
// گل ستار خانصاحب .... // ۲ر
// محبوب اللہ خانصاحب .... // ۸ر
// نور محمد صاحب .... // ۸ر
// محمد الدین صاحب .... // ۴ر
// مسٹر عبدالعزیز صاحب ...... // اعه
// رمضان خانصاحب بصرہ ۸ر

جناب امیر حسن صاحب پٹنہ ۸ر
״ مولوی محمد یعقوب صاحب [illegible]
״ خواجہ بشیر الدین صاحب عہ ر
״ . . . .
جناب حبیب النبی صاحب کلکتہ ۱۲ر
جناب محمد شفیع صاحب قانونگو بذریعہ محمد زکریا صاحب
مسٹر تاج الدین صاحب ڈپٹی کلکٹر صہ
جناب محمد اصغر صاحب وکیل کیمبل پور عہ
جناب عبد الحمید صاحب پشاور ۸ر
جناب حکیم احمد حسین صاحب گیا عہ ۴ر
جناب خواجہ بشیر الدین صاحب عہ
معلوم الاسم قیمت کھال از حیدرآباد عہ
جناب محمد صغیر صاحب ۶ر
جناب محمد منظور الٰہی صاحب لاہور احمدیہ بلڈنگس عہ ۲ر
بابت ام الالسنہ للعہ ۸ر
جناب سیف الرحمٰن صاحب پشاور ۶ر
جناب الف دین صاحب وکیل کیمبل پور عہ ۹ر
بنت صفدر جنگ صاحب امرتسر عہ ۶ر
محمد اسماعیل صاحب عہ ۱۲ر
جناب مولوی عزیز بخش صاحب ۱۲ر
״ عبد الرحیم صاحب پشاور ۱۴ر
״ محمد یٰسین صاحب مظفر گڈھ ۱۵ر
״ محمد احمد صاحب کانپور عہ ۳ر
״ محمد حامد اللہ صاحب دہلی عہ ۱۴ر
״ فضل الرحمٰن صاحب کانپور عہ ۱۲ر
״ امتیاز علی صاحب فیض آباد عہ ۱۴ر

جناب عبد المجید صاحب کانپور قیمت کتب ۱۲ر
״ ایم عبد الکریم صاحب پنڈی
״ محمد ضامن علی صاحب لکھنؤ ״
״ مسٹر سیگو ۶ر
״ نصرت علی صاحب لکھنؤ قیمت کتب ۱۴ر
״ عبد الرؤف صاحب ״ ۱۵ر
״ احسان اللہ صاحب بٹالہ ״ عہ ۱۲ر
״ شمس الدین صاحب جونپور ״ عہ ۱۲ر
״ ولی محمد صاحب بنارس ״ ۱۰ر
״ محمد خالق صاحب فیض آباد ״ ۱۴ر
״ رحیم بخش صاحب ״ ۱۴ر
״ شیخ امیر الدین صاحب ״ ۱۴ر
״ محمد شفیع صاحب ״ ۱۲ر
״ محمد زکریا صاحب مہاراج گنج ״ ۱۲ر
״ نظام الدین صاحب جونپور ״ ۱۰ر
״ عثمان احمد صاحب ״ ۱۲ر
״ محمد حفیظ اللہ صاحب بنارس ״ عہ ۱۴ر
״ محمد دستگیر صاحب میسور ״ ۱۵ر
״ عزیز الدین صاحب مدراس ״
״ ابو عبد الرحمٰن صاحب اودنی ״ ۱۲ر
״ محمد حسین صاحب مدراس ״ ۱۰ر
״ محمد نصیر اللہ صاحب ״ ۱۴ر
״ شمس الدین صاحب بنارس ״ ۱۵ر
״ ایم ایم ڈاکٹر خان صاحب ڈھاکہ ״ عہ ۴ر
״ محمد یار شاہ صاحب مدراس للعہ ۱۲ر
جناب ایم حفیظ اللہ صاحب کلکتہ ۸ر

جناب عبد القادر صاحب میسور صہ/
" عبد المحمود صاحب بنگال قیمت کتب [illegible]
" شاہ محمد صاحب " [illegible]
" میر حسن صاحب ٹمکور [illegible]
" بشیر احمد الدین صاحب احمد علیگڈھ " عہ/
" ایم جان صاحب ۔ پنڈی " ۱۵/
" محمد یعقوب صاحب مراد آباد " ۱۴/
" عبد المجید صاحب بہدود کنگ صہ/
" تاج الدین صاحب ڈپٹی کلکٹر ڈھون گنڈل للہ

جناب محمد راحت اللہ صاحب گورکھپور [illegible]
" محمد شریف صاحب قیمت کتب ۱۴/
واپسی رقم " ۱۴/
جناب سید عبد العزیز صاحب بنگلور [illegible]
" فضل الرحمن صاحب " [illegible]
" نور محمد صاحب ۔ کولمبو " [illegible]

سفر خرچ از انجمن جوبلپور [illegible] از انجمن [illegible]
از انجمن پرتاپگڈھ [illegible] ۔ از انجمن فرخ آباد [illegible]
میزان [illegible] بقلم خواجہ عبد الغنی منیجر دہیرلی، لندن انگلینڈ

یہ فہرست اُس امداد کی ہے جو اسلام سے درد رکھنے والے اصحاب نے اس مشن کیلئی جو امداد حیدرآباد کے علاوہ ہمدرد اصحاب نے کی وہ اگلے صفحہ پر درج ہے ہر دو امداد میں کثرت سے وہ رقوم ہیں جو خالص مفت اشاعت ریویو کے لیئے مجھے موصول ہوئیں ۔ میرے نزدیک نصف اور پلہ کے درمیان رقمیں اسلامک ریویو کی ہیں ۔ جیسے کہ رجسٹر آمد سے اندازہ ہوتا ہے ۔ لیکن اس سال بینہ دیگر اخراجات اور ٹائپنگ بڑھتے دیکھکر ہر ایک قسم کی امداد کو ایک جگہہ فہرستہا مندرجہ میں جمع کرا دیا ہے ۔ اور بقیہ کو قیمت خریداری رسالجات میں رکھا ہے ہاں زر امداد میں سے بعض کتب کی قیمت ڈیڑھ صد روپیہ کے قریب اور صرف اُس قدر رسالجات اردو انگریزی کی قیمت منہا کرکے جو بعض مفلس صاحبان کی خدمت میں جاتے ہیں ۔ اور جو کچھ سات صد روپیہ ہوگی باقی کل کی کل آمد زر امداد میں دکھلا دی ہے اور جو چودہ ہزار سے اوپر ہوتی ہے ۔ ہاں میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ اگر رسالجات کی آمد و خرچ کا حساب الگ الگ کیا جاوے ۔ اور منافع نکالا جاوے تو پھر یہ آسانی سے بتلا سکتا ہوں کہ چار پانچہزار کے درمیان رقم اس مشن کو انگریزی اردو رسالہ کے فنڈ سے ملی ہے ۔ اور اس امر کے لیئے میں خدا تعالیٰ کا ہی لاکھ لاکھ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اُس نے مجھے ایسا کرنے کی توفیق دی اور میں نہایت عجز و الحاح سے جناب باری میں دعا کرتا ہوں کہ وہ آئندہ بھی مجھے ایسا کرنیکی توفیق دے کہ میں ان رسالجات کے منافع کو اس کام پر لگا دیا کروں اور خدا وہ دن بھی مجھ پر لاوے کہ میں ان رسالجات کی ایڈیٹری کا بھی معاوضہ نہ لوں اور ان کی کل کی کل آمد اس مشن کی نذر کروں آمین

نام	رقم
نواب مرزا فرمان علی صاحب	[illegible]
مولوی میر احمد علی صاحب	ما ر
مولوی حامد حسین صاحب	[illegible]
ڈاکٹر عبد الحی صاحب	[illegible]
مولوی غلام محمد صاحب تعلقہ دار	[illegible]
مولوی قاسم الدین صاحب	[illegible]
مولوی غلام محی الدین صاحب	[illegible]
نواب سردار یار جنگ بہادر	[illegible]
نواب نظر جنگ بہادر	[illegible]
مولوی غلام قادر صاحب گرامی	[illegible]
مولوی سید احمد صاحب محاسب صدر	[illegible]
میزان للعام صہ بہ سکہ انگریزی	[illegible]
بہ تفصیل ذیل :- منی آرڈر	[illegible]
فیس منی آرڈر	[illegible]
بہ قبضہ کاتب	[illegible]

کتب مذکور سے اور چندہ بھی ۱۹۱۶ء میں وصول ہوا جو اس حساب ۱۹۱۵ء میں شامل نہیں کیا لیکن اس کی تفصیل یہاں دیجاتی ہے۔

بار چہارم بماہ فروری ۱۹۱۶ء بہ سکہ انگریزی [illegible]

بہ تفصیل ذیل :- مولوی سید زین العابدین صاحب بلگرامی .... ما ر

نام	رقم
مولوی میر فیض الرحمن صاحب بلگرامی	[illegible]
مولوی سید محمد محسن صاحب ؍؍	[illegible]
مولوی ابو محمد صاحب	[illegible]
مولوی خواجہ شجاعت اللہ صاحب	[illegible]
بجنسہٖ از بار سوم میزان	[illegible]
جو بہ سکہ انگریزی	[illegible]
منی آرڈر	[illegible]
فیس منی آرڈر	[illegible]
بہ قبضہ کاتب	[illegible]

رقم حیدر آباد میں سے صرف ان رسالجات اردو و انگریزی کی قیمت جو بعض عطا کنندگان امداد کے نام جاتے ہیں اور اس فہرست میں بعض اصحاب کی تو قیمت رسالہ ہی ہے۔ منہا کر کے باقی کل رقم نقشہ بالا میں بمد امداد حیدر آباد دکھلا دی ہے۔ عالیجناب مہاراجہ سرکرشن صاحب بہادر نے علاوہ مالی امداد مشن کے ایک بیش بہا خلعت میری ذات کے لیے بھی عطا کی۔ اللہ تعالیٰ اُن کو جزا خیر دے۔ اعلیٰ حضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ کی طرف سے علاوہ ان اشفاق کریمانہ و مراحم خسروانہ کے جو انکشوں کے لیے میرے قیام حیدر آباد میں مجھ پر مبذول فرمائی۔ انھوں نے ایک ہزار روپیہ کلدار بطور رخصتانہ مجھے عنایت فرمایا۔ آپ نے خاص محل شاہی میں اپنے حضور میرا لکچر کرایا۔ اور لکچر سن کر اظہار خوشنودی میں دو صد روپیہ کلدار ماہواری کا منصب میرے لیئے منظور فرمایا۔ جو تاریخ لکچر سے جاری ہوا۔ اور اس کا عملدرآمد ۱۹۱۶ء میں ہوا۔ اس موقعہ پر میں خصوصًا بزرگان حیدر آباد کا خاص طور پر شکرگذار ہوں۔ مجھے وہاں کے اصحاب میں ایک خاص زندگی ایک خاص محبت اسلام ایک خاص خلوص قومی وغیرہ نظر آیا۔ جیسے وہاں کی بعض خواتین کو اور علاقوں کے معززین سے بہتر پایا۔ ہر ایک وضیع و شریف نے میرے ساتھ جو سلوک کیا اس کا اجر اللہ تعالیٰ ہی ان کو دے۔ آمین ثم آمین ؎

کوئی طریق مراعات بزرگان حیدرآباد نے میرے ساتھ نہیں چھوڑا امداد کی رو سے بھی کل دیگر مسلم برادران ہند کے مقابل صرف ایک بلدہ حیدرآباد کے مسلمانوں نے نہایت دریا دلی سے اس مسلم مشن کی امداد کی۔ اگر ایک اس بلدہ کے بزرگ اس طرف توجہ کر لیں تو ووکنگ مشن بہت حد تک مالی مشکلات سے بچ جاتا ہے۔

مجھے اخیر میں علی الخصوص مسز سروجنی نائیڈو کا اس لیئے شکریہ ادا کرنا ہے۔ کہ آپ نے ایک غیر مسلم کی حیثیت میں میرے ساتھ ایک مسلم کا سا سلوک کیا۔ میرا کوئی ہی لیکچر ہوگا جس میں آپ موجود نہ تھیں۔ میرے مشن سے آپ کو از حد دلچسپی ہے۔ آپ نے اسکی مالی امداد کا بھی بوجہ احسن انتظام کیا۔ یہ آپ کی ہی تجویز تھی کہ ایک تھیٹر میں بذریعہ ٹکٹ کے میرا لیکچر ہوا جو از حد کامیاب ہوا۔ اس کی آمد جمع ہونے کے بعد ۱۹۱۶ء میں بذریعہ نواب ضدیو جنگ بہادر مجھے ملی جو ۱۹۱۶ء کے حساب میں درج کی گئی۔

حضرت مسیحؑ کا مذہب کیا تھا

عہد جدید میں بعض ایسی عبارتیں ہیں جن سے حضرت مسیح علیہ السلام کا مذہب صاف طور سے ظاہر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر میں یوحنا باب ۱۷ کا حوالہ پیش کرتا ہوں۔ جہاں اس مقدس معلم کے سخت اضطراب اور گہرے اندیشہ کا ذکر ہے جو آپ کو ایسے خطرناک دکھ اور مصیبت کے وارد ہونے پر لاحق ہوا۔ جناب مسیحؑ کو اپنی سلامتی کے اندیشہ سے اپنی مشن کے صحیح مفہوم کا فکر کسطرح کم نہ تھا۔ چنانچہ دیگر انبیاء کی طرح آپ نے بھی دین کی بنیاد کو تمام چیزوں پر مقدم رکھا جب موت آپ کی آنکھوں کے سامنے پھر رہی تھی۔ اس وقت آپ کے دل و دماغ میں کس چیز کا غلبہ تھا۔ ہاں اسی دین حقہ کا جس کی اشاعت کے واسطے آپ مامور کیئے گئے تھے۔ وہ تعلیم با صداقت ہے جسے آپ نے اپنی گرفتاری کے وقت اعلان فرمایا۔ "اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وے تجھ کو اکیلا سچا خدا اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں" ملاحظہ ہو یوحنا

کی انجیل باب ۱۷ آیت ۳ +

یہی ایک سچی تعلیم تھی اور یہی جناب مسیح علیہ السلام کا دین تھا۔ یہ آپ کو یقین تھا۔ اور اسی کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ کہ ہمیشہ کی زندگی خدا تعالےٰ کے سچے تصور کا نام ہے۔ اور اسی سے اعمال صالح کا ظہور ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ نے ”واحد سچے خدا کے علم“ کو ”ہمیشہ کی زندگی“ سے مطابقت دی ہے۔ کیونکہ اول الذکر موخر الذکر کے لئے لازمی ہے۔ الغرض مسئلہ توحید باریتعالیٰ پر آپ نے سخت زور دیا ہے۔ ہمیشہ کی زندگی یعنی اس دنیا اور آئندہ کی راحت و آرام کی زندگی روح کی ایک آرزو ہوتی ہے۔ اور اس وقت جب جناب مسیح نے یہ سمجھا کہ اب میرا وقت قریب آگیا تو آپ نے اپنے لوگوں کو واضح طور سے بتلا دیا کہ کسطرح ہمیشہ کی زندگی حاصل ہو سکتی ہے۔ آپ نے صاف اور بین الفاظ میں بتلایا کہ اکیلے سچے خدا پر ایمان رکھنا چاہیئے۔

اسی باب کی سترھویں آیت میں مذکور ہے ”انھیں اپنی سچائی سے پاک کر۔ تیرا کلام سچائی ہے“ پھر چھبیسویں آیت میں اس طرح آیا ہے ”اور میں نے تیرا نام اُن پر ظاہر کیا۔ اور ظاہر کرونگا تاکہ وہ پیار جس سے تو نے مجھسے پیار کیا ہے ان میں ہو اور میں اُن میں ہوں چھٹی آیت میں بھی لکھا ہے کہ ”میں نے تیرے نام کو اُن آدمیوں پر ظاہر کیا ہے“ متی اور لوقا نے بھی اُسی تعلیم کو جناب مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس سوال پر کہ ”اے اُستاد شرع میں بڑا حکم کون سا ہے“ مندرجہ ذیل اہم جواب دیا گیا ہے۔

”یسوع نے اُس سے کہا خداوند کو جو تیرا خدا ہے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری سمجھ سے پیار کر۔ پہلا اور بڑا حکم یہی ہے۔ اور دوسرا اُس کے مانند ہے۔ کہ تو اپنے پڑوسی کو ایسا پیار کر جیسا آپ کو۔ انھیں دو احکام پر ساری شرع اور سب انبیاء کی باتیں موقوف ہیں“ (متی باب ۲۲ آیت ۳۷ تا ۴۰) +

یہ تعلیم جو صاف اور پر زور الفاظ میں پیش کی گئی ہے۔ ہمہ اقسام کے مشرکانہ خیالات اور مسئلہ تثلیث کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔ اگر ہم واحد خدا کی اپنی ساری دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری سمجھ سے عبادت کریں تو پھر کسی دوسرے معبود کی گنجائش نہیں رہتی۔ علاوہ ازیں صداقت قطعی اور عام ہے۔ الغرض تمام انبیاء نے صداقت کے علاوہ کچھ بھی تعلیم نہیں کی۔ اب

اس امر سے کہ جناب مسیح کی وہی تعلیمات تھیں جو دیگر انبیاء نے دیں۔ آپ کی مشن کی صداقت کا ثبوت ملتا ہے۔ جو طرز دلیل آپ نے اختیار کی۔ اس سے صرف یہی ثابت کرنا مقصود نہ تھا۔ کہ جملہ انبیاء کی بعثت کا مدعا توحید الٰہی تھا۔ بلکہ آپ نے یہ بھی بتلانا چاہا کہ بقول یہود آپ مکار نہ تھے بلکہ آپ ایک سچے رسول تھے۔ خدا تعالیٰ کی توحید کا اعلان کرنے کے بعد جناب مسیح نے اپنے نام کے ساتھ الفاظ "جسے تو نے بھیجا ہے" لگا دیئے تاکہ پیرووں کو یہ معلوم ہو کہ آپ خدا تعالیٰ کے ایک رسول تھے نہ معبود۔ ہندوستان میں کرشن اور رامچندر خدا مانے جاتے ہیں نہ کہ خدا کے بیٹے بدھ بھی ایک معصوم ذات سمجھا جاتا ہے۔

بدقسمتی سے جناب مسیح کے پیرووں نے بھی آپ کی آخری ہدایات کو ترک کر کے آپ کو معبود بنا لیا اُن کے اس فعل پر آپ کی روح کو کس قدر صدمہ پہنچتا ہوگا۔ کیونکہ آپ نے اس بات کا اعلان کرنے کے لیے کہ میں خدا کا ایک رسول ہوں کس قدر تکلیفیں اور مصائب برداشت کئے۔ بہر حال جو کچھ پیرو کر رہے ہیں آپ اُس سے بری الذمہ ہیں۔ کیونکہ آپ نے اپنا کام بحسن و خوبی انجام دیدیا۔ غالباً آپکو پہلے سے یہ گمان تھا کہ آپ کے پیرو اصلیت سے دور جا پڑیں گے کیونکہ آپ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے "جب تک کہ میں اُن کے ساتھ دنیا میں تھا۔ تب تک میں نے تیرے نام سے ان کی حفاظت کی" (یوحنا باب ۱۷ آیت ۱۲)۔ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح کو خوش کرنے کا اب صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جو تعلیم آپ نے دی اُس پر ایمان قائم ہو۔ چنانچہ یوحنا باب ۱۷ آیت ۳ میں مرقوم ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سوائے اللہ کے اور کوئی معبود نہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام اسکے ایک رسول ہیں۔

اسی قسم کی تعلیم حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دی یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ آنحضرت صلعم نے غلطی ہو جانے کی کوئی بھی گنجائش نہیں رکھی اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو اسلام کا جوہر کہہ دیا۔ جسے روزمرہ ایک مسلم بچہ۔ مرد۔ عورت۔ اعلیٰ ادنیٰ۔ مشرقی مغربی ورد کرتا رہتا ہے۔ اور یہ کلمہ ہمیشہ یاد دلاتا ہے کہ آنحضرت صلعم کی پرستش ہرگز نہ کی جائے۔ بلکہ آپ کو خدا تعالیٰ کا رسول سمجھنا چاہئیے اور صرف واحد خدا کی عبادت کرنی چاہئیے جس کی تعلیم صرف آنحضرت صلعم ہی نے نہیں دی بلکہ تمام انبیاء نے دی۔

کون قسم بواسیر اچھا ہے اور کون برا؟

یاد رکھیے کہ جو مسے پچھلی طرف پاخانہ کے راستہ میں ہوں وہ کم تکلیف دیتے ہیں اور جو مسے اگلی طرف ہوں یعنی عضو تناسل کے نیچے ہوں۔ وہ خراب قسم ہے کیونکہ درد سے پیشاب میں سوزش ہو جایا کرتی ہے اور پیشاب رک رک کر آیا کرتا ہے

جو لوگ صرف مسوں کو کٹوا کر خوش ہوتے ہیں کہ بواسیر سے عمر بھر کے لئے بچ جائیں گے وہ غلطی پر ہیں جب تک کہ اندرونی علاج پر زور دے کر اعضاء کی اصلاح نہ کی جائے یہ مرض جڑ سے نہیں جائے گا۔

پس اگر آپ بواسیر سے نجات چاہتے ہیں تو باصول علاج کریں جو تشریح کے مطابق ہے اور علم طب سے جس کے مفید ہونے کی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔

عمل و وظیفہ بواسیر اور اس کے عوارض سے بچنے کی تدبیر

یہ ہے کہ (۱) دائمی قبض کو دور کیا جائے (۲) جگر کے فعل کو درست کیا جائے (۳) معدہ کی خرابی سے جو فتور جگر و ہاضمہ میں ہو گیا ہو اس کی اصلاح کی جائے (۴) امعاء کے فعل کو جاذب اور اس کی حرکت دودی کو درست بنایا جائے (۵) خراش امعاء اور رکاوٹ امعاء کی درستی (۶) ان دواؤں اور غذاؤں سے اجتناب کیا جائے جن کا اثر امعاء میں خراش پیدا کیا کرتا ہے مثلاً گرم مصالحہ۔ بینگن۔ کریلا۔ سنا مکی (۷) اجتماع خون سے جو غدود وریدیں مجتمع ہو کر رستہ میں حارج ہیں ان کی رکاوٹ دور کی جائے اور وہ تحلیل ہو جاویں (۸) پاخانہ نرم آنے کی کوشش کی جائے کیونکہ سخت شدہ امعاء میں خراش کرتا ہے۔

بواسیر کا علاج جلد کرنا چاہیئے کیونکہ یہ شدید مرض ورنہ بہت سی بیماریاں حاضر ہونے کو تیار ہو گئی۔ اوّل تو جگہ شرمناک ہے اگر مرض زیادہ بڑھ گیا تو پھر لوگوں کو چوتڑ دکھاتے پھرنا کیسا قبیح امر ہے۔ دوم اس مقعد کا مرض اس لئے خراب ہوتا ہے کہ گزرگاہ فضلات ہے سوم یہ حصہ شدید الحس ہے چہارم یاد رہے کہ امعاء کی خرابی سے ۱۲ عارضے پیدا ہوتے ہیں (۱) بواسیر (۲) ریح البواسیر (۳) کثر البواسیر (۴) ناسور (۵) ورم مقعد (۶) شقاق (۷) استرخاء مقعد (۸) خروج مقعد (۹) حکہ مقعد (۱۰) قروح مقعد (۱۱) مقعد مثقوب (۱۲) نزف الدم۔ پس اگر آپ ان سب سے نجات چاہتے ہیں تو حکیم حاذق کا علاج کرائیے۔

بواسیر میں اکثر وہ لوگ مبتلا ہوتے ہیں جو عیش و عشرت میں زندگی بسر کرتے ہیں غذا کھا کر جماع کرنا۔ چھوٹی عمر کی بداعمالیاں۔ بلاضرورت مسہل لیتے رہنا۔ چوٹن کثرت سے کھانا۔ غذا کھا کر بیٹھ کر کام کرنا۔ اور جو مرغن غذا مثل پلاؤ، گوشت، قورمہ کھا کر ریاضت نہیں کرتے۔ ملک سندھ میں بوجہ کثرت یبوست و گرانی خون ایسے مولد و محرک ہیں علامات مندرجہ بطور پیشگوئی بواسیری کا چہرہ مخصوص رنگ کا ہوتا ہے۔ پیلا زردی مائل بہ سبزی۔ مقعد میں بوجھ۔ کبھی درد کبھی خارش۔ اور خونی میں خون دودھ کی دھار کی طرح آنا۔ پاخانہ کے ساتھ ملا ہوا نہ آنا۔

بے علم لوگوں کے علاج سے بچو اور ہماری حب دفع بواسیر فوراً منگا کر استعمال کرو۔ ان گولیوں سے بواسیر خونی و ریحی و بادی آہستہ آہستہ دور ہو جاتی ہے مسوں کی سوجن درد۔ جلن۔ پانی نکلنا بند ہو جاتا ہے۔ قیمت دو روپے۔ مسوں پر لگانے کی دوا جس سے درد سوزش زرد آب خارش دور ہوتی ہے قیمت فی پڑیہ آٹھ آنہ۔

حکیم ڈاکٹر حاجی غلام نبی زبدۃ الحکماء موچی دروازہ لاہور

معاونین اشاعت اسلام توجہ فرماویں

اس جنگ کے باعث جہاں اور چیزیں گراں ہوگئی ہیں۔ وہاں کاغذ کی قیمت آگے سے ڈیوڑھی سے بھی زیادہ ہے۔ ہم حیران ہیں کہ اب کیا کریں۔ قیمت رسالہ ہم بڑھا نہیں سکتے اور جس کاغذ پر خصوصاً پچھلے سال رسالہ چھپتا رہا ہے اس کی گنجائش نہیں۔ بہرحال ہم نے کوشش کی ہے کہ کاغذ سابق کے قریب قریب ہی لگایا جاوے۔ لیکن خطرہ یہ ہے کہ کاغذ دن بدن قیمت میں گراں ہوتا جاتا ہے۔ اور موجودہ حالات کے ماتحت گنجائش نہیں رہتی۔ ہم یہ تو نہیں چاہتے کہ رسالہ کی قیمت بڑھا دیں۔ ہاں معاونین سے درخواست ہے کہ وہ اپنے متعلقین میں اس رسالہ کی اشاعت بڑھانے کا انتظام فرماویں۔ اگر خریداری اس کی بڑھ جاوے۔ تو پھر اس کمی کاغذ کے نقص بھی آسانی سے دور ہوسکتے ہیں ❖

خرید کتب اور اشاعت اسلام کی اعانت

اشاعت اسلام بک ڈپو کی کتب آپ خرید کر صرف ایک بہترین مذہبی لٹریچر ہی حاصل نہیں کرتے۔ بلکہ آپ اشاعت اسلام کی بھی مدد کرتے ہیں۔ کیونکہ ان میں سے اکثر کتب کا منافع اشاعت اسلام پر ہی خرچ ہوتا ہے ❖

المشتہر

خواجہ عبد الغنی منیجر اشاعت اسلام عزیز منزل۔ نولکھا۔ لاہور احمدیہ بلڈنگس

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی-اے-ایل-ایل-بی) و مولوی صدر الدین (بی-اے-بی-ٹی)

جلد (۲)	بابت ماہ جون ۱۹۱۶ء	نمبر (۶)

فہرست مضامین

ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ مئی ۱۹۱۶ء

ماہ جون ۱۹۱۶ء
احمدیہ ... پریس

قیمت سالانہ تین روپے

اپنی نوعیت میں سب سے پہلی کتاب

یعنی

ام الالسنہ

معروف بہ زندہ و کامل الہامی زبان

اس نادر کتاب میں فاضل مصنّف نے یہ ثابت کیا ہے کہ عربی زبان نہ صرف کل دُنیا جہان کی زبانوں کی ماں ہی ہے۔ بلکہ یہ کہ یہ الہامی زبان بھی ہے۔ دلائیل بالکل فلالوجی (علم اللسان) کے اصولوں پہ دیئے ہیں یورپین ماہرین علم اللسان کے دلائیل پر فاضلانہ نکتہ چینی کی گئی ہے۔ پھر ایسے دِق مضمون کو نہائیت ہی دلچسپ اور سلیس زبان میں لکھا ہے قیمت صرف دس آنے جواب تخفیف کردہ ہے ... (۱۰ / ر) مجلد

اسوہ حسنہ

معروف بہ زندہ و کامل نبی

اس میں آنحضرت صلعم کا کامل نمونہ بحیثیت انسان کامل پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مقبولیّت عامہ حاصل کر چکی ہے اس کو پڑھ کر ماننے کے سوا چارہ نہیں رہتا۔ کہ محمد صلعم خاتم النبیین ہیں۔ اور اگر کوئی کامل نبی ہو سکتا ہے تو آپ کی ذات پاک ہی ہے اور آپکے بعد کوئی نبی نہیں آویگا۔

نوٹ:۔ محصول ڈاک وغیرہ بذمہ خریدار ہوگا * قیمت صرف ۴ / ر

پتہ

خواجہ عبد الغنی منیجر اشاعت اسلام۔ عزیز منزل۔ نولکھا لاہور

بیان القرآن حصہ سوم مصنفہ حضرت امیر جماعت مولانا مولوی محمد علی صاحب ایم اے بڑی تقطیع کے ۔ قیمت بہت تھوڑی رکھی ہے ... کاغذ عمدہ ۸ / ر علاوہ محصول

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی-اے-ایل-ایل-بی) و مولوی صدر الدین (بی-اے-بی-ٹی)

جلد (۲) | بابت ماہ جون ۱۹۱۶ء | نمبر (۶)

فہرست مضامین

ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ مئی ۱۹۱۶ء

احمدیہ ... پریس

قیمت سالانہ تین روپے

حسن خلق کا داعی - صدق و صفا کا مبلغ - راہنمائی حقیقت و آئین اصول کا زبان حال آرگن

ایک جدید روزانہ اخبار

الْعَصْر

جو ایسے ہاتھوں میں ہوگا کہ تمام مہمات امور میں ملک و قوم کی صحیح نیابت کرینگے اور راعی و رعایا کے تعلقات کو زیادہ خوشگوار بنائیں گے - یہ اخبار عنقریب شائع ہوگا اور اس کے مقاصد یہ ہیں :-

(۱) ہر ایک قسم کی مفید و سود مند و معنی خیز ساری دنیا کی اہم خبریں جن کی واقفیت اہل ہند کیلئے ضروری ہے بمعنی الوسیع سب سے زیادہ اور سب سے پہلے ناظرین کے روبرو پیش کرنا جنکی فراہمی کے لئے اس کے مخصوص و ممتاز وسائل و ذرایع ہوں گے -

(۲) دعوت حق و خدمت صدق - اہل ہند کو آئین و اصول کا خوگر بنانا کہ گوناگون وسائل عظمت سے یہ ملک بھی زیر سایہ برطانیہ آئینی طریق پر مستفید ہوتا رہے -

(۳) ترقی علم و عمل - (۴) ملک و قوم کی حقیقی نمایندگی و ترجمانی -

(۵) ظاہری و باطنی خوشحالی و ترقیات کی جائز کوشش - عام اخباری اغراض کی جامعیت - اور شخصیات سے بے طرفی و برأت -

دوسری اہم خصوصیات اس کی یہ ہوں گی :-

(الف) ہر ایک معاملہ پر نہایت سنجیدگی و متانت سے بحث کریگا -

(ب) ہر ایک طریق سے پبلک کی حقیقی رہنمائی کو پیش نظر رکھے گا -

(ج) ہر ایک امر میں ملک و قوم کی سچی خدمت گذاری پر ثابت قدم رہے گا -

(د) حفظ صحت کے متعلق بھی اس میں وقتاً فوقتاً مفید مضمون شایع ہوا کرینگے - انشاء اللہ تعالیٰ -

ایک ممتاز خصوصیت اس اخبار کی یہ بھی ہوگی کہ صنف لطیف کا بھی یہ آرگن ہوگا - یعنی اس کے ہر نمبر میں شریف مستورات کے متعلق ایسے تابناک جواہر ریزے ہوا کریں گے جن کی معنوی درخشندگی خاص طور پر ولولہ انگیز علم و عمل ہوگی -

شرح چندہ

سالانہ	۱۲
ششماہی	[illegible]
سہ ماہی	[illegible]
ماہوار	[illegible]
فی پرچہ	[illegible]

مینجر العصر براندرتھ روڈ لاہور سے فوراً درخواست کیجئے

Yours in Allah, Dudley Wright.
Mohammad Sadiq.
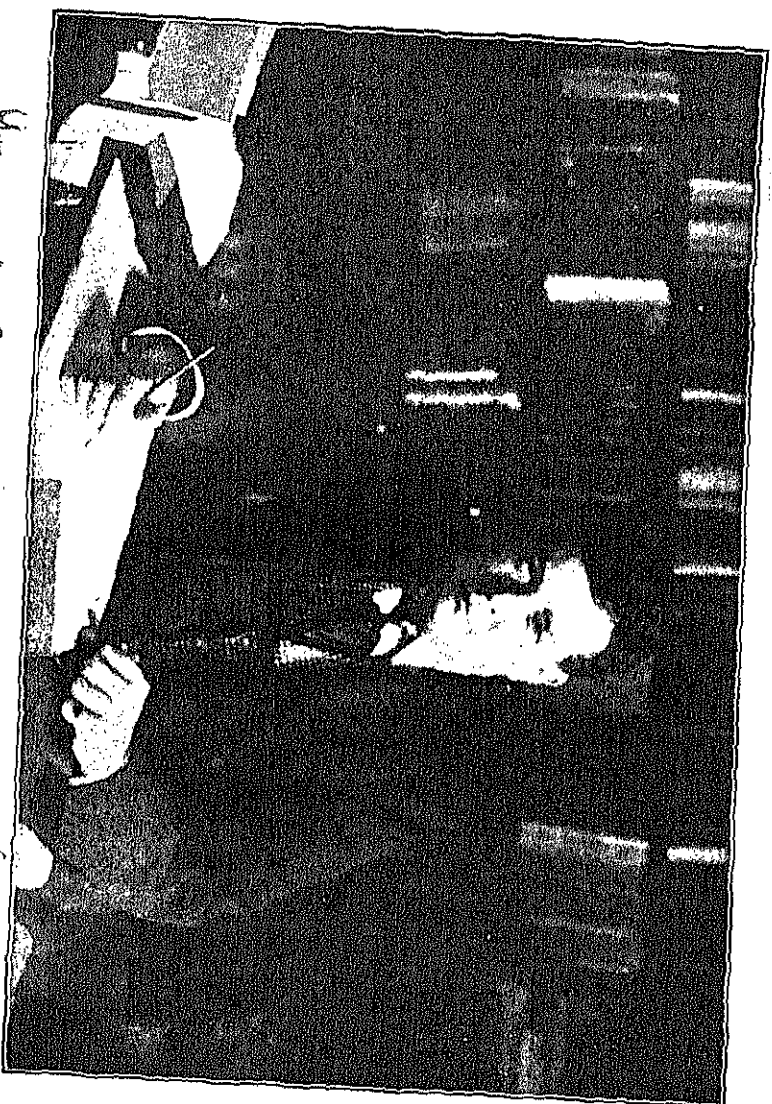
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علےٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو و مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۲) - بابت ماہ جون ۱۹۱۶ء - نمبر (۶)

شذرات

اس رسالہ کے ساتھ جو تصویر شایع ہوتی ہے وہ مسٹر ڈڈلے رایٹ مشہور اخبار نویس کی ہے جس کا اسلامی نام محمد صادق ہے۔ انھوں نے گذشتہ عید سے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ اور انھی ایام میں اس کے بعض مضامین عید کے متعلق مختلف اسلامی اخبارونمیں نکلے تھے۔

ووکنگ مشن اس ماہ میں پھر خدا کے فضل سے ایک عمدہ تعداد نو مسلمین کے اضافہ کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔ یعنی یکم اپریل سے ۲۷ر اپریل تک چھ نئے ممبروں کا نام رجسٹر میں داخل ہوا۔ جن میں سے ایک پرانے مسلمان ہیں اور باقی پانچ معزز انگریز ہیں جنھوں نے اس ماہ میں اسلام قبول کیا۔ جن میں سے ایک خاتون اور چار مرد ہیں۔ یہ خاتون آنریبل مسز ایچ گفورڈ ہیں۔ جن کا اسلامی نام حمیدہ بیگم رکھا گیا۔ ان کے اسلام کے متعلق پچھلے ماہ کے رسالہ میں مفصّل اور دلچسپ رپورٹ قدوائی صاحب کی قلم سے شائع ہو چکی + ایک اور صاحب جنھوں نے اس ماہ میں اسلام کا اعلان کیا ہے مسٹر سیکسبی ہیں۔ جو

ایک نومسلم خاتون مسز امینہ سیکسبی کے خاوند ہیں۔ یہ خاتون اشاعت اسلام کے لیئے خاص درد رکھتی ہیں۔ اور سات آٹھ ماہ سے مسلمان ہوچکی ہیں۔ انہی کے اخلاص اور جوش کو دیکھ کر اور ان کے وجود میں اسلامی خوبیوں کا عملی نمونہ دیکھ کر خود مسٹر سیکسبی نے بھی ۱۲ اپریل کو نماز جمعہ میں اسلام کا اعلان کیا۔

مگر یہ امینہ کے جوش تبلیغ کا ہی نتیجہ دو اور اشخاص کا اعلان اسلام تھا جو اسی جمعہ کو ہؤا اور اس طرح پر گڈ فرائیڈے اسلام کے لیئے ایک مبارک جمعہ ثابت ہؤا۔ ان دونوں اشخاص کو مسز سیکسبی امینہ نے بذریعہ خط وکتابت تبلیغ کی۔ یہ دونوں فوجی آدمی ہیں اور جمعہ کے روز اُن کے تحریری اعلان تمام مجمع میں پڑھے گئے۔ ان میں سے ایک صاحب کا نام بشیر اور دوسرے کا نام عزیز رکھا گیا۔ اور مسٹر سیکسبی کا نام امین تجویز کیا گیا +

ایک صاحب جو فوج میں کپتان ہیں وہ بھی اسلام کا اعلان کرچکے ہیں لیکن اُن کے نام کا سردست اعلان نہیں کیا گیا۔

انگلستان میں پرانے مسلمانوں میں ریٹائرڈ میجر جنرل جی بی ڈکسن ہیں۔ اب ان کے نام کا بھی برٹش اسلامک سوسائٹی کے ممبران میں اضافہ ہوتا ہے +

بعض ان خواتین کا جوش تبلیغ جنھوں نے حال میں ہی اسلام قبول کیا ہے قابل رشک ہے۔ وہ لوگ جو اباً عن جد مسلمان چلے آتے ہیں۔ اگر ان میں اس جوش کا عشر عشیر بھی ہوتا تو آج اسلام دُنیا میں ایک کثیر گروہ کو جو ابتک غلطیوں میں مبتلا ہے راہ حق پر لاچکا ہوتا۔ ان میں سے ایک خاتون مسز امینہ کا ذکر اوپر ہوچکا ہے۔ تین اعلان ایک جمعہ میں انہی کی تبلیغ سے ہوئے۔ اور سب سے بڑھ کر قابل تعریف یہ بات ہے کہ اُنھوں نے اپنے خاوند کو اپنا ہمخیال کر لیا ہے جس سے اُنکی صداقت اور خلوص کا کھلا کھلا ثبوت ملتا ہے۔ علاوہ ان تین کے اس سے پہلے انہی خاتون کے ذریعہ سے عفیفہ میری اسلام قبول کرچکی ہیں اور اس طرح پر سات آٹھ ماہ کے عرصہ میں چار مسلمان ان کے ذریعہ سے ہوچکے ہیں۔ خود ان کا صاحبزادہ بھی عنقریب اعلان اسلام کرنیوالا ہے اور دو اور اشخاص بھی اُن کے زیر اثر ہیں جو عنقریب اعلان اسلام کریں گے*

* دوسری ڈاک میں اطلاع پہنچ گئی ہے کہ ان دو اشخاص نے اعلان اسلام دوسرے جمعہ میں کردیا۔ انہیں سے ایک مرد اور ایک خاتون

دوسری خاتون جن کو اللہ تعالےٰ نے تبلیغ اسلام کا خاص جوش بخشا ہے۔ شریفہ بیگم صاحبہ ہیں ان کے ذریعہ سے بھی اب تک کوئی سات آٹھ اشخاص داخل اسلام ہو چکے ہیں +

اگر ان مسلمانوں میں جو وقتاً فوقتاً انگلستان میں گئے ہیں ان خواتین کے جوش تبلیغ اسلام کا دسواں حصّہ بھی ہوتا۔ اور ایک ایک مسلمان بھی اُن کے ذریعہ سے ہوتا تو آجتک انگلستان میں ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہوتے۔ یہ کس قدر شرم کا مقام ہے کہ نومسلم خواتین کے ذریعہ سے تو کئی کئی مسلمان ہو جائیں۔ مگر ہمارے وُہ بھائی جو انگلستان میں جاتے ہیں ایسا نمونہ نہیں دکھا سکتے جو ایک ہی دل کو اسلام کی طرف مائل کر لے۔ ہاں مسلمانوں کو اگر فکر ہوتی ہے تو یہ کہ وہ جو ولایت میں مسلمان ہوئے ہیں ان میں فلاں کمزوری ہے۔ کاش وہ دوسروں کی کمزوریوں کو تلاش کرنے سے پہلے اپنی کمزوریوں کا علاج کرتے اور دنیا کو دکھاتے کہ ایک مسلمان بغیر تنخواہ دار ملازم ہونے کے اسلام کی تبلیغ کا کس قدر جوش اپنے دل میں رکھتا ہے۔ یہی وُہ بات تھی جس نے دنیا کی گردنوں کو اسلام کے سامنے جھکا دیا تھا۔ کہ اس کا ادنےٰ سے ادنےٰ خادم کہیں چلا جاتا تو اپنے ہزاروں کاموں میں بھی اس اصلی اور حقیقی کام کو جس پر قوم کی زندگی اور ترقی کا دارومدار تھا نہ بھولتا تھا۔ کہ سب سے پہلے اس نے اس نعمت عظمےٰ کی اطلاع دوسروں کو دینی ہے جس سے وہ خود بہرہ ور ہوا ہے۔ پھر آج یہ کیسی مردگی مسلمانوں پر چھا گئی کہ ہزاروں میں سے ایک بھی ایسا نہیں نکلتا جو دوسری جگہ جا کر اسلام کی عظمت کا کچھ نقشہ دلوں پر بٹھا سکتا۔ خدا نے اس قوم کو کس بلند مقام پر کھڑا کیا تھا۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تم بہترین قوم ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لیئے پیدا کیئے گئے ہو پھر ان کا امتیاز یہ تھا کہ یدعون الی الخیر لوگوں کو اس عظیم الشان خیر اسلام کیطرف بلاتے رہیں۔ جس کے قبول کرنے میں دنیا کی حقیقی بہتری ہے۔ افسوس کہ مسلمانوں کے پاس وہ جوہر تھا جس سے دُنیا کو یہ بڑے بڑے فواید پُہنچا سکتے تھے۔ مگر انھوں نے ایسا چھپایا۔ کہ آخر خود بھی ان کو شک ہو گیا کہ ہمارے پاس فی الواقع کوئی خوبی کی بات ہے بھی یا نہیں۔ کاش اب بھی سنبھلیں اور تبلیغ اسلام کو اپنا سب سے پہلا فرض سمجھیں +

خدا کا شکر ہے کہ ووکنگ مشن نے ان نومسلموں کو پیدا کیا ہے جو اپنے اندر جوش تبلیغ بھی کمال درجہ کا رکھتے ہیں۔ یہ نہ صرف ان نومسلموں کے خلوص پر اور ان کی اسلام کے ساتھ قلبی

محبت پر شہادت ہے۔ بلکہ خود ووکنگ مشن کے کام کرنے والوں کے خلوص اور انکی نیکی پر بھی ایک شہادت ہے۔ کیونکہ جس قدر زیادہ تعلق ووکنگ مشن سے کسی نومسلم کا ہوا ہے۔ اسی قدر زیادہ اس میں تبلیغ اسلام کا جوش بھی پایا جاتا ہے اور یہ ہو نہ سکتا تھا جب تک کہ ووکنگ مشن کے کارکن نیکی کا وہ نمونہ دکھاتے جو ایک تعلیمیافتہ قوم کے دل پر ایسا گہرا اثر کرتا۔ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ بیرونی مخالف اور اندرونی حاسد جو چاہیں کہیں۔ ووکنگ مشن کے نومسلمین کا یہ جوش تبلیغ ان کی تمام مخالفانہ اور حاسدانہ شر انگیزیوں کا کافی جواب ہے۔ ہاں یہ اپنی کسی قابلیت پر فخر نہیں بلکہ محض خدا کے فضل نے یہ تمام سامان مہیا کیے ہیں۔ ورنہ عاجز انسان کیا کر سکتا ہے۔ اللہ تعالےٰ سے جسکے نام کا بلند کرنا ہی اس مشن کی اصل غرض ہے۔ یہ دُعا ہے کہ وہ اپنے فضل سے اس کے تمام کاروبار کو چلائے ؛

مسئلۂ زندگانی ۲

تبدیلی کا لاتبدیل قانون

(از پروفیسر نور الدین سٹیفن)

ہر لمحہ زندگی کا ہے صورتیں بدلتا ✕ جو کل تھا اب نہیں ہے جو اب ہے کل نہ ہوگا

"مسئلۂ زندگانی" ۱ کے سلسلہ میں مینے اس فقرہ کو جو اس مضمون کا عنوان ہے اکثر استعمال کیا ہے۔ لیکن مجھے بتلایا گیا ہے کہ یہ فقرہ بذات خود متضاد ہے یا خود ہی ایک استثنار ہے جو تبدیلی کے ساتھ لفظ لاتبدیل کی اجازت نہیں دیتا۔ اور جو قانون لاتبدیل ہے اس میں استثناء کے کیا معنے ہیں۔ جواباً کہتا ہوں کہ (۱) قانون کیا ہے ؟ محض ایک جملہ یا چند الفاظ کا مجموعہ جو کسی مسلمہ قاعدہ زندگی یا واقعہ زندگی کو بیان کرے۔ (۲) میں قانون تبدیلی کے متعلق لفظ لاتبدیل کا استعمال کرتا ہوں کیونکہ مجھے اس دُنیا یا زندگی یا خلقت یا نسل انسانی میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں ملتی۔ جس پر کہ اس

قانون کے عمل کا اثر نہ پڑتا ہو +

ہر موجودہ معدوم ہونے والا ہے۔ ہر ایک شئے جو زمانہ حال میں موجود ہے ایک دن ہو چکی ہوگی۔ زمانہ کی تلون مزاجی بغیر کسی تغیر تبدل کے جاری ہے۔ کوئی ذات اور کوئی شئے اس سے بری نہیں ہو سکتی۔ نہ اس عالمگیر قانون فطرت کو اپنے اوپر اثر پذیر ہونے سے روک سکتی ہے۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ سائنس نے ایک حد تک اس کے اثر کو تھوڑے عرصہ کے لیئے روک لیا ہے یعنی دیرپا بنا دیا ہے۔ یا بعض حالات کے ماتحت اس کو تبدیل بھی کر دیا ہے۔ لیکن یہ امر قابل یادداشت ہے کہ اس کو بھی محض ایک محدود عرصہ کے لیئے دیرپا کہا جا سکتا ہے نہ کہ وہ تغیرات زمانہ سے بالکل محفوظ ہے۔ علاوہ ازیں جب اس کی عارضی دیرپائی کو دور کر دیا جاتا ہے تو زمانہ نہایت تیزی سے اسے اپنی دست برد میں لاتا ہے۔ گویا معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ اس دیرپائی کا معاوضہ بھی کئی گنا تیزی کیساتھ لیتا ہے چنانچہ اس قانون میں کوئی استثنا نہیں ہے۔ کیونکہ اعلےٰ اور ادنےٰ ہر دو امور میں اس کا عمل یکساں اور عالمگیر ہے۔ ہاں صرف وقت کے لحاظ سے اختلاف ہو جایا کرتا ہے۔ بعض حالات میں بقار اور فنا کا زمانہ گھنٹوں اور بعض میں دنوں اور بعض میں سالوں اور بعض تین صدیوں ظاہر ہوتا ہے بظاہر یہ سلسلہ اس قدر آہستہ چلتا ہے کہ ایک پشت بلکہ میں کہتا ہوں کہ کئی پشتوں میں بھی اس تبدیلی کا مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن تمام چیزیں اس عظیم الشان قانون کے ماتحت ایک انجام کی طرف چل رہی ہیں۔ خلقت آج اور جیسا کہ پہلے بھی بنتی ہے گرتی ہے اور پھر بنتی ہے۔ قدیم طور طریق مٹ جاتا ہے اور اس کی بجائے نیا قاعدہ شروع ہوتا ہے۔ لیکن یہ کسی تبدیلی کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اُسی غیر متغیر قانون قدرت کے عین مطابق اور ماتحتی کے نیچے ہوتا ہے۔ اور لامتناہی دایرہ کے اندر تبدیلیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ جس طرح رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات ہوتی ہے +

اس مختصر رسالہ میں لمبی بحث کرنا غیر موزون ہوگا۔ اس لیئے میں چند امور بیان کرتا ہوں جن کو میں اصل حقیقت یقین کرتا ہوں اور جن سے میں چند نتائج اخذ کروں گا۔ اور پیارے ناظرین آپکو اختیار ہے چاہے آپ اُن کی تائید کریں یا اختلاف کریں۔ کیونکہ آپ کو بھی مثل میرے آزادانہ خیالات کا حق حاصل ہے +

ہم اپنے عام محاورہ گفتگو میں جب کسی چیز کے متعلق یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اس میں تبدیلی

نہیں آتی تو کہہ دیتے ہیں ایسی مضبوط جیسے پہاڑ۔ لیکن بعض عام اور شاعرانہ فقروں کی طرح یہ بھی غلط العام ہے۔ کیونکہ دُنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔ جیسا کہتے ہیں کہ اٹل پہاڑیاں یا غیر تبدیل ہونے والے پہاڑ۔ سائنس (یا علم طبقات الارض) سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمالیہ پہاڑ بھی اپنی موجودہ شکل میں شروع سے ایسے نہیں تھے۔ بلکہ اسی قانون کے عمل کا نتیجہ ہیں۔ پروفیسر ہکسلے کا بیان ہے کہ ایک ایسا بھی زمانہ تھا جبکہ ایلپس اور پیرنیز پہاڑوں کا کوئی وجود نہ تھا۔ اور یہ اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم کو ان پہاڑوں کے پہلو میں اُن چٹانوں کے ٹکڑے ملتے ہیں جو ان پہاڑوں کے پہلے سمندر کی تہ میں تھے اور جس طاقت نے ان پہاڑوں کو زمین کے اوپر رکھا۔ اسی کی وجہ سے یہ چٹانی ٹکڑے بلند ہو کر پہاڑ کے پہلو میں جا پڑے۔ اس امر پر دوسرا مصنف یعنی لنگ، اسطرح روشنی ڈالتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جس قدر ہم علم طبقات الارض کا مطالعہ کرتے ہیں اُتنا ہی صاف واضح ہوتا ہے کہ زمین ہمیشہ ایک متواتر تبدیلی کر رہی ہے اور کرتی رہے گی۔ اب اگر ہم یہ دریافت کریں کہ کتنی مدت یا کے پشتوں سے یہ تبدیلیاں واقع ہو رہی ہیں تو یہ بالکل بے سود ہوگا۔ کیونکہ ہمارے پاس کوئی یقینی ذریعہ نہیں ہے اور نہ ہی ایسے علم کے حصول سے کوئی فائدہ مدنظر ہے۔ لیکن سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ اس سے اس عظیم قانون قدرت کی غیر تبدیلی کا عینی ثبوت ملتا ہے۔ اور جہاں تک ہمارا اس زمین سے تعلق ہے۔ اس قانون میں کوئی استثنا، نظر نہیں آتا۔

لینگ ایک دوسرا واقعہ بھی لکھتا ہے جو بادی النظر میں حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے۔ مگر اسکی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ زمین مستحکم اور مستقل ہے اور سمندر غیر مستحکم ہے۔ لیکن حقیقت میں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ زمین ہمیشہ گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ اور سطح سمندر یکساں حالت پر قائم ہے۔ اسجگہ لفظ سطح غور کرنے کے قابل ہے۔ کیونکہ یہاں صرف سطح کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ بہرحال دیگر صورتوں میں سمندر بھی مثل زمین کے قانون تبدیلی کے ماتحت ہے۔

میں خوب جانتا ہوں کہ عینی ثبوت کا درجہ نتیجہ خیز دلیل پر فوقیت رکھتا ہے۔ اور کسی کام کو عملی صورت میں دیکھنے کو محض پڑھنے پر ترجیح دیجاتی ہے۔ اور یہ آج بھی اور ہر روز ممکن ہے کیونکہ زمین اور سمندر کی آہستہ مگر یقینی اور متواتر تبدیلی ہمارے سامنے موجود ہے۔ سمندر کبھی ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ اپنا قبضہ جما لیتا ہے۔ کبھی ایک جزیرہ کو ایک جگہ غرقاب کر دیتا ہے۔ اور دُوسری

جگہ دوسرا جزیرہ بنا دیتا ہے۔ ایک جگہ دریا کا دہانہ مٹی سے پر ہو کر بند ہو جاتا ہے اور دوسری جگہ دوسرا قائم ہو جاتا ہے۔ جو ذرائع اس کے لیئے استعمال ہوتے ہیں وہ زیادہ نہیں ہیں۔ در اصل ہر غرض کے واسطے صرف دو ہی ہوتے ہیں۔

(۱) بارش۔ دریا یا سمندر کی شکل میں پانی کا مٹی وغیرہ کاٹ دینا یا جمع کر دینا۔

(۲) کوہ آتش فشان کے پھٹنے سے بلندی وغیرہ کا ہو جانا۔

اوّل الذکر کا آہستہ یقینی اور متواتر ہونا۔ مؤخر الذکر کا وقفہ کے ساتھ اور نہایت تیزی و سرعت سے واقع ہونا۔

معدودے چند ہی اشخاص ایسے ہیں جو مؤخر الذکر کو اوس کے کام کے وقت دیکھ سکیں لیکن تقریباً ہر شخص ذرہ سی تکلیف اُٹھا کر اوّل الذکر کا مشاہدہ کر سکتا ہے

مثلاً دریائے رون کو دیکھو کہ جس وقت وہ جنیوا کی جھیل میں گرتا ہے۔ اُس کا پانی نہایت میلا ہوتا ہے لیکن پھر وہاں سے بلور کی مانند صاف و شفاف ہو کر نکلتا ہے۔ کیونکہ مٹی وغیرہ سب جھیل کی تہ میں بیٹھ جاتی ہے۔ چنانچہ یہی دریائے گنگا اور دُنیا کے دُوسرے بڑے دریاؤں کا حال ہے الغرض زمانہ دراز کے بعد یہ جھیل خشک زمین بن جاتی ہے۔ اور پھر دریا دوسرا مقام تلاش کر لیتا ہے۔ اسجگہ میں ایک مقامی مثال دیتا ہوں جس سے میں بخوبی واقف ہوں۔ کیونکہ میں نے گذشتہ تاریخ کے مطالعہ کیلئے یہاں ایام گرما کے دن گذارے ہیں۔ یہاں یعنی لیورپول میں ہم اپنے گھروں کے سامنے دریائے مرسے اور ڈی کو دیکھتے ہیں اور ہمیں بیّن نشانات معلوم ہوتے ہیں کہ کس طرح اُن میں تغیرات پیدا ہوئے ہیں۔ آؤ ہم ساحل کے کنارے نیو برائیٹن سے ہائی لیک تک چلیں اور اثنائے راہ میں مطالعہ کرتے جائیں۔ خفیف نشانات کو نظر انداز کر کے ہم میولس (چیشائر) کے قریب پہنچتے ہیں۔ اس مقام اور ہائی لیک کے درمیان ایک بڑے جنگل تک جو کہ بہت دور پانی کے کنارے تک پھیلا ہے اور غالباً مقابل کے کنارے فارمبی تک جب ہم آتے ہیں تو یہاں ہمیں بڑے بڑے درختوں کے تنے اور جڑیں دکھلائی دیتی ہیں۔ بعض گھیرے میں کئی فیٹ ہیں پس ہم ایک پر کھڑے ہو کر اُس منظر کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جس جگہ اس وقت جنگی جہاز چل رہے ہیں وُہ پہلے ایک خشک زمین تھی جس میں بڑے بڑے درخت اور سبزہ زار تھے۔

لیکن تھوڑا ہی عرصہ ہؤا کہ دریانے اپنا تسلط کر لیا ہے۔ اس کے بعد ہم جزیرہ نما (ویرل) کی اسطرف یعنی دریائے ڈی کی جانب روانہ ہوں تو یہاں آکر معلوم ہوتا ہے کہ وہی پارک گیٹ جو اس وقت ایک معمولی سا قصبہ ہے۔ پہلے یہاں سے ڈاک کے جہاز آئرلینڈ اور دوسرے مقامات کو روانہ ہوتے تھے۔ اور اب وہاں طغیانی کے وقت صرف ایک چھوٹی کشتی پہنچ سکتی ہے۔ بعدازاں اگر آپ کے پاس وقت ہے تو پھر قدیم چیسٹر کی طرف چلیئے اور وہاں بھی صاف اور بین واقعات کا مشاہدہ کیجیئے یعنی دیواروں پر کھڑے ہو کر ان کڑیوں کو جن میں جہازوں کے لنگر پھنسائے جاتے تھے۔ ملاحظہ کیجیئے پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ سلاطین شاہی کشتیوں پر سے دیواروں پر چلے جایا کرتے تھے۔ اسوقت آپکو اس عظیم الشان قانون اور اس کے ماتحت جو تغیرات واقع ہوئے ہیں۔ ان سب کی کیفیت واضح ہو جائے گی +

اب یہ سوال ہو سکتا ہے کہ یہ مثالیں ریت کے ذرہ کیطرح ہیں اور اُن کا اسجگہ پیش کرنا لاحاصل ہے۔ لیکن میں یہ مضمون یہ سمجھ کر نہیں لکھ رہا ہوں کہ آپ ایک تعلیمیافتہ سائنس دان ہیں۔ بلکہ اس بات کو مدنظر رکھ کر کہ آپ ایک معمولی قسم کے انسان ہیں اور اوسط درجہ کی تعلیم حاصل کیئے ہوئے ہیں۔ بہرحال میرا یہ تجربہ ہے کہ یہ چھوٹی چھوٹی مثالیں جن کو آپ خود بھی کسی وقت دیکھ سکتے ہیں۔ بہ نسبت ایک بڑی طغیانی کے جسے ایک ماہر فن کی نگاہیں دیکھ سکتی ہیں زیادہ اثر کرنے والی اور نتیجہ خیز ہوتی ہیں اور یہ بالکل بدیہی ثبوت اس بات کا ہین کہ ہم تغیر ہونے والی زمین میں رہتے ہیں۔ جہاں کوئی چیز ساکت نہیں ہے۔ بلکہ قانون تبدیلی کے ماتحت دورہ کر رہی ہے +

یہاں تک تو ہمنے اُس ٹھوس زمین کے متعلق جس پہ ہم رہتے ہیں بیان کیا۔ اب ہم مختصراً ان مسئلہ پر غور کریں۔ (۱) زندگی جو ہمیں اس زمین پر ملتی ہے۔ (۲) ذاتی سوال یعنی زندگی جو ہم اس زمین پر بسر کرتے ہیں۔

چند ایسے مسائل بھی ہیں جو ہمارے امکان سے بالکل باہر ہیں اور جو نہ سائینس اور نہ ہی تجربہ سے حل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ان میں "مسئلۂ زندگی" ایک مسئلہ ہے۔ لیکن اگر زندگی بذات خود ایک عقدۂ لاینحل ہے تو اُس کے تغیرات اور تبدیلیاں بین اور واضح ہیں جنھیں ہر شخص

دیکھ سکتا ہے۔ کیونکہ دنیاوی زندگی میں زینی خصلت بھی شامل ہے۔ یعنی غیر استحکام و تبدیلی
اس جگہ میں ان تمام دلائل کو نہیں دے سکتا جو بااین علم حیات و مسئلہ ارتقاء وغیرہ نے بیان
کیئے ہیں۔ کیونکہ تقریباً سب نے ایک ہی بات کو مختلف پیرایہ میں لکھا ہے۔ اگرچہ نتیجہ میں ایک
دوسرے سے دور جا پڑے ہیں۔ مجھے صرف اس قانون کے متعلق لکھنا ہے جس کی صراحت میں
کوئی شک و شبہ نہیں ہے اور جس کا ثبوت ذاتی مشاہدہ سے بھی ملتا ہے۔

مردہ جانور یا نباتاتی زندگی میں جو تغیرات واقع ہوئے۔ اُن کے دیکھنے کے لیئے زیادہ علم یا مہارت
کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ جیساکہ زمین کی مختلف تہ کو دیکھنے میں پڑا کرتی ہے۔ ہر شخص خود
ہی نباتاتی زندگی میں خصوصاً یہ مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اور جتنا بھی ہم گذشتہ زمانہ کی طرف چلیں
اُتنا ہی تغیرات زیادہ واضح ہونے لگیں گے۔ حیوانی زندگی میں غالباً اُن لوگوں کو جو علم حیات
سے نابلد ہیں کچھ دقت واقع ہوگی۔ لیکن جو لوگ فقتے پڑھ سکتے ہیں اُن پر بخوبی روشن ہے۔
اگرچہ اوقات زمانہ بہت طول طویل ہیں۔ نباتاتی زندگی میں بہت آسانی ہے۔ کیونکہ ہم وہاں
تک جلد پہنچ سکتے ہیں اور اپنے نقش و صورت میں اتنا جدا نہیں ہے۔ کیونکہ نئے میں بھی پرانے
کی خصوصیت موجود ہے۔ کیونکہ جڑ ستنے۔ پتیاں اپنی مختلف صورت میں بھی پرانے نمونوں میں
پائی جاتی ہیں +

الغرض بہت سی ایسی تبدیلیاں ہیں جو بہت خفیف اور بار بار ہونی والی ہیں جن کا ذکر میں
آیندہ دوسرے مضمون میں کروں گا۔ سر دست میں قانون تبدیلی کے عمومیت اور اس کا لاتبدیل
ہونا دکھلانا چاہتا ہوں کہ کس طرح اس کا عمل ابتدا سے ہے اور انتہا تک جاری رہے گا +

آپ یہاں اس دنیوی زندگی کے متعلق کیا پتہ لگاتا ہے؟ جہاں تک عام انسانی زندگی کا سوال
ہے اس میں ذرہ بھی شک کرنے کی گنجایش نہیں ہے۔ بلکہ خوشی کا مقام ہے کہ ہم بیسویں صدی
میں پیدا ہوئے کیونکہ تبدیلی کا راستہ عرصہ سے اوپر یا ترقی کی طرف جا رہا ہے۔ غور کرنے سے
معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی حالت روز افزوں ترقی پر ہے اور زندگی گذارنے کے قابل ہے۔ اگر
آپ نے اشتعبی کی نگاہ سے دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ کبھی وقت انسان مجموعی صورت
میں ایک دوسرے کے اس قدر قریب نہ تھا جتنا کہ اس زمانہ میں ہے۔ اور ہم کو امید ہے کہ

جب اس جنگ کا خاتمہ ہو جائے گا تو قوموں میں یکجہتی اور یگانگت اور بھی بڑھ جائے گی اور نیکیاں سیکھ جائیں گی اور اس موجودہ بدی سے نیکی کا ظہور ہوگا۔ اور بُرے دن گذرنے کے بعد انسان خوش و خرم اور بہتر ہو جائے گا +

ہم جانتے ہیں کہ اس وقت تک بھی امیر اور غریب موجود ہیں۔ رنج و الم کالعدم نہیں ہوئے لیکن اگر ہم ابتدائی تمدن کے پُرانے خیالات پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا۔ کہ انسان کی حالت اُس وقت بہت گری ہوئی اور خستہ تھی۔ لیکن خوش قسمتی سے تبدیلیاں جو ہو رہی ہیں وہ ترقی کی طرف چل رہی ہیں۔ اُس وقت زندگی لمبی ہوتی ہے۔ شیکسپیر کے زمانہ میں ایک آدمی پچاس یا پینتالیس سال کی عمر میں ضعیف ہو جاتا تھا۔ وہ خود بھی ۵۲ سال کی عمر میں مرگیا اور اس کے ہمعصر کہتے ہیں کہ یہ اچھی خاصی لمبی عمر تھی۔ اس زمانہ میں ایک شخص کے ۰۰ سال میں بھی دماغی قوے درست رہتے ہیں۔ مہذب ممالک میں وہاں کے لوگ بہتر مکان میں رہتے۔ اچھا کھاتے پیتے عمدہ تعلیم حاصل کرتے اور ہر طرح سے انکی نگہداشت ہوتی ہے۔ حالانکہ زمانہ سابق میں یہ باتیں خواب و خیال تھیں۔ قوانین قدرت کا ہم کو خوب علم ہے اور ہم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اگر کوئی قانون ٹوٹ جائے گا تو اُس کا خمیازہ اٹھانا پڑیگا اگر سوسائیٹی کا ایک حصہ بھی تکلیف میں ہو تو تمام سوسائٹی بحیثیت مجموعی تکلیف میں پڑ جائے گی اور نقصان اٹھائے گی۔ چنانچہ بعض ممالک میں گورنمنٹ نے خود ایک حد تک کچھ بوجھ اپنے اُوپر لے لیا ہے اور نسل انسانی کی بہبودی و بہتری کے لیے صحت۔ حفظان صحت وغیرہ کے قوانین نافذ کیئے ہیں۔ جنکا نتیجہ کیا ہوا۔ کہ ایک بہتر۔ مصفا۔ اور لمبی زندگی انسان بسر کرنے لگا۔ ہم نئے ایام۔ نئے طور طریق۔ نئے انسان اور نئے آداب سے نہیں بچ سکتے۔ ہاں یہ قانون غیر متغیر ہے +

نظم

ہر نئی آن نئی بات نئی شان ہے یاں | روز افزوں ہو ترقی یہی اعلان ہے یاں
پس یہ اسلاف کو تھا فخر وہ کافور ہوئے | اب تو کچھ پیش نظر اور ہی سامان ہے یاں
کر کے منسوخ انھیں لائیں گے اخلاف کچھ اور | بس رواں روز ازل سے یہی پیمان ہے یاں

بہرحال ثبات کہیں نہیں ہے ہم خواہ آگے چلیں یا پیچھے ہٹیں۔ خواہ ترقی کر کے اعلےٰ زندگی میں داخل ہوں یا تنزل کے گڑھے میں گریں۔ جو کہ انسان کے تمام جوہر پر پانی پھیرے +

یہاں تک تو عام طور سے زندگی کا بیان ہو چکا۔ اب شخصی زندگی پر اس کا کس طرح اثر ہوتا ہے۔ یہ ایک اہم سوال ہے جسے مختصراً بیان کرنا چاہتا ہوں لیکن اس جگہ بھی **قانون** لاتبدیل ہی اپنا کام شروع سے آخر تک کرتا چلا آتا ہے۔ ایک روسی مصنف لکھتا ہے کہ انسان کی زندگی میں تین درجے ہیں یعنی پیدائش۔ زندگی۔ موت۔ ہمارا اس دنیا میں وارد ہونا۔ اس دنیا میں سفر کرنا اور پھر اس دنیا سے رخصت ہو جانا۔ ان میں ایک یعنی پہلا مرحلہ ہمارے امکان سے باہر ہے۔ دوسرا ہمارے اختیار میں ہے۔ ہم جس طرح چاہیں فائدہ اٹھائیں۔

اب رہا تیسرا سو یہ ہمارے عمل پر مبنی ہے۔ خواہ ہم اسے اچھا بنا دیں یا برا۔ کیونکہ جیسا عمل ہوگا ویسا ہی اس کا نتیجہ ظاہر ہوگا۔ بعض ایسے بھی ہیں جنہیں اس پر شبہ ہے۔ مگر میرے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کوئی بات صاف اور بین نہیں ہو سکتی۔ نیک یا بد جو کام ہم کرتے ہیں اس کا نتیجہ ہم کو واپس ملتا ہے سفر میں ان کا قیام دیر تک بھی ہو سکتا ہے جس طرح کاروان ریگستان میں ٹھہرتا ہے۔ اور ہم اپنے دل میں یقین کر بیٹھیں کہ اب وہ واپس نہ ہونگے۔ لیکن ایک دن ایسا آتا ہے کہ وہ ہمارے راستہ پر آکر کھڑے ہو جاتے ہیں اور تحفہ نذر کرتے ہیں۔ یعنی نیک کے واسطے زندگانی اور بد کے لیئے موت۔ اس پر غور کیجئے اور اپنے خیال کو مصفّا کر لیجئے کسی شاعر نے جس کا نام اس وقت مجھے یاد نہیں۔ نہایت صفائی کے ساتھ لکھا ہے۔ ؎

گر کار بد کریگا تو رنج و دکھ بھرے گا	ترسے گا تو خوشی کو تکلیف میں مریگا
ہاں نیک کام کیجے راحت کو ساتھ لیجے	بھٹکے نہ پاس کلفت یوں نام تو کریگا

آپ اس قانون کے عمل کو روک نہیں سکتے کیونکہ اس کا کام ہماری پیدائش سے پہلے ہی شروع ہو جاتا ہے اور لگاتار جاری رہتا ہے۔ ہم وقت کو پھیر کر پھر زندگی کے راستہ پر نہیں چل سکتے۔ کل کا دن گذر گیا۔ آج چل رہا ہے۔ اور ممکن ہے کہ روز فردا نصیب نہ ہو۔ لنگر چل رہا ہے۔ ہم بس سے ہر ایک کے وقت میں سے سیکنڈ اور منٹ گذرتے جاتے ہیں۔ اور ہم اسے روک نہیں سکتے اور نہ گھڑیال کی سوئی کو پیچھے پھیر سکتے ہیں۔ اب ہم کو چاہیئے کہ ہم نمونہ بن کر دوسروں کی بہبودی کا موجب ہوں۔

نظم

زمانے کے مد و جزر کو نہ پوچھیئے	[illegible]

کبھی تو یہ بالائے چرخِ بریں ہے
کبھی یہ تنزل سے زیرِ زمین ہے۔

اگر آج ہے صاف مطلع تو کل ہی
برسنے لگے گی گھٹا کالی کالی

بس انسان کو چاہیئے جان رکھے
بھلائی کا ہر ایک کے دھیان رکھے

اگر زیادہ تر تدبر کرنے والے اور غور کرنے والے ہو جائیں تو ہمیں بہت سی مصیبتوں۔ رنج تکلیفوں اور باتوں سے نجات مل جائے۔ لیکن ایسی باتیں واپس نہیں آتیں اور نہ اُن کا اثر افسوس یا رنج سے دُور ہو سکتا ہے۔ بلکہ تھوڑے سے غور و خیال سے رفع ہو سکتا ہے۔ بہت سے لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ ایک مختصر لفظ کہہ دینا کافی ہے یعنی "افسوس"۔ لیکن ؎

لازم ہے کہ انسان کرے تب توبہ
ہر موئے بدن اس کا کرے جب توبہ

ساقی کس کام کی وہ توبہ تیری
در دل ہوس گناہ و برلب توبہ

زیں توبۂ نادرست یارب توبہ

ہم غلطیوں سے بچ نہیں سکتے اور بعض وقت تند مزاج ہو جاتے ہیں۔ لیکن اُن سے ہم کو آئیندہ کے لیئے سبق حاصل کرنا چاہیئے تاکہ پھر اس قسم کے فعل سرزد نہ ہوں +

کیا یہ مشکل بات معلوم ہوتی ہے جب چاروں طرف دیکھ کر محسوس کرتے اور کہتے ہیں کہ ہر" چہار اطراف تغیر اور زوال ہی زوال نظر آتا ہے" کوئی شئے پائدار نہیں ہے اور سب بے ثبات ہیں؟

اُس شخص کے لیئے جس کا ایمان کمزور ہے یہ ایک رنجیدہ اور بھیانک منظر ہے۔ لیکن جو شخص خدا تعالےٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور بعث بعد الموت پر یقین ہے ان کے لیئے کوئی مشکل نہیں ہے کیونکہ وہ جانتے اور دیکھتے ہیں کہ اگر فنا نہیں ہے تو پھر دوبارہ زندگی نہیں ہے۔ اور اگر موت نہو تو پھر بقا کی زندگی حاصل نہیں ہو سکتی +

منکروں کے لیئے موت بمنزلہ تاریکی کے دریا کے ہے جس میں وہ ہمیشہ غرق رہیں گے۔ لیکن مومنوں کے لیئے موت زندگی کا دروازہ ہے۔ جہاں **قانون تغیر** کا کوئی بس نہیں چل سکتا۔ جہاں تمام باتیں یقینی اور مستقل ہیں۔ اور تغیر و زوال کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ اب کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ کوئی بھی چیز پائدار اور دائم نہیں ہے یہ خیال ہیں یہ درست نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ دائم قائم ہے۔ حق کا کبھی زوال نہیں ہوتا۔ وہ کچھ وقت کے لیئے پوشیدہ رہتا ہے لیکن پھر ظاہر ہو کر مطلع انوار بنجاتا ہے +

اسلام کی ایک سرگذشت

(از یحییٰ النصر پارکنسن)

بہ تسلسل سابق

اب ہم ایک اور قسم کے مغالطوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو علم مدن سے تعلق رکھتے ہیں اس قسم کے مسائل کو سمجھنے کے لیئے اس بات کی ضرورت ہے کہ انسان کو ایک وسیع اور گہرا علم انسانی تحریکات اور نسل انسانی کی ان ترقیات کا ہو جو ارتقا کے ماتحت ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ اُن کو ہم صرف صحیح تاریخی تنقید کے علمی ذرائع سے ہی حل کر سکتے ہیں۔ وہ مسائل جن کا تعلق انسانوں اور قوموں کے آنے اور جانے۔ ترقی اور تنزل۔ نشو و نما اور انحطاط سے اور قوموں اور سلطنتوں ترقی تنزل اور تباہی سے ہے۔ جن میں وہ تمام پیچ در پیچ تحریکات شامل ہیں جو انسانیت کا نچوڑ اور خلاصہ ہیں۔ اِس قسم کے سوالات کا فیصلہ یوں نہیں ہُوا کرتا کہ بعض باتوں کو تو بلا سوچے سمجھے ایک خاص مذہب کے اثر کی طرف منسوب کر دیا جائے اور بعض تحریکات کو شیطان کی طرف یا دُوسرے مذہب کی طرف یا لا مذہبی کی طرف منسوب کر دیا جاوے۔ اُن کو علمی طریق سے حل کرنا چاہیئے جو نہ صرف یہ بتاتا ہے کہ ہر ایک نتیجہ بعض اسباب سے پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ یہ بھی کہ ہر ایک چیز کا فیصلہ بعض خاص حالات سے ہوتا ہے +

جس کتاب پر ہم ریویو کر رہے ہیں اس میں مسٹر لنٹ لکھتا ہے +

"خلفائے بغداد نے بالخصوص سائنس علم ادب اور فنون پر اپنا مربیانہ اثر ڈالا۔ بڑے بڑے فاضل لوگ اُن کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ نہ صرف عربی اور فارسی علم ادب کی چھان بین ہی ہوئی بلکہ یونانی حکماء کا بھی عربی زبان میں ترجمہ ہو گیا۔ اور عالیشان کتبخانے جمع کئے گئے۔ علماء اور قابل مترجمین کی بہت عزت کی جاتی تھی۔ اور عالم کے لکھنے کی سیاہی کو شہید کے خون کی طرح قیمتی سمجھا جاتا تھا جب قسطنطنیہ علم طابت کو نیچے دبا رہا تھا۔ بغداد اس کو سرسبز کرنے میں

مصروف تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ موجودہ علم کیمیا کی بنیاد وہیں ایسڈوں کی دریافت کے ساتھ رکھی گئی
ایک بڑے بھاری کالج کی بنیاد بغداد میں رکھی گئی اور اس کے اخراجات کے لیئے اوقاف کا انتظام
کیا گیا۔ جہاں کہا جاتا ہے کہ چھ ہزار طالب علم امیر کے بیٹے سے لے کر معمولی پیشہ ور کے بیٹے تک تعلیم
پاتے تھے۔ اور ریاضی۔ علم ہیئت۔ علم کیمیا۔ قانون اور طب کی تعلیم دیجاتی تھی۔ اور یہ صرف دارالخلافہ
میں ہی نہ تھا کہ علوم و فنون اور سائینس کو ایک نئی قوت رفتار دی گئی۔ ایک خلیفہ نے ایک قانون
بنا دیا کہ جہاں کہیں مسجد بنے اس کے ساتھ ہی ایک مدرسہ بھی بنے۔ اور سلطنت کے بڑے بڑے شہروں
میں کالج اور سکول بن گئے۔ سپانیہ میں چھ لاکھ کتابوں کا ایک کتبخانہ تھا۔ اور آج بھی دو ہزار دوں
کی فن تعمیر" میں اسلامی قوت اور شوکت کا اثر نظر آتا ہے۔ (صـ ۱۱۱ – ۱۱۲)

یہ ایک منصفانہ بیان ہے گو یہ ظاہر ہے کہ مصنف نے اپنے خیالات کو ادھر اُدھر سے بغیر کافی تحقیقات
اور غور کئے لیا ہے۔ مندرجہ بالا سطور کے بعد وہ لکھتا ہے:۔

"لیکن ساتھ ہی یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ بغداد اور سپانیہ دونوں مقامات پر علم کے حامی دیندار
مسلمان نہیں بلکہ ریشنلسٹ یعنی معقولی فرقہ کے لوگ تھے۔"

یہاں مصنف کتاب نے وہی طرز اختیار کی ہے اور اسی طرح پر خاتمہ کیا ہے جیسا کہ ان لوگوں کا
شیوہ ہے۔ یعنی پہلے کچھ دبی زبان سے مسلمانوں کے علوم کی حمایت کی تعریف کردی اور آخر یوں
کہکر اسلام کی خوبیوں پر پانی پھیرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ اُن کی حمایت مذہب اسلام کی وجہ سے
نہ تھی۔ اگر یہ سچ ہے کہ علوم کے حامی دیندار مسلمان نہیں بلکہ معقولی فرقہ کے لوگ تھے۔ تو پھر
ناممکن تھا۔ کہ علماء و فضلاء اور قابل مترجمین کی اس طرح پر عزت کی جاتی جس کا اعتراف مصنف
کتاب کو بھی ہے۔ اور نہ ہی یہ ممکن تھا کہ امراء کے فرزند اور پیشہ وروں کے بیٹے ریاضی اور علم ہیئت
اور کیمیا۔ اور قانون اور طبابت کی تعلیم حاصل کرتے۔ یہ تو ماننا پڑے گا کہ دیندار مسلمان سے (جسکو
انگریزی میں ارتھوڈکس کہتے ہیں) مراد وہ لوگ جو وقت کے شاہی مذہب سے تعلق رکھنے والے
ہوں یا جہاں شاہی مذہب کوئی نہ ہو تو مراد کثرت اُن لوگوں کی ہوگی جو ایک اعتقاد کے پیرو ہوں
اس صورت میں دیندار ہی خود ایک ایسی چیز قرار پاتی ہے جو حالات زمانہ کے ساتھ بدلتی رہتی ہے
اور ایک نسل میں جو فرقہ دیندار کہلائے گا۔ اگلی نسل میں اُس کی حالت بدل سکتی ہے پھر دوسری

بات یہ بھی ہے کہ ہر شخص خواہ کسی فرقہ کا پیرو ہو اور ایسا فرقہ بڑا ہو یا چھوٹا اپنے آپ کو دیندار مسلمان ہی قرار دیتا ہے اور خود اپنی حالت کو دوسروں سے بڑھ کر دینداری کی حالت قرار دیتا ہے۔ مگر یہ ایک فروعی امر ہے +

امر واقع یہ ہے کہ اسلام کے معقولی فرقہ کے لوگ یعنی معتزلہ دائرہ اسلام سے خارج نہ تھے جیسا کہ آجکل کے یوروپین ممالک کے معقولی فرقہ کے لوگ درحقیقت دائرہ عیسائیت سے خارج ہیں جیسا کہ مصنف کتاب لوگوں کو یقین دلانا چاہتا ہے۔ وہ بھی اس دائرہ کے اندر اسی طرح تھے اور اسی طرح مسلمان تھے جس طرح جبری فرقہ کے وہ لوگ جو ان کی مخالفت کرتے تھے اور جن کی طرف لنٹ غالباً "دیندار" کے لفظ میں اشارہ کرتا ہے۔ حالانکہ معقولی فرقہ کے لوگ یا الگ ہو جانے والے لوگ منصور اور مامون اور ان کے چند جانشین تھے۔ جو درحقیقت اس زمانہ کے دیندار (ارتھوڈکس) کہلانے کے مستحق ہیں اور متوکل کی تخت نشینی تک یہی صورت رہی معتزلیوں کا اسلامی خیالات میں اور بعد کے یوروپین خیالات میں بہت کچھ اثر ہے۔ یہاں دونوں طرف کے نام دینے کی ضرورت نہیں نہ یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ وہ کیا اعتقادات تھے۔ جن کی تعلیم یہ دونوں گروہ علیحدہ علیحدہ دیتے تھے۔ اس کے لئے بہت سا وقت اور جگہ درکار ہے۔ یہ بتا دینا کافی ہے کہ تمام غور و تدبر سے کام لینے والے اور سائنس دان جہاں تک وہ سائنس کی تحقیق اور تنقید میں اپنی بات کو ایک مدلل اور معقول رنگ میں پیش کرتے ہیں معقولی کہلائیں گے۔ اور اگر ہم اس قسم کے لوگوں کو جیسے ابن رشد وغیرہ ہیں معقولی فرقہ کی انتہائی مثالیں بھی سمجھ لیں تاہم یہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ لوگ اپنے زمانہ کے محدثین سے بہت قریب تھے۔ بہ نسبت اس کے کہ سر آلور لاج پروفیسر ہیٹ اسن لارڈ کیلون وغیرہ انیسویں صدی کے آخری اور بیسویں صدی کے شروع کے دیندارانہ عیسائی مذہب سے ہیں۔ گو یا ظاہر ہے کہ مسٹر لنٹ اور اس کے ہمخیال ان لوگوں کو عیسائیوں میں سمجھتے ہیں اور عیسائی ہی کہتے ہیں +

تمام زمانوں میں ہمیں اس حالت کا مشاہدہ کھلا کھلا نظر آتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر عیسائی ممالک میں کہ دنیا کے بوسنے دنیا کے بڑے آدمیوں پر عیب لگاتے رہے ہیں۔ اور باوجود ہماری بیسویں صدی کی تہذیب کے یہ طریق اب بھی جاری ہیں۔ چند صفحات آگے گذر کر اسی قسم کا ایک

بیان ہماری نظر سے گذرتا ہے +

"ہم اس بات کو معلوم کرسکتے ہیں کہ وہ طبیب۔ سائنسدان۔ مابعد الطبعیات کے ماہر اور علم ادب کے فاضل جن کو خلفا نے اپنے گرد جمع کرلیا۔ اور جو در حقیقت ان کے لیئے ایک فخر کی بات ہی وہ مسلمان نہیں تھے بلکہ یونانی یہودی اور ایرانی تھے۔ اور خلفا میں سے سب سے زیادہ روشن خیال بھی جو پیغمبر اسلام کے دین کے سردار اور امیر تھے دل سے مسلمان نہیں تھے بلکہ کافر تھے یہاں غور کے لیئے بہت سا مسالحہ ہے"

میں بھی مسٹر لنٹ کو یہ یقین دلانے میں کچھ تامل نہیں کرتا کہ یہاں غور کے لیئے بہت سامان ہے ایک طرف تو ہمیں بتایا جاتا ہے کہ علم کے حامی معقولی فرقہ کے لوگ تھے اور دوسری طرف کہا جاتا ہے کہ اہل علم لوگ یونانی (جس سے غالباً اُن کی مراد عیسائی ہے) یہودی اور ایرانی تھے۔ تو کیا اب ہم یوں سمجھیں کہ یہی یونانی۔ یہودی۔ اور ایرانی معقولی فرقہ کے لوگ تھے؟ اگر مسلمان اہل علم نہ تھے نہ سائنس دان تھے۔ نہ طبیب تھے تو یہ فرض نہیں کیا جا سکتا کہ وہ علم کے حامی تھے۔ یہ تعجب ہے کہ مُصنّف نے معمولی عیسائی طریق کا تتبع کرکے یوں نہیں کہدیا کہ اسلامی سلطنت اپنے مذہب کی وجہ سے تباہ نہیں ہوئی بلکہ اس لیئے کہ خلفا دل سے مسلمان نہ تھے بلکہ کافر تھے۔ اگر عیسائی سلطنت ہوتی تو ضرور یہ نتیجہ نکال لیا جاتا۔ مگر چونکہ ذکر اسلامی سلطنت کا تھا۔ اس لیئے یہ بیان مصنّف کی پالیسی کے خلاف تھا۔ کیونکہ اس کی اصل غرض صرف مذہب اسلام کو بدنام کرنا ہے +

کوئی اہل علم اس بات کا انکار نہیں کرسکتا کہ پہلے مسلمانوں نے شام اور ایران کے غیر مسلمیوں سے فائدہ اُٹھایا کیونکہ انھوں نے قدیم یونان کی سلطنت خیال کے خزانوں پر اُن اطلاع دی مسلمانوں نے ہمیشہ اس بات کا اعتراف کیا ہے۔ مگر مسلمانوں کو یہ فخر یقیناً حاصل ہے کہ اس موقعہ کو اُنھوں نے گنوایا نہیں بلکہ اس سے فائدہ اُٹھایا۔ اور وہ خود علم کی دُھن میں لگ گئے اور سارے علوم و فنون کو چھان مارا۔ چنانچہ چند ہی سال میں وہ خود استاد اور معلم بن گئے۔ اور اپنی تحقیقاتوں کے ساتھ سائنس کی ہر ایک شاخ میں اُنھوں نے قابل قدر ترقی کی اور علم ادب کو ایسے ایسے جواہرات سے آراستہ کیا جو دُنیا نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھے تھے

(باقی آئندہ)

اسلام کی عالمگیر اخوّت

نسل انسانی کی تاریخ پر جب کبھی کسی آئیندہ زمانہ میں تعصّبات سے خالی ہوکر نظر ڈالی جائیگی تو معلوم ہوگا کہ نسل انسانی کی ترقی میں سب سے بڑی روک وہ تفریق رہی ہے جس کی بنا قومی تعصّب پر رکھی گئی ہے۔ ان قومی تعصّبات نے کس طرح پر ایک قوم کو دوسری کی اچھی باتوں سے محروم رکھا اور بلا وجہ دوسرے کا دشمن بنائے رکھا۔ اس کی مثال مذہب کی تاریخ سے نہایت صفائی سے ملتی ہے۔ آج کس طرح پر ایک قوم دوسری قوم کو اپنی مذہبی صداقت سے مستفید کرنا چاہتی ہے اور کس طرح ہر قوم کوشش کر رہی ہے کہ کل دُنیا کو اپنی مذہبی صداقتوں کا شیدا بنا کر اپنے ساتھ ملائے مگر ایک زمانہ تھا۔ کہ ہر ایک قوم اپنی مذہبی صداقتوں کو اپنی ہی خاص ملکیت سمجھتی تھیں اور دوسروں کو اس سے بہرہ ور اور متمتع کرنا بھی جائز نہ سمجھتی تھیں۔ ہندوؤں اور بعض دوسرے مذاہب کے پیروؤں میں آج تک ہم کو اس کا کچھ اثر نظر آتا ہے۔ اور ہندو مذہب تو گویا مذہبی صداقتوں کے متعلق بخل کی انتہائی مثال پیش کرتا ہے۔ اس کی مقدس کتاب نہ صرف دوسرے مذاہب کے پیروؤں کے لیئے ہی مدّت تک راز سربستہ کی صورت میں رہی ہے۔ بلکہ خود ہندو قوم کا اپنا ایک عنصر یعنی بدقسمت شودر بھی اس قابل نہیں سمجھا گیا۔ کہ وید مقدس کے الفاظ کسی تقدس مآب برہمن کے مُونھ سے نکل کر اتفاقاً ہی اس کرہ ہوائیہ کے ان ٹل قانون کے ماتحت ہوا میں تموّج پیدا کرتے ہوئے شودر کے ناپاک کانوں کے پردوں کو کھٹکھٹائیں۔ اور اگر ایسا ہو تو یہ اس برہمن کا قصور نہیں جس نے کرہ ہوائیہ میں یہ تموّج پیدا کیا۔ نہ اس ہوا کا کوئی قصور ہے جس نے من وعن ان الفاظ کی اصوات کو خواہ ان کے معنے کچھ سمجھ آئیں یا نہ آئیں شودر کے کان تک پہنچا دیا بلکہ گردن زدنی وہ شودر ہے۔ کہ کیوں اتفاق سے اُس کے کانوں نے اس وقت کھلے رہ کر اس تموّج کو اپنے پردوں تک پہنچنے دیا۔ گو اس کو کچھ بھی قدرت اس آواز کے اپنے کانوں سے دور رکھنے کی نہ ہو۔ مگر وید مقدّس کسی طرح پر شودر کے کان تک نہیں پہنچنا چاہیئے۔ اور یہ شودر کا فرض ہے کہ وہ ایسی جگہ موجود نہ ہو جہاں وید مقدّس کے الفاظ کرہ ہوائیہ میں تموّج پیدا کر رہے ہوں۔

یہ مثال ہم کو کیسی نفرت کے قابل معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر غور سے کام لیا جائے تو جو دیوار وید مقدس اور شودر کے درمیان حائل رہی وہی دیوار ہر جگہ دنیا کی ایک قوم اور دوسری قوم کے درمیان حائل رہی۔ اور مذہبی صداقتیں ہر قوم کی خاص ملکیت رہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ابتدائی زمانہ میں کسی قدر یہ مشکلات حالات پیش آمدہ کا نتیجہ بھی تھیں۔ باہم میل جول اور تعارف کے اسباب قریبًا مفقود تھے۔ ایک قوم دوسری قوم کے حالات سے بالکل بےخبر تھی۔ اور ان حالات میں یہ بہت مشکل تھا کہ ایک قوم کے اندر جو مصلح پیدا ہوا ہے وہ اپنا پیغام دوسری قوم تک پہنچا سکے اسلیئے لازمًا اس کی مساعی کا دائرہ ایک ہی قوم تک محدود رہتا اور مصلحت الٰہی کا بھی یہ تقاضا ہوا کہ ہر قوم کے اندر علیحدہ نبی بھیجکر اُس کی اصلاح کا سامان مہیا کردے تاکہ کوئی قوم ان سامانوں سے محروم نہ رہے۔ جو اس کی روحانی نشوونما کا ذریعہ ہوسکتے ہیں۔ لیکن اس کا نتیجہ آہستہ آہستہ یہ ہوا کہ مختلف قومیں اپنے آپ کو ہر خوبی کا مالک اور دوسروں کو ہر خوبی سے عاری سمجھنے لگیں اور تفریق قومی روز بروز زیادہ نمایاں ہوتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ یہ خیال پیدا ہوگیا۔ کہ دوسری قومیں اس قابل بھی نہیں کہ وہ ایک مذہبی صداقت سے کوئی فائدہ اُٹھا سکیں اور اس طرح پر ہر ایک مذہب کی صداقتوں کا دائرہ تنگ ہوتا چلا گیا۔

ان تمام قومی نبیوں کے اندر جو وقتًا فوقتًا اپنی اپنی قوموں کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے حضرت مسیح علیہ السّلام کو ایک خصوصیت معلوم ہوتی ہے۔ آپ ان قومی نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد چھ سو سال تک دنیا کے کسی حصہ میں کوئی نبی پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ رحمۃ للعالمین کا وجود مبارک دُنیا میں ظاہر ہوکر کل قومی تفریقوں کو مٹا دیتا ہے۔ لیکن حضرت مسیح کو بھی چونکہ زمانہ محمدی سے کچھ قرب حاصل تھا۔ اس لیئے آپ کی تعلیم میں بھی کچھ وسعت کا رنگ پیدا ہوگیا۔ گو وہ رنگ ایسا ہے کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کے ذہن میں نہ تھا۔ بلکہ زیادہ تر مسیحی مذہب پر یہ رنگ چڑھانے والے آپ کے وہ جانشین ہیں جنہوں نے یہودیوں کی اصلاح سے مایوس ہوکر دوسری قوموں کی طرف رُخ کیا۔ مگر ایسی حالت میں کہ اس مذہب کی ہی کایا پلٹ دی۔ جس کو لے کر حضرت مسیح علیہ السّلام آئے تھے۔ حضرت مسیح کی تعلیم میں جو تھوڑی بہت وسعت پائی جاتی ہے وہ اور قسم کی ہے اور اس میں کوئی شبہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ یقین واثق سے اس عقیدہ پر قائم تھے کہ آپ کا پیغام اور آپ کی اصلاح کا دائرہ صرف قوم بنی اسرائیل تک محدود ہے۔ اور اس لیئے ان قومی تفریقات کو مٹانا آپکا

کام نہ تھا جنھوں نے مذہبی صداقتوں کے دائرہ کو ایک عرصہ دراز سے تنگ کرکے خاص خاص قوموں کے ملک بنا رکھا تھا۔ آپ نے بہت سی یہودی تعصبات کو توڑا۔ نمائشی پرہیزگاری سے روکا۔ اور دل کی پاکیزگی کی طرف بندوں کو توجہ دلائی۔ مگر قومی تعصب کی سدِ سکندری کو دُور کرنا آپ کی طاقت میں نہ تھا۔ آپ کی وہ خوبصورت پہاڑی وعظ اپنے اندر بعض بڑی بڑی خوبی کے جواہر ریزے رکھتی ہے اور بہت سی اعلےٰ درجہ کی ہدایات برنگ تعلیم اس کے اندر موجود ہیں۔ گو وہ عملی جامہ پہننے کو ناقابل ہوں مگر وہ دیوار جو یہودی اور غیر یہودی اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کے درمیان حائل تھی۔ اسکو آپ نہیں اُٹھا سکے۔ اسی پہاڑی وعظ میں جس کے دل خوش کن فقرات اکثر حالات میں عمل میں آنیکے قابل ہیں اور جس میں معلوم ہوتا ہے کہ آپ انسان کو اس کی طاقت سے بھی بڑھ کر کسی اعلےٰ مقصد کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ جہاں تک پہنچنا آج دوہزار سال بعد بھی ویسا ہی ناممکن ثابت ہوا ہے۔ جیسا اس تعلیم کے وقت تھا۔ یہ عجیب بات نظر آتی ہے کہ نسل انسانی کی وحدت پر آپکی تعلیم بالکل اُلٹے رنگ میں اور اسی قومی تفریق کے رنگ سے رنگی ہوئی ہے۔ جو عام طور پر یہودیوں میں پائی جاتی تھی۔ حالانکہ کم از کم پہاڑی وعظ کے دل خوش کن مگر ناقابل عمل ہدایات کے اندر تعلیم بالکل اجنبی معلوم ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں "وہ چیز جو پاک ہے کتوں کو مت دو اور اپنے موتی سؤروں کے آگے نہ پھینکو۔ ایسا نہ ہو کہ وے اُنھیں پامال کریں اور پھر کر تمہیں پھاڑیں" (متی باب ۷ درس ۶) اگر کتوں سے مراد وہ ناپاک لوگ ہوں جو اچھی باتوں کی قدر نہیں کرتے تو خواہ ایک معترض کچھ کہے۔ مگر ان الفاظ کی ایک اچھی توجیہہ مل جاتی ہے۔ گو اس میں بظاہر ایک مایوسی کا رنگ پایا جاتا ہو۔ کہ بعض لوگوں کو کتوں کی طرح ناپاک سمجھ کر انھیں نصیحت کے قابل بھی نہ سمجھا جائے۔ تاہم یہ بات ایک حد تک قابل تسلیم ہوجاتی۔ کہ جب بعض لوگ اس بات پر تلے ہوئے ہیں۔ کہ وہ اچھی باتوں کی پروا نہیں کریں گے تو اُن کی طرف توجہ نہ کی جائے۔ گو یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کے پاک کلام نے جو حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ ایک نہایت لطیف راہ اختیار کی ہے۔ اور گو ان لوگوں کا نقشہ بار بار کھینچا ہے۔ جو کلام الٰہی کی قدر دانی نہیں کرتے اور سچے ناصح کی نصیحت پر کان نہیں دھرتے۔ لیکن فرمایا سواء علیھم ء انذرتھم ام لم تنذرھم ان کے نزدیک یکساں ہے تو اُن کو ڈرائے یا نہ ڈرائے۔ کہیں فرمایا لھم قلوب

لا یفقہون بہا ولہم عین لا یبصرون بہا ولہم اذان لا یسمعون بہا اولئک کالانعام بل ہم اضل اولئک ہم الغفلون (الاعراف ۱۷۹) اُن کے دل ہیں ان سے سمجھتے نہیں اور اُن کی آنکھیں ہیں اُن سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں اُنسے سنتے نہیں وہ چارپاؤں کی طرح ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ یہ غافل (لاپروا) لوگ ہیں۔ مگر سارے قرآن میں یہ کہیں نہیں فرمایا کہ تم ان سے مایوس ہو کر انھیں وعظ کرنا چھوڑ دو۔ بلکہ بار بار بلاغ اور انذار کے حکم ہی نازل ہوتے ہیں اور اس سے بھی بڑھ کر بار بار امید دلائی ہے کہ یہ مُردے ہیں جن کو ہم زندہ کردیں گے۔ اور یہ اندھے ہیں جن کو ہم آنکھیں دیں گے اور ان کی تمام ناپاکیوں اور پلیدیوں کو ہم دُور کردیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے انبیاء کے مقابل حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو کیسا عظیم الشان عزم دیا گیا ہے۔ اور جتنا بڑا کام ہو ضروری ہے کہ اتنا ہی بڑا عزم ہو۔ لیکن اس بات کو الگ کرکے بھی ہم اس قدر تسلیم کرنے کو تیار ہیں کہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام کی کلام میں ناپاکوں سے مراد وہ پلید لوگ ہوتے جو پاکیزگی کی راہوں کو اختیار کرنا ہی نہیں چاہتے تو حضرت مسیح کے ان الفاظ کی ایک اچھی توجیہہ ہوسکتی ہے لیکن جب ہم خود انجیل متی کو پڑھتے ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کے دُوسرے کلام سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کا ان الفاظ میں اس اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کی تفریق کی طرف اشارہ تھا جو اب تک یہودی قوم میں چلی آتی تھی۔ کہ وہ اپنے آپ کو خدا کی ایک برگزیدہ قوم بلکہ خدا کے بیٹے اور پیارے سمجھتے تھے۔ جیسا کہ قرآن کریم نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے نحن ابناء اللہ واحباؤہ۔ ہم اللہ کے بیٹے اور اُس کے پیارے ہیں۔ اور دُوسروں کو ناپاک، اور ناقابل التفات اور اللہ تعالےٰ کی عامہ رحمتوں اور باطنی نعمتوں سے قطعاً محروم سمجھتے تھے۔ اور حضرت مسیحؑ کا پہاڑی وعظ کے منقولہ بالا فقرہ میں مطلب یہی تھا۔ یعنی پاک سے مراد اُن کی اپنی تعلیم تھی اور کتوں سے مراد غیر اسرائیلی قومیں۔ چنانچہ ذیل کا واقعہ اسے روز روشن کی طرح صاف کرتا ہے ✦

"تب یسوع وہاں سے روانہ ہوکے صور اور صیدا کی اطراف میں گیا۔ اور دیکھو ایک کنعانی عورت وہاں کی سرزمین سے نکل کے اسے پکارتی ہوئی چلی آئی۔ کہ اے خداوند داؤد کے بیٹے مجھ پر

رحم کر کہ میری بیٹی ایک دیو کے غلبہ سے بے حال ہے اُس نے کچھ جواب نہ دیا تب اسکے شاگردوں نے پاس آکر اس کی منت کی کہ اسے رخصت کر کیونکہ وہ ہمارے پیچھے چلاتی ہے اس نے جواب میں کہا میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی پاس نہیں بھیجا گیا۔ پر وہ آئی اور اُسے سجدہ کر کے کہا۔ اے خداوند میری مدد کر۔ اس نے جواب دیا مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو پھینک دیویں۔ اس نے کہا سچ اے خداوند مگر کتے بھی جو ٹکڑے ان کے خداوند کی میز سے گرتے کھاتے ہیں۔ تب یسوع نے جواب میں اُسے کہا اے عورت تیرا اعتقاد بڑا ہے۔ جو چاہتی ہے تیرے لیئے ہوئے" (متی باب ۱۵ درس ۲۱ تا ۲۸)

اب اس حوالہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ان ناپاک لوگوں کو کتے نہیں کہا گیا جو خدا کی کلام کی پروا نہ کرتے ہوں۔ بلکہ غیر اسرائیلیوں کو خواہ وہ کلام سننے کے یا اس سے فائدہ اٹھانیکے کتنے ہی مشتاق کیوں نہ ہوں کتے کہا گیا ہے۔ اور آخر اس کنعانی عورت نے کتا ہونا قبول کیا۔ تو حضرت مسیح سے فائدہ اٹھایا۔ یہاں جو جنوں اور بھوتوں کے نکالنے کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے اس سے ہمیں چنداں بحث نہیں۔ خواہ وہ جن اور بھوت جن کی مسیح سے نکالنے کی درخواست کیگئی اس قسم کے جن اور بھوت تھے جیسے آج کل بھی عامل لوگ نکالنے کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ یا وہ جن تھے جو انسانوں کے ایمان پر قبضہ کر کے اُن کو نیکیوں سے محروم کر دیتے ہیں۔ جن کے نکالنے کے لیئے خدا کے نبی مبعوث ہو کر آتے ہیں۔ بہرحال حضرت مسیح نے اس کنعانی عورت کو فائدہ پہنچانے سے انکار کیا۔ کیونکہ وہ اسرائیلی نہ تھی۔ متی کی انجیل کے ہی ایک اور مقام سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔ جہاں بارہ حواریوں کو تبلیغ کے لیئے روانہ کیا جاتا ہے۔ وہاں حضرت مسیح اُن کو ذیل کی ہدایات دیتے ہیں۔

"ان بارھوں کو یسوع نے فرما کے بھیجا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا۔ اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔ بلکہ پہلے اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جاؤ اور چلتے ہوئے منادی کرو اور کہو کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آئی۔ بیماروں کو چنگا کرو۔ کوڑھیوں کو پاک صاف کرو۔ مردوں کو جلاؤ۔ دیووں کو نکالو۔ تم نے مفت پایا مفت دو" (متی باب ۱۰ درس ۵ تا ۸)

پس حضرت مسیح نے نہ صرف اپنی دعوت کو ہی اسرائیلیوں تک محدود کیا۔ بلکہ اُس نے اپنے

پیرؤوں کو بھی ایسا ہی کرنے کی ہدایت کی۔ غیر اسرائیلیوں کے ساتھ انھیں تعلق رکھنے یا انھیں وعظ و نصیحت کرنے سے منع کیا۔ اور یہ حد بندی صرف فرضی اور لفظوں تک محدود نہ تھی۔ بلکہ اسکا بڑا بھاری ثبوت یہ بھی ہے کہ عملاً بھی یہی کچھ خود حضرت مسیح علیہ السّلام نے کیا۔ چنانچہ جب تک آنجناب ان کے درمیان رہے ایک بھی غیر اسرائیلی نہ آپ کے حواریوں میں داخل ہوا نہ ہی اس سلسلۂ اخوت میں منسلک کیا گیا۔ جس کی بنیاد اسرائیل کے اندر حضرت مسیح علیہ السّلام نے رکھی تھی بلکہ آپ کے تمام کے تمام متبعین صرف اسرائیلی تھے۔ اس طرح پر جو وعظ زبانی آپ نے فرمایا کہ ہمارا مشن صرف اسرائیل تک محدود ہے۔ اس کا عملی ثبوت بھی دے دیا اور کسی غیر اسرائیلی کو اپنے سامنے عیسائی مذہب میں داخل نہیں کیا۔ بلکہ اس لحاظ سے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی تبلیغ کا دائرہ زیادہ وسیع نظر آتا ہے۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر جو لوگ مصر میں ایمان لائے اُن کو آپ ساتھ ہی لے آئے تھے۔ جب مصر سے خروج فرمایا۔

تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر واقعی حضرت مسیح کی یہی تعلیم تھی اور یہی آپ کا عمل تھا تو بلا شبہ عیسویت کا دائرہ صرف اسرائیلیوں تک محدود تھا۔ پھر آج جو ہم دیکھتے ہیں کہ اسرائیلی قوم کے لوگ عیسائیت کے اندر آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟ ہر ایک شخص جو عیسائی مذہب کی تاریخ سے واقف ہے وہ اس سوال کا جواب یہی دے گا۔ کہ اس وسعت کا ذمہ دار پولوس تھا مگر اس کو بھی ہم الزام نہیں دیتے کہ اُس نے اپنے استاد کی تعلیم کے خلاف کیا۔ کیونکہ جیسا کہ اُوپر ذکر ہوُا ایک حد تک حضرت مسیح نے خود بھی حد بندی کو توڑ دیا تھا۔ گو غیر اسرائیلی کو انھوں نے سلسلۂ خود میں داخل نہیں کیا۔ مگر گرتے ہوئے ٹکڑوں کے کتوں کو دینے سے بھی انکار نہیں کیا۔ مسیح کے حواریوں کو جنھوں نے مسیح کے احکام اپنے کانوں سُنے تھے کہ تم نے غیر اسرائیلی کے پاس نہ جانا اور مسیح کے عملدرآمد کو اپنی آنکھوں دیکھا تھا۔ کہ کوئی غیر اسرائیلی سلسلۂ اخوت میں داخل نہیں کیا گیا۔ پہلے پہل ضرور پولوس کے خیالات سے اختلاف ہوُا ہوگا۔ مگر بالمقابل اس کے وہ یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ کس طرح ایک غیر اسرائیلی عورت کی گریہ وزاری پر حضرت مسیح نے کوئی رحم نہیں کھایا۔ جب تک کہ اس نے کُتا بن کر گرے ہوئے ٹکڑے نہیں مانگے۔ ہاں جب اُس نے اپنے آپ کو اس حیثیت میں پیش کیا تو مسیح نے بھی وہ چیز جسے اسرائیلی قبول نہ کرتے تھے۔ اسکو دینے

سے انکار نہیں کیا۔ تب آپ کا دل اس کے لئے پگھلا۔ پس یہ نظارہ بھی ضرور ان کی آنکھوں کے سامنے ہوگا۔ کہ جو چیز بحیثیت بیٹا ہونے کے غیر اسرائیلیوں کو نہیں دیجا سکتی۔ وہی چیز ایک ادنےٰ درجہ پر ان کو رکھ کر دیجا سکتی ہے۔ تو گویا گو حضرت مسیح نے بنی اسرائیل کے سلسلۂ اخوت کو توسیع کرنا پسند نہیں کیا۔ اور بحیثیت بیٹوں کے دوسروں کو داخل کرنے سے انکار کیا۔ مگر وہ نصائح جنکو بیٹے قبول نہ کریں اُنہی کو اگر دُوسرے لوگ اس حیثیت میں لے لیں جس حیثیت میں ایک کتا بھی اپنے مالک کی روٹی کا حصہ لے لیتا ہے۔ تو اس میں کوئی مضایقہ نہیں سمجھا۔ اِس طرح پر گویا اس دیوار میں ایک چھوٹا سا روزن ہوگیا جو اسرائیلیوں اور غیر اسرائیلیوں کے درمیان حایل تھی۔ اور وہ چیز جسے ابھی ساری قوموں کو بھائی بھائی بنا کر دینے کا وقت نہ آیا تھا۔ وہ ایک ادنےٰ حیثیت کو قبول کرنے کی صورت میں دُوسروں کو بھی ملنے کی امید ہوگئی۔ پولوس کے دِل میں ضرور اِس قسم کے خیالات موجزن ہونگے۔ جب اُس نے دیکھا کہ یہودی تو مسیح کے پیغام کی پرواہ نہیں کرتے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کا نام ہی دُنیا میں نہ رہے۔ اس تعلیم سے اگر یہودی فائدہ نہیں اُٹھاتے تو کیوں غیر اسرائیلیوں کو اس دائرہ کے اندر داخل نہ کیا جاوے۔ کیونکہ بہرحال اِس تعلیم کا زندہ رکھنا ضروری ہے اور کنعانی عورت کے ساتھ جو معاملہ مسیح کا ہُوا وہ اُس کے ذہن میں ہوگا۔ جیسا کہ ذیل کے حوالہ سے معلوم ہوتا ہے:۔

"دوسرے سبت کو قریب سارے شہر کے لوگ اکٹھے ہوئے کہ خدا کا کلام سُنیں۔ مگر اتنی بھیڑ دیکھ کے یہودی ڈاہ سے بھر گئے اور خلاف کہتے اور کفر بکتے ہوئے پولس کی باتوں سے مخالفت کی تب پولس اور برنباس نڈر ہوکے بولے کہ ضرور تھا کہ خدا کا کلام پہلے تمہیں سنایا جائے لیکن جس حال کہ تم نے اُس کو رد کیا اور آپ کو ہمیشہ کی زندگی کے لائق نہ سمجھا تو دیکھو ہم غیر قوموں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں"۔ (اعمال باب ۱۳ ورس ۴۴ تا ۴۶)

پولوس کے یہ الفاظ کہ ضرور تھا۔ کہ خدا کا کلام پہلے تمہیں سنایا جائے۔ صاف بتاتے ہیں کہ اُس نے حضرت مسیح کے کنعانی عورت والے قصہ کی یوں تاویل کی کہ اصل اور مقصود بالذات تو یہودی کی اصلاح ہی تھی۔ لیکن جب اُنھوں نے انکار کیا۔ اور مسیح کے پیغام کو قبول نہیں کیا۔ تو اب دوسروں کی طرف متوجہ ہونے میں کوئی ہرج نہیں۔ چنانچہ پولوس ہی اس تحریک کا اصل بانی ہے جس نے

بعد میں عیسائی مذہب کا اصل نقشہ بالکل بدل دیا اور ایک طرف اگر اُس کو عالمگیر مذہب بنا دیا تو دوسری طرف ان اصُول حقہ پر بھی اس کو قائم نہ رہنے دیا جن پر حضرت مسیح قائم تھے۔ اس طرح پر دونوں پہلوؤں میں حضرت مسیح کی تعلیم کی مخالفت کی۔ مگر وہ صریح مخالفت نہ تھی۔ بلکہ تاویل کے رنگ میں مخالفت تھی پھر جب یہ دروازہ کھل گیا تو یہودیوں سے علیحدگی بھی روز بروز بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ توحید کی تعلیم بھی ترک کردی گئی۔ جسے مسیح لائے تھے اور بُت پرست مذاہب کا جو اس وقت رُومی سلطنت مروج تھے۔ رنگ عیسائیت پر چڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ آخر یہ مذہب ایک بالکل نیا اور عالمگیر مذہب بن گیا۔ حضرت مسیح علیہ السّلام کا منشاء تو پورا نہ ہؤا مگر ان کا نام خوب کام دے گیا۔ اور محض اس نام کے نیچے بہت سی وہ باتیں اس مذہب کے اندر داخل کردی گئیں جن کی غرض غیر اسرائیلیوں کے گلے سے اس کڑوی گولی کو نیچے اُتارنا تھا۔ اس طرح پر ایک طرف اگر یہودیوں کی بجائے غیر یہودی اس مذہب کے پیروؤں میں بڑھتے چلے گئے تو دوسری طرف خود یہودیت کے اجزاء اس میں سے مفقود ہوتے چلے گئے اور ان کی جگہ نئے نئے اعتقادات ابنیت اور کفارہ و تثلیث نے لے لی۔ مگر باایں وسعت جو بانیٔ مذہب کی منشاء کے سراسر خلاف تھی۔ عیسائیت وہ حقیقی اخوت کی رُوح اپنے پیروؤں میں پیدا نہیں کرسکی جو ہر قسم کی غیریت اور تفریق قومی کے خیالات کا قلع قمع کردے۔ بلکہ تفریق قومیت کا مٹانا تو بڑا بھاری مرحلہ تھا۔ دنیوی مرتبہ کی تفریق کو بھی عیسائیت نہیں مٹا سکی۔ اور وہ اخوت کا وسیع خیال جو اسلام نے دُنیا میں آکر پیدا کیا کہ ایک بادشاہ اور فقیر خدا کے حضور دوش بدوش کھڑے ہوتے ہیں۔ گرجا کے اندر اس قدر مساوات انسانی مسیحیت پیدا نہیں کرسکی۔ کیونکہ وجاہت اور مرتبہ کی تفریق کا اثر گرجا کے اندر اسی طرح ہے جیسے باہر۔

کامل اور عالمگیر اخوت اور نسل انسانی کی وحدت کی بُنیاد ڈالنے کا کام اللہ تعالےٰ نے اس نبی کے لیئے مقدر کر رکھا تھا جس نے سلسلۂ نبوت کو اس کے کمال تک پہنچا کر ختم کرنا تھا۔ اور اسی نبی پر خدا کا وہ کلام اُترا جس نے آخر اس بات کو کھول کر بتا دیا۔ کہ خدا کی سلطنت میں ہر ایک قوم اور رنگ کے لوگ بیٹھے ہیں۔ کتا کوئی نہیں۔ اور وہ دروازہ جس کے ذریعہ سے انسان خدا کی بادشاہت میں داخل ہوسکتا ہے وہ سب کے لیئے یکساں کھلا ہے۔ یہی معنے تھے اس آیت کے جس کے متعلق بعض لوگوں کو غلط فہمی بھی ہوئی ہے۔ ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا والنصارٰے

والصابئین من امن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحا فلهم اجرهم عند ربهم ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون۔ اور جو ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور عیسائی اور صابی۔ جو کوئی بھی اللہ اور یوم آخر پر ایمان لاتا ہے اور اچھے عمل کرتا ہے۔ تو اُن لوگوں کا اجر اُن کے رب کے حضور ہے اور اُن پر کوئی خوف نہیں نہ وہ غمگین ہونگے۔ غرض خاتم النبیین نے خدا کی بادشاہت کا دروازہ سب کے لیئے کھولدیا۔ اور حق بھی یہی تھا۔ کہ جو نبی اپنی اپنی قوموں کے لیئے آتے رہے انکا ساری نسل انسانی سے کیا کام تھا۔ اس کے سامنے ایک قوم اور اسی کی اصلاح تھی اسلیئے ان اصلاحات کے باوجود کل نسل انسانی کی وحدت کو قایم کرنیکا کام اسیطرح باقی چلا آتا تھا۔ ایک ایک قوم کی اصلاح ایک ایک نبی نے کی کل کی اصلاح کا کام محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوا اور اسلیئے آپ نے مختلف اقوام کے حقیقی تعلقات پر بھی روشنی ڈالی اور یہ بتایا کہ دراصل سارے انسان ایک ہی ہیں۔ بدیں طرح

یا یہا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منها زوجها وبث منهما رجالا کثیرا ونساء واتقوا اللہ الذی تساءلون به والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا (النساء)

اے لوگو حفاظت کرو اپنے رب کی (حقوق کی) جس نے تم کو ایک ہی جی سے پیدا کیا اور اسی جنس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دو سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور حفاظت کرو اللہ کے (حقوق کی) جس کے ذریعے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رحموں کے (حقوق کی) اللہ تم پر نگہبان ہے۔

کس قدر وسعت نسل انسانی کی یگانگت اور اتحاد کی اس آیت میں پائی جاتی ہے سارے کے سارے انسان عرب ہوں یا عجم مسلم ہوں یا غیر مسلم خواندہ ہوں یا جاہل۔ امیر ہوں یا غریب سیاہ ہوں یا سپید بڑے ہوں یا چھوٹے سب کے سب ایک ہی اصل سے ہیں ایک ہی جی سے پیدا ہوئے اور سب کے درمیان رشتہ داری کے تعلقات ہیں۔ گویا ساری نسل انسانی اس آیت کے رُو سے ایک کنبہ ہے۔ اور اس لیئے ان سب کے ایک دوسرے کے ذمہ حقوق رشتہ داری ہیں۔ اللہ ان سب کا رب یعنی ان کی ربوبیت کرنے والا ہے۔ جو ان کو طرح طرح کے سلسلوں سے ادنےٰ حالت سے اعلےٰ حالت کی طرف لیجا رہا ہے۔ اور اس عظیم الشان بادشاہ کے حضور یہ انسانوں کے چھوٹے چھوٹے اختلافات قوم کے ہوں یا رنگ کے مرتبہ کے ہوں!!

وجاہت کے۔ دولت کے ہوں یا جتھے کے بالکل معدوم ہو جاتے ہیں۔ یہ اسلام کی عالمگیر اخوت کی بُنیاد ہے۔ جس میں کل کے کل انسان داخل ہیں اور سب کے ایکدوسرے پر حقوق اور سب کے ایکدوسرے کے متعلق ذمہ داریاں ہیں۔ جیسے ایک رشتہ دار کے دوسرے رشتہ دار پر اور وہ سب ایک ہی شہنشاہ کی رعایا اور ایک ہی خالق کی مخلوق ایک ہی ہاتھ سے ان سب کی ربوبیت ہوتی ہے۔

دوسری جگہ یہ بھی بتا دیا کہ قوموں اور قبیلوں کے اختلافات کیا ہیں اور اُن کی اصل غرض کیا ہے۔ چونکہ یہ اختلافات بھی دُنیا میں پائے جاتے ہیں۔ اس لیئے قرآن کریم نے ان کو بھی لیا ہے اور بتایا ہے کہ اُن کی حقیقی غرض کیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔

یایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثیٰ وجعلنٰکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم ان اللہ علیم خبیر (الحجرات ۱۳) ۔ اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور تم کو قومیں اور قبیلے بنایا۔ تاکہ تم ایک دُوسرے کو پہچانو۔ یقیناً اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑھ کر عزت والا وہی ہے جو سب سے بڑھ کر متقی ہے۔ اللہ جاننے والا خبردار ہے۔ انسانوں کی اخوت کا اصول یہاں بھی ایک عالمگیر بنیاد پر رکھا گیا ہے۔ یہاں خطاب مسلمانوں یا الذین اٰمنوا سے نہیں بلکہ کل نسل انسانی سے ہے اور تمام کو ایک ہی لفظ میں مخاطب کر کے ایک حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ کہ تم سب کو ہم نے ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے۔ گویا تم ایک ہی ماں باپ کی نسل ہو اور گو تم جانو یا نہ جانو تم میں وہی تعلق ہے جو ایک ماں باپ کے بیٹوں میں ہوتا ہے۔ یعنی تم سب کے سب بھائی ہو۔ اس سے بڑھ کر اخوت کی عالمگیر بنیاد نہیں ڈالی جا سکتی تھی۔ پھر فرمایا کہ ہم نے ہی تم کو قومیں اور قبیلے بھی بنایا ہے۔ گویا یہ بھی نسل انسانی کی ترقی کی ایک ضرورت تھی۔ اس لیئے اللہ تعالےٰ نے اسے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ لیکن قوموں اور قبیلوں کے امتیازات اس غرض کے لیئے نہ تھے۔ کہ تم ایک دوسرے کے دشمن بن جاؤ۔ اور ایک دوسرے کی بیخ کنی کے درپے ہو جاؤ۔ بلکہ فرمایا کہ ہمارے تم کو قومیں اور قبیلے بنانے سے یہ غرض ہے لتعارفوا تا تم ایک دُوسرے کی معرفت حاصل کرو۔ ایک دوسرے کو پہچانو اور جانو۔ اور میل ملاقات اور ربط کے طریقوں کو بڑھاؤ۔ یہ لفظ تعارف کا قرآن کریم نے کیوں استعمال فرمایا۔ اس لیئے کہ قومی تفریقات اور قومی بغض و عناد کی اصل جڑ اسی تعارف کا نہ ہونا ہے۔ باہم تعارف سے ایک قوم دوسری قوم

کی خوبیوں کو اور بالمقابل اپنے نقصوں کو دیکھ سکتی ہے۔ اور اس طرح ایک دوسرے کی قدر کرنے لگتے ہیں۔ لیکن تعارف کے نہ ہونے سے ایک دوسرے سے اجنبیت بڑھتے بڑھتے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ ایک قوم دوسری قوم کی بیخکنی کے درپے ہو جاتی ہے۔ جس طرح افراد میں جب میل ملاقات کے تعلقات زیادہ ہوتے ہیں تو اخوت اور ہمدردی کے خیالات ترقی پاتے ہیں۔ اسی طرح قوموں میں بھی تعارف کے بڑھنے سے ایک دوسرے سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ پس وہ چیز جس نے قوم کو قوم کا دشمن بنا رکھا ہے۔ اس کے دور کرنے کی راہ اسلام نے بتائی ہے اور وہ یہ ہے کہ تم ایک دوسرے سے تعارف بڑھاؤ۔

اس کے بعد اسی آیت کے آخر میں ایک اور بات کی طرف توجہ دلائی۔ جب ساری نسل انسانی ایک ہوئی اور قوموں اور قبیلوں کے امتیاز بھی ایک دوسرے پر فخر کرنے کے لیئے نہیں۔ جیسا کہ اس سے پہلے بھی فرمایا لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیرا منھم۔ ایک قوم دوسری قوم سے تمسخر نہ کرے یعنی ان کو حقیر نہ جانے (کیونکہ تمسخر حقارت کی وجہ سے ہی پیدا ہوتا ہے) شاید وہ ان سے بہتر ہوں اور اس لیئے قومی بڑائی ایک غلط راہ ہے۔ تو آخر اس وسیع انسانی کنبہ میں ایک کو دوسرے پر بڑائی کس طرح ہو سکتی ہے۔ کیونکہ کوئی بڑا اور کوئی چھوٹا تو ضرور ہوگا۔ اس لیئے نسل انسانی کی وحدت اور قومی تفریقات کی غلطی کو بتا کر اب یہ بتایا کہ بڑائی تو وہی ہے جو خدا کی نگاہ میں بڑائی ہو جو سب کا مولیٰ اور مالک ہے۔ ایک کا دوسرے کی نظر میں بڑا ہونا یہ کوئی قابل فخر بات نہیں۔ کیونکہ انسانوں کی بڑائی کے معیار اُن کی نظر کی تنگی کی وجہ سے ادنیٰ ہونے کے علاوہ ایک دوسرے سے اختلاف بھی رکھتے ہیں۔ مگر جب ساری نسل انسانی ایک کنبہ ہوئی تو ان سب کے لیئے کوئی ایک معیار بھی ہونا چاہیئے جو ایک کی دوسرے پر حقیقی بڑائی بتا سکے۔ وہ معیار یہی ہو سکتا ہے کہ سب کے مالک و خالق کی نگاہ میں بڑا کون ہے اور چھوٹا کون۔ عزت کے قابل کون ہے اور ذلت کے کون۔ اس عظیم الشان شہنشاہ کے حضور رنگوں اور ملکوں کے فرق۔ دولت اور طاقت کے فرق مرتبہ اور وجاہت کے فرق کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ سارے انسانوں کی ساری دولت بھی آپ کی سلطنت میں اتنی وقعت نہیں رکھتی جتنی سمندر میں ایک قطرہ کو یا بیابان میں ایک ذرہ ریگ کو حاصل ہے۔ پس جو چیز خدا کی نگہ میں وقعت نہیں رکھتی وہ خدا کی نگہ میں قابل عزت ہونے کا معیار بھی نہیں ہو سکتی۔

اس لیئے بتایا کہ حقیقی معیار یہ ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔ خدا کی نگہ میں سب سے زیادہ اکرام اور عزّت کے قابل وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

متقی کون ہے وہ جو اپنے آپ کو ہر ایک بُری راہ سے بچاتا اور ہر اچھی راہ پر لگاتا ہے۔ جو حفاظت کرتا ہے ان حقوق اللہ کی جو اس کے ذمہ ہیں اور ان حقوق العباد کے جن کا وہ جوابدہ ہے پس تمام مادی اور جسمانی معیاروں کو چھوڑ کر عزّت اور بڑائی کا معیار جو قرآن نے پیش کیا ہے وہ اخلاقی معیار ہے۔ اب غور کرو کہ کیسی خوبصورت یہ عالمگیر اخوّت کی عمارت ہے۔ جس کی بُنیاد نسل انسانی کی یگانگت کی مضبُوط چٹان پر ہے۔ جس کے سب حصّے ایک دوسرے کی خوبصورتی کو نمایاں کرنے والے ہیں اور جس کی خوبصورتی وہ شے ہے جس پر کبھی زوال نہیں آ سکتا۔ اور وہ مادی اشیاء نہیں جو ہر دم معرض تغیّر میں ہیں۔ یہ وہ عالمگیر اخوّت ہے جو اسلام نے دنیا میں قائم کی۔ اور اسلام کے جھنڈے تلے اس اخوت کا زندہ نمونہ نظر آتا ہے۔ اور گو مسلمانوں کی حالت بُہت کچھ قرآن کو چھوڑ دینے سے گر گئی ہے مگر پھر بھی اس اخوت کا جو نظارہ اسلام میں پایا جاتا ہے کسی دوسرے مذہب میں اس کی کوئی مثال ہم نہیں دیکھتے۔

اور یہ کون شخص تھا جس نے ایسی عظیم الشان عمارت اخوت کی بنیاد ڈالی اور اس کو ہر پہلو سے اس طرح سے مکمل کیا۔ اور ہر ایک قسم کی تفریقات کو مٹا کر سب کو فرزندوں میں داخل کیا۔ اور نہ کسی کے لیئے ایسی تحقیر باقی رکھی کہ وہ خدا کی بادشاہت میں گننے سے تشبیہہ پائے۔ نہ کسی کو ان فوائد سے محرُوم رکھا جو اللہ تعالےٰ نے سب کے لیئے یکساں پیدا کیئے ہیں۔ یہ مہذّب یورپ کا کوئی انیسویں یا بیسویں صدی کا فلاسفر نہیں۔ گو ان مہذب فلاسفروں نے تو نسل انسانی کی وحدت قایم کرنے کی بجائے اور بھی تفریقات قومی کو جن کو زمانہ مٹاتا چلا جا رہا تھا نمایاں کر دیا ہے۔ بلکہ یہ سارے مہذب ممالک سے کٹے ہوئے ایک ریگستانی ملک عرب کے ناخواندہ لوگوں میں سے ایک اُمّی تھا۔ جو آج سے تیرہ سو سال پیشتر دُنیا میں گذر چکا ہے۔ جب قومی تفریقات باعث فخر تھیں۔ جب یہودی غیر یہودی کو اور عیسائی غیر عیسائی کو مردود اور ملعون اور ہمیشہ کے جہنّم کا وارث ٹھیراتا تھا۔ ہاں یہ اُنہی عربوں میں سے ایک عرب تھا۔ جو غیر عربوں کو عجم کے نام سے پکار کر اُن کی اس طرح تحقیر کرتے تھے کہ وہ گویا گونگے یا فصاحت سے عاری ہیں۔ بلکہ اُن کو حیوانات سے مشابہت دیتے تھے۔ عرب خود

سارے ممالک سے علیحدہ اور بے تعلق ایک کونہ میں پڑا ہوا اس ابتدائی جہالت کی حالت میں چلا آتا تھا۔ اور اس کے مشرق و شمال میں جو قومیں اس کی حد کے ساتھ ملی ہوئی رہتی تھیں اُن سے بھی اسے کوئی تعلق نہ تھا۔ دُوسروں کے تعلقات کو چھوڑو اس ملک کے اندر رہنے والے لوگ جو ایک ہی شخص کی اولاد اور ایک ہی زبان کے بولنے والے تھے۔ ان میں اتحاد اور یگانگت کی بو تک نہ تھی۔ بلکہ ایک دُوسرے کے دشمن۔ ہر وقت ایک دُوسرے کا گلا کاٹنے کے لیئے تیار شب و روز ایک دُوسرے کے ساتھ جنگ میں مصروف۔ اس ملک میں ان حالات کے اندر ایک عربوں کے اتحاد کو قائم کرنا بھی کسی انسان کے وہم وگمان میں نہ آسکتا تھا۔ چہ جائیکہ اس سرزمین میں ایک شخص انہی حالات کے اندر کھڑا ہو کر ساری کی ساری نسل انسانی کے لئے اتحاد اور یگانگت کی بنیاد رکھتا۔ کس قدر حوصلہ اور کس قدر ہمت ہے کہ منوانی تو ہے یہ بات کہ ساری قومیں ایک ہی ہیں اور سب عرب ہوں یا عجم۔ کوئی رنگ ہو کوئی مذہب ہو بھائی بھائی ہیں اور پہلے ان لوگوں سے منوانے کا بیڑہ اُٹھاتا ہے جو ایک ہی نسل اور قوم ہو کر دن رات آپس میں کٹ مر رہے ہیں۔ یہ وہ بات ہے جو بتاتی ہے کہ یہ عالمگیر اخوت کا پیغام جو ملک عرب میں دیا جاتا ہے وُہ ایک انسان کا کام نہیں تھا۔ بلکہ اس قادر مطلق نے جو عجائب سے عجائب کام اپنی قدرت سے کر دکھاتا ہے۔ یہ مقدر کر رکھا تھا کہ یہ عجیب کام ایک اِس قسم کے انسان کے ہاتھ سے کر دکھائے۔ تا لوگ جان لیں کہ اس پیغام کا دینے والا ایک عاجز انسان نہیں بلکہ وہ قادر مطلق خدا ہے جس کے سامنے کوئی بات انہونی نہیں۔ اس سے بڑھ کر معجزہ کیا ہوتا ہے کہ وہ بات جو کِسی کے وہم وگمان میں نہ آسکتی تھی ایک شخص کے دل میں ڈالی جاتی ہے۔ اور سب سے پہلے اتحاد نسل انسانی پر ان لوگوں کو قائم کیا جاتا ہے جن میں جب سے تاریخ اُن کے حالات کا کچھ تھوڑا بہت پتہ دیتی ہے۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کے خلاف ہمیشہ برسرپیکار رہا ہے۔ گویا یہ بتانا مقصود تھا۔ کہ جب ایسے خطرناک حالات میں اتحاد کا بیج سرسبز ہو سکتا ہے۔ تو پھر بہتر حالات کے ماتحت اس کا سرسبز ہونا کیا مشکل ہے +

یہ عجیب بات ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات میں ابتدائے دعوے نبوت سے ہی کسی قسم کی تفریق عرب اور غیر عرب میں نظر نہیں آتی۔ بائبل میں یہ فقرہ بار بار دھرایا

گیا ہے۔ خداوند بنی اسرائیل کا خدا۔ مگر قرآن میں یا حدیث میں یہ لفظ کبھی نہ پاؤ گے کہ بنی اسمٰعیل کا خدا یا عربوں کا خدا۔ بلکہ جہاں پاؤ گے رب العلمین یعنی ساری قوموں کا خدا ہی پاؤ گے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دعوے کی ابتدا کے ساتھ ہی نسل انسانی کی وحدت کی بنیاد بھی رکھی گئی۔ ایسا ہی جس قدر لوگ ابتدا میں مسلمان ہوئے اُن میں عرب و غیر عرب کی کوئی تفریق نہ تھی حبشی غلام اسی طرح اسلام میں داخل کیئے جاتے تھے جیسے بڑے بڑے عرب سردار اور اسلام میں داخل ہوکر سب امتیازات اٹھ جاتے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں سب یکسان تھے۔ خواہ کوئی عرب کے بڑے سرداروں میں سے ہو۔ اور خواہ ادنے سے ادنے حبشی غلام ہو پس آپ کا پیغام لفظوں میں بھی اور عملاً بھی ابتدا سے ہی سب قوموں کی اصلاح کے لیئے اور قومی تفرقوں کے مٹانے کے لیئے تھا۔ اسی لیئے آپ ایک قوم کے لیئے رحمت بنکر نہیں آئے بلکہ رحمۃ للعالمین ہوکر آئے یعنی ساری قوموں کے لیئے رحمت۔ اسی طرح پر آپ ایک قوم کو برائی کے نتیجہ سے ڈرانے والے نہ تھے۔ بلکہ ساری قوموں کو جیسا کہ فرمایا تبارك الذی نزل الفرقان علی عبده لیکون للعالمین نذیرا۔ بابرکت ہے وہ جس نے فرقان کو اپنے بندہ پر اُتارا تاکہ وہ سارے جہانوں کو ڈرانے والا ہو۔ اسی طرح پر آپ ساری قوموں کے لیئے خوش خبری بھی لائے۔ کہ جو نیکی اختیار کرے گا وہ نیک نتیجہ پائے گا۔ وما ارسلناك الا کافة للناس بشیرا و نذیرا۔ اور ہم نے تجھ کو سب کے سب لوگوں کے لیئے بھیجا۔ تاکہ تو اُن کو خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا ہو (اسپار۔ ۲۸)

اس طرح پر اس عالمگیر اخوت کی بنیاد رکھی گئی جو ایک دن موجودہ تفرقوں اور عداوتوں کو مٹا کر انشاء اللہ تعالے کل قوموں کو اسی طرح بھائی بھائی بنا دے گی۔ جس طرح عرب کے پراگندہ قبیلوں کو کبھی ایک قوم بنا دیا تھا۔

کیا جنگ خدا تعالیٰ کی صفت رحم و محبت کے منافی ہے؟

جنگ نے مختلف دلوں میں مختلف قسموں کے خیالات پیدا کر رکھے ہیں۔ چونکہ یہ آگ ساری دُنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس لیئے ساری دُنیا ہی اسکے متعلق کچھ نہ کچھ خیالات رکھتی اور اُن کا اظہار کرتی ہے۔ جن لوگوں کے طبائع کا میلان مذہب کی طرف زیادہ ہے وہ کہتے ہیں مادیت کا غلبہ ہے وہ اصل وجہ ہے جو اس ساری خونریزی۔ اس انقلاب عظیم اس مصیبت اس مال و دولت کی تضیع اور ایسے انسانوں کے ضائع ہونے کا موجب ہے جو اگر زندہ رہتے تو دنیا کے لیئے بڑے بڑے کام کر سکتے تھے۔ یونیورسٹیوں کے وہ نوجوان جن کی ذہانت اور محنت کے ساتھ بڑی بڑی امیدیں وابستہ تھیں میدان جنگ میں مارے گئے۔ اعلےٰ درجہ کے قابل اور ذہین آدمی اسکی نذر ہو چکے ہیں اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ جذبات روز بروز تیز ہوتے جا رہے ہیں انسان کو جو عقل اپنی بہتری کے سامانوں کے لیئے دی گئی تھی۔ اس کا استعمال بھی اس لیئے ہو رہا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا ہلاکت کا آلہ ایجاد کیا جائے۔ اس لیئے مذہبی آدمی تو یہ کہکر پیچھا چھڑا لیتا ہے کہ شیطان انسان کو گمراہ کر رہا ہے۔ لیکن بہت سے آدمی ہیں بالخصوص مسیحی مذہب کے دائرہ کے اندر جو یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا کوئی ایسی ہستی بھی موجود ہے جو سراسر محبت ہی محبت ہے۔ جیسا کہ عیسائی مذہب کی تعلیم ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ یا تو خدا محبت نہیں اور یا وہ قادر نہیں۔ اگر وہ محبت بھی ہوتا اور قادر بھی۔ تو ضرور اس خونریزی کو کسی نہ کسی طرح روک دیتا۔ وہ شیطان کو سمندر میں غرق کر دیتا۔ تاکہ وہ پھر لوگوں کو گمراہ نہ کرے اور ایسی خونریزی دوبارہ نہ ہو۔ یورپ میں بہت لوگ ہیں جنھوں نے خدا کے رحم پر اعتراض کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ بوڑھے ماں باپ ہیں جن کا اکلوتا بیٹا گولی کی نذر ہو چکا ہے۔ وہ خدا کے رحم پر اعتراض کرتے ہیں۔ نوجوان لڑکیاں ہیں جن کے عاشق میدان جنگ میں کام آ چکے ہیں وہ خدا کے رحم پر اعتراض کرتی ہیں۔ وفادار بیبیاں ہیں جن کے خاوند اُن کو داغ مفارقت دے گئے ہیں اور چھوٹے چھوٹے بچوں کے کنبے پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ وہ خدا کے رحم پر اعتراض کرتی ہیں۔

بلجیم۔ سرویا مانٹی نیگرو۔ پولینڈ اور فرانس کے بعض اضلاع کے باشندے سخت مصائب کا شکار ہو رہے ہیں۔ بادشاہ اپنے تخت اور تاج کھو چکے ہیں۔ کروڑپتی اپنے کروڑہا روپے برباد کر چکے ہیں۔ بڑے بڑے نوابوں کے ورثاء باقی نہیں رہے۔ یہ سب خدا کے رحم پر اعتراض کرتے ہیں اس لیئے اس بات پر غور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آیا جنگ یا اسی قسم کی دوسری مصائب کا آنا واقعی خدا کی صفت رحم و محبّت کی منافی ہے اور ان باتوں کو دیکھتے ہوئے ایک مہربان اور قادر خدا پر ایمان لانا محال ہو جاتا ہے۔ چونکہ اب لوگ اس بات کو تو مان نہیں سکتے۔ کہ خونریزی کے بھی کوئی دیوتا ہو سکتے ہیں۔ اور انسانوں کو دکھ پہنچانے والا بھی کوئی خدا ہو سکتا ہے۔ اس لیئے وہ خود خدا کی ہستی پر معترض ہو رہے ہیں۔ کیونکہ وہ ان حالات کے ہوتے ہوئے اپنی رائے میں خدا کا مہربان ہونا نہیں مان سکتے۔ یہ ایک دلیل ہے جو خدا کی ہستی کے خلاف پیش کی جاتی ہے۔ اور گو یہ دلیل کسی حقیقی نتیجہ پر نہیں پہنچاتی۔ بلکہ ایک عقیدہ کے اوپر بطور ایک اعتراض کے واقع ہوتی ہے۔ اس لیئے ہم اس پر اسی رنگ میں بحث کرنا چاہتے ہیں۔ آج خدا کے قائلوں اور علم الٰہیات کے ماہرین کے لیئے خدا کی ہستی کے سوال پر بحث کرنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ کیونکہ سائنس دانوں نے خود یہ اعتراف کر لیا ہے کہ اس عالم میں ایک ایسی چیز ہے جو غیر مخلوق ہے۔ غیر محدود ہے۔ ہمیشہ سے ہے اور کبھی نہ فنا ہونے والی ہے۔ اس سے پہلے متشککین اسی قدر دلیل خدا کے خلاف پیش کر دینا کافی سمجھا کرتے تھے۔ کہ خدا کو کس نے پیدا کیا۔ اب خود ان کے اوپر وہی سوال ہو سکتا ہے کہ مادہ کو کس نے پیدا کیا۔ خدا کی ذات کا واجب الوجود ہونا مادہ کے واجب الوجود ہونے کی نسبت زیادہ صاف امر ہے۔ جبکہ اس عالم کی پیدائش اور اس کے نظم کو دیکھا جائے تو اس کے لیئے ایک ایسی ہستی کا ماننا جس نے یہ سب کچھ پیدا کیا اور نظم کے سادے قوانین بنائے۔ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ یہ مانا جائے کہ مادہ نے خود بخود ہی یہ صورتیں اور یہ صفات حاصل کر لی ہیں۔

اس مضمون میں صرف یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ موجودہ جنگ ہمیں مجبور نہیں کرتی۔ کہ ہم خدا کے رحم یا اس کی طاقت پر حرف رکھیں۔ مذہبی نقطۂ خیال سے موجودہ سوال کو حل کرنے کے لیئے دو باتوں کا سمجھنا ضروری ہے۔ اوّل خدا کی ذات اور صفات۔ دوسرے اس عالم کا نظم۔

خدا کی ذات اور صفات کے متعلق جس کو بدھ لوگ اعلےٰ طاقت کے نام سے جو میٹریلسٹ غیرفانی مادہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ مختلف لوگوں کے مختلف خیالات ہیں۔ خدا کو اعلےٰ طاقت یا غیرفانی مادہ کہنا خدا کی ذات اور صفات کو بہت محدود اور تنگ دایرہ میں لانا ہے۔ جب ہم اس عالم کے رازوں پر غور کرتے ہیں تو ہم اس بات کو تسلیم کرنے کے لیئے مجبور ہوتے ہیں کہ طاقت اور مادہ دونو مل کر بھی اس عالم کو موجودہ شکل میں نہ لاسکتے تھے۔ جب تک کہ کوئی ذی عقل ہستی ان کو کام میں لانے والی نہ مانی جائے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس عالم کا نظام ایسے اعلےٰ درجہ کے قوانین اور ایسی ترتیب کے ساتھ کام کر رہا ہے کہ کوئی غیرذی عقل ہستی خود بخود اس نظام اور ترتیب کو قایم نہیں کرسکتی صرف ایک آنکھ کی بناوٹ کو دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ علم بصارت کے نہایت ہی لطیف اور اعلےٰ قوانین پر اس کی ساخت ہے۔ اس کے مختلف حصص کچھ روشنی کی شعاعوں کو ایک مرکز پر لاکر ایک تصویر سامنے قایم کردیتے ہیں۔ اور بعض حصص پھیلی ہوئی روشنی کو روک رکھتے ہیں اور جو روشنی قبول کی جاتی ہے اس کو ایک نظام کے ماتحت لاتے ہیں۔ یقیناً یہ آنکھ بلا کسی مجوز کے خود بخود ہی تو نہیں بن گئی۔ پھر زندہ مخلوقات میں جو ایک طاقت یعنی قوت ارادی ہے اور انسان کے اندر جو عقل ہے یا آنکھ کے ذریعہ دیکھنے کے بعد جو ایک احساس پیدا ہوتا ہے یہ غیرمدرک مادہ کی کیفیات نہیں ہوسکتیں۔ جب ایک دوربین یا عکس لینے کا آلہ ایک تصویر کو اپنے اندر لے لیتا ہے تو اُنکو احساس کوئی نہیں ہوتا۔ وہ دیکھتے نہیں۔ حالانکہ جب آنکھ سے ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں۔ تو فوراً ایک خاص کیفیت اس سے ہمارے اندر پیدا ہوتی ہے۔ اگر خود خالق عالم میں احساس اور قوت ارادی نہیں تو مادہ میں یہ احساس اور قوت ارادی کہاں سے پیدا ہوگئے۔ فطرت انسانی اس روشنی کے زمانہ میں کسی ایسی طاقت یا مادہ کے سامنے سر نہیں جھکا سکتی جو خود اس سے بھی نچلے درجہ پر ہے جس میں نہ ارادہ ہو نہ دیکھنے کی قوت نہ احساس کی طاقت۔ جب انسان عقل و ذہانت کے لحاظ سے بچپن کی حالت میں تھا تو اس وقت توہم پرستی کی طرف اس کا میلان زیادہ تھا۔ جو چیز عجیب یا طاقتور نظر آتی تھی۔ وہ اس کی قوت واہمہ پر خاص اثر ڈالتی تھی اور اُسے مرعوب کردیتی تھی۔ کون جانتا ہے کہ دوسرے حیوانات کی اب بھی یہی حالت ہو۔ کون جانتا ہے کہ وہ انسان کو ہی اس مخلوقات کا سردار نہ جانتے ہوں۔ کچھ وقت کے بعد انسان کو ان اشیاء کے متعلق جو اس کے

گرد و پیش تھیں۔ ان توہم پرستی کے خیالات سے نجات مل گئی۔ مگر جو چیزیں اس سے بہت بعد پر واقع تھیں ان کے متعلق اسی قسم کے خیالات باقی رہ گئے۔ اور اس طرح پر زمینی اشیاء کی پرستش سے قدم آگے بڑھا کر وہ ستارہ پرستی کے مرحلہ پر پہنچا۔ مگر اس اعتقاد نے بھی ایک زیادہ معقول عقیدہ کو جگہ دیدی۔ ستارہ پرستی کا قطعی صفایا آخری مذہب اسلام نے کیا۔ جب ستاروں کی پرستش کی بجائے یہ تعلیم دی کہ یہ ستارے اور سورج اور چاند سب انسان کے لیئے مسخر کیئے گئے ہیں*۔ اس تعلیم کا اثر کہاں تک پہنچتا ہے۔ اب تک بھی دنیا نے اس کو پورے طور پر محسوس نہیں کیا۔

بڑے بڑے یوروپین پروفیسروں کو بھی ایک قسم کا صدمہ ہوتا ہے۔ جب وہ اسلام کی اس منادی کو سنتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ انسان اس مخلوقات میں ایک بے حقیقت ذرہ سے بڑھ کر کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ اس کی اپنی ہستی کا انحصار سورج کی گرمی پر ہے۔ پھر وہ سورج کا اپنا خدمت گذار کس طرح کہہ سکتا ہے۔ لیکن عقل انسانی اور سائنس کی تھوڑی سی اور ترقی کے ساتھ وہ اس آواز کا جو تیرہ سو سال ہوئے اسلام نے بلند کی تھی بہتر مفہوم سمجھنے لگیں گے۔ اب بھی ہم سورج سے

*۔ قرآن کے یہ الفاظ اس قابل ہیں کہ آب زر سے لکھے جائیں۔ یہ مضمون قرآن کریم نے بہت مرتبہ بیان فرمایا ہے۔ ہم ناظرین کی ذیل کی آیات کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ اللہ الذی خلق السمٰوٰت والارض وانزل من السماء ماء فاخرج به من الثمرات رزقاً لکم وسخر لکم الفلك لتجری فی البحر بامره وسخر لکم الانهٰر وسخر لکم الشمس والقمر دآئبین وسخر لکم الیل والنهار (ابراہیم ۲ ۳۲-۳۳) اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور بادل سے پانی اتارا۔ پھر اسکے ساتھ پھل نکالے۔ تمہارے لیئے رزق اور تمہارے لیئے کشتیوں کو مسخر کیا جو سمندر میں اس کے حکم کے ساتھ چلتی ہیں۔ اور تمہارے لیئے دریاؤں کو مسخر کیا۔ اور تمہارے لیئے سورج اور چاند کو مسخر کیا جو اپنے راہ چل رہے ہیں۔ اور تمہارے لیئے رات اور دن کو مسخر کیا۔ کیا لطیف ترتیب رکھی ہے۔ پہلے فرمایا کشتیوں کو مسخر کیا۔ پھر دریاؤں کو پھر سورج چاند کو۔ پھر رات دن کو۔ اسمیں یہ سمجھایا ہے۔ کہ جس طرح کشتی کو اپنے کام میں لاتے ہو اسی طرح ان تمام چیزوں کو اپنے کام میں لا سکتے ہو۔ حتیٰ کہ آخر رات دن پر ختم کرکے یہ سمجھایا کہ مکان کیا زمانہ کو بھی تمہارے لیئے مسخر کیا +

یہ کام لیتے ہیں کہ وہ ہمارے لیئے لذیذ پھل اور ہماری غذا کا سامان غلہ پیدا کرتا ہے۔ ایک ذہین ہندوستانی نے ایک چولہا ایجاد کیا ہے جس میں وہ سورج کی گرمی سے اپنا کھانا پکاتا ہے جب ہم اپنے ہوائی جہازوں کو زیادہ کمال کی حالت پر پہنچا سکیں گے تو اگر ہم چاہیں تو ہر وقت سورج کے سامنے رہ سکیں گے۔ ہم بادلوں کے پردوں کو پھاڑ ڈالنے کے قابل ہو جائیں گے۔ ہم گویا سورج کو بھی اپنے اوپر اگر چاہیں تو غروب نہ ہونے دیں گے۔ جب ہم اس کو ایک جگہ غروب کی طرف مائل پائیں گے۔ تو ہم اس کرہ کے کسی دوسرے ایسے مقام پر پہنچ جائیں گے۔ جہاں سورج چڑھ رہا ہوگا اس طرح سورج ہمیشہ ہم پر اپنی روشنی ڈال سکے گا۔ گویا ہم سورج سے زیادہ طاقتور ہیں۔ وہ قوت ارادی نہیں رکھتا۔ وہ ایک مقررہ راہ سے ادھر اُدھر نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن ہم اگر اس عقل کو جو خدا نے ہمیں دی ہے تکمیل کی حالت کو پہنچائیں تو ہم اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں پس ایسی حالت میں چاہیئے کہ سورج ہماری عبادت کرے نہ یہ کہ ہم اُس کی عبادت کریں۔ انسان میں جیسے جیسے عقل کی تدریجی ترقی ہوتی گئی۔ وہ اپنی طاقت کو محسوس کرنے لگا جب تجربہ نے اسے سکھایا کہ وہ دنیا پر حکومت کر سکتا ہے۔ اور دوسری طرف اُس کو اس میں بھی شُبہہ نہ رہا کہ وہ خود بالکل بیکس ہے کہ اُس نے اس دنیا کی کسی چیز کو کبھی پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اس کی عقل بھی جس کے ذریعہ وہ مخلوقات پر حکومت کر سکتا ہے اس کی اپنی نہیں۔ وہ ہوا جس سے وہ سانس لیتا ہے وہ خوراک جو وہ کھاتا ہے۔ وہ پانی جو وہ پیتا ہے یہ تمام چیزیں خود اُس نے اس عالم میں مہیّا نہیں کیں۔ بلکہ اُنکا مہیّا کرنے والا کوئی اور ہے۔ تو ایک طرف جب اُس نے ان بھوتوں اور دیوتاؤں کے تصرّف سے نجات حاصل کی جو اُس کے لیئے باعث خوف اور عزت کرنے کے قابل تھے۔ دوسری طرف اُس نے اپنا سر اس طاقتور ہستی کے سامنے جھکا دیا جو عقل کے مطابق اور قانون کے ذریعہ سے اس مخلوقات پر حاکم ہے۔ ہاں جو خود انسان پر بھی حاکم ہے۔

اب اس ہستی کی ذات اور صفات کے متعلّق دوسرے مذاہب اور بالخصوص عیسائی مذہب نے اس قسم کے عقائد تجویز کیئے ہیں۔ جو نہ صرف خلاف عقل ہیں۔ بلکہ ایسے حالات میں جیسے مثلاً اب جنگ سے پیدا ہو گئے ہیں۔ طرح طرح کے شبہات خود ذات باری کی ہستی کے متعلّق پیدا کرتے ہیں۔ یہودیوں کے ہاں گو اللہ تعالےٰ کی صفات حسنہ کا خیال اعلےٰ پایا جاتا ہے۔ لیکن وہ اپنے

خدا کو قومی خدا سے بڑھ کر خیال نہیں کر سکتے۔ بلکہ اُن کے ذہن میں خدا صرف اسرائیل کا خدا ہی تھا عیسائی ایک انسان خدا کی عبادت کرتے ہیں وہ اس کی طرف جذبات منسوب کرتے ہیں اور انکا عقیدہ ہے کہ اس کا ایک بیٹا بھی ہے۔ بعض لوگ دُنیا میں اس خیال کے بھی گذرے ہیں۔ جو کہتے تھے کہ خدا کی بیٹیاں بھی ہیں۔ پھر عیسائیوں کے نزدیک خدا "محبت" ہے وہ اسکو باپ کے نام سے پکارتے ہیں۔ مگر وہ اسے ایسا باپ سمجھتے ہیں۔ کہ سوسائٹی میں ان صفات کے باپ کو پسند نہیں کیا جاتا جو وہ "خدا باپ" کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اسے ایسا باپ سمجھتے ہیں جو اپنے بچوں کی ہر ایک خواہش کو بغیر کسی روک ٹوک کے پورا کرتا جائے۔ جب عیسائی خدا کو "محبت" کہتے ہیں تو ان کا منشاء یہ خیال ظاہر کرنے کا ہوتا ہے کہ وہ ایسا محبت کرنیوالا ہے۔ کہ اُس کی محبت نے یہ تقاضا کیا کہ اپنے بیٹے کو قربان کر دے مگر یہ پسند نہ کیا کہ انسان ان بدیوں کے بدنتائج کو پائیں جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں۔ اس اعتقاد کی وجہ سے اُن کو یہ مصیبت پیش آتی ہے۔ کہ جب وُہ دیکھتے ہیں کہ ہزاروں آدمی ایک دُوسرے کو ذبح کر رہے ہیں۔ گھروں کے گھر اور ملکوں کے ملک ویران اور بے آباد ہوتے جا رہے ہیں تو وہ کہہ اُٹھتے ہیں کہ خدا محبت کرنیوالا نہیں۔ اور یہ اعتراض جو اُن کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے ان کے عقاید کے رُو سے درست ہے کیونکہ جب اُن کا مذہب اُن کو یہ سکھاتا ہے کہ خدا ایسا محبت کرنے والا ہے کہ اُس نے خود اپنی ذات پر دُکھ برداشت کرنے کو اس بات پر ترجیح دی کہ انسانوں کو کسی قسم کا دکھ پہنچے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ اب خدا اس محبت کا اظہار کیوں نہیں کرتا۔ اب تو اس کو یہ ضرورت بھی نہیں۔ کہ اپنے اوپر کوئی دُکھ اور مصیبت لے۔ وُہ اپنی طاقت سے کام لے کر ساری خونریزی اور تباہی کا ایک آن میں فیصلہ کر سکتا ہے۔ پھر وُہ کیوں اپنی طاقت کو نہیں برتتا یا واقعی اُس میں محبت نہیں اور یا اُسے طاقت نہیں کہ اِس خونریزی کا خاتمہ کرے۔

اس قسم کے تمام غلط خیالات کا ازالہ اسلام نے اس طرح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا صحیح نقشہ انسان کے سامنے پیش کیا ہے۔ اِس قسم کی تمام باتوں کو خدا کی ذات پاک کیطرف منسوب کرنے سے انکار کیا ہے جن سے خدا کی عظمت و جلال میں نقص نظر آئے۔ تکان کا محسوس کرنا یا آرام چاہنا۔ دُکھ کا برداشت کرنا وہ جذبات جو انسان کے سلسلہ توالد و تناسل میں کام

کرتے ہیں یعنی خدا کی طرف بیٹے یا بیٹی کا منسوب کرنا یا اور انسانی جذبات کا اس میں پایا جانا۔ ان سب باتوں کا انکار کیا ہے۔ خدا کی صفات کے متعلق اسلام کی تعلیم کا بنیادی پتھر لیس کمثلہ شیء ہے۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ اس کی مثل جیسی بھی کوئی چیز نہیں گو یا وہ تمام خیالات اور جذبات انسانی سے اس قدر اعلیٰ اور ارفع ہستی ہے کہ دنیا کی کوئی چیز نہ صرف اس جیسی ہی نہیں بلکہ اس کی مثل جیسی بھی نہیں۔ اس لیئے جب ہم کہتے ہیں کہ خدا سُنتا ہے دیکھتا ہے علم رکھتا ہے ارادہ رکھتا ہے۔ محبت کرتا ہے تو ہمارا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کے بھی ہماری مثل حواس ہیں جن سے اُس کو یہ چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں کہ وہ حی یعنی زندہ ہے تو ہمارا یہ مطلب نہیں ہوتا۔ کہ وہ ہماری طرح سانس لیتا ہے یا ہماری طرح ہوا کا محتاج ہے یا کہ اُس کا کوئی دل ہے جو حرکت کرتا ہے یا اُس کے اندر دوران خون ہوتا ہے پس جب کوئی شے اس کی مثل جیسی بھی نہیں تو تمام صفات جو ہم اس کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ اپنا ایک خاص مفہوم رکھتی ہیں۔ اگر ہم اس کو باپ کہیں تو محض ان معنوں میں کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہمارا خالق ہے اُسی نے ہم کو وجود بخشا اور ہمیں ہستی میں لایا۔ لیکن ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہم یا کوئی اور سچ مچ اس کا بیٹا ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ وہ محبت کرتا ہے تو اس کے یہ معنے نہیں ہوتے۔ کہ وہ سچ مچ ہم پر فریفتہ ہو رہا ہے۔ یا کہ وُہ ہماری خاطر اپنے اوپر دُکھ اور تکلیف اٹھانے کے لیئے تیار ہے۔ اسلام میں خدا تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک صفاتی نام ایسا خوبصورت ہے کہ دوسری کسی زبان میں کوئی ایک لفظ اس مفہوم کو ادا کرنے والا موجود نہیں۔ اس نام کا مفہوم "محبت" سے بہت بڑھ کر ہے۔ اسلام خدا کو الرحمٰن کہتا ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ خدا کی محبت اور رحم اس قدر وسیع ہے کہ اُس نے اپنی مخلوق کے لیئے قبل اس کے کہ وُہ مخلوق عالم ہستی میں آئے۔ ہر قسم کی ضروریات کو پہلے سے ہی مہیا کر دیا۔ اگر یہ ممکن ہوتا تو بہتر تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سارے نام امتیازی ہوتے جیسا کہ عربی زبان میں دو نام اللہ اور رحمٰن ہیں کہ وہ کسی دُوسرے پر بولے نہیں جاتے۔

لیکن انسان کی قوت بیانی محدود ہے۔ اس لیئے وہ مجبوراً وہی لفظ خدا کی صفات کے اظہار کے لیئے بولتا ہے جن کا استعمال وہ اپنی صفات کے لیئے کرتا ہے۔ خدا کی ذات اور صفات

کے متعلق اسلام کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ بہتر سے بہتر اور اعلیٰ سے اعلیٰ صفات جو انسان قیاس میں لا سکتا ہے۔ وہ خدا میں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ اس خیال کا اظہار قرآن کریم میں ان الفاظ کیا گیا ہے۔ لہ الاسماء الحسنیٰ یعنی اس کے وہ اسماء ہیں جن کے اندر اعلیٰ سے اعلیٰ حسن موجود ہے وہ رحیم یا رحم کرنے والا۔ ودود یا محبت کرنے والا۔ رؤف یا مہربانی کرنے والا بھی ہے۔ مگر وہ حکیم اور قدیر بھی ہے۔ اور وہ انصاف بھی فرماتا ہے۔ اس لیئے اگر ہم اس کی صفات کے تقاضا کی وجہ سے یہ چاہتے ہیں۔ کہ وہ ہمارے اوپر محبت کا اظہار کرے تو ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لیتے ہیں کہ صفت محبت کا اظہار کسی دوسری صفت الٰہی کو باطل کر کے نہیں ہو سکتا یا محبت اس کے انصاف اس کی حکمت اس کی طاقت کے خلاف نہیں ہو گی۔ اگر ہم اس کے قوانین پر عمل نہیں کرتے تو اس خلاف ورزی کی سزا بھی اس کے صفات کے تقاضا میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مسلمان جب دُعاء کرتا ہے تو وہ یہ دُعاء کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے یہ طاقت دے کہ وہ سیدھی راہ پر چلے۔ اور اُس کو یہ سمجھ حاصل ہو کہ وُہ غلط راہ سے بچ سکے۔ اس عالم میں جو چیز قانون کو توڑتی ہے وہ خلاف ورزی قانون کی سزا بھی ضرور پاتی ہے اور بسا اوقات وہ سزا اسی مالک کی پُوری طاقت کے ساتھ انسان کے سر پر آ رہتی ہے۔ اس لیئے خدا کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ وُہ قہار ہے اور یہ بھی کہ وہ جبّار ہے لیکن ان صفات کے متعلّق یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ بعض صفات ایسی ہیں کہ انسان کے اندر جب ان کا ہونا بیان کیا جاتا ہے تو وُہ اچھّی معلُوم نہیں ہوتیں۔ لیکن خدا میں انہی صفات کا بیان کیا جانا ایک خوبی رکھتا ہے۔ انسان ہو یا کوئی دوسری مخلُوق۔ خدا کے رحم پر اسکا حق بطور دعوے قائم نہیں۔ ہم عالم ہستی میں آنے میں کسی قسم کا اختیار نہیں رکھتے۔ خدا نے ہر چیز اپنے ارادہ سے اپنی مرضی کے مطابق پیدا کی نہ ایک چیونٹی کو یہ حق ہے کہ وُہ سوال کرے کہ اُسے ہاتھی کیوں نہیں بنایا گیا اور نہ ہی ایک معمولی بندر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یہ کہے کہ مجھے اس کمال کی صورت تک کیوں نہیں پہنچایا گیا۔ جہاں تک ڈارون کے خیال کے مطابق ایک دوسری قسم کا بندر پہنچ چکا ہے۔ یا خالق یا رب کا ارادہ ہے کہ ایک مخلوق اس کی بندر ہونے کی حالت تک پہنچی ہے اور دُوسرے اُس کی ربوبیت کے ماتحت انسان کی حالت

تک پہنچی ہوئی ہے۔ اسی طرح پر جب ایک چیز اپنے مادی وجود کو کھو دیتی ہے یا بالفاظ دیگر جب موت اس پر وارد ہو جاتی ہے تو اس سے خدا کے رحم پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ جب ایک باغبان ان پودوں کو جو اُس نے خود لگائے تھے جڑ سے اکھیڑ پھینکتا ہے یا کاٹ ڈالتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اب ان کا کوئی فائدہ نہیں دیکھتا یا اُسے معلوم ہو جاتا ہے کہ جس غرض کے لیئے اس نے انھیں لگایا تھا اُس غرض کو اُنھوں نے پورا نہیں کیا۔ اس لیئے اِس عالم کا خالق اور بنانے والا خوب جانتا ہے کہ کون انسان یا کون قوم اس قابل ہے کہ اسے بڑھایا جائے اور اس کی تربیت کی جائے۔ اور کون اس لائق ہے کہ اُسے دنیا سے مٹایا جائے یا کم کیا جائے۔ جس شخص کو یا جن لوگوں کو دُنیا سے نابود کیا جاتا ہے اُن کا یہ حق نہیں کہ وہ شکایت کریں کہ ہماری زندگیوں کو لمبا کیوں نہیں کیا جاتا۔ ٹھیک جیسا کہ ان پودوں کو جن کو ایک باغبان کاٹ ڈالتا ہے۔ یہ حق حاصل نہیں کہ وہ شکایت کریں کہ انھیں کیوں کاٹا جاتا ہے۔ بعض وقت باغبان بعض پودوں کو اس لیئے نکال دیتا ہے۔ تاکہ باغ کی حالت بحیثیت مجموعی بہتر ہو جائے۔ اِسی طرح پر خدا تعالےٰ بعض وقت ایک قوم کو اس لیئے تباہ کرتا ہے کہ تا عام دُنیا کی حالت بہتر ہو جائے۔ بظاہر یہ فعل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ظالمانہ خیال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن حقیقتًا وہ رحم اور محبت کا تقاضا ہوتا ہے۔

اب دوسرے سوال کو تو یعنی اس عالم مخلوقات کے نظم کو۔ سائنس دان اور علم الٰہیات کے ماہر دونوں یہ یقین رکھتے ہیں کہ یہ نظم مقررہ اصول پر ہے۔ خواہ وہ مختلف چیزیں جن کا وجود ہم دُنیا میں دیکھتے ہیں علیحدہ علیحدہ پیدا کی گئی ہیں اور خواہ وہ ایک ہی حالت سے ترقی کر کے مختلف مدارج کمال پر پہنچ کر مختلف ہو گئی ہیں۔ اس میں کسی کو شک نہیں کہ اس عالم کا نظم ان قوانین معینہ پر ہے جو ایک بال بھر بھی ادھر اُدھر نہیں ہو سکتے۔ ایک حکیم خالق اور موجد نے نہ صرف اس عالم کو اعلےٰ درجہ کے اصولوں کے مطابق ایجاد اور خلق کیا ہے۔ بلکہ وُہ اس پر حکومت بھی حکمت اور قانون کے ساتھ کرتا ہے۔ ہم کو ہر صورت میں وہ قانون جو کام کر رہا ہے سمجھ آئے یا نہ آئے۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ تمام واقعات جن کا ظہور اس عالم میں ہو رہا ہے کسی قانون سے وابستہ ہیں *

وہ کاریگر جو ایک ایسی کل بنائے جس کا آج ایک پرزہ درست کرنے کی ضرورت ہے تو کل دوسرا اسے کوئی کاریگر نہیں کہتا پس بصیر و قدیر صانع عالم نے اس عالم کی خلق اور ایجاد میں اس قسم کے نقص باقی نہیں چھوڑے کہ آئے دن اس کے پرزوں کو درست کرنے کی ضرورت پیش آتی رہے۔ جو کچھ طاقت اس عالم کے کسی جزو میں ہے۔ جو کچھ تدریجی ترقی اور کمال یہ حاصل کرسکتا ہے ان سب کو اس نے مدِّ نظر رکھا ہے پس سورج گردش کرتا ہے۔ چاند ایک خاص راہ پر چلتا ہے زمین گھومتی ہے۔ گرمی کے ذریعہ سے سبزیوں کی تقسیم اور اُن کا پیدا کرنا عمل میں لایا جاتا ہے۔ سبزیاں اور گھاس بھیڑوں کے لیئے چارہ مہیا کرتی ہیں۔ بھیڑ خود انسان کے جسم کو نشو و نما دینے میں کام آتی ہے۔ صانع عالم نے اس تمام نظم میں کوئی ایسا نقص باقی نہیں چھوڑا جو اس کو خود پھر بار بار مداخلت کی ضرورت پیش آتی رہے کیونکہ اس کی قوت ایجاد و خلق نہایت درجہ کی کامل ہے۔ اِس لیئے وہ قوانین اور اصُول جن پر اس سارے عالم کا دارو مدار ہے خدا کو ضرورت نہیں کہ موسموں کے تغیّر و تبدل کا انتظام کرتا رہا کرے۔ اُس نے زمین کو سورج کے سامنے ایک خاص حالت میں رکھا ہے جس سے ہمارے موسموں کا تغیر و تبدّل پیدا ہوتا رہتا ہے۔ ہر چیز ایک مقررہ قانون پر کام کرتی ہے۔ خدا کے سوا کوئی دوسری ہستی ان قوانین کو روک نہیں سکتی انسان بھی اسی طرح ان کے ماتحت ہے جس طرح دُوسری مخلوقات* ۔

* قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان قوانین کی طرف جن کے ماتحت نظام عالم کام کر رہا ہے بار بار توجّہ دلائی ہے۔ اور سورۂ مُلک کی ابتدا میں نہایت وضاحت سے اس بات کو بیان فرمایا ہے ما ترٰی فی خلق الرحمٰن من تفٰوت فارجع البصر ھل ترٰی من فطور یعنی رحمٰن کی مخلوقات میں جو قوانین کام کر رہے ہیں ایسا کسی قسم کا فرق نہیں۔ جتنا زیادہ غور انسان کرے گا۔ اُسی قدر زیادہ صفائی سے اس بات کو دیکھ لے گا کہ اس کے قوانین میں کوئی نقص ایسا نہیں کہ ایک جگہ قانون کام کر رہا ہو۔ تفاوت کے نہ ہونے سے مطلب یہ ہے کہ ایک ہی رنگ کے قوانین کام میں لگے ہوئے ہیں۔ گویا درحقیقت ایک ہی قانون سارے عالم میں کام کر رہا ہے اور فطور کے نہ ہونے سے منشاء یہ ہے کہ قوانین کے عمل میں کوئی اختلال واقع نہیں ہوتا۔ کہ بعض جگہ تو قانون عمل کر کے ایک نتیجہ پر پہنچا دے اور بعینہٖ انہی حالات کے ماتحت دوسری جگہ عمل کر کے اس نتیجہ پر نہ پہنچا سکے۔ اس لیئے یہاں بار بار زور دیا ہے کہ پھر دیکھو اور پھر غور کرو کیونکہ قانون کے عمل کو دیکھنے کے لیئے بُہت غور اور وسیع نظر درکار ہے ۔

انسان اس وسیع مخلوقات کے اندر کیا حیثیت رکھتا ہے وہ ایک تل کے برابر ہے بلکہ اتنا بھی نہیں پھر انسان کو کیا حق ہے کہ اگر کسی وقت دنیا اس کے منشار کے مطابق نہ چل رہی ہو تو وہ شکایت کرے۔ ڈریپر نے خوب کہا ہے۔

"اگر اس طرح اصولی قوانین تک پہنچ جاتے ہیں اور اس عالم کے نظام میں اُن کے انتہائی حیطہ اور سب سے فایق ہونے کو مان لیتے ہیں انسان کے ارادے وفعل کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔ تمام چیزوں کی ظاہری صورت کا اظہار اس نقطۂ خیال میں ہے جس سے ہم اُن کو دیکھتے ہیں۔ جو شخص ایک نیچا رکیچ کھرے ہوئے شہر کے اشغال میں منہمک ہے۔ وہ سوائے انسانوں کی مخلوق کے اور کچھ نہیں دیکھتا۔ اور اگر اُس نے اپنے ہی تجربہ سے رائے لگائی ہو تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ دنیا عالم کے رخ کا انحصار انسان کی مرضی پر ہے جو کبھی ایک پہلو بدلتی ہے اور کبھی دوسرا۔ لیکن جو شخص ذرا بلندی کے مقام سے نظر ڈالے گا۔ روزمرہ کے جھگڑے اس کی آنکھوں کے سامنے نہیں آئیں گے اور نہ انسانوں کی باہمی مباحثات اس کے کانوں تک پہنچیں گے وہ دیکھیگا کہ جوں جوں وہ اُوپر چڑھتا جاتا ہے اور اس طرح اس کی آنکھ کے نیچے کا منظر وسیع ہوتا جاتا ہے ساتھ ہی انسان کے انفرادی کاموں کی وقعت کم ہوتی جاتی ہے۔ اور اگر وہ صحیح فلسفیانہ یعنی عام نقطۂ خیال پر پہنچ جائے اور اپنے آپ کو سارے زمینی اثروں اور پیچیدگیوں سے الگ کرلے اور اس قدر بلند ہوجائے کہ اس سارے کرۂ زمینی پر بحیثیت مجموعی ایک نظر ڈال سکے تو اس کی تیز سے تیز نگاہ بھی انسان اور اس کی آزادی خیال اور اس کے افعال کا اثر نہ دیکھ سکے گی۔ زمین کی ان تیز رفتاریوں میں جسے کوئی چیز روک نہیں سکتی اس کی شب وروز کی تکلیف بات کی باقاعدگی میں اس کے براعظموں اور سمندروں کی خوبصورتی میں جسے ہر شخص پہچان سکتی ہے اور جن میں اب کسی قسم کی تاریکی نہیں بلکہ روشن ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں۔ وہ اپنے آپ سے یہ سوال کرے گا کہ ان تمام تمناؤں اُمیدوں اور تفکرات کا۔ اور زندگی وراحت و غم کا کیا حشر ہوا؟ جیسا کہ وہ کام جن کا انحصار انسان کی مرضی پر ہے اُس کی آنکھوں کے سامنے سے غائب ہوتے جائیں گے اور وہ امور اس کی آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوتے جائینگے جن پر انسان کا تصرف نہیں اسے ہر لحظہ زیادہ روشنی پیدا ہوتی جائے گی۔ وہ خود اپنے ہی

تجربہ کی صحت پر شک کرنے لگے گا اور اس کے دل میں یہ سوال اُٹھے گا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وُہ مقام جو اس قدر لازوال شان و شوکت کی جگہ ہے۔ وہیں اس قدر انسانی بے ثباتیاں بھی موجود ہیں اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک حرکت کرنے والے عالم کے وسیع طاقتور اور لاتبدیل طریق میں کچھ انسانی کمزوری اور ناتوانی بھی چھپی ہوئی اپنا کام کر رہی ہے۔ غور کرو کہ صرف نقطۂ خیال تبدیل ہوا ہے۔ مگر اس سے کس قدر انقلاب ہمارے خیال میں پیدا ہو گیا ہے۔ ایک ہندو فلاسفر نے سچ کہا ہے کہ جو شخص دریا کے کنارے کھڑا اس کے بہاؤ کے منظر کو دیکھ رہا ہے وہ اس کی تمام لہروں کو یکے بعد دیگرے آگے گذرتے ہوئے دیکھتا ہے۔ لیکن جو شخص ایک مرتفع مکان سے اس نظارہ کو دیکھے گا اُسے وسیع میدانوں کے اندر صرف ایک بے حرکت سفید چمکتا ہوا دھاگا نظر آئے گا۔ ایک کی نظر میں انسان کا وہ بڑھتا ہوا علم اور تجربہ ہے جو کہ رفتارِ زمانہ سے پیدا ہو رہا ہے۔ دوسرے کی نظر میں خدا کا فوری اور اجتماعی عِلم ہے"۔

اب جب ہم نے خدا کی ذات و صفات کا اور اس عالم میں واقعات کے کام کرنے کا کچھ علم حاصل کر لیا ہے۔ تو ہم بہ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ کیا یہ جنگ یا اس قسم کے دُوسرے وسیع مصائبِ انسانی سے خدا کی ہستی یا خدا کے رحم پر کوئی شُبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ جس قسم کا خدا عیسائی مذہب پیش کرتا ہے۔ جس کو وہ باپ کہتے اور صرف محبت ہی محبت بتاتے ہیں وہ عقیدہ واقعات کے رُو کے سامنے قائم نہیں رہ سکتا۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ انسان کو یہ کہنے کا کوئی حق حاصل نہیں کہ واقعات عالم کے اختیار صرف اسی کی بہتری کیلئے ہونی چاہیئے یا اس کا انحصار اس کی مرضی پر ہونا چاہیئے۔ لیکن ساتھ ہی اس کے ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ خدا نے محض اپنے رحم سے انسان کو چُن لیا کہ وہ اسے اشرف المخلوقات بنائے۔ یہاں تک کہ وُہ سورج جیسی عظیم الشان چیز کو بھی اپنے کام میں لا سکے اور اپنے مطلب کے موافق اس سے کام لے سکے۔ ایک بہت ہی حقیر سی ہستی کو اُس نے محض اپنے رحم سے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا۔ یقیناً انسان کو اس مرتبہ تک پہنچنے میں خود کوئی اختیار نہ تھا۔ اور نہ اپنی مرضی سے یہ مقام اُس کو حاصل ہوا۔ بلکہ محض خدا کے رحم نے اس کو اس مقام تک پہنچایا

جو دماغی اور ذہنی قوائے انسان کو دیئے گئے نہ وہ ہاتھی کو دیئے گئے اور نہ کسی دوسری بڑی سے بڑی زمینی مخلوق کو۔ یہ انسان کے جسم کا بنیادی چھوٹا سا قالب ہے جس میں اس قدر طاقت رکھ دی گئی ہے کہ وہ آہستہ اور باقاعدہ خاص اصول کے اوپر چل کر ترقی کرتا کرتا ایک ایسے مکمل انسان کی صورت اختیار کرے جو بلند پروازی کرتا ہوا آسمان تک بھی پہنچ سکے۔ اسکے علاوہ اس دُنیا کے نظام حیات حیوانی میں ہم کیا دیکھتے ہیں۔ یہ کہ زندگی کے لیئے ایک مسلسل جدوجہد جاری ہے ایک مخلوق کی موت پر دوسرے کی زندگی کا انحصار ہے۔ جب ہم گوشت کھاتے ہیں یا گو بھی کھاتے ہیں ہم یقیناً ایک زندگی کو مٹاتے ہیں۔ کیا ایک بھیڑ جب ہم اسے اپنے کھانے کے لیئے ذبح کرتے ہیں۔ خدا کے رحم کے خلاف اعتراض نہیں کر سکتی کہ اُس نے ہمیں کیوں اس کے مارنے کی اجازت دی ہے؟ کیا ایک سبز گھاس کا پودہ اسی طرح پر اعتراض نہیں کر سکتا کہ کیوں اُس نے بھیڑ کو اسے کھا جانے کی اجازت دی ہے؟ اگر ایک بھیڑ یا ایک گھاس کا تنکا اعتراض نہیں کر سکتا تو ہم کیونکر اعتراض کر سکتے ہیں۔ اگر ہم میں سے ایک دوسرے کو مار ڈالتا ہے یا ایک شیر ہم کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا ہے۔

میری رائے میں تو یہ اصول کہ ایک کی موت سے دوسرے کی زندگی بنتی ہے۔ ہمارے دل پر خدا کے رحم کا گہرا اثر ڈالتا ہے۔ یہ اس تمام مخلوقات کو جس میں زندگی ہے اور جس میں ہم بھی شامل ہیں یہ بتاتا ہے کہ ہماری زندگی نہ اپنی کوشش سے بلکہ محض خدا کے فضل سے ہے۔ انسان کی مثال کو لو۔ باوجود اپنے ذہنی قوائے کے باوجود اپنی طبّی ایجادات کے وہ زمینی مخلوقات میں سے سب سے لمبی عمر والا نہیں ہے۔ پھر وہ ایک لمحہ کے لیئے بھی اپنی زندگی کا یقین کامل نہیں رکھ سکتا۔ ایران کی اس قابل عزت شاعر شیخ سعدیؒ نے کیا خوب کہا ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ جب وہ سانس لے خدا کا دو دفعہ شکریہ ادا کرے۔ کیونکہ جب وہ اپنے سانس سے ہوا خارج کرتا ہے تو وہ ایک ایسی زہر باہر نکال پھینکتا ہے۔ جو اگر نہ نکالی جاتی تو اسے ہلاک کر دیتی اور جب وہ سانس کے ذریعہ سے ہوا اندر لیجاتا ہے۔ تو زندگی بخش آکسیجن لے جاتا ہے۔ غور کرو کہ کس طرح تمہاری زندگی کا ہر لمحہ ہلاکت کو پہنچانے والے واقعات کے امکان سے پُر ہے تو پھر تم کو سمجھ آئے گا۔ کہ ہم صرف خدا کے رحم سے ہی

زندگی بسر کر رہے ہیں ۔

اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک حد تک آزادیِ فعل بھی دی ہے۔ تم اپنی قسمت کو اچھا یا بُرا بنا سکتے ہو۔ خدا کی کتاب ارشادِ الٰہی ہمیں یوں پہنچاتی ہے۔ وکل انسان الزمنٰه طائرہ فی عنقه ونخرج له یوم القیٰمة کتابا یلقاه منشورا ○ اقرأ کتابك کفی بنفسك الیوم علیك حسیبا ○ من اهتدی فانما یهتدی لنفسه ومن ضل فانما یضل علیها ولا تزر وازرة وزر اخری وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا (بنی اسرائیل ۱۳-۱۵)

اور ہر ایک انسان کے عمل نامے کو ہم نے اس کی گردن کے ساتھ لگا دیا ہے۔ اور قیامت کے دن ہم اس کے لئے ایک ایسی کتاب نکال لائیں گے جس کو وہ کھلی ہوئی پائے گا۔ اپنی کتاب کو پڑھو۔ آج تیرا اپنا نفس ہی تیرے محاسبہ کے لئے کافی ہے۔ جو شخص سیدھی راہ پر چلتا ہے وہ اپنی جان کی بھلائی کے لئے ہی سیدھی راہ پر چلتا ہے اور جو شخص گمراہی اختیار کرتا ہے اس کا وبال بھی اس کی اپنی جان پر ہی ہوگا۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور ہم کبھی سزا نہیں دیتے جب تک کہ پہلے رسول مبعوث نہ کر لیں ۔

اگر ہم ایک دوسرے کو مارنے کی ہی ٹھان لیں اور سرسبز ملکوں کو تباہ کرنے پر تُل جائیں تو اس کے لئے خدا کو الزام کیوں دیا جائے۔ خدا نے یہ زمین اس قدر وسیع بنائی ہے کہ سب انسان آرام سے اس پر گذارہ کر سکتے ہیں۔ اگر ان کا منشا آرام سے رہنے کا ہو اور اگر انسان کے لالچ اور طمع کی کوئی حد بندی ہو۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو ہم اس کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور ضرور ہے کہ اس کی سزا پائیں۔ خدا تو اپنی سب مخلوق پر یکساں مہربان اور رحم کرنے والا ہے لیکن جو شخص دوسرے کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے وہ ضرور ہے کہ اس کی سزا پائے۔ اس صورت میں یہ سزا بھی خدا کے رحم کا نتیجہ ہوتی ہے۔ موجودہ جنگ جس نے ساری دنیا میں آگ لگا دی ہے وہ خود کس بات کا نتیجہ ہے؟ انسانوں کے اپنے جذبات اور اعمال کا نہ کسی اور چیز کا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کوئی مصیبت انسان پر نہیں آتی مگر کسی نہ کسی رنگ میں اس کے اپنے ہاتھ ہی اس کو پیدا کرتے ہیں۔ اس لئے خدا کے رحم اور محبت پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ وہ رحیم اور مہربان ہے۔ وہ

بدی کو پسند نہیں کرتا۔ بدی صرف ان طاقتوں اور قوتوں کے بُرے استعمال کا نام ہے جو ہم کو دی گئی ہیں۔ خدا یہ چاہتا ہے کہ سب انسان بھائی بھائی بن کر رہیں۔ ایک دُوسرے کے خیر خواہ اور ہمدرد بنے رہیں۔ اس نے ہم کو قوائے عقلی اور ذہنی اس لیئے دیئے تھے کہ ان کو ہم ایک دُوسرے کی ہمدردی کے لیئے کام میں لائیں۔ لیکن انسان انہی قوائے کو اپنے ہی بنی نوع کی بربادی کیلیئے استعمال کرتا ہے۔ اور اس طرح خود اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ وُہ یہ نہیں چاہتا کہ دُوسرے بھی آرام سے رہیں بلکہ اپنی طاقت کا سب کو مطیع کرنا چاہتا ہے۔ اس کشمکش میں اس جدوجہد میں ضروری ہے کہ انسانوں پر تباہی بھی آئے۔ یہ تباہی بھی اس لیئے نہیں کہ خدا تعالےٰ انتقام لینا چاہتا ہے بلکہ اس لیئے کہ بدی اور ظلم دُنیا سے مٹ جائیں ....

یقیناً اللہ قادرِ مطلق ہے جب ہم اپنے لیئے آزادیٔ فعل کے اختیارات چاہتے ہیں تو ہم کیسں طرح انکار کر سکتے ہیں کہ خدا کو پوری قدرت حاصل ہے۔ وہ اگر چاہے تو اس مخلوقات کی ساری ہیئت کو بدل دے وہ اگر چاہے تو ایک لمحہ میں ساری تباہی اور بربادی کو جو اس وقت دُنیا پر ہو رہی ہے روک دے۔ لیکن وہ ایسا کیوں کرے۔ وُہ جانتا ہے کہ ہماری آزادیٔ فعل پہلے بھی بہت سی حد بندیوں کے ماتحت کام کر رہی ہے۔ کیا پھر وُہ اسے بالکل ہی اڑا دے۔ کیا ہم اسے پسند کر سکتے ہیں۔ کیا ہم میں سے کوئی ہے جو یہ چاہتا ہے کہ اپنی طاقت اور قوت کو اچھی یا بُری جگہ لگانے کا جو اختیار حاصل ہے وہ اس سے چھین لیا جائے۔ کیا خدا کی اس سب سے بڑی نعمت کو ہم کھو دینا پسند کرتے ہیں۔ یہ ہماری آزادیٔ فعل کا ہی نتیجہ ہے کہ ساری مخلوق پر ہم حکمرانی کر رہے ہیں اور سورج تک کو اپنے کام میں لا رہے ہیں۔ اس لیئے اگر ہم سے یہی چھین لی جائے تو کون کہے گا کہ یہ خدا کے رحم کا ظہور ہے۔ میں اپنے لیئے کہہ سکتا ہوں کہ میں اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ مجھے آزادیٔ فعل حاصل رہے۔ خواہ کبھی کبھی اس کے غلط استعمال کے لیئے مجھے اس کی سزا بھی اُٹھانی پڑے بہ نسبت اس کے کہ مجھ سے یہ چھین لی جائے۔ اور مجھے یہ کہا جائے کہ اب تمکو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی سزا نہیں دیجائے گی۔ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا ہے کہ ہم کو جو سزا ملتی ہے وہ بھی خدا کے رحم کا ہی نتیجہ ہے جب آپ بستر مرگ پر تھے تو آپ نے فرمایا۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلعم) کی جان ہے کسی مومن پر کوئی مصیبت یا

بیماری نہیں آتی۔ گو یکہ اس سے اس کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جیسے خزاں میں درختوں کے پتّے ؂

خود اس جنگ کے متعلّق بھی ہم سمجھ سکتے ہیں کہ یہ نری مصیبت ہی مصیبت نہیں۔ ایک انگریز نے کہا ہے کہ ان جزائر یعنی برطانیہ کلاں میں کوئی عورت یا مرد ایسا نہیں جو اس جنگ کی وجہ سے اپنے اندر ایک اچھی تبدیلی نہیں پاتا۔ اس کا خیال ہے کہ ساری آبادی اس آگ کی وجہ سے ہر قسم کی آلائش سے صاف ہو کر نکلے گی ؂

. . . .

خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ اس ہولناک مصیبت کے بعد خدا کے رحم سے ایسا ہو کہ یورپ پہلے سے اچھی حالت میں نکلے اور دُوسرے لوگ بھی اس سے سبق حاصل کریں۔ خدا کرے کہ آیندہ تہذیب کی بنیاد مادیت پر نہ ہو بلکہ مذہبی اور اخلاقی اصُول پر ہو تاکہ وہ مضبُوط عہدنامے جو قوموں اور قوموں کے درمیان یا حاکم و محکوم کے درمیان ہوتے ہیں۔ آیندہ اُن کی عزّت کی جائے۔ ایسا ہو کہ آیندہ کمزور قومیں محض اپنی کمزوری کی وجہ سے طاقتور قوموں کے پاؤں تلے نہ روندے جائیں۔ کہ ایک کی دولت اور زمین پر دُوسرے کے دندان طمع تیز نہ ہوں . . . کہ ایک عام اخوت ایک انسان اور دوسرے انسان میں۔ ایک قوم اور دُوسری قوم میں قایم ہو جائے۔ جو اگر جنگ کو ہمیشہ کے لیئے ختم نہ کر دے تو کم از کم آیندہ اس میں اس قسم کے مظالم اور وحشیانہ پن پیدا نہ ہونے دے جیسا کہ موجودہ جنگ میں ہُوا ہے یہ مہیب جنگ انسانوں کے اختیار سے بالکل باہر چلی گئی ہے۔ آؤ ہم سب دُعا کریں۔ کہ اس سے ایک ایسی صلح پیدا ہو جو ہمیشہ کے لیئے رہے خواہ وہ ایک سال میں آئے یا دس سال میں۔ اور کہ خدا اپنے رحم سے ہماری زیادتیوں سے درگذر فرمائے۔ اور ہمیں صراط مستقیم پر چلائے تاکہ آیندہ نسلوں کے لیئے ہم اپنے پیچھے اقبال اور اتفاق کو چھوڑیں۔

(قدوائی)

سب نبیوں کا موعود رسول ۔

واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ

جیسا کہ قرآن کریم نے بار بار ذکر فرمایا ہے[1] اللہ تعالےٰ نے ہر ایک قوم میں اور ہر ایک امت میں ایک رسول مبعوث کیا۔ یا بعض قوموں میں ایک سے زیادہ رسول بھی مبعوث کئے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ جس قدر رسول آنحضرت[2] صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے آتے رہے۔ یہ سب خاص خاص قوموں کی طرف آتے رہے۔ کل دُنیا کی طرف مبعوث ہونا یہ صرف ایک ہی رسول کے لیئے مخصوص رکھا گیا۔ جو سب سے آخر اور سب کو ایک دین پر جمع کرنے کے لیئے آیا۔ تو چونکہ اس رسول نے ساری قوموں کو ایک دین پر جمع کرنا تھا۔ اس لیئے اللہ تعالےٰ نے ساری قوموں سے بذریعہ اُن کے نبیوں کے یہ عہد لیا کہ جب وُہ رسول آجائے تو تم سب نے اس کے دین پر چلنا ہوگا۔ کیونکہ اصل غرض یہی تھی کہ نسل انسانی کے اندر سے قومیت کی تفریقوں کو مٹایا جائے اور سب کو بھائی بھائی بنایا جائے۔ مگر مختلف قوموں میں مختلف نبیوں کے آنے سے قومی امتیازات ایک حد تک مضبوط ہوتے چلے گئے۔ کیونکہ ہر قوم ہدایت کے لیئے اپنے ہی نبی کو دیکھتی تھی اور اسکو دُوسری قوم کے نبی کی تعلیم سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اور چونکہ تعلقات بین الاقوام بھی اس وقت نہ تھے۔ سب قومیں اپنے اپنے ملکوں میں علیحدہ علیحدہ پڑی ہوئی تھیں۔ اس لیئے ان حالات کا اقتضاء بھی یہی تھا۔ کہ ہر قوم کے اندر جدا جدا نبی مبعوث ہو۔ مگر یہ علیحدگی جو ملکوں اور قومیتوں کی حدبندی سے پیدا ہوئی ہمیشہ کے لیئے رہنے والی نہ تھی۔ اس لیئے یہ ضروری ہُوا کہ جب وہ وقت آجائے کہ تعلقات بین الاقوام کی راہیں کھل جائیں تو قومی رسُولوں کی بجائے ایک ہی رسول ساری دُنیا کی طرف مبعوث ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی رسول دُنیا میں ہوا جس نے علی الاعلان بار بار کہا کہ میں کل عالمین کی طرف آیا ہوں۔ اور جس کے متعلق ارشاد ہُوا کہ ہم نے تم کو کافۃ للناس بھیجا ہے جس نے قومیتوں کی ساری تفریقوں کو مٹایا اور نسل انسانی کو وہ حکم خداوندی سُنایا جو ان کو بھائی بھائی بنانے والا تھا۔ یایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر وانثیٰ وجعلنٰکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔ اے لوگو۔ ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تم کو شاخیں اور قبیلے بنایا۔ تاکہ تم ایک دُوسرے کو پہچانو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے معزز وہ ہے جو سب سے متقی ہے۔ تو چونکہ اس رسول پر سب نبیوں نے پھر ایمان لانا اور اس کی نصرت کرنی ہوگی۔ اور یہ عہد ہر ایک قوم سے بذریعہ اُن کے نبی کے لیا گیا

یہی وہ مضمون ہے جس کو آیت مذکورۃ الصدر میں بیان فرمایا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو ایک حدیث میں آیا ہے انا اوّل النبیین خلقا والآخرھم بعثا۔ کیونکہ اگر آپ اوّل النبیین خلقا نہ تھے تو آپ کے متعلق ہر نبی سے وعدہ کس طرح لیا جاتا۔ اور بعثت میں آخری اس لیے ہوئے۔ کہ تا کل نبیوں سے آپ کے متعلق عہد لیا جائے اور آپ بھی کل کی تصدیق کریں ٭

اس رسول کی سب سے بڑی علامت جو یہاں بتائی وہ یہ ہے کہ وہ مصدق لما معکم ہے یعنی اس کی تصدیق کرتا ہے جو پہلی قوموں کے پاس ہے۔ یہ ایک امتیازی نشان ہے جو رسول عربی فداہ امی وابی میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہی ایک رسول ہے جس نے اپنے سے پہلے دنیا کے تمام رسولوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔ چنانچہ اس کا ذکر قرآن کریم میں بار بار ہے۔ ابتداء ہی قرآن میں ہی فرمایا یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک جو کچھ تم سے پہلے نازل ہو چکا اس سب پر ایمان لاتے ہیں۔ اور پھر فرمایا قل اٰمنا باللہ وما انزل علینا وما انزل علیٰ ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ و عیسیٰ والنبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو اتارا گیا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور قبیلوں پر اور اس پر جو دیا گیا موسےٰ اور عیسےٰ اور سب نبیوں کو اپنے رب کی طرف سے ہم ان میں سے کسی میں بھی تفرقہ نہیں کرتے۔ پس یہاں درحقیقت بتا دیا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دنیا کے کل نبیوں کی تصدیق فرماتے ہیں اور اس طرح پر قرآن نے خود ہی یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ رسول مصدق لما معکم سے کیا مراد ہے۔ کیونکہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی دنیا میں ایک رسول ہوا ہے جس نے دنیا کے کل نبیوں کی تصدیق کی ہے۔ اور ان پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے ٭

حضرت مسیح کے حواریوں نے بھی اس بات کی شہادت دی ہے۔ کہ وہ نبی مثل موسےٰ جسکی پیشگوئی استثنا ۱۸-۱۵ و ۱۸ میں ہے۔ اس کے متعلق دنیا کے کل نبیوں نے شہادت دی ہے چنانچہ اعمال رسل باب ۳ آیت ۲۱ میں ہے ”ضرور ہے کہ آسمان اسے لیئے رہے۔ اس وقت تک کہ سب چیزیں جن کا ذکر خدا نے اپنے سب پاک نبیوں کی زبانی شروع سے کیا اپنی حالت پر آویں۔ کیونکہ موسےٰ نے باپ دادوں سے کہا۔ کہ خداوند جو تمہارا خدا ہے تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لیئے ایک نبی میری مانند اُٹھاوے گا۔ جو کچھ وہ تمہیں کہے اس کی سب سنو“ اس سے صاف معلوم ہے کہ حضرت مسیح کے بعد تک اس پیشگوئی کا انتظار تھا۔ اور دنیا میں ایک ہی شخص ہوا ہے جس نے یہ دعوےٰ کیا۔ کہ میں وہ نبی ہوں جس کی بابت کل نبیوں نے خبر دی تھی۔ اور جس طرح اس کی خبر سب نبیوں نے دی۔ اسی طرح اس نے سب نبیوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ٭

اجرت اشتہارات

رسالہ اشاعت اسلام کا دائرہ اشاعت ایک سال کے قلیل عرصہ کے اندر محض اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے دو ہزار سے متجاوز کرگیا ہے ہمیں امید واثق ہے کہ بڑی عجلت سے اسکا دائرہ اشاعت دسہزار ہوجائیگا مشتہرین کیلیئے اپنے اشتہار درج کرانیکا اس سے بڑھ کر نادر موقع اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

منیجر

اندازصفحہ	ایک بار	سہ ماہی	ششماہی	سالانہ
چوتھائی	عہ	ہمہ	للعہ	ہمہ
نصف	ہم	عہ	لعہ	صہ
پورا	للعہ	سہ	؏	سہ

نوٹ :۔ باقی امورات خط و کتابت سے طے ہوسکتے ہیں *

اپنی نوعیت میں سب سے پہلی کتاب

لیجیے

ام الالسنہ

معروف بہ زندہ و کامل الہامی کتاب

اس نادر کتاب میں فاضل مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ عربی زبان نہ صرف کل دنیا جہان کی زبانوں کی ماں ہی ہے۔ بلکہ یہ کہ یہ الہامی زبان بھی ہے۔ دلائل بالکل فلالوجی (علم اللسان) کے اصولوں پر دیئے ہیں۔ یورپین ماہرین علم اللسان کے دلائل پر فاضلانہ نکتہ چینی کی گئی ہے۔ پھر ایسے ادق مضمون کو نہائت ہی دلچسپ اور سلیس زبان میں لکھا ہے قیمت صرف دس آنے (۱۰/) جواب تخفیف کردہ ہے

اسوہ حسنہ

معروف بہ زندہ و کامل نبی۔

اسمیں آنحضرت صلعم کا کامل نمونہ بحیثیت انسان کامل پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مقبولیت عامہ حاصل کر چکی ہے۔ اس کو پڑھ کر ماننے کے سوا رچارہ نہیں رہتا۔ کہ محمد صلعم خاتم النبیین ہیں۔ اور اگر کوئی کامل نبی ہوسکتا ہے تو آپکی ذات پاک ہی ہے اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آوے گا * قیمت دس ر

پتہ:۔ خواجہ عبدالغنی منیجر اشاعت اسلام۔ عزیز منزل۔ نولکھا۔ لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر

رسالہ

اشاعتِ اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی-اے-ایل ایل-بی) و مولوی صدر الدین (بی-اے-بی ٹی)

نمبر (۷)	بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء	جلد (۴)

فہرست مضامین

ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ جون سنہ ۱۹۱۶ء

ماہ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء کو مرزا یعقوب بیگ ...

قیمت سالانہ عہ روپے

ضروری اطلاع

بغرض توسیع اشاعت رسالہ اسلامک ریویو (انگریزی) ماہواری و رسالہ اشاعت اسلام ماہواری و دیگر اغراض مسلم ووکنگ مشن جناب حکیم اللہ یار خان صاحب متخلص بہ جوگی (واصل) و خلیفہ عبدالمجید صاحب کلرک دفتر رسالہ اشاعت اسلام لاہور ہماری طرف سے ایجنٹ مقرر کیئے گئے ہیں وہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں دورہ کریں گے۔ اُن کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ہر دو رسالہ جات کے خریدار پیدا کریں اور خریداروں سے قیمت وصول کریں۔ یا دیگر اغراض ووکنگ مشن کے لیئے ہر قسم کی امداد حاصل کریں۔ جو صاحب اُنھیں کسی قسم کا روپیہ دیں اُن سے رسید لیں۔ رسید بُک بصورت مثنٰی اُن کے پاس ہے۔ اور اُس پر میرے دستخط انگریزی میں ثبت ہیں +

خواجہ کمال الدّین

ایڈیٹر اسلامک ریویو و اشاعت اسلام

قابل توجّہ ناظرین کرامؒ

ہم ناظرین کرام میں سے ہر ایک کی خدمت میں فرداً فرداً مؤدبانہ عرض کرتے ہیں کہ رسالہ اشاعت اسلام کی توسیع اشاعت کی طرف خاص توجہ مبذول فرمائیں۔ اس کی اشاعت کی وسعت سے جو احسن نتائج مرتّب ہونگے۔ وہ احباب پر عیاں ہیں۔ اگر رسالہ کی اشاعت آج دس ہزار ہو جائے تو رسالہ مذکور اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر بہت حد تک ووکنگ مسلم مشن کے اخراجات اعظم کا جو روز افزوں ترقی پر ہیں کفیل ہو سکتا ہے۔

ہم اُن مہربان رسالہ کے مرہون احسان ہیں جو ہمہ تن ہر وقت رسالہ کی توسیع اشاعت کو ملحوظ نظر رکھتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اُن کو اِس اسلامی خدمت کا احسن جزا عطا فرمائے۔ ہمیں امید واثق ہے۔ کہ ہمارے رسالہ کے ناظرین کرام ہمارے ایجنٹوں کو توسیع اشاعت کے کام میں ہر قسم کی سہولت دیں گے + منیجر رسالہ

شذرات

اس ماہ کے رسالہ کے ساتھ جو تصویر شائع ہوتی ہے وہ ایک نئے مسلمان مسٹر لوگرودو کی ہے۔ جن کا اسلامی نام حبیب اللہ رکھا گیا ہے۔ کیا عجب ہے کہ اللہ تعالےٰ اُن کو اسم بامسمےٰ کرے اور اللہ تعالےٰ کی محبت میں وہ اس قدر ترقی کریں کہ حبیب اللہ بن جائیں۔ اُن میں سعادت اور نیکی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ اُن کے چہرہ سے بھی عیاں ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ رب العالمین ہے اور اس کی محبت اور رحمت کسی خاص قوم سے وابستہ نہیں بلکہ جو شخص بھی اس کی راہ میں قدم اُٹھاتا ہے اور اس کی رضا کی راہوں پر چلتا ہے۔ وہ اس کی محبت اور رحمت سے حصہ پالیتا ہے۔ اور اولیاء اللہ میں داخل ہو جاتا ہے ؛

ایسی قوم میں لارڈ سٹینلے مرحوم جیسا انسان پیدا ہوا جس کے متعلق ایک مسلمان سیاح نے لکھا ہے کہ وہ اتفاق سے انگلستان میں لارڈ سٹینلے کا مہمان ہوا پچھلی رات کو جو اُسے جاگ آئی تو اس مکان میں کسی کے قرآن کریم کے بڑے درد کے ساتھ پڑھنے کی آواز آئی اور اُس کو حیرت ہوئی۔ کہ اس مثلیث کی سرزمین میں کہاں سے یہ آواز آ رہی ہے۔ یا آیا یہ کوئی خواب ہے۔ آخر اس سے نہ رہا

گیا اور اُٹھ کر مکان کے اردگرد اور اندر پھر کر آواز کا سراغ لگایا تو دیکھا کہ خود لارڈ ہیڈلے نماز تہجد میں مصروف قرآن کریم کی تلاوت کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ شرقی ممالک میں رہنے اور تعلقات کی وجہ سے اسلام کی صداقت اُن کے دل میں ایسا گہرا اثر کر چکی تھی کہ وہ دل سے مسلمان ہو چکے تھے اور مسلمان بھی ایسے پختہ کہ تہجد تک کی نماز ادا کرتے تھے۔

درحقیقت اسلامی نماز کی سادگی اپنے اندر وہ دلکشی کا سامان رکھتی ہے کہ بڑے بڑے بھڑکدار لباسوں اور خوبصورت چہروں اور خوش آواز باجوں کے اندر بھی وہ دلکشی نہیں۔ وہ طبائع جو تصنع اور بناوٹ سے پاک ہیں۔ وہ اسلامی نماز کے سادہ منظر کو دیکھ کر ہی اسلام پر شیدا ہو جاتی ہیں۔ تعلیمیافتہ مسلمان تو نمازوں کو ترک کر رہے ہیں۔ مگر خدا نے ان لوگوں کے دلوں میں اسلامی نماز کی محبت اور عظمت پیدا کر دی ہے۔ جن کے نقش قدم پر چلکر ان مسلمانوں نے نماز کو چھوڑا ہے۔ ووکنگ کی مسجد میں اُن انگریز مردوں اور خواتین کا آ کر نماز میں شمولیت اختیار کرنا جنہوں نے ابھی تک اسلام کا اعلان نہیں کیا بتا رہا ہے کہ اسلامی نماز ہی آخر ان کو مسلمان کرنے کا ذریعہ ہو گی۔ انسانی فطرت میں اپنے مالک سے تعلق پیدا کرنے کی تڑپ ہے اور اسلامی نماز درحقیقت یہی حقیقی تعلق انسان کا اللہ تعالیٰ سے پیدا کرتی ہے۔ مگر جن لوگوں نے ترک صلوٰۃ کو اپنا فیشن قرار دے لیا ہے۔ اور نماز کے پاس پھٹکنا بھی پسند نہیں کرتے۔ وہ اس حقیقت سے کیونکر آگاہ ہوں۔

اس ماہ میں یعنی ماہ مئی ۱۹۱۶ء میں پانچ اور نومسلمین کا اضافہ انگلستان کی نومسلم جماعت میں خدا کے فضل سے ہوا۔ یعنی مس روز کو پر جن کا اسلامی نام فرحت رکھا گیا اور ٹامس جارج بیلڈ جنکا اسلامی نام مبارک رکھا گیا۔ ایک شخص نے عربی افریقہ سے اعلان اسلام کی فارم پر کر کے بھیجی۔ ایک صاحب ثروت خاتون مس فلپ صاحبہ نے نماز جمعہ میں جماعت کے سامنے اعلان اسلام کیا اور ایک انگریز فرنگک وسرڈ نام سے خط و کتابت ہو کر معلوم ہوا کہ وہ پہلے سے مسلمان ہو چکے ہیں اور اب ووکنگ کے سلسلۂ اخوت اسلامی کو معلوم کر کے انہیں بہت خوشی ہوئی۔

خاتون مس فلپ صاحبہ کے اسلام کے متعلق ووکنگ کی رپورٹ حسب ذیل مظہر ہے:-

”اس جمعہ شریف جو ناظرین جانتے ہیں کہ لندن میں ادا ہوا ہے بہت بڑی رونق تھی۔ مصری ہندی اور انگریزی نژاد مسلمان رونق افروز تھے اور اس اخوت اسلامیہ کے ممبروں کی مسرت قلبی اور

ازدیاد ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسا سامان کیا کہ ایک ذی وجاہت نوجوان خاتون مس فلپ صاحبہ نے خطبۂ جمعہ میں کلمۂ توحید پڑھا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کیا اور پاک اسلامی زندگی بسر کرنے کا عہد کیا۔ ان کی امارت ان کی فطری نزاکت سے تو یہ خیال ہوتا تھا کہ مجمع کے سامنے بمشکل کھڑی ہوسکیں گی۔ اور شاید دبے الفاظ مونھ ہی مونھ میں اسلام کے کلمے دوہرائیں گی۔ لیکن ایمان عجب شوکت پیدا کرتا ہے۔ انھوں نے بڑے زور کے ساتھ اخلاص بھرے الفاظ میں خوبی کے ساتھ ان کلمات کو دوہرایا جن کے اقرار کے لئے راقم الحروف نے ان سے التماس کی۔

جون کے انگریزی پرچے میں یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ انگریزی ترجمۃ القرآن کا انگریزی کا حصہ قریباً پورا ہوچکا یعنی اس کے پروف وغیرہ نکل چکے ہیں۔ اب جس قدر التوا ہے وہ عربی حصہ یعنی خود قرآن کریم کے لیئے ہے جو ہندوستان میں خوشنویسوں سے لکھوایا جارہا ہے۔ اور اس سے بلاک تیار ہوکر ولایت میں چھپے گا۔ ترجمہ کے جلدی نہ نکل سکنے میں بڑی رکاوٹ عالمگیر جنگ کی وجہ سے رہی ہے۔ بلکہ اخراجات اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ اگر پبلک کے شوق انتظار کا خیال نہ ہوتا تو اختتام جنگ تک اسے ملتوی کردیا جاتا۔ ہر قسم کے سامان اور خود مزدوری کی اجرت بہت بڑھ گئی ہے۔ بلکہ بعض حالات میں دوچند سے بھی زیادہ ہوگئی ہے۔ علاوہ ازیں کتاب کا حجم بھی جس قدر پہلے خیال کیا گیا تھا اس سے زیادہ نکلا اور باوجود سائز کو کسی قدر بڑھا دینے کے تیرہ سو سے اوپر صفحات کتاب کے ہوجائیں گے۔ اس صورت میں مناسب یہ سمجھا گیا کہ انڈیا پیپر ہی استعمال کیا جائے تاکہ کتاب آسانی سے ہاتھ میں آنیوالی ہو اور اس کا بڑا حجم اس کے مطالعہ میں مانع نہ ہو۔ اگر جنگ نہ ہوتی تو عمدہ عربی ٹائپ قرآن کریم کے لیئے میسر آجاتا۔ مگر چونکہ حالات موجودہ میں عربی ٹائپ نہ مل سکا اس لیئے ماہران فن خوشنویسی کے ذریعہ سے یہ کام کرانا پڑا اور ان تحریروں کے فوٹو لیکر ان کے بلاک تیار کرائے جائیں گے۔ اس تمام وجوہات سے اخراجات اس قدر بڑھ گئے ہیں۔ کہ اب پندرہ روپے سے کم قیمت پر کتاب فروخت نہ ہوسکے گی۔ اگر ممکن ہوا تو ہندوستان کے لیئے ایک الگ ایڈیشن نکالنے کی کوشش کی جائے گی جو کسی قدر کم قیمت پر فروخت ہوسکے ✤

مسئلۂ زندگانی ۳

لنگر کی حرکت اور قانون گردش زمانہ پر چند الفاظ

گردش دہر نہیں گردش پرکار سے کم ❊ ختم ہوتا ہی نہیں دیکھا کبھی اس کا محیط

نیچر کے عمل میں چند واقعات ایسے بھی ہیں جو مستقل طور سے وقوع پذیر ہوتے ہیں جن کے نتائج عمومیت کا اثر رکھتے اور جو عام طور سے عاید ہوتے ہیں۔ باایں ہمہ وجوہ اگر ان کو قوانین یا مسائل نیچر کے نام سے موسوم کیا جائے تو مناسب اور درست ہوگا۔

اس رسالہ میں میں نے ناظرین کے سامنے دو مسائل پیش کیے تھے۔ اور اب میری خواہش ہے کہ آپ تیسرے مسئلہ پر بھی غور و خوض فرمائیں جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے کسی طرح کم یا غیر اہم نہیں ہے یہ مسئلہ کیا ہے یعنی قانون مد و جزر دور زمانہ جس کے متعلق میں نے اپنے دوسرے مضمون میں اشارہ کیا تھا۔ یہ ان چند واقعات میں سے ایک واقعہ ہے جو خود اپنی ہی مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ دور زمانہ میں اس کے مد و جزر کا وقوع ایک دفعہ سے زیادہ ہو چکا ہے۔

تمدن اور علم کی ترقی اور زوال کے ساتھ ساتھ لوگوں کے تغیر و تبدل اور مذاق کے اختلاف اور زمانہ کے گذرنے کے باعث کبھی تو یہ علم حاصل ہوا۔ کبھی بھلا دیا گیا اور اب پھر تازہ ہو گیا۔ ایک صدی سے کچھ زیادہ ہوا کہ یہ علم مفقود ہو گیا یا بالکل بھلا دیا گیا تھا یا زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ بعض کے سامنے اس کے چہرے کا نقش و نگار کچھ تاریک سا نظر آیا اور انھوں نے یہ خیال کیا کہ یہ بہت تھوڑے واقعات پر حاوی ہے۔ لیکن موجودہ سائنس کے تجربات سے ثابت ہو گیا کہ قانون دور زمانہ اپنے اندر عمومیت رکھتا ہے۔ اگرچہ اس کی گردش یکساں نہیں ہوتی اور واقعات بھی بہت کم ایک طرح کے ہوتے ہیں۔ مثلاً سمندر میں مد و جزر گھنٹوں میں آتے ہیں اور بعض حالات میں سالوں کا دورہ ہوتا ہے۔ مثلاً سیارگان اور آفتاب کا دورہ یا زلزلہ اور دیگر مظاہر قدرت کا دورہ۔ ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کی اب تک تفہیم نہیں ہوئی ہے۔ گویا یہ ایک دلچسپ کتاب ہے جس کے بعض حصص ابھی مطالعہ نہیں کیئے گئے ہیں۔ اور جہاں تک ہم نے سمجھا ہوا ہے

اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اس قانون کے متعلق اور کامل علم حاصل کرنا ہے۔ جن سے بعض ایسی باتیں واقع ہونگی جو سردست تاریکی میں ہیں +

زمانہ دراز گذرا کہ اس قانون کے وجود سے پروہتوں۔ نجومیوں اور طلبار کو واقفیت ہوئی۔ تاریخ دنیا کے ابتدائی زمانہ میں چین اور ہندوستان کے فلسفیوں اور مصر اور ایران کے مجوسیوں کو بھی اس کا علم ہو گیا لیکن بدقسمتی سے اُن کے علم کا بہت سا حصہ بیسویں صدی کے لوگوں کیلئے مفقود ہو گیا۔ میرا خیال ہے کہ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو اس رائے سے متفق نہیں ہونگے۔ لیکن یہ کون بتلا سکتا ہے کہ کون یا کتنا علم اُن پرانی تحریروں اور نسخوں کی بربادی سے ضائع ہو گیا۔ میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں کہ جس قدر علم جن لوگوں کو اس وقت حاصل ہوا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بعض علمار ایسے بھی ہیں جو غلط راہ پر قدمزن ہو گئے۔ اور بجائے صحیح اور درست علم کے انھوں نے ناکمل اور غلط علم کا استعمال کرنا شروع کر دیا اور یہ محض اس لیئے تاکہ ان کی اہمیت میں اضافہ ہو جائے اور وہ انبیار کی وضع اختیار کریں یا یہ ظاہر کریں کہ اُن کو دیگر انسانوں سے بالاتر طاقت عطار کی گئی ہے۔ اور کم علم والے لوگوں پر چند آئندہ کی باتیں کہہ کر اپنا رنگ جمالیں اور انھوں نے اس بات کا دعوے کیا کہ ہم میں ایسی طاقت موجود ہے جس کی وجہ سے ہم مستقبل کا علم حاصل کر لیتے ہیں۔ حالانکہ فی الواقعہ وہ اس علم سے بالکل بے بہرہ تھے۔ اگرچہ انسان کی فطرت میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ اُس کے دل میں یہ تمنا ہوتی ہے کہ آئندہ کے اسرار سے کچھ بھی آگاہی ہو جائے خواہ کتنی ہی خفیف کیوں نہ ہو اور وہ یہ خیال کرتا اور کہتا ہے کہ کاش مجھے معلوم ہو جاتا جس سے یہ مراد ہے کہ اُس وسیع علم سے لامحدود فوائد حاصل ہو جاتے۔ لیکن خوب یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ زندگی بالکل یا سب کے لیئے ایسی شئے نہیں ہے کہ اُس کی آرزو کی جائے۔ اس میں رنج و تکلیف کا بھی زمانہ ہے۔ جسے ہم خوشی سے بھول جاتے ہیں یا کم از کم اُسے ہم گذرا ہوا دیکھ کر شکر ادا کرتے ہیں۔ گذشتہ واقعات کا تصور دلخراش ہوتا ہے۔ لیکن آئندہ کی مصائب کا انتظار نہایت جانگداز ثابت ہوگا۔ میں اس مسئلہ سے یہاں تک متاثر ہوا ہوں کہ میرا خیال ہے کہ اگر نسلِ انسانی میں ہر ایک شخص کو ابتدائے زندگی میں یہ معلوم ہو جائے کہ میری زندگی میں فلاں فلاں مصائب پیش آنے والے ہیں یا کل خلقت کو یہ علم ہو جائے کہ ہر بنی نوع پر یہ یہ باتیں گذرنے والی ہیں تو پھر

میرا گمان ہے کہ شاید اس دنیا میں کوئی بھی خوش و خرم نظر نہ آئے گا۔ بلکہ نسل انسانی کا کل یا ۴/۵ حصہ سخت مصیبت اور خوف کی حالت میں زندگی گذاریگا۔ اور بقیہ حصۂ زندگی میں بذریعہ خود کشی ان تکالیف سے نجات پانے کی کوشش کرے گا۔ الغرض ارحم الراحمین خدا کی مصلحت کا یہ تقاضا تھا کہ انسان کے لیئے آیندہ کی تمام باتوں کا جان لینا مناسب نہیں۔ اس لیے اس نے اپنے فضل و کرم سے ہمارے اور مستقبل کے درمیان ایک پردہ ڈال دیا۔ اگرچہ ہمیں یہ نہیں معلوم کہ اس پردہ کے دوسری جانب کیا ہے۔ تاہم اتنا تو ضرور جانتے ہیں۔ سہ

سعی کامل سے ہو گر مہتاب کی تم کو طلب ۔ دور ہو جائیں گی اپنی مشکلات راہ سب
گر نہ پہنچو گے وہاں تک پھر بھی اتنا ہے ضرور ۔ اوڑ کے عالم سے ستاروں تک چلو گے بیقصور
گر ستاروں تک پہنچنے میں ہو ناکامی کہیں ۔ ابر تک تمکو پہنچتے ہیں تو کوئی شک نہیں

فی الحقیقت بنی نوع کی اس کمزوری کا ایک علم تھا۔ اور اس علم یا فرضی علم کی قوت نے زمانہ سلف کے علم ہیئت دانوں کو محض نجومی بنا دیا۔ جو کہ زمانہ حال کے رمالوں سے بڑھ کر نہیں تھے اسجگہ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ ایسے دعوے کی بنا اور جو کچھ حاصل ہوا تھا۔ اس کا کالعدم ہو جانا اس وجہ سے واقع ہوا۔ کہ یہ علم مذہبی پیشواؤں نے اپنے ہی تک محدود کر دیا تھا اور جبتک کہ عوام اس سے بے خبر تھے۔ انھوں نے اس طاقت اور دانائی کو ایک نہایت اعلے پیمانہ میں ظاہر کیا۔ یہاں تک کہ خدائی درجہ کے قریب بن بیٹھے۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ چونکہ عام لوگ بھی اس علم کو حاصل کرنے لگے۔ اور ان کی اپنی حیثیت میں فرق آنے لگا۔ تو پھر انھوں نے اس کا تدارک کیا اور یہ اعلان کیا کہ کوئی شخص سوائے ان کی جماعت کے ممبر کے اس علم کو حاصل نہیں کر سکتا۔ علاوہ ازیں انھوں نے بہت سی تحریریں جو محفوظ رکھی تھیں ضائع کر دیں حالانکہ ان میں علم معلومہ کے واقعات مندرج تھے۔

بہر حال ہم دیکھتے ہیں کہ لنگر اپنے انتہائی نقطۂ زوال کو پہنچ کر پھر بلندی کی طرف چڑھتا ہے۔ اور کہ علم حق کی طرح اگر بظاہر پاش پاش بھی ہو جائے تو بھی پھر ترقی کرے گا۔ اور قوانین قدرت کا مطالعہ اور اس کا فہم جیسا فی زمانہ ہو رہا ہے ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا۔ گو بناوٹی اور جعلی چیزوں کا بھی اکثر ظہور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دھوکا کھانا بھی انسان کے مرغوب خاطر معلوم ہوتا ہے۔

تاہم اسرار قدرت کا اہم صحیح علم بھی حاصل کرتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی ملونی نہیں پائی جاتی اور جو سچے طالبعلم ہیں ان کو یہ علم اپنی اصلی اور حقیقی صورت میں ملتا ہے ◆

اب میں نئی تحقیقات کے وسیع میدان کو چھوڑ کر اس قانون کی چند مشہور اور سہل الفہم مثالوں پر نظر ڈالتا ہوں جو کہ ہر شخص اور ہر طالبعلم کے مشاہدہ میں برابر آتی رہتی ہیں۔ خواہ وہ اُن پر دھیان نہ دیتا ہو اور اُن سے کبھی کوئی سبق نہ حاصل کرتا ہو۔ اسجگہ میں دن رات یا روشنی تاریکی کی مثال پیش کرتا ہوں۔ غالبًا یہ سب کو معلوم ہے کہ دُنیا کے تمام حصص میں اُن کی تقسیم برابر نہیں ہے۔ بلکہ کسی کسی مقام پر گھنٹوں اور مہینوں کا بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن اون کا دور یا گردش زمانہ جو میرے مضمون کا اصلی موضوع ہے یکساں اور عام ہے۔ اور دُنیا کے زیادہ حصوں میں گھنٹوں ہی کا حساب ہوتا ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جہاں جہاں دن اور رات برابر ہوتے گئے ہیں وہاں کے لوگ زیادہ قوی۔ صحتور اور ترقی یافتہ پائے گئے ہیں مستثنیات کا دایرہ بہت محدود ہے۔ اور اس میں لوگوں کی تعداد بھی کم ہے اور جو نتائج اس میں پائے گئے ہیں اُن سے واضح ہوتا ہے کہ جس قدر دور زمانہ میں ترتیب اور باقاعدگی زیادہ ہے۔ اور جس قدر اس دور میں شدت اور طوالت کم ہے اسی قدر اُن لوگوں کی جن کا تعلق اس دور سے ہے بہتری اور بہبودی زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں ایک اور بات ہے اور وہ یہ ہے کہ سائنس نے ہمیں ایک ایسی چیز دی ہے جس سے ہم رات کو دن بنا سکتے ہیں یعنی روشنی کے ذریعہ سے۔ لیکن اگرچہ روشنی سائنس کے برکات میں سے ایک ہے۔ لیکن یہ بھی آمیزش سے پاک نہیں ہے اور اس کی وجہ سے قانون قدرت کے ٹوٹنے کا احتمال ہوتا ہے ◆

اس کے بعد موسموں کا دور آتا ہے۔ گرمی اور سردی بالیدگی کے لیئے دن اور رات نشوونما اور آرام۔ کمال اور زوال کے لیئے ہیں ۔ یہ قانون کتنا عام اور سب پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اب میں دوسری طرف جاتا ہوں یعنی بالیدگی اور زوال کو لیتا ہوں۔ نیچر جب ایک چیز کو کمال تک پہنچا دیتی ہے تو پھر خاموش نہیں بیٹھتی۔ جب اُس کا مطلب پورا ہو جاتا ہے تو مخلوق کو پھر آرام اور بعد ازاں تنزل کی حالت میں پہنچا دیتی ہے۔ لیکن اس تنزل سے تباہی مراد نہیں ہے پتیوں کے گرنے۔ پھولوں کے مرجھانے۔ ستاروں کے غروب ہونے کا زمانہ آتا ہے لیکن یہ

سب پھر اپنے وقت پر ظاہر ہوتے ہیں جب لنگر کی حرکت دوبارہ اوپر کی طرف ترقی کرتی ہے۔ جیسا کہ بارش کے بعد دھوپ نکلتی ہے۔

اب میں الفاظ "تباہی نہیں" کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ مینے ایک مرتبہ ایک بڑے عالم فاضل اور سائنیسدان کو یہ کہتے سُنا کہ "تباہی" اپنے اصلی معنوں میں غیر ممکن ہے۔ ہم کسی چیز کی شکل یا صورت کو بدل سکتے ہیں لیکن کوئی چیز بھی جو ایک مرتبہ وجود میں آگئی تباہ نہیں ہوسکتی۔ تمام چیزیں زمین سے نکلکر پھر زمین میں واپس چلی جاتی ہیں۔ اور پھر گردش کھاکر نمودار ہوتی ہیں۔ ایک باریک نکتہ ہے مگر میں اسے طول دینا نہیں چاہتا ہوں۔ اس لیئے میں اسے چھوڑ کر فقرہ "بارش کے بعد دھوپ" کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ تعجب ہے کہ ہم انگریز نیچر کی اس تقسیم پر جو دھوپ اور بارش کی صورت میں ہمیں ملتی ہے کتنا چین بجبیں ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ہم ذرہ ٹھنڈے دل سے غور کریں تو ہمیں حقیقت معلوم ہوجائے گی۔ کیونکہ ہم بہت ہی تنگ اور محدود نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

میں ایک قصبہ کا رہنے والا ہوں اور آج میں نے وعدہ کیا۔ کہ فلاں شہر میں جاؤں گا۔ اور اتفاق سے بارش ہونے لگی۔ اس وقت میں سخت مایوس ہوکر کہتا ہوں کہ یہ کیا واہیات ہے۔ "ہمیشہ بارش ہی ہوتی ہے"۔ لیکن اُسی وقت اور اسی کھیت میں جہاں میں جانے والا ہوں بارش کی سخت ضرورت ہے۔ اور کاشتکار اس بارش کے لیئے خدا کا شکریہ ادا کررہا ہے۔ الغرض ہماری خواہشات انصاف کو بدل دیتی ہیں اور کسی شئے کا موازنہ ہمارے نقطۂ خیال سے تبدیل ہوجاتا ہے۔

نظم

ہے حدِّ نگاہ جس کی محدود
ہیں خوبی و عیب اُسکے معدود
قدرت کی نگاہ لطف ہے عام
ہو چین کہ ہند یا کہ ہو شام
ہے مدِّ نظر ہر اِک کی بہبود
راہ اُس کی نہیں کسی پہ مسدود
اُس ذات پہ نکتہ چینی بہتان
ہے چھوٹی زبان اور بڑی بات

ناظرین کیا آپ کو کبھی اس بات کے سوچنے کا موقعہ ملا ہے کہ اگر ہماری خواہشات جو بلا سوچے سمجھے یا جہالت سے پیدا ہوئی ہیں پوری ہوجائیں تو پھر کیا ہو مثلاً ہم اکثر سنتے ہیں۔

وہ سرزمین جہاں پر خزاں کا نام نہیں
بجز بہار جہاں اور کسی کا کام نہیں
نہ سردی اور نہ بارش نہ ابر و باد وہاں
فقط چمکتا ہے مُدّت سے آفتاب جہاں

ذیل میں ایک ایسی سرزمین کا بیان ہے جو ایک امریکن مصنف کی کتاب سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی تحریر کے وقت وہ اسی سرزمین میں موجود تھا۔ چنانچہ وہ تحریر کرتا ہے۔ یہاں تو ماہ تک موسم گرما رہتا ہے کیونکہ متواتر ہر روز دھوپ نکلتی ہے۔ ایک مہینے تک ہمنے خیال کیا کہ یہ تو دُنیا میں ایک بہشت ہے لیکن تین ہی مہینے میں ہم سخت بیزار ہوگئے اور روز روز کی چمک سے اکتا گئے۔ اور پھر دل میں یہ تمنا ہوئی کہ ذرہ بھی بارش ہو جائے تاکہ اس پیاس اور مردہ دل زمین میں تر و تازگی پیدا ہو جائے اور یہانتک حالت ہوئی۔ کہ ہمنے کہا کہ ہمارے پاس جو کچھ موجود ہے ہم دینے کے لیئے تیار ہیں۔ اگر ایکدن بارش ہو جائے یہی حالت تمام بنی نوع کی ہے۔ جو چیز ہمارے پاس نہیں ہے اُس کی آرزو اور تمنا کرتے ہیں لیکن جو چیز موجود ہے اُس کی قدر نہیں کرتے۔ لیکن خدائے علیم و قدیر تمام امور سے آگاہ ہے چنانچہ اُسنے اس قانونِ گردش کو قائم کردیا تاکہ تبدیلیاں اور تغیرات ہوتے رہیں۔ جو ہماری صحت جسمانی اور دماغی زندگی کے واسطے ضروری ہیں۔ ایک مشرقی ضرب المثل ہے کہ جس نے کبھی کڑوا پھل نہیں چکھا وہ شہد کے ذائقہ سے نفرت کرے گا۔ جس شخص نے یہ لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بنظر تعمق غور کیا ہے۔ ؎

خوانِ عالم پر ہیں رنج و خوشی ہیں مزہ دیتے بہم مل کر سبھی۔
ہے کہیں تلخی کہیں تُرشی کہیں تھوڑی شیرینی کہیں رکھی ہوئی

مجھے امید ہے کہ ناظرین مجھے تھوڑا وقت اور دیں گے۔ اگرچہ مینے نیچر کے مد و جزر کے وجود اور حکمت کو ثابت کرنے کے لیئے بہت کافی لکھدیا ہے۔ شائد سب سے زیادہ عجیب لیکن کم غور کن مثالوں میں اب گردش بیماری کا مسئلہ ہے۔ یہ دور بیماری پہلے چند ایک مرضوں میں پایا جاتا تھا لیکن اب تو تمام مرضوں میں اُس کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ ڈاکٹر رسل نے تحریر کیا ہے۔ کل بیماریوں کے تین درجے ہیں۔ (۱) پوشیدگی۔ (۲) ابھار کا درجہ (بخار)۔ (۳) زوال یا کمی کا درجہ۔ یہ مرض کو ختم کر دیتے ہیں۔ بعض حالات میں کچھ عرصہ تک۔ آخری دو درجے بدلا کرتے ہیں +

یہ حالت دوری بیماریوں میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً تپ خرفہ۔ گرمی اور دق کے بخار میں یہ زیادہ نمایاں طور پر انسان بیماریوں میں جو نوبتی ہیں۔ جیسے وہ بخار جن میں کچھ عرصہ کے لیئے وقفہ ہو جاتا ہے اور ان کا نام بھی وقت کی میعاد کی رُو سے رکھا گیا ہے۔ چنانچہ روزانہ بخار۔ تیسرے دن اور چوتھے دن کا

بخار۔ ایک عقلمند انسان جوان کی علامتوں سے واقف ہے۔ وقفہ کے درمیان حملہ شدہ حصّوں کی
مضبوط کرنے کی کوشش کرتا ہے یا ایسی دوائیں دیتا ہے جس سے جسم میں طاقت پیدا ہو کر دوسرے
حملہ کو اچھی طرح برداشت کر سکے۔ پھر اسی قسم کی مثال ہمیں کام اور آرام کے وقت ملتی ہے اور ایسا
معلوم ہوتا ہے۔ ہاں ایک جھلک سی نظر آتی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیچر بھی اسی قانون کے ماتحت
ہے۔ ینگ صاحب کا خیال کہ نیچر بھی کبھی تھک جاتی ہے۔ اپنے اندر ایک حقیقت رکھتا ہے۔ گو وہ اُپر
صاف عیاں نہ ہوئی ہو۔ یہ ایک ایسا خیال ہے جس سے بڑے بڑے نتائج نکل سکتے ہیں۔ مگر سردست
اُسے زیر بحث نہیں لایا جاتا۔ یہ ضروری اور لابدی ہے کہ انسان کو کام کے بعد آرام کا وقت ملنا
چاہیئے۔ ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ جسمانی یا روحانی یا دونوں صحت کا ستیاناس ہو جائیگا۔ مجھے یہی
بتلایا جاتا ہے کہ بعض ایسے بھی لوگ ہیں جو کبھی کام نہیں کرتے۔ بلکہ اُن کی زندگی میں آرام ہی آرام ہے
اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ یہ ایک غلط فہمی ہے۔ جو الفاظ کام اور آرام کے غلط مفہوم
سے پیدا ہوتی ہے۔ اس قانون کا لب لباب باری باری یا تبادلہ ہے۔ اور وہی بات جو ایک حالت میں
کام ہے دوسری حالت میں آرام کے نام سے موسوم ہوتی ہے۔ نیند میں سب سے زیادہ آرام کا وقت
ہوتا ہے تاہم ایک شخص بہت زیادہ سو کر نیند سے تھک سکتا ہے۔ بہت سے لوگ بھی ہیں جنکی زندگی
کی علت غائی صرف راحت و آرام ہے۔ اکثر اپنی راحت و خوشی کو نہایت محنت اور مشقت سے تلاش
کرتے ہیں اور اس میں اس قدر خستہ ہو جاتے ہیں کہ کسی دستکار کو بھی اس قدر تکان نہیں ہوتا
لیکن آخر میں وہ خسارہ اور نقصان اُٹھاتے ہیں۔ ؎

ہر شب تار و روز روشن باد ہمکو دیتی ہے ایک پند سعد
ہر خوشی رنج سے بدلتی ہے ابر رحمت کے ساتھ ساتھ ہے رعد

تمام مثالوں میں سے محنت اور آرام کی مثال ایسی دی ہے جو نیچر اپنے نہایت سادہ الفاظ
میں ہمیں سکھلاتی ہے۔ دن اور روشنی کام اور محنت کے لیئے۔ رات اور تاریکی سونے اور آرام
کرنے کے لیئے ہے۔ ڈاکٹر کیو نے میں نیند کے متعلق اس طرح لکھا ہے۔ نیچر پر بات سے مرتا ہل
ہوں جس نے پہلے نیند کی ایجاد کی۔ نیند مثل لبادہ کے انسان کو تمام طرف سے ڈھانک لیتی ہے
بھوکے کے لیئے گوشت جیسا ہے کے واسطے پانی۔ سردی میں اکڑے ہوئے کے لیئے گرمی اور

گرمی میں جھلسے ہوئے کے لیئے ٹھنڈک ہے۔ کوئی شخص عرصہ تک اچھی طرح کام نہیں کرسکتا تا وقتیکہ اچھی طرح آرام نہ کرلے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ایک کے لیئے ایک ہی مقدار چاہیئے بعض ایسے ہیں کہ جنھیں ۲۴ گھنٹے میں صرف ۵ گھنٹہ کافی ہے۔ لیکن بعض ایسے ہیں جن کو ۹ گھنٹے سونے کی ضرورت ہے لیکن ۷ گھنٹے اوسط ہے۔ اور عام طور سے لوگ اسی پر کاربند ہیں۔ آوڈ نے بھی اپنی کتاب میں نیند کو اس طرح مخاطب کیا ہے۔ اے نیند تو سب چیزوں سے زیادہ آرام بخش ہے پیاری نیند تو سب دیوی دیوتاؤں سے حلیم اور شریف ہے تو قلب کو سکون اور اطمینان بخشتی ہے اور تمام قسم کے تفکرات کو دور کردیتی ہے۔ جو لوگ محنت کرکے چور ہوجاتے ہیں اُن کو تقویت دیتی ہے اور پھر کام کے قابل کردیتی ہے ٭

"پھر کام کے قابل کردیتی ہے" یہ ایک عجیب اور عمدہ خیال ہے۔ اکثر واقعات اس قسم کے سُننے میں آتے ہیں۔ کہ فلاں شخص محنت شاقہ کی وجہ سے بیکار ہوگیا یا مرگیا۔ یا یوں کہنا چاہیئے کہ عدم آرام کی وجہ سے ایسا ہوا۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ کوئی شخص ایک کام محنت سے کرے اور نیچر کے قانون کی پابندی بھی کرے یعنی آرام بھی کرلیا کرے تو پھر اس میں فایدہ ہے لیکن اگر وہ برابر کام کرتا چلا جائے اور نیچر کے لنگر کی حرکت کا مقابلہ کربیٹھے تو انجام کار اُس کو نقصان اور خسارہ اٹھانا پڑے گا نہ اس لیئے کہ اس نے حد سے زیادہ کام کیا بلکہ اس لیئے کہ اُس نے نیچر کے قانون کی خلاف ورزی کی ہے۔ آپ کہہ سکتے اور میں بھی مانتا ہوں کہ بعض اوقات ایسی مجبوری ہوجاتی ہے کہ آرام کرنا حرام ہوجاتا ہے۔ ہاں نیچر مستقل تو ہے لیکن سخت نہیں ہے۔ وہ ایک مہربان مہاجن کی طرح ہے۔ جو کہ زیادہ روپیہ لینے کی اجازت کبھی دیدیتا ہے لیکن یہ بہت ہی محدود رعایت ہے۔ تھکاوٹ ایک حد تک نقصان نہیں کرتی۔ لیکن حد سے زیادہ گذرنے سے ضرر نقصان [illegible] تھکاوٹ اگر بہت زیادہ ہوجائے تو پھر لاعلاج ہوتی ہے۔ بظاہر تو وہ تندرست نظر آنے لگتے ہیں لیکن فی الحقیقت ایک کمزوری باقی رہ جاتی ہے۔ جو زیادہ محنت کرنے سے پھر زیادہ نقصان کرتی ہے۔ انسان یا گھوڑے کا معلم اس بات کو خوب جانتا ہے [illegible] کسی انسان یا جانور کو سدھارنا ہی اس کا کام نہیں ہے۔ بلکہ [illegible] اس بات [illegible] ہے کہ کس وقت کام سے ٹھہر جانا چاہیئے تاکہ ایسا نہ ہو کہ [illegible] کام سے نقصان ہوجائے [illegible]

کبھی ورزش کرنے والوں اور گھوڑوں کی نسبت نہیں سُنا ہے کہ بعض وقت وہ عجیب نادر کرتب کھلاتے تھے لیکن کبھی نامراد ہو کر پھر اُس اصلی حالت کو نہیں پہنچے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے بہت زیادہ روپیہ نکال لیا اور آخر نیچر نے ان کا دیوالہ نکال دیا۔

یہاں تک نیچر اور اُس کے قانون کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ پس ہم بحیثیت انسان کس طرح ان امور کو لے کر اُسی پر عمل پیرا ہیں۔ جواب میں میں کہتا ہوں کہ چار قسم کے لوگ ہیں۔

اوّل۔ وہ ہیں جو بباعث لاعلمی ٹھوکر کھاتے اور بعض وقت دُکھ اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں بعض وقت خوش قسمتی سے یا اتفاقیہ آگے بڑھ جاتے ہیں۔

دوسرے وہ ہیں جن کو علم ہوتا ہے۔ مگر کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ اور جب اُن پر کوئی مصیبت وارد ہوتی ہے تو یہ چاہتے ہیں کہ ہر ایک ان کی اس تکلیف میں شریک ہو۔ حالانکہ اُن کو دوسرے کے رنج اور تکلیف کا کچھ بھی خیال نہیں ہوتا۔ یہ عموماً خود غرض لوگوں کا طبقہ ہے۔ جو کہ صرف اپنی خواہش اور آرام کے طالب ہوتے ہیں۔ اُن کا مقولہ ہے کہ "بلا سے کوئی ڈوبے میں تو تیرتا ہوں"۔ لیکن اگر وہ خود بھی ڈوبیں تو کیا اس میں کوئی ناانصافی ہوگی۔ میرے خیال میں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ وہ محض اپنے مطلب کے بندے ہیں اور دُنیا غریب اور لاچار نہیں ہوگی۔ اگر ان لوگوں کو بھی مصائب جھیلنے پڑیں۔

تیسرا وہ گروہ ہے جو قانون کو جان کر بھی بالارادہ اُس کا مقابلہ کرتا ہے۔ اس گروہ میں ازدیاد اس وجہ سے ہو گئی ہے کہ آجکل مصنوعی طریق زندگی کا چاروں طرف زور پھیلا ہے۔ خصوصاً بڑے شہروں میں جہاں اکثر راتیں دن میں بدل جاتی ہیں یعنی ارزاں روشنی ملنے کی وجہ سے راتوں کو کام یا دوسرے مشاغل ہوا کرتے ہیں۔ حالانکہ نیچر نے رات کو اس لیئے بنایا ہے کہ کام چھوڑ کر استراحت اور آرام کیا جاوے۔ میں نے بارہا اس بات کو بیان کیا اور پھر کہتا ہوں کہ ان تمام بیماریوں کا سبب یہی ہے کہ زیادہ تر لوگوں نے رات کو دن بنا لیا اور اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ قوانین قدرت ہماری سہولت کے مناسب حال ہو جائیں۔ بجائے اس کے ہماری سہولیت قوانین کے ماتحت ہے اور یہ وہ راہ ہے جس کا نتیجہ ہمیشہ خطرناک ہوگا۔ قوانین قدرت ہی پر چلنے سے ہم محفوظ رہ سکتے ہیں۔ اور اگر ہم اسکے مطابق عمل پیرا نہ ہوں تو پھر نیچر اپنا انتقام لینے پر مجبور ہوگی اور اُس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ہماری صحت اور دماغی طاقتیں خراب اور زائل ہو جائیں گی اور ہماری زندگی کم ہو جائے گی۔

چوتھے وہ لوگ ہیں جو نیچر اور خدائے نیچر کو جانتے اور اُس کی تعلیم بجالاتے ہیں۔ اور لنگر کی حرکت کے دور میں نتیجہ خیز کام کرتے اور اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ وقت پر کام کرتے وقت پر کھیلتے اور وقت پر آرام کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ؎

آرام نہیں ہے ترک شغلِ دُنیا نادان ہیں جو کہ ہیں سمجھتے ایسا
داناؤں کے نزدیک ہے یہ راحت عین خالی نہ رہے شغل سے کوئی لمحہ

الغرض یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی کو اچھے طور سے استعمال میں لاکر خاطر خواہ فائدہ اُٹھاتے ہیں خوشی کے ساتھ محنت کرتے اور خوشی سے کام کرتے اور خوشی سے آرام بھی کرتے ہیں۔ اور جب وہ آخری بلاہٹ جو سب کے لیئے آنے والی ہے۔ اور جو تمام محنت کا خاتمہ کرنے والی ہے آجائیگی تو پھر وہ امن و آرام کی نیند سوئیں گے۔ اور خوشی کے ساتھ پھر بیدار ہونگے +

افریقہ میں اسلام

از دوستی محمد صاحب

اسلام کی اس حیرت انگیز ترقی کا راز جس نے وہاں کے عیسائیوں میں کچھ عرصہ ہؤا ایک کھلبلی سی پیدا کردی تھی اور جس کا آخری نتیجہ مشہور و معروف کیکیو کی کانفرنس تھی۔ اِس دین کی سادگی میں اور فطرت انسانی کے ساتھ مناسبت میں ہے۔ کیونکہ انسان کی فطرت اسے فوراً قبول کرنے کے لیئے تیار ہو جاتی ہے +

ان لوگوں کا جو یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ جو کچھ اُن کے مونھ سے نکل جائے وہ ان ٹل ہے یہ فتوےٰ ہے کہ اسلام ایک ناقابل ترقی مذہب ہے جو صرف ادنےٰ حالت کے انسانوں کے لیئے موزوں ہے پس یہ لوگ افریقہ میں اسلام کی ترقی کی یہی وجہ گردانتے ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہ محض ایک ڈھکوسلا ہے جو دِل کو تسلی دینے کے لیئے بنایا گیا ہے۔ اور اصل راز اسلام کی کامیابی کا یہ ہے کہ اس کی تعلیم کو انسان آسانی سے سمجھ لیتا ہے اور دوسرے مذاہب میں جو کچھ لاینحل عقدے

اور جتنے ہیں ان سے یہ بکلی پاک ہے +

اسلامی واعظ کا طریق نہایت سادہ ہے۔ وہ اِن سارے سامانوں کے بغیر جاتا ہے جن کو دوسرے مذاہب کے مشنری ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کا سارا سامان صرف ایک قرآن کریم ہے۔ وہ جب ایک گاؤں کی حدود میں پہنچتا ہے تو ایک درخت کے نیچے بیٹھ جاتا ہے اور اپنی پاک کتاب کو کھول کر اسے پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ نماز کا وقت آتا ہے تو نماز کے لیئے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور جب فارغ ہوتا ہے پھر قرآن کریم کی تلاوت میں مصروف ہو جاتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وہ نہ ان لوگوں کی زبان سمجھتا ہے اور نہ ہی اُس کے پاس خوراک کا سامان ہوتا ہے۔ اتنے میں اِدھر اُدھر سے کوئی گاؤں کا رہنے والا آ جاتا ہے۔ وہ پہلے دُور سے اس اجنبی کی حرکات کو دیکھتا ہے اور پھر گاؤں میں جا کر اطلاع دیتا ہے کہ کوئی اجنبی شخص درخت کے نیچے پڑا ہے۔ گاؤں کا نمبردار گاؤں کے بوڑھے لوگوں کو جمع کرتا ہے اور وہ سب اکٹھے ہو کر اس واعظ کے پاس آتے ہیں اور اشاروں سے اُس سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور اُس کا کیا مطلب ہے۔ وہ بھی اشاروں سے ہی جواب دیتا ہے کہ وہ خدا کا کوئی پیغام لے کر ان کے پاس آیا ہے۔ تب وہ اِس سے غذا کے متعلق دریافت کرتے ہیں اور اُس کی ضرورت کو سمجھ کر فوراً غذا کا انتظام اُس کے لیئے کیا جاتا ہے۔ نمبردار اُس سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اُس کے ساتھ گاؤں کے اندر چلے۔ مگر واعظ اس بات کو نامنظور کرتا ہے ایک یا دو دن گذر جاتے ہیں۔ اور اس کو اسی طرح خوراک کا سامان پہنچتا رہتا ہے۔ تب پھر نمبردار اُس کے پاس آتا ہے اور اُس سے درخواست کرتا ہے کہ وُہ گاؤں کے اندر چل کر رہے تب وہ اسے منظور کرتا ہے اور نمبردار کے احاطہ میں جا ڈیرا کرتا ہے۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ افریقہ میں ایک نمبردار کی بہت عزت کی جاتی ہے۔ وہ نہ صرف نمبردار ہی ہوتا ہے۔ بلکہ خاندان کا سردار بھی ہوتا ہے۔ اور قریباً سب افریقہ کے لوگ اِسی طرح پر رہتے ہیں۔ اس کے لوگ اس کے بچوں کی طرح ہوتے ہیں اور ہر ضروری معاملہ میں خواہ وہ خانگی امر ہو یا عام بہبودی سے تعلق رکھتا ہو اسکا مشورہ لیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ واعظ کی بھی نمبردار کے احاطہ میں رہنے کی وجہ سے خاص عزت ہوتی ہے۔ اور اس کے ذاتی تقدس کی وجہ سے اس کا خاص رُعب گاؤں والوں کے دل پر ہوتا ہے۔ اب یہ واعظ ایک طرف تو خود اس گاؤں کی زبان میں دسترس حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے

اور دوسری طرف تھوڑا تھوڑا علم زبان عربی کا نمبردار اور دوسرے لوگوں کو جو اس کے احاطہ میں رہتے ہیں دینا شروع کرتا ہے۔ اس کی توجہ اور دلسوزی کا بھی ان لوگوں پر خاص اثر ہوتا ہے۔ اور اس لیئے وہ اس کے مذہب کی نسبت اس سے سوال کرنا شروع کرتے ہیں۔ اس وقت تک وہ بھی ان کی زبان کو اس حد تک سیکھ لیتا ہے کہ مذہب کے موٹے اور اہم اصول کو اُنکے سامنے بیان کر سکے۔ پس وُہ سب سے پہلے اُن کو کلمہ طیبہ لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کی تعلیم دیتا ہے اور اُن کو بتاتا ہے کہ اسلام کیا ہے جس کا اثر ان لوگوں کے دلوں پر بہت ہوتا ہے۔ چونکہ یہ ساری تعلیم نہایت سیدھی سادی اور اقرب الی الفہم ہوتی ہے۔ نمبردار اپنے خاندان سمیت مذہب اسلام اختیار کر لیتا ہے۔ آہستہ آہستہ سارا گاؤں ہی مسلمان ہو جاتا ہے۔ اور ایک خاص جھونپڑی بنائی جاتی ہے۔ جو مسجد کا کام دیتی ہے۔ نماز کے لیئے پانچوقت اذان دی جاتی ہے۔ اور گاؤں کے لوگ پکے اور سچے مسلمان بنائے جاتے ہیں ✦

افریقہ میں شاید کوئی ہی ایسا گاؤں ہوگا جو کسی نہ کسی قسم کی مشنری کوشش سے آشنا نہ ہو چکا ہو۔ اس لیئے ہر ایک افریقی عموماً اس خاص مذہب کا کچھ خاص علم رکھتا ہے۔ جس کی بجائے ایک سچا مذہب قایم کرنا اسلام کی اصلی غرض تھی۔ مگر ان پرانے عقاید کی بناء پر جو نئے عقاید کا ایک گورکھ دھندا بنا لیا گیا ہے۔ وہ غریب افریقیوں کو پریشان کر دیتا ہے۔ جیسا کہ مغرب میں بھی لوگوں کو پریشان کر کے اس گورکھ دھندے نے آخر مادہ پرستی تک پہنچا دیا ہے۔ یہ بلا وجہ فرض کر لیا گیا ہے کہ ایک افریقی غور و فکر نہیں کر سکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ اپنی بُت پرستی کو جس کے ساتھ بہت سی قیود اور پابندیاں لگی ہوئی ہیں اس مذہب پر ترجیح دیتا ہے جو انسان کے دِل کو تشفی تو نہیں دیتا مگر اس کے سامنے کچھ لاینحل عقدے رکھ دیتا ہے۔ پھر اس کو عملی ثبوت بھی اس بات کا ملجاتا ہے۔ کہ سفید لوگوں کا مذہب ذو وجہین ہے۔ اور ہمیشہ اس کے وہ معنے لیئے جاتے ہیں جو یورپین کے حق میں ہوں۔ ایک طرف گورے رنگ کا تاجر ہوتا ہے جو اسی مذہب کا پیرو ہے۔ مگر وہ ہر قسم کی ناجائز کارروائیوں سے ایک افریقی کا مال لے لینا جائز سمجھتا ہے۔ دوسری طرف گورے رنگ کا مشنری ہے جو یہ تعلیم دیتا ہے کہ تو چوری نہ کرنا۔ اور اس خدائی حکم کی فضیلت پر اپنی ساری فصاحت خرچ کر دیتا ہے پھر یورپین مشنری تو تعدد ازدواج کو بُرا بتاتا ہے۔ مگر خود یورپین عورتوں کے معاملہ میں افریقی سے بھی بڑھ

جاتے ہیں۔ اور وہ بدقسمت اولاد جو اس قسم کی ملاوٹ سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کو افریقی اور یوروپین دونوں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ پھر پادری تو یہ تعلیم دیتا ہے کہ سارے انسان خدا کی نگاہ میں یکساں ہیں مگر خدا کے گھر میں یوروپین کو پادری کے قریب جگہ ملتی ہے۔ اور افریقی کو اگر گورے آدمیوں کے خاندان میں جانے کی اجازت بھی ملے تو اُسے کہیں آخر پر بٹھایا جاتا ہے۔ مشنری کی تعلیم تو یہ ہوتی ہے کہ ایک دوسرے سے محبت کرو۔ کیونکہ ہم خدا کے آگے سب بھائی بھائی ہیں۔ مگر اس خدا کے محبت کے گھر کی چار دیواری کے اندر بھی محبت اور اخوت کا نام ونشان نظر نہیں آتا+

اس لیئے افریقی اگر اس مذہب کو قبول کرتا ہے تو یا تو کسی ذاتی غرض کی بنا پر اور یا اس لیئے کہ وہ اس کو اپنے مذہب کی اصول پوجا سے بہتر سمجھتا ہے۔ مگر اس قسم کے لوگوں کی مذہبی کشمکش کا نتیجہ یا تو یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک دھوکہ میں مبتلا رہتے ہیں۔ یا وہی ہر قسم کی اشیاء کی پوجا جو اُن کے بڑے کیا کرتے تھے اُسی میں وہ پھنسے رہتے ہیں۔ اور یہ بات ساحل کے شہروں کے بعض بڑے بڑے تعلیم یافتہ لوگوں پر صادق آتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ افریقہ میں عیسائی لوگ بہت پائے جاتے ہیں۔ مگر یہ دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جنہوں نے عیسائیت کو اپنے غلام باپوں یا بوڑھوں کے اثر سے ورثہ میں پایا جب ابھی اسلام اس ملک میں نہیں پہنچا تھا۔ اور یہ اثر مغرب اور جنوب میں نظر آتا ہے اور دوسری وہ قومیں جو تلاش روزگار میں مغرب کی طرف ساحل پر یا جنوب کی طرف کانوں پر آتی ہیں۔ ان لوگوں نے اکثر حالات میں غالب مذہب کو اختیار کر لیا ہے۔ کیونکہ یہ گورے آدمیوں کا مذہب ہے۔ اور جب وہ واپس اندرون ملک میں جاتے ہیں تو اپنے باپ دادا کے مذہبی رسم ورواج کی پابندی اختیار کرتے ہیں۔ مگر اسلام کا وعظ اس کے سرگرم واعظین کے ذریعہ سے افریقی لوگوں پر سیدھا اثر کرتا ہے۔ اور افریقی دیکھتا ہے کہ اسلامی واعظ کو نہ تو کسی مشن ہاؤس کی ضرورت ہے نہ ہی مسلمان کے دین کی مذہبی اخوت اور مساوات محض ایک قصہ ہے بلکہ یہ عملی رنگ کی مساوات ہے اور جو شخص اسلام میں داخل ہوتا ہے اس کی خانگی زندگی میں بھی کوئی ہرج پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی وہ دیکھتا ہے کہ ہر ایک نقطہ خیال سے اسلام ایک معقول مذہب ہے۔ اسلیئے یہ جلد ہی قبول کیا جاتا ہے۔ اور افریقی مسلم فوراً اپنے لکڑی کے خداؤں کو خیرباد کہکر ایک طرف کا ہو جاتا ہے۔ اور قرآن کی تعلیم اور حکومت کو تمام معاملات میں قبول کر لیتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ افریقی

مُسلمان کا سادہ مذہب اپنی عظیم الشّان سادگی میں ابتدائی اسلام سے بہت زیادہ قریب ہے بہ نسبت اس کے جو اسلامی دُنیا کے کسی دُوسرے کونہ میں پایا جاتا ہو کیونکہ یہ پریشان کرنے والی تفسیروں سے پاک ہوتا ہے +

افریقی مُسلمان کی یہ یکسوئی صرف اسی حد تک نہیں کہ وہ قرآن کریم کی منع کی ہوئی چیزوں سے رُک جاتا ہے۔ بلکہ وہ تعلیم وغیرہ کے معاملہ میں بھی اسی کی پیروی کرتا ہے۔ بدقسمتی سے یا خوش قسمتی سے اندرُون ملک کے عام افریقی مسلمان کتابی تعلیم سے بہت حد تک بے بہرہ ہوتے ہیں۔ وہ عیسائی مشن سکول سے بچتا ہے۔ کیونکہ اسلام کی ایسی محبت اُس کے دل میں جاگزین ہوتی ہے کہ وہ ڈرتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے بچوّں پر اس تعلیم سے اس مذہب کا کچھ اثر پڑ جائے جس کو وہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ عیسائیت سے اس لیئے بیزار نہیں ہوتا کہ یہ مسیح کا مذہب ہے کیونکہ مسیح کی تو اسے سچّے دل سے عظمت کرنا سکھایا جاتا ہے۔ بلکہ اس کی حقارت اور تنفّر کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ پچھلے لوگوں نے مسیح کی سادہ تعلیم پر کیسے کیسے زوائد بڑھا کر اس کو اصلیت سے پھیر دیا۔ اُس کو یہ بھی افسوس ہوتا ہے کہ کوئی اسلامی مدرسے اس کے قریب نہیں۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ تعلیم سے بے بہرہ رہنے کی وجہ سے اس کے بچّے ان عیسائی بچوّں سے دنیا کی دوڑ اور ترقی میں پیچھے رہجائیں گے۔ جن کو تعلیمی فوائد سے فائدہ اُٹھانے کا بہت بڑا موقعہ حاصل ہے +

مگر اس کی اس کمی کو جو کتابی تعلیم میں اس کے لاحق حال رہتی ہے۔ اس کی راستبازی اور دیانتداری پُورا کر دیتی ہے۔ کیونکہ خود یوروپین عیسائی تاجر ہزار ہا روپے کا مال بغیر ضمانت کے ایک افریقی مسلمان کو دیدیں گے۔ مگر کسی دیسی عیسائی کو ضمانت لیئے بغیر وہ ایک کوڑی کا مال بھی نہیں دیتے خواہ وہ کتنا ہی مشہور ہو۔ افریقی مسلمان کا قول قرار ایسا پختہ ہے کہ خود عیسائی بھی اُس پر پوُرا اعتبار کر لیتے ہیں مگر افریقی عیسائی کے اعتبار کا نہ ہونا ایک ضرب المثل ہے سطحی نظر سے دیکھنے والا اس پر تعجب کریگا مگر اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ خود عیسائیوں کو اس بات پر کس قدر کم اعتبار ہے کہ انکا مذہب دیانتداری اور راستبازی کی صفات کو فوراً پیدا کر سکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ یوروپین لوگوں کی یہ طرز معاملہ افریقی عیسائیوں کے ساتھ منصفانہ نہیں۔ میں خود ایسے افریقی عیسائیوں کو ملا ہوں اور ان کے ساتھ معاملہ کیا ہے جو بڑے دیانتدار تھے۔ اور مجھے فخر ہے کہ میں اُنکو اپنے دوستوں میں سے

شمار کرتا ہوں۔ اس کے برخلاف میں ایسے مسلمانوں سے بھی ملا ہوں جن کی وجہ سے مجھے بہت شرمندہ ہونا پڑا ہے۔ کیونکہ اُن کا چال چلن دیانتدارانہ نہ تھا۔ انسان آخر انسان ہے۔ اور اچھے اور بُرے آدمی سب مذاہب میں ملتے رہیں گے۔

وہ افریقی عیسائی جن کی حالت اچھی نہیں وہ درحقیقت کسی ایسے یوروپین عیسائی کے زیر اثر رہے ہیں جن کا اپنا چلن اچھا نہیں اور افریقی چونکہ قدرتاً جلد ہی اثر قبول کرتا ہے۔ وہ ایک یوروپین کو اپنے سے بہت بڑا سمجھ کر اس کے بدحالات سے بھی جلدی متاثر ہو جاتا ہے۔

اسلام ایک صلح کا مذہب ہے یہ ہمیشہ اپنے آپ کو صلح کے طریق سے ہی آگے بڑھاتا رہا ہے ہمارے ہاتھ میں کوئی صحیح اعداد نہیں مگر اندازہ کیا جاتا ہے کہ افریقہ میں کوئی قریباً بیس ۲۰ ملین یا دو کروڑ مسلمان ہیں۔ اور یہ تعداد سال بسال بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ عیسائی مشنری اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ وہ اسلام کی قبولیت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ بہت سے ایسے افریقی عیسائی تو ہیں جنھوں نے عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا ہے۔ مگر جو افریقی مسلمان ہو گئے ہیں اُن میں سے کوئی عیسائیت کیطرف نہیں گیا۔ تخم ڈال دیا گیا ہے اور لاکھوں افریقہ کے احاطوں سے یہ آواز بلند ہوتی ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

مختلف تمدنی اور مذہبی قوانین کے ماتحت عورت کی حالت

(از مشیر حسین قدوائی)

(۱) ابتدائی تاریخ

نسل انسانی اور اس کی ترقی کی طویل تاریخ میں نسل انسانی کی افزائش اور دنیا کے تمدن میں عورت ایسا ہی ضروری جزو رہا ہے جیسا کہ مرد۔ مگر اس کو ہمیشہ ایک کم حیثیت کی مخلوق سمجھا گیا۔ یہاں تک کہ عرب کے بیابان میں ایک یتیم نے اس الٰہی ارشاد کی منادی کی (القول

الارحام یعنے عورتوں کی عزت کرو۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں لکھا ہے جس کے معنے عورت ہیں۔ خود اس بات پر شاہد ہے کہ عورت کی تاریخ احتیاج کی لمبی داستان ہے سب سے قدیم تاریخ جسکا ہمکو علم ہے وہ ہمیشہ کے لیئے اس واقعہ کہ عورت کو ہمیشہ ماتحتی میں رکھا گیا۔ اور حقوق اور اختیارات کے معاملہ میں اُسے مرد سے کم درجہ پر سمجھا گیا۔ گبن لکھتا ہے کہ قدیم قوانین کا اصل منشا یہ تھا کہ عورتیں پروہتوں خاوندوں یا ولیوں کی دامی طور پر غلامی میں رہیں۔ گویا یہ جنس محض خوش کرنے اور حکم ماننے کے لیئے پیدا کی گئی تھی۔ اور اس عمر کو کبھی یہ پہنچ ہی نہیں سکتی جس میں اپنی عقل اور تجربہ سے انسان کام لے سکتا ہے ؞

رومی قانون میں عورت بالکل ماتحتی کے رنگ میں رکھی جاتی تھی۔ ایک لڑکی کی قسمت میں جبکہ اس کا بیاہ نہ ہوا ہو وہ اپنے باپ کی زندگی میں ہمیشہ کے لیئے اس کی غلامی میں اور اس کے مرنے کے بعد اس کے مرد رشتہ داروں یا متبنیٰ کی غلامی میں رہتی تھی۔ بیاہا جانے پر وہ اور اس کی ساری جائیداد اس کے خاوند کے قبضہ اور تصرف میں چلی جاتی تھی بلکہ فی الواقعہ وہ خود خاوند کی جائیداد کے طور پر سمجھی جاتی تھی اور اس کا اختیار اس سے بڑھ کر نہیں تھا جس قدر ایک زرخرید غلام کا۔ رومی قانون کے بعض مراحل پر ایک خاوند کو یہ حق دیا جاتا تھا۔ کہ وہ اپنی عورت کو مار ڈالے۔ اگر اُسے معلوم ہو کہ اس نے کسی شخص کو زہر دی ہے یا کسی شخص کو شراب پلائی ہے۔ یا کسی اور کے بچہ کو لے کر اپنا متبنیٰ کر لیا ہے۔ انگریزی قانون یورپ کے دوسرے بہت سے قوانین کی طرح رومی قانون پر مبنی ہے۔ پس انگلستان کی صنف نازک کو شکر گذار ہونا چاہیئے کہ اس قسم کے سخت اور جابرانہ قوانین رومی قوانین میں سے برطانیہ کلاں کے قوانین میں داخل نہیں ہوئے۔ تاہم یہ معلوم ہوگا۔ کہ انگریزی قانون نے رومی قانون کے قواعد کی کہاں تک پابندی کی ہے۔ جب ہم رومی قوانین اور رواجات کی تاریخ کو پڑھیں۔ رومی اپنی عورتوں کو یہ اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ کسی قسم کا کام سول یا پبلک عہدہ سے متعلق کر سکیں۔ بلکہ ایک عورت بطور گواہ بھی پیش نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ نہ کسی کو متبنیٰ کر سکتی تھی اور نہ خود متبنیٰ ہو سکتی تھی اور نہ وہ ضامن ہو سکتی تھی۔ آج سے تیس سال پیشتر کی

بہی انگلستانی بہن کی طرح اُس کی کوئی ذاتی جائداد اس کے خاوند سے علیحدہ نہ تھی وہ نہ وصیت کرسکتی تھی اور نہ معاہدہ کرسکتی تھی +

مضبوط اولاد حاصل کرنے کی غرض سے لائی سرگس نے بیاہ کی عمر کو جس کی حد نوما نے بارہ سال رکھی تھی بڑھا دیا۔ قدیم زمانہ کے رواج کے مطابق خاوند اپنی زوجہ کو اُس کے والدین سے خرید کرلاتا تھا۔ اور عورت بھی اس میں اس طرح پر شرکت حاصل کرتی تھی کہ وہ تین تانبے کے سکّے ادا کرکے اُس گھر میں داخل ہوتی تھی۔ لیکن یہ شراکت عورت کی جانب سے سخت اور نامساوی تھی۔ کیونکہ اسکو اپنے باپ کے گھر کے دیوتاؤں کی پوجا اور نام دونوں کو عاق کرنا پڑتا تھا۔ اور ایک نئی غلامی اختیار کرنی پڑتی تھی۔ اس کا خاوند اس کے ساتھ اس طرح سلوک کرتا تھا جیسا بچوں کے ساتھ۔ بلکہ خود اُس کے اپنے بچوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا تھا وہی اُس کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ اور خاوند ہونے کی حیثیت میں اس کو اسی قدر اختیار اپنی زوجہ پر حاصل تھا۔ جس قدر باپ کو بیٹی پر۔ وہ اپنی مرضی سے اُس کے سلوک کو پسند کرتا یا بُرا سمجھتا یا اُس کی وجہ سے اُسے سزا دیتا۔ بلکہ موت اور زندگی کے اختیارات بھی اُس کے اوپر حاصل تھے اور اُسے اجازت تھی کہ اگر وہ زنا کرے۔ بلکہ اگر صرف شراب کو چکھے یا اس کوٹھڑی کی چابی چرالے تو وہ اُسے جان سے مار سکتا تھا۔ وہ جو جائداد خود حاصل کرتی اور جو کچھ ورثہ میں پاتی وہ صرف اپنے آقا اور مالک یعنی اپنے خاوند کے لیئے حاصل کرتی اور عورت کو کھلے طور پر مال کا ایک حصّہ سمجھا جاتا تھا۔ نہ کہ ایک شخص کی حیثیت رکھنے والا۔ اس لیئے اگر اس پر قبضے کا پہلا حق اپنے اندر کوئی نقص رکھتا تو دوسری جائداد غیر منقولہ کی طرح ایک سال کے قبضہ سے اُس پر ملکیت کا دعوےٰ ہو سکتا تھا +

راقم الحروف نے جب پمپیائی کے ان مقامات کو دیکھا جو کھود کر نکالے گئے ہیں۔ اور وہ بیحیائی کی تصویریں گھروں کے صحنوں میں دیکھیں جو معزز اور آسودہ حال لوگوں کے رہنے کے مکانات معلوم ہوتے تھے جب اُس نے بڑے بڑے کمروں کی دیواروں پر نہایت گندی تصویروں کو دیکھا تو وہ ذیل کے دو نتیجوں میں سے ایک نتیجہ پر پہنچنے پر مجبور تھا۔ یا تو رومی سلطنت کی تاریخ کے اس زمانے میں عورت کو علیحدہ رکھا جاتا تھا۔ اور وہ مکان کے اس حصّہ میں داخل نہ ہو سکتی تھی جہاں مرد رہتے تھے۔ یا مردوں کو صنف نازک کی حیاداری اور خیالات کی کوئی پروا نہ تھی۔ پھر افعال قبیحہ

کے ارتکاب کے لیئے مکانات کا مخصوص کیا جانا اس وقت کی رومی سوسائٹی کی تمدنی حالت پر خود روشنی ڈالتا ہے +

گسٹاولیبان کہتا ہے کہ روما میں خاوند کی حکومت عورت پر بالکل خود مختارانہ تھی۔ عورت کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جاتا تھا۔ جیسا غلام کے ساتھ اور خانہ داری میں اُس کا کوئی حصہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ خاوند کے سواء کسی شخص کو اختیار نہ تھا کہ اس کے چال چلن پر کوئی رائے لگائے۔ اور وہ اس کو جان سے بھی مار سکتا تھا۔ روم کی بعد کی تاریخ میں بھی اس قسم کا جبر عورتوں پر روا رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مصنف لکھتا ہے۔ کہ شارلیمن کی اپنی بہن کے ساتھ کچھ بحث ہوگئی اور انجام اس کا یہ ہؤا کہ اُس نے اپنی بہن پر حملہ کیا۔ اُس کے سر کے بال نوچ ڈالے۔ خوب زد و کوب کی اور تین دانت بھی نکال دیئے +

تعدد ازدواج بھی کسی قدر روما میں مروج تھا۔ گو ابتدا میں اس کو عام طور پر پسند نہ کیا جاتا تھا۔ یہ امر واقع ہے کہ مارک انٹوی کی دو بیویاں تھیں اور اس وقت سے یہ رسم زیادہ پھیلتی گئی۔ گرد و نواح کی ریاستوں میں تعدد ازدواج کی کھلی اجازت تھی۔ رومیوں میں شادی کے لیئے باپ کی منظوری ضروری تھی۔ گو وہ پاگل بھی ہو۔ طلاق کے متعلق مختلف اوقات میں مختلف وجوہ تھیں۔ ابتدائی زمانوں میں باپ کو اختیار تھا۔ کہ وہ اپنی اولاد کو بیچ دے اور عورت بھی چونکہ بچوں میں شامل تھی وہ بھی بیچی جا سکتی تھی۔ اگر وہ کسی قسم کی تکلیف دے تو وہ اس پر موت کا فتوے بھی صادر کر سکتا تھا۔ یا اگر رحم کرے تو اُس کو اپنے گھر سے نکال دے۔ مگر اس بدبخت جنس کی غلامی ہمیشگی کی تھی اور وہ اس سے آزادگی حاصل نہ کر سکتی تھی۔ اگر خاوند خود ہی اپنی آسائش کے لیئے طلاق کے حق کو نہ برتے۔ یہ عورت کی وہ تاریخ ہے جیسا کہ گبن اور دوسرے مصنفوں نے دی ہے جو پُرانے زمانے کی ایک نہایت ہی مہذب اور شاندار سلطنت میں پائی جاتی ہے۔ اور جس سے اس زمانے میں یورپ نے بہُت سے رواجات اور قوانین کو لیا ہے۔ اور اس لینے پر اُس کو فخر بھی ہے +

عورت کی حالت قدیم زمانے کی دوسری مہذب قوموں اور ممالک میں اس سے بہتر نہ تھی جیسا کہ روما میں تھی۔ سپارٹا میں لڑکیاں اور ایسی عورتیں جن سے یہ امید نہ ہو کہ وہ تندرست اولاد پیدا

بر سکیں گی مار ڈالی جاتی تھیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عورتوں کی نسبت مردوں سے بہت کم ہو گئی اور ایک ایک عورت کے کئی کئی خاوند تھے۔ ایک آدمی کا اپنی عورت دوسرے کو بطور عاریت اچھی نسل حاصل کرنے کے لیئے دیدینا بھی مروّج تھا۔ قدیم ایتھنز کے رہنے والوں میں عورت کو محض ایک جائیداد کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ جو ایک مرد سے منتقل ہو کر دوسرے کے پاس جا سکتی تھی۔ بذریعہ وصیت بھی اس کو مال متروکہ کی طرح دوسروں کے تصرّف کے لیئے چھوڑا جا سکتا تھا۔ وہ مہذب قوم عورت کو ایک خطرہ یا بدی کی قسم سے سمجھتے تھے۔ یونانی تہذیب جب اپنے معراج پر تھی تو اس وقت بھی سوائے بازاری عورتوں کے اور کسی عورت کی عزت نہ کی جاتی تھی اس لیئے اگر کوئی تعلیم یا تہذیب پائی جاتی تھی تو صرف بازاری عورتوں میں پائی جاتی تھی۔ ان میں یہ اجازت تھی کہ ایک مرد جتنی عورتیں چاہے رکھے۔ پروفیسر وسٹر مارک کہتا ہے۔ کہ یونان میں مرد عورت کی پیدائش کی غرض صرف اسی قدر سمجھتے تھے کہ وہ ان کو خوش کرے یا انکے بچوں کی ماں بنے یہ بھی عام خیال تھا۔ کہ عورت زیادہ شریر ہے اور حسد میں برا بولنے میں ضد میں مرد سے بڑھ کر ہے۔ افلاطون نے عورتوں کو بچوں اور نوکروں کے ساتھ شمار کیا ہے اور اس کا بیان ہے کہ ہر ایک پیشہ میں عورتیں مردوں سے بہت کم درجہ پر ہیں۔ ایک اور مصنف لکھتا ہے کہ عورتیں نیک کاموں کے کرنے کے بالکل ناقابل ہیں۔ لیکن ہر ایک قسم کی بدی کی تجویزیں کرنے میں بڑی ماہر ہیں۔ ایران میں جو اس ملک کے بہت قریب ہے۔ جہاں سے عورت کو اپنی آزادی کے اعلےٰ سے اعلےٰ حقوق ملے اور جہاں سے اس کی عزّت اور ادب قائم ہوئے۔ مرد عموماً عیاش تھے۔ اور ان کے نزدیک عورت کی غرض صرف اسی قدر تھی کہ اُن کی گری ہوئی شہوات کے پورا کرنے کا ذریعہ ہو۔ ہر ایک دولتمند اپنے گھر میں ایک بڑی تعداد عورتوں کی رکھتا تھا۔ اور عیسائیت کی چھٹی صدی میں مزوک نے یہ قانون بنایا۔ کہ عورت کو بالکل دوسری جائیداد کی طرح سمجھنا چاہیئے۔ وہ اپنے آپ کو زردشت کے مذہب کا مصلح ظاہر کرتا تھا۔ اور دو خداؤں کے عقیدے کو اُس نے بہت پھیلایا۔ اُس کی تعلیم تھی کہ اعمال کی کوئی ضرورت انسان کو نہیں سب لوگ مرتبہ میں یکساں ہیں۔ اور جائداد اور عورتیں سب کا مال مشترکہ ہے اور قریبی سے قریبی رشتہ داروں میں شادی ہو سکتی ہے۔

قدیم مصر اور بابل کے تمدنی قوانین اور رواجات کے متعلق ہمکو بہت علم نہیں لیکن تھوڑا علم جو ہم کو حاصل ہے اس سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی عورت کو عزت کا مقام نہ دیا گیا تھا چنانچہ امیر علی لکھتا ہے کہ تھریس اور لیڈیا وغیرہ کی رہنے والی قوموں میں جو یورپ اور مغربی ایشیا کے مختلف مقامات پر آباد تھیں۔ بہت سی شادیاں کرنا ایسی افراط کی حد تک پہنچا ہوا تھا کہ دوسری قوموں میں یہ رواج اس کے بالمقابل گویا بہت ہی خفیف تھا*

ہندوؤں کے قوانین اور رواج عورت کے حق میں بہت ہی نقصان رساں تھے۔ وہ مرد سے بہت کم درجے پر سمجھی جاتی تھی۔ ان کا بڑا قانون بنانے والا منو کہتا ہے کہ دن اور رات عورت کو اس کی حفاظت کرنے والوں کی ماتحتی کی حالت میں رکھنا چاہیئے۔ کہ عورت جب بچہ ہو تو اپنے باپ کی ماتحتی میں رہے۔ بیاہی جائے تو خاوند کی ماتحتی میں۔ اور اس کے بعد اپنے بیٹوں کی ماتحتی میں۔ اگر بیٹے کوئی نہ ہوں۔ تو اپنے مرد رشتہ داروں کی ماتحتی میں۔ کیونکہ کوئی عورت ایسی نہیں جو اس قابل ہو کہ وہ مرد کی ماتحتی سے الگ رہے۔ پھر وہ لکھتا ہے کہ عورتیں اپنے بستروں سے اور زیورات سے محبت رکھتی ہیں۔ اُن کی خواہشات بہت گری ہوئی ہوتی ہیں۔ اُن کا مزاج بہت بُرا ہوتا ہے۔ وہ کمزور اور غیر مستقل مزاج ہوتی ہیں۔ اور کبھی راستی پر قائم نہیں رہتی ہیں۔ پس اُن کو ہمیشہ ماتحتی اور تصرف کے نیچے رکھنا چاہیئے۔ ہر قسم کی بدشگنی۔ طوفان موت دوزخ۔ قید خانہ۔ سانپ غرض کوئی چیز ایسی خوفناک نہیں جیسی کہ عورت۔ یہ سچ ہے کہ کچھ وقت کے بعد جائیداد میں اپنی زندگی کے لیئے اُن کو تصرف کا اختیار دیا گیا تھا۔ اسی رواج کی رو سے جس کا نام ستری دھن ہے لیکن ستی کی رسم کی وجہ سے یہ حق ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا تھا بیوہ اپنے خاوند کی لاش کے ساتھ زندہ جلا دی جاتی تھی۔ اور یہ خوفناک رسم اس مقام کی جو عورت کو ہندوؤں کی خانہ داری میں دیا گیا۔ نہایت ہی تاریک تصویر پیش کرتی ہے۔ بعض اوقات ایک عورت ایک ہی وقت میں کئی بھائیوں کی بیوی بنا دی جاتی تھی۔ بعض وقت قمار بازی میں لُٹا دیا جاتا تھا۔ آج تک بھی ہندوؤں کے اندر تعدد ازدواج کی کوئی حد بندی نہیں۔ نہ کوئی بیوہ کسی بیٹے کو متبنیٰ کر سکتی ہے۔ جب تک کہ اُس کے خاوند نے اس کو ایسا کرنے کی اجازت نہ دی ہو۔ جائداد کے انتقال کرنے کا اُس کو کوئی اختیار نہیں۔ چار یا پانچ سال کی ہو تو اُسے

بغیر اس کی مرضی کے بیاہ دیا جاتا ہے۔ دُوسری مرتبہ شادی کی اجازت نہیں۔ ایک دفعہ بیاہی جاوے تو طلاق نہیں حاصل کر سکتی۔ باپ کو اجازت نہیں کہ وہ اپنی لڑکی کے گھر کا کھانا بھی کھائے وغیرہ۔ چین کے دانشمندوں نے خاوندوں کے فائدہ کے لیئے یہ کھلی نصیحت ان الفاظ میں کی ہے۔ کہ اپنی عورت کے مشورہ کو سن لو مگر کام اُس کے خلاف کرو۔ روس کے قدیم بزرگوں کا قول ہے۔ کہ دس عورتوں میں صرف ایک رُوح ہے۔ ہسپانیہ والے کہتے ہیں کہ ہمیں اپنے آپ کو شریر عورتوں سے بچانا چاہیئے۔ اور کسی خوبصورت عورت پر فریفتہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اٹلی والے اس سے ایک قدم آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح گھوڑے کو خواہ وہ اچھا ہو یا بُرا مہمیز کی ضرورت ہے۔ اسی طرح عورت کو خواہ وہ اچھی ہو یا بُری زدوکوب کی ضرورت ہے۔ جاپان میں عورتوں کو پُرانے وقت میں یہ اجازت نہ تھی کہ وہ نمازوں یا کسی دوسری مذہبی عبادت میں شامل ہوں۔ چین میں اُن کو اجازت نہ تھی کہ وہ مندروں میں جائیں۔ ہندوستان میں وہ دیوتاؤں کو چھو بھی نہ سکتی تھیں۔

عربوں کی اپنی یہ حالت تھی کہ اس عظیم الشان مصلح کے پیدا ہونے سے پہلے وہ عورتوں سے دُوسری قوموں سے بھی بدتر سلوک کرتے تھے۔ وہ اپنی لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے بلکہ لڑکی کا پیدا ہونا ایک بدشگون سمجھا جاتا تھا۔ خاوند کی وفات کے بعد عورت کی وہی حالت ہوتی تھی جو اُس کی دُوسری جائیداد کی۔ اور بعض وقت خود بیٹے اُس کو بطور ورثہ عورت بنا لیتے تھے۔ معصوم لڑکیاں بتوں پر بطور قربانی چڑھائی جاتی تھیں۔ یتیم لڑکیوں کو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ اپنے ولیوں سے شادی کریں۔ تعدد ازدواج کی کوئی حد بندی نہ تھی۔ ابن خلدون کہتا ہے کہ بعض قبیلوں میں ایک عورت ایک سے زیادہ خاوند بھی رکھ سکتی تھی۔ مؤرخین عرب کی شہادت پر یہ بھی کہا گیا ہے کہ عرب جاہلیت مدت سے اس وحشیانہ رسم پر عامل تھے کہ اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیں۔ تاکہ اُن کو ان کے لیئے رزق مہیا کرنے کی تکلیف نہ اُٹھانی پڑے۔ یا ایسا نہ ہو کہ کسی جنگ میں قید ہو کر وہ اُن کے لیئے موجب ذلت بنیں۔ یا اپنے چال چلن کی خرابی سے بدنامی کا موجب ہوں۔ اس لیئے لڑکی کی پیدائش بڑی بدنصیبی خیال کی جاتی تھی۔ اور لڑکی کی موت پر خوشی منائی جاتی تھی۔

صرف عرب میں ہی دختر کشی کی رسم جاری نہ تھی۔ جاپان۔ چین۔ ہندوستان میں خود والدین بچوں کو مار ڈالتے تھے۔ لائی سرگس کے قانون کے مطابق یہ اجازت نہ تھی کہ بغیر پبلک افسروں کی رضامندی کے کسی بچے کی پرورش کی جائے۔ لیکن ایام جاہلیت کے عرب اپنی لڑکیوں کو بڑے ظالمانہ طریقوں سے ہلاک کر دیتے تھے۔ جب کسی عرب کے گھر میں کوئی بیٹی پیدا ہوتی تو اگر اس کا ارادہ ہوتا کہ اس کی پرورش کرے تو وہ اسے ایک اون کے کپڑے میں لپیٹ کر جنگل میں اونٹوں یا بھیڑوں کی حفاظت کے لیئے بھیج دیتا۔ لیکن اگر وہ اُسے مارنا چاہتا تو اُسے چھ سال تک معمولی طور پر نشو و نما پانے دیتا اور پھر اُس کی ماں کو کہتا کہ اس کو خوشبو لگا دو اور بنا سنوار کر دو تاکہ میں اسے اس کی ماؤں کے پاس لے جاؤں۔ اور جب اُس کی زینت وغیرہ ہو جاتی۔ تو اس کا باپ اُس کو ایک گڑھے کے پاس لے جاتا جو اس غرض کے واسطے پہلے سے کھودا گیا ہوتا۔ اور اس کو یہ کہکر کہ گڑھے کے اندر دیکھے پیچھے سے دھکیل دیتا۔ اور پھر گڑھے کو مٹی سے بھر کر زمین کے برابر کر دیتا۔

غرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے ساری دُنیا میں عورت کے ساتھ بدسلوکی ہوتی تھی۔ اور قریبًا سب کے سب تمدنی قوانین اس کے خلاف تھے (باقی آیندہ)

پادریوں کی غلط بیانیاں

(از لارڈ ہیڈلے)

مارچ کے اخیر مجھے ایک لیڈی کی چٹھی ملی جس نے مشرق میں سفر کیا ہے اور مسلمانوں کے متعلق جن سے وہ ملی ہے کچھ رائے لگائی ہے۔ وہ لکھتی ہے:

"۱۸۔ مارچ ۱۹۱۶ء۔ جناب من۔ کل کے ڈیلی گرافک میں "ایک مسلم یادگار" کے عنوان سے آپکی چٹھی پڑھ کر میں نے محسوس کیا ہے کہ آپ بڑی خطرناک زمین پر چل رہے ہیں۔ اور بہت سے کاہل اور بے خبر انگریزوں کے لیئے ایک دام بچھا رہے ہیں۔ میں کچھ وقت مشرق میں رہی ہوں اور خوب سمجھتی ہوں کہ مذہب اسلام انگریزوں کو کیوں پسند آتا ہے جن کو عیسائی ہونے کی حیثیت میں صرف ایک ہی بی بی سے شادی کرنے کی اجازت ہے۔ میں سُنتی ہوں کہ آپ بھی مذہب اسلام

کے پیرو ہیں۔ کیا میں دریافت کر سکتی ہوں کہ آپ اس سچے اصلی مذہب کے پیرو کیوں نہیں جو ہمکو خدا کے اکلوتے بیٹے نے دیا۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس میں اس قدر بیہودہ ہیں کہ آجکل کے انگریز اس سے خوش نہیں ہو سکتے ہیں مشرق سے گھر کو واپس آتی ہوئی۔ آپ کے بعض ہم عقیدہ لوگوں سے ملی ہوں اور بعض ان میں سے ایسے جاہل مطلق تھے کہ وہ سمجھتے تھے کہ مذہب اسلام عیسائی مذہب سے پہلے کا ہے بیشک مشرق میں رہتے ہوئے لوگوں کو اس مذہب کا اپیل کرنا آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے +

میں تعجب کرتی ہوں جب میں آپ جیسے آدمیوں کو دیکھتی ہوں کیا کبھی آپ نے ہماری کتاب مقدس کو بھی پڑھا ہے۔ مسیح کا حکم ہمارے لیئے یہ تھا۔ کہ کتب مقدسہ کو تلاش کرو (اس سے مراد پرانا عہدنامہ تھا) کیونکہ تم خیال کرتے ہو کہ ان میں ابدی زندگی ہے۔ اور یہی وہ کتابیں ہیں جو میری بابت گواہی دیتی ہیں۔ کیا آپ نے کبھی ان کتب مقدسہ کو تلاش کیا؟ اگر کیا ہے تو میں یقین رکھتی ہوں کہ آپنے رُوح کی آنکھ کو بند کر کے ایسا کیا ہے۔ رُوح کی چیزوں کو صرف رُوح ہی معلوم کر سکتی ہے"

اس لیڈی نے اس کے بعد بھی مجھے خط لکھا ہے اور گو اُس نے کتب مقدسہ سے میری ناواقفیت کے متعلق اپنے بیان کی ترمیم کی ہے۔ تاہم وہ اس خیال پر بہت مضبوط ہے کہ مذہب اسلام کے لیئے بڑی کشش کا موجب تعدد ازدواج کا مسئلہ ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ وہ اب تک اس بات کو محسوس نہیں کر سکی کہ خدا کی توحید کا عظیم الشان مسئلہ اس کے تمام عقائد سے بہت پرانا ہے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت میں ہم ان ساری تعلیمات کو قبول کرتے ہیں۔ جو ہم کو بہت سے قدیم ذرائع کی وساطت سے پہنچی ہیں۔ آدمؑ۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسٰیؑ اور مسیحؑ سب اپنے اپنے زمانہ میں وہ خدا کے پیغام لائے۔ جو ہم تک پہنچے ہیں اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ نبی عربی حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم سب سے آخری پیغام لائے۔ اور آپ نے اپنی ساری طاقت نسل انسانی کی قوتوں کی بہتری کے لیئے اور بُت پرستی کو ہٹانے کے لیئے خرچ کی۔ آپ کی تعلیم نہایت سادہ تھی۔ آپ کی فیاضی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اور آپکا نمونہ نہایت اعلٰے درجہ کا تھا۔ پھر یہ لیڈی اپنی آخری چٹھی میں لکھتی ہے۔

"میں خیال کرتی ہوں کہ کوئی ملک دُنیا میں اپنی عورتوں کی ایسی عزت اور ادب نہیں کرتا جیسا کہ ہم انگلستان میں کرتے ہیں۔ اور یہ ہمارے لیئے بہت ہی افسوس کا دن ہوگا۔ اگر ہم اس اعلٰے حالت سے گر جائیں گے۔ آپ کا پیغمبر اپنے لیئے خود قوانین بنا سکتا تھا یعنی جو چاہتا تھا کرتا تھا۔ اور

یہ ماننا پڑتا ہے کہ گو اس بات کے تسلیم کرنے میں تو ہمیں تامل نہیں کہ وہ بہت سے ان لوگوں سے جو اُس کے اردگرد تھے۔ بڑھ کر تھے۔ مگر اُنھوں نے عصمت کے اصُول کی تعلیم نہیں دی۔ اسکے خلاف یہ مجھے صاف نظر آتا ہے۔ کہ وُہ اپنی خواہشات کو پوُری کرنے والا تھا۔ اور میرا مذہب یہ ہے کہ صرف قربانی ہی سے ثمرہ حاصل ہوتا ہے۔"

اس تمام تحریر میں لکھنے والی نے نہ اسبات کو مدنظر رکھا ہے کہ عرب کو آپ نے کس حالت میں پایا اور نہ اس کو کہ آپ کے روحانی اثر سے کیسا انقلاب عظیم اُن لوگوں کی حالت پر آیا۔ اور اس امر واقعہ کو تو بالکل دبا دیا گیا ہے کہ آپ نے عورت کی حالت میں کس قدر ترقی کی بُنیاد رکھی ہے میں پسند نہیں کرتا کہ یہ کہوں کہ یہ غلط فہمی نہیں بلکہ عمداً ایک غلط فہمی پھیلانے کی کوشش ہے۔ میں یہ کہوں گا۔ کہ اس تحریر کے لکھنے والی ان زنجیروں سے نکلنے کے ناقابل ہیں جن میں اُن کی عقل بہت لمبے عرصہ کی مشنری غلط بیانیوں سے جکڑی گئی ہے۔ میں آئندہ کسی مضمون میں اس خط کے بعض بیانات پر کچھ لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اور نیز یہ بھی میرا ارادہ ہے کہ گذشتہ جنوری میں جو مضمون اخبار کرسچین میں بعنوان "پرشیا نزم اور اسلام" (یعنی موجودہ جرمن خیالات اور اسلام) نکلا ہے اس پر بھی کچھ بحث کروں۔ یہ مضمون اس وقت بڑی دلچسپی کا موجب ہے کیونکہ اس میں تاریخ اسلام پر صلیبی جنگوں کے حالات پر۔ برلن کی لامذہبی پر جرمن قلب پر اور لوتھر کے پیغاموں پر قابل نوٹ طریق میں ذکر کیا گیا ہے ؎

ہمیں حیرت ہے کہ اس تہذیب کے زمانہ میں ایک عورت ہو کر کس قدر گستاخی سے مقدسین کے سردار پر ناپاک حملے کیئے گئے ہیں عصمت کی تعلیم اگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نہیں دی تو کیوں مسلمانوں کے اندر عورت کی عصمت کو اس کا سب سے اعلےٰ جوہر اور سب سے بڑا وصف سمجھا جاتا ہے۔ اور اگر مسیح کی تعلیم میں عصمت پر کوئی خاص زور دیا گیا ہے جس کا پتہ کیں کم از کم انجیل سے تو ملتا نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ آج روئے زمین کی ساری عیسائی قوموں میں عصمت کو عورت کا اعلےٰ سے اعلےٰ جوہر تسلیم نہیں کیا جاتا۔ کچھ مدت کا ذکر ہے کہ ایک عیسائی اخبار نے اپنے قارئین سے یہ سوال کیا تھا۔ کہ عورت کا اعلےٰ سے اعلےٰ جوہر کیا ہے تو عصمت کا جوہر بلحاظ تعداد جواب دینے والوں کے پانچویں یا چھٹے نمبر پر تسلیم کیا گیا تھا۔

پھر کیا مشنری لیڈی صاحبہ کو اپنے گھر کا علم نہیں کہ اکثر عیسائی ممالک میں کس قدر بازاری عورتوں کی وجہ سے بدکاری پھیل رہی ہے۔ حالانکہ اسلامی ممالک میں اس قسم کا پیشہ سُننے میں نہیں آتا۔ ایسا ہی جو کثرت ناجائز تعلقات مرد و عورت کی اور جو کثرت ولد الحرام بچوں کی بعض عیسائی ممالک میں پائی جاتی ہے۔ اس کے سامنے اسلامی ممالک بہت حد تک پاک وصاف ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طبیب حاذق کی طرح جو بیماری کو سمجھتا اور اُس کی دوا کو جانتا ہے۔ ہر قسم کی اخلاقی اور روحانی امراض کا علاج کیا اور جو دوائی جس بیماری کے لیئے موزُون تھی وُہ تجویز فرمائی۔ چند فرضی دل خوش کُن فقروں سے لوگوں کو خوش کرکے اصل بیماریوں کی طرف سے غافل کرنا نہیں چاہا۔ یہی وجہ ہے کہ اور کچھ بھی مسلمانوں پر الزام ہو کہ وُہ اپنی عورتوں کو تعلیم نہیں دیتے۔ حالانکہ اسکے لیئے بھی مذہب اسلام ذمّہ دار نہیں جس کا صاف حکم ہے کہ طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة۔ لیکن تمام اسلامی ممالک میں عورت کی عصمت کی جو عزّت ہے۔ وُہ غیر اسلامی ممالک میں نہیں۔ تعدد ازواج کو محض ایک خطرناک بیماری کے علاج کے لیئے بطور دوا اسلام نے جائز رکھا۔ اور وہ وقت دور نہیں جب خود یورپ کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ اس علاج کے سوا لئے سوسائٹی کی بیماریوں اور ضرورتوں کا اور کوئی علاج نہیں۔ ہاں بے شک آپ نے بلاخوف لومة لائم حقیقی علاج کو دُنیا کے سامنے پیش کیا اور خود دونوں حالتوں پر عامل ہو کر بتا دیا کہ ضرورت حقہ کے مقابل کس طرح سارے خیالات کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ حقیقی قربانی یہی تھی کہ کم فہموں کے طعن کا فکر نہ کریں۔ بلکہ ایک حقیقی علاج کو دُنیا کے سامنے پیش کر دیں۔ گو اس کے عوض صدیوں تک اپنی ذات پر ناپاک حملے بھی برداشت کرنے پڑیں۔ اس سے بڑھ کر قربانی کیا ہے۔ ہاں اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والا وہ انسان ہے جو لوگوں کی زبان کے خوف سے چند دل خوش کُن باتیں کہہ دیتا ہے اور سوسائٹی کی اصل امراض اور اُن کے حقیقی علاج کی طرف توجّہ نہیں کرتا۔

ایڈیٹر

رسالہ اشاعت اسلام

کثیر الازدواجی۔

از ہر ہائی نس حضور عالیہ فرمانروائے بھوپال۔

میرا مضمون زیر بحث (زوجیت فی الاسلام) نامکمل رہجائے گا۔ اگر میں کثیر الازدواجی پر کچھ نہ لکھوں اس مضمون کے متعلق بڑی غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ غیر مسلم فضلا تک بھی اس کی حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ یہ خیال کر لینا کہ اسلام میں کثیر الازدواجی ایک ضروری اور لابد چیز ہے ایک قسم کی ناقابل عفو غلطی ہے۔ بلکہ تعلیم قرآن تو اس کے اُلٹ ہے۔ اور ایک ہی بیوی پر قناعت کرنے کے لیئے تاکید کرتی ہے۔ اسلام نے عالمگیر ہونے کا دعوے کیا ہے۔ یہ مذہب کسی خاص قوم یا کسی خاص ملک کی ضروریات کے علاج کے لیئے تو نازل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اپنے ہمہ گیر اور عالمگیر مشن کے لیئے اسلام کا فرض تھا کہ وہ تمام ممالک تمام اقوام ہر قسم کی تہذیبوں اور زمانوں کی ضروریات کو زیر نظر رکھ کر تعلیم دے۔ علاوہ ازیں اسلام نے جو ضابطہ قانون تجویز کیا ہے اُس میں جیسے کہ ہر مہذب اور عقلمند سوسائٹی کے قوانین میں ہوتا ہے۔ علاوہ قوانین ضروریہ کی کہ جن پر چلنا ہر ایک کے لیئے فرض ہوتا ہے۔ بعض ایسے قوانین بھی ہوتے ہیں جن کا نام قوانین علاجیہ ہو سکتا ہے۔ جو حسب ضرورت وقت و زمان کام میں لائے جا سکتے ہیں یعنی بعض ضروریات کے پیدا ہونے کے وقت اُن قوانین سے تمسک ہو سکتا ہے۔ اور جب وُہ ضرورت نہو تو وہ قوانین کسی مصرف کے نہیں ہوتے۔ سو اسلام نے قانون کثیر الازدواجی کو ایک علاجی قانون کے رنگ میں پیش کیا ہے۔ ایک طرف اس کی بد استعمالی کو بُری نگاہ سے دیکھا ہے۔ دوسری طرف اس کے استعمال کو بعض قیود و شرائط سے مقیّد کر دیا +

دُنیا میں بعض وقت ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں جن سے فرقہ ذکور کی تعداد میں معتد بہی واقعہ ہو جاتی ہے۔ قومی اور ملکی لڑائیوں سے بھی یہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے اور صنف ضعیف کی ان گنت تعداد ایسی رہجاتی ہے کہ جن کا نہ کوئی والی نہ وارث اور نہ کوئی سمبھالنے والا رہجاتا ہے۔ ایسی حالت میں خواہ کوئی ہم تجویز سوچیں۔ خواہ کتنی ہی وسعت قلب سے کام لیں لیکن

بہترین علاج شادی ہی ہے۔ مختلف وقتوں میں مختلف تجاویز سوچی بھی گئی ہیں۔ اُن پر عمل بھی ہوا ہے۔ لیکن ناگفتہ بہ نتائج پیدا ہوئے ہیں۔ اسلام جس کی ہر ایک تعلیم میں پرہیزگاری اور تقویٰ کا لحاظ کیا گیا ہے پسند ہی نہیں کرتا کہ کوئی عورت کسی ایسے مرد کے گھر میں پناہ لے جو نہ اُس کے نکاح میں ہو نہ ایسے رشتہ میں ہو جس پر محرّمات ابدیہ کا اطلاق ہو سکے۔ اسلام کی اس حکمت پر ہمارا روز کا تجربہ بھی صاد کرتا ہے۔ مذکورہ بالا ضرورت کے دفعیہ کا بہترین علاج کثیرالازدواجی ہی ہے لیکن جس پر بھی اسلام نے عورت پر نہ کوئی مصیبت ڈالی نہ اُس کے اختیار کو محدود کر دیا۔ اگر ایک بی بی اپنے امن و آسائش اور آرام کے لیئے اس بات کی محتاج نہیں کہ وہ کسی مرد سے مدد لے۔ یا کسی ایسی جگہ جا کے پناہ لے جو اُس کے پسند طبع نہ ہو۔ اسلام نے کسی عورت کو مجبور نہیں کیا کہ کسی مرد کی دُوسری بیوی جا کر بنے۔ لہذا رسم کثیرالازدواجی تو اسلام میں ایک قانون علاجیہ ہے۔ جہاں ضرورت ہو اسے اختیار کیا جائے۔ جہاں اُس کی حاجت نہیں وہاں کوئی مجبوری نہیں۔ نہ صرف سوشل اغراض کے لیئے ہی مرد اور عورت کا تعداد میں برابر ہونا لازمات سے ہے۔ بلکہ زندگی میں بعض ایسے مصائب پیدا ہو جاتے ہیں کہ جنکا مقابلہ مرد ہی کر سکتے ہیں۔ مثلاً کسی قوم پر کوئی مصیبت پڑے جس سے اُس قوم کے مرد کثرت سے لقمۂ اجل ہو جائیں تو پھر فرقہ مذکور کی اس کمی کو کس طرح پُورا کیا جائے۔ ایسے نازک وقت میں دو ہی طریق برتے جا سکتے ہیں۔ یا کثیرالازدواجی کو اختیار کر لیا جائے یا ناجائز ولادت کو بے عزّتی کی نگاہ نہ دیکھا جائے۔ جس میں تھوڑی بھی شرافت طبع ہو طریق مؤخّرالذکر کو پسند نہ کرے گا۔ یہ بات بھی ہمیں کبھی سمجھ نہیں آئی۔ کہ مغرب میں جس بات کو قانون کثیرالازدواجی کے ماتحت ناجائز قرار دیا ہے۔ عملاً وہی تمام ہر طرف جائز رکھا گیا ہے۔ شادی کیا ہے۔ سوسائٹی یا معروف کے ماتحت مقررّہ شکل میں مرد اور عورت کا جمع ہونا۔ پھر کسی وقت کی ضروریات اور حالات اس بات کے متقاضی ہوں کہ آبادی کی تعداد بڑھ جائے۔ تو کیوں نہ اُسی رواج اور رسم کو قانون کے ساتھ اجازت دیدی جائے۔ جو عملاً اور رواجاً اس وقت بھی ہو رہی ہے۔ اور اس اجازت کا بہتر نتیجہ یہ ہوگا کہ ہزار در ہزار اُن بچّوں پر سے جو اپنی خوشی سے دُنیا میں نہ آئے داغ ولادت ناجائز اُٹھ جائے گا۔ کیوں ایسے بچّوں کو اُس شرعی حیثیّت سے روکا جائے کہ جس کے ماتحت

وہ اس انسان کی جائداد کے ہی وارث ٹھیریں۔ جس کا ورثہ انھوں نے جسم میں پایا۔ اس سے نہ صرف سوسائٹی کے اخلاق ہی بہتر ہو جائیں گے۔ بلکہ صنف لطیف کا تقدس بھی بڑھ جائیگا۔ اور انکے حقوق بھی محفوظ رہجاویں گے۔ اس طرح سے کثیر الازدواجی بعض وقت نہ صرف قومی ضرورت ہو جاتی ہے بلکہ رحمت بھی ہے ۔

بعض وقت کثیر الازدواجی فرداً فرداً بھی بعض گھروں میں اپنی جائے ضرورت پیدا کرلیتی ہے جس گھر میں بچہ نہیں وُہ گھر ایک قبرستان کی طرح سنسان رہتا ہے۔ علاوہ ازیں بقائے نسل انسانی شادی کی ایک بڑی بھاری غرض ہے۔ تو اب اگر پہلی بیوی کے ذریعہ کوئی امید اولاد نہ رہی تو پھر تین ہی راہ ایک مرد کے لئے کھلے ہیں۔ یا تو وہ پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کرے یا اپنے سر سے ہی صاحب اولاد ہونے کی خواہش نکال دے یا نہایت صبر اور استقامت سے اپنی بیوی کی موت کا منتظر رہے۔ جو ممکن ہے کہ اُس کی موت خود اُس کی ضعیفی سے پہلے واقع ہو جائے۔ کیا ان تینوں حالات پر پہلی عورت کی زندگی میں دوسری کرلینا قابل ترجیح نہیں۔ اسکے علاوہ بعض انسانوں کو قومی اور سیاسی ضروریات بھی مجبور کرسکتی ہیں کہ وُہ مذکورہ بالا صورتوں میں سے کوئی صورت اختیار کریں۔ اور اگر کوئی شخص اپنی پہلی بیوی سے ازراہ محبت سخت وابستہ ہے تو پھر اُس کے لئے امور بالا اختیار کرلینے کس قدر مشکل ہیں۔ نپولین کی مثال ایک عمدہ اس امر کی تشریح ہے۔ اُسے اپنی بیوی جوسفین سے ایک قسم کا تعشق تھا۔ وہ بیوی بھی بڑی صاحب عصمت وشرافت تھی۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے گرویدہ تھے۔ لیکن جوسفین سے کوئی اولاد نہ ہوسکی اور مُلکی ضروریات چاہتی تھیں کہ نپولین کا بچہ ہو۔ اس لئے مُلک نے نپولین کو جوسفین کے طلاق پر مجبور کیا۔ اس طلاق کا واقعہ نہایت ہی دردناک ہے۔ نپولین نے دوسری بیوی بھی کرلی۔ نہایت شان وشوکت سے وہ سلطنت بھی کرتا رہا۔ لیکن جب مصیبت کے دن آئے تو اُس مصیبت کو بٹانے والی جوسفین اُس کے ہمراہ نہ تھی۔ اگرچہ میاں بیوی میں طلاق ہو چکا تھا لیکن اُس کی محبت میں کبھی کمی واقعہ نہیں ہوئی۔ جوسفین اسی پیار کے ساتھ نپولین کو یاد کرتی رہی اور اُس کے ایّام تکلیف میں بھی اس کی ویسی ہی ہمدرد تھی جیسے ایّام راحت میں لیکن وُہ مضبوط زنجیر جو اُس کو جوڑ سکتی تھی وہ ٹوٹ چکی تھی۔ اگر فرانس میں قانون کثیر الازدواجی

ہوتا تو نپولین کو کیوں یہ ایام مصائب دیکھنے پڑتے۔ ایسے حالات میں جہاں ضرورت اولاد لاحق ہو مسلمان بیبیاں تو خود اپنے خاوندوں کے لیئے تو دُوسرے نکاح کا انتظام کرا دیا کرتی ہیں۔

اسلام نے کیوں ایک سے زیادہ خاوند کی اجازت نہیں دی

مرد تو دوسری بیوی کر سکتا ہے۔ لیکن عورت کو اسلام نے اجازت نہیں دی کہ دُوسرا خاوند کر سکے۔ اوّل تو عورت کے ذمہ وہ صعوبت ناک فرائض بھی نہیں ڈالے گئے مثلاً جنگ وغیرہ کہ جس سے عورتوں کی تعداد کم ہو جاتی اور نہ اُس کی زندگی میں وہ حالات واقعہ ہوتے ہیں مردوں کو دُوسری بیویاں کرلینی پڑتی ہیں۔ ہاں اگر ایسی ضرورت بھی ہو تو پھر عورت خاوند سے فسخ نکاح کرا سکتی ہے۔ اُس کو شریعت میں خلع کہتے ہیں۔ لیکن شریعت نے یہ نہیں اجازت دی کہ کسی عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہوں۔ اور فطرت انسانی بھی اس بات کو قبول نہیں کرتی۔ علاوہ ازیں شادی کی غرض بڑی بھاری یہ ہے کہ بچّہ کی ولدیت کا تحقق ہو سکے۔ تاکہ بچّہ کی پرورش اور اُس کی تربیّت کی ذمہ داری کسی پر ڈالی جا سکے۔ ایک مرد کی اگر زیادہ عورتیں ہوں تو تحقیق ولدیت میں کوئی مشکل نہیں پڑتی۔ اور اس طرح سے ایک مرد کے ورثہ کا بھی سوال آسانی سے طے ہو سکتا ہے۔ لیکن خدانخواستہ اگر کوئی قانون اجازت دیوے کہ ایک عورت بہت سے خاوند کر سکے تو نہ صرف سوسائیٹی میں ہی بداخلاقی کا ایک طریق جاری ہو جائے گا بلکہ تعلیم و تربیت اور پرورش اور ورثہ کے معاملہ میں ہزارہا قسم کے فساد و مجادلہ ہونگے کہ کون کس کا بچّہ ہے۔ اور کس بچّہ کا کون ذمہ وار ہے +

ہر حالت میں کثیر الازدواجی جائز نہیں

جو لوگ بلا ضرورت شرعیہ ایک سے زیادہ بیوی کر بیٹھتے ہیں اور شرعی حدُود کو توڑ دیتے ہیں وہ پبلک میں نفرت اور حقارت کے مستحق ہیں۔ ہر ایک حالت میں تو اسلام کثیر الازدواجی کو جائز نہیں رکھتا۔ اسلام نے تو اس پر ایسی جکڑ بند شرائط اور قیود لگا دی ہیں کہ جس سے کثیر الازدواجی عملاً رُک جائے۔ اور زیادہ حصّہ اسلامی دُنیا کا ایک ہی بیوی کرے۔ چنانچہ یہی حالت مسلمانوں میں ہے۔ کثیر الازدواجی کی بہترین روک دراصل قرآن کی اُسی آیتہ میں ہے جو آیتہ اِن شادیوں

کی اجازت دیتی ہے۔ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلٰث و ربٰع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ۔ تم دو دو۔ تین تین۔ چار چار بیویاں کر سکتے ہو لیکن اگر تمھیں خوف ہو کہ تم اُن میں برابری کا سلوک نہ کر سکو گے تو ایک ہی کرو۔ اب اس آیۃ میں کثیر الازدواجی پر عدل کی شرط لگا دی ہے۔ جو بیویوں میں ہر قسم کے سلوک میں برابری کی رعایت ہی نہیں رکھ سکتا اُس کو حکم ہے کہ ایک ہی بیوی کرے +

آیۃ مذکورہ بالا میں لفظ خوف خصوصاً قابل توجہ ہے۔ یعنے اگر کوئی شخص شرائط مذکورہ کی تعمیل سے خوف میں ہے تو پھر ایک ہی بیوی کرے۔ اور یہ امر بدیہی ہے اگرچہ ناممکن تو نہیں۔ لیکن دو بیویوں میں عدل کر لینا نہایت ہی دشوار امر ہے۔ بہت ہی تھوڑے ایسا کر سکتے ہیں بلکہ قرآن تو کھلا کھلا اشارہ کرتا ہے۔ کہ کثیر الازدواجی کی اس شرط کو پورا کرنے کے انسان ناقابل ہے۔ اس طرح قرآن نے دراصل زور دیا ہے کہ شادی ایک ہی ہونی چاہیئے۔ وہ آیۃ یہ ہے ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ وان تصلحوا وتتقوا فان اللہ کان غفوراً رحیماً

آیات مذکورہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جہاں مرد ایک سے زیادہ بیوی کرلے اور محبت میں ایک کی طرف جھک جائے اور دوسری سے بے اعتنائی کرے۔ حتیٰ کہ ایک کو طلاق دینے پر آمادہ ہو جائے۔ تو پھر مرد اور عورت کے لیئے مندرجہ بالا آیات ایک عمدہ ہدایت نامہ ہے طلاق کے ذریعہ زندگی تلخ کرنے کی بجائے اُس کے لیئے بہتر ہے کہ وہ آپس میں ایک من سمجھوتہ کرے۔ بلکہ شادی کرنے سے پہلے بھی ایسی فہمید ہو سکتی ہے +

ایک عورت کثیر الازدواجی کے مضرات سے کسطرح بچ سکتی ہے

کثیر الازدواجی میں تلخیاں اور بدمزگیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ جس سے بچنے کا بہترین علاج اسلام نے عورت کے ہاتھ میں رکھا ہے۔ چونکہ اسلام میں نکاح ایک قسم کا شرعی معاہدہ ہے۔ جس کے ماتحت بعض ایسی شرائط لگائی جا سکتی ہیں۔ کہ اُن شرائط کے فوت ہونے پر شادی کالعدم ہو جائے۔ مثلاً اگر کسی عورت کو خطرہ ہو۔ کہ اُسکا خاوند کبھی آئندہ دوسرا نکاح کر کے اُس کی تکلیف کا موجب ہوگا۔ تو شادی کے وقت اُس تکلیف سے بچنے کا علاج کر سکتی ہے۔ مثلاً وہ معاہدہ نکاح میں یہ شرط لگا سکتی ہے۔ کہ اگر

اس کا خاوند دُوسرا نکاح کرے تو وہ ایک کافی ہرجانہ دینے کا ذمّہ وار ہوگا۔ یا اُس کو حق ہوگا۔ کہ وہ کافی گذارہ خاوند سے لے اور خاوند کے ساتھ نہ رہے۔ یا وُہ جب چاہے دُوسری شادی پر خاوند سے طلاق لے لے۔ اور ہرجانہ بھی لے اور ایک آزاد زندگی بسر کرے۔ ایک بیوی اختیار رکھتی ہے۔ کہ کسی کے نکاح میں آنے سے پہلے یہ شرائط لگا دے ؀

الغرض کثیر الازدواجی بعض مجلسی یا قومی دقتوں کا ایک علاج ہے۔ اسکا ایک جائز استعمال ہے اور بد استعمالی بھی ہو سکتی ہے۔ اسلام نے اس کی بد استعمالیوں کو روک دیا ہے۔ اور جہاں اجازت دی ہے۔ وہاں مختلف شرائط اور قیود لگا دی ہیں جُوں جُوں فطرت اِنسانی اور ضروریات سوسائٹی کا علم اور احساس لوگوں میں بڑھتا جائے گا۔ کثیر الازدواجی جیسے قانون کی ضرورت کا بھی احساس بڑھتا جائے گا ہاں انھیں حالات اور شرائط کے ماتحت جو اسلام نے تجویز کیے ہیں ؀

اسلامی نماز کا فلسفہ

۴

پیشتر ازیں کہ میں نماز کے فلسفہ پر بحیثیت مجموعی کچھ روشنی ڈالوں اور نماز کی جوازیت اور ضرورت پر کچھ لکھوں۔ میں اسلامی دعا صلوٰۃ کی ایک اور حیثیت پر بحث کرنا چاہتا ہوں۔ کل دُنیا کے مُسلمان خواہ وہ کہیں رہیں۔ ٹرکی میں یا چین میں۔ یورپ میں ایشیا میں نئی دُنیا میں یا پرانی دُنیا میں وہ سب کے سب اپنی نماز عربی میں پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ یہودی عبرانی زبان میں۔ یہ نماز صرف عربی زبان میں ہی ہوتی ہے بلکہ خاص قرآن کے الفاظ میں جو خدا کا آخری عہد نامہ ہے ایک عالمگیر شان رکھتا ہے ادا کی جاتی ہے نماز کی ہیئت و صورت آج بھی وہی ہے۔ جو آنحضرت صلعم نے اپنے وقت میں قائم کی اور وہی لفظ جو خدا کے نبی کے مُونھ سے نماز میں نکلے۔ وہی آج ہر ایک مسلمان نماز میں ادا کرتا ہے۔ اِس طرح تمام

دُنیا میں ایک ہی طرز ایک ہی نہج رکھنے سے اس خیال کے قائم رکھنے میں مدد ملتی ہے کہ
ایک ہی خدا سب کا مالک ہے اور ایک ہی عالمگیر اخوت کل انسانوں میں ہے۔ خواہ مشرق میں
ہو یا مغرب میں۔ جنوب میں ہو یا شمال میں۔ خواہ ہماری مادری زبان ملائم شیریں اردو
ہو یا سخت نا ملائم انگریزی۔ ہماری عبادت اور نماز کا وہی ایک خدا دُعا اور مقصد ہے۔
چینیوں کی زبان میں اللہ کا کوئی اور نام ہوگا۔ ہندوستانیوں کا کوئی اپنے ہاں نام ہوگا
ایسا ہی امریکہ والوں کا اپنا۔ گویا کہ مختلف زبانوں میں مختلف نام ہیں۔ بلکہ مختلف نکتہ خیال
انگریزی لفظ گاڈ۔ اور فارسی لفظ خدا ایک ہی مفہوم کو ادا نہیں کرتے۔ اور اسی طرح وُہ خدا
کے متعلق مختلف خیالات ذہن میں لے آتے ہیں۔ ایک فارسی دان کا معبود اگر خدا ہے اور
انگریز کا گاڈ۔ فرانسیس کا ڈیو۔ اور جرمن کا کاسٹ۔ اور اسی طرح مختلف زبانوں میں
مختلف نام۔ چونکہ ان لفظوں کے مفہوم میں کچھ نہ کچھ فرق ہے۔ اِس لیئے مختلف قوموں کے
سامنے نماز کے وقت مختلف کیفیات کا خدا ہوگا۔ اسلام نے نماز میں ایک رنگی رکھ کر ان
اختلافات کی گنجائش ہی نہیں رکھی۔ ایرانی مسلم۔ انگریز مسلم۔ فرانسیسی مسلم۔ جرمن مسلم۔ ان
سب کا معبود ایک اللہ ہے اُسی کے آگے وُہ اپنی دُعائیں پیش کرتا ہے۔ اِسطرح سے نماز میں تمام
اور زبان کا یہ اتحاد نمازی کے دِل میں یہ کیفیت پیدا کرتا ہے کہ کل نسل اِنسانی کا
معبُود وہی ایک۔ ہے۔ جس کے آگے ہم سب نے جھکنا ہے وہی ایک رب العالمین ہے وہی
سب قوموں اور اِنسانوں کا بنانے والا ہے۔ اس طرح خدا کی مالکیت اور اُس کی توحید کا
اثر پیدا ہو جاتا ہے۔

اِس سے تمام انسانوں کے دِلوں پر اِنسانی اخوت کا بھی سکہ جم جاتا ہے۔ خواہ وہ مختلف
رنگ وزبان و شکل کے ہوں۔ خواہ وہ مختلف قوم و اقوام سے تعلق رکھتے ہوں۔ خدا
کے متعلق ان کے خیالات اُن کے جذبات ان کے متاثرات ایک ہی ہیں۔ لہذا جب
وہ اُس خدا کے حضور نماز کے لیئے حاضر ہوں۔ تو ایک ہی زبان ایک ہی طرز سے نماز ادا کریں
خواہ اِنسان ایک دُوسرے سے جنگ بھی کریں۔ پھر بھی وہ خدا کی نگاہ میں دائرہ انسانیت
میں ایک ہی ہیں ممکن ہے ایک قوم دوسری قوم سے نفرت کرے۔ ایک دوسرے کی زبان کو

بُرا جانیں لیکن پھر بھی وہ اللہ کے حضور حاضر ہوں تو وہ ایک ہی زبان سے پکاریں جس سے وہ سمجھ جائیں کہ وہ فی الواقعہ ایک دُوسرے کے بھائی ہیں اون کی دشمنی چند روزہ ہے۔ ایک مشترک زبان کا ہونا بھی مختلف قوموں میں ایک مستقل وحدت پیدا کر سکتا ہے۔

جب کسی ملک کا ایک غیر مسلم کسی اور ملک میں چلا جاتا ہے۔ تو اُسے نماز کی ادائیگی کے لیئے گرجا یا معبد کی ضرورت پڑتی ہے جہاں نماز اُس کی اپنی مادری زبان میں ادا ہوتی ہو لیکن مسلمان کو یہ دقت نہیں ہے خواہ کسی اجنبی ملک میں چلا جائے۔ وہ نزدیک کی مسجد تلاش کر لیتا۔ اور وہاں اپنے آپ کو اپنے وطن میں پاتا ہے۔ کل دُنیا جہان کی مسجدوں میں وہی ایک زبان یعنے زبان قرآن استعمال کی گئی ہے۔ کل مسلمانوں میں ملنے کے وقت وہی سلام علیک کا ایک نشان فری میسنوں کے نشان کیطرح قائم ہے۔ بکسر کی بغاوت پر جب ہندوستان سے مسلمان سپاہی چین میں گئے۔ اور چینی مسلمانوں سے سلام علیک کی تو چین کے مسلمانوں نے اُن سے برادرانہ سلوک کیا۔ اور اپنی مسجدیں لے گئے بھی اگلے دن ہندوستان کے مسلم سپاہی جب ووکنگ میں عید کی نماز ادا کرنے آئے تو اگرچہ ایک بھی لفظ انگریزی کا نہ جانتے تھے اور نہ ہی ووکنگ کے مسلمان اردو جانتے تھے لیکن وہ صرف سلام اور نماز کے اشتراک سے ایک دُوسرے کے بھائی بن گئے۔

تمام قوموں اور ملکی رواج کے انسانوں میں نماز کے وقت ایک ہی زبان کا استعمال ہونے سے ایک قسم کی وحدت مراتب بھی پیدا ہوتی ہے۔ جب سلطان ایک طرف اور ہندوستان کا دہقان ایک طرف اور ایسا ہی انگلستان کا ایک تاجر قادر مطلق کے حضور اپنی نماز میں ایک ہی الفاظ اور ایک ہی زبان میں حاضر ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خدا کی نگاہ میں ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں۔

مقررہ نمازوں میں قرآن کے الفاظ کا استعمال انسانوں کو اس بات سے بھی محفوظ رکھتا ہے کہ وہ نماز میں بُرے خیالات لیئے ہوئے کھڑے ہوں یا وہ ایک دوسرے کے خلاف بددُعائیں کریں ہم ہر ایک لفظ اور ہر ایک فعل کے لیئے خدا کے حضور ذمہ وار ہیں۔ پہلے جب ہم قرآنی الفاظ میں نماز ادا کرتے ہیں تو ہمیں یہ اطمینان ہوتا ہے کہ ہم نامناسب الفاظ نہیں استعمال کر رہے ہیں۔ رابعہ بصری ایک بڑی مسلم خاتون گذری ہیں اُنکے متعلق مشہور ہے کہ وہ تیس سال تک قرآن کے الفاظ میں گفتگو

کرتی رہی حتیٰ کہ معمولی سوالوں کا جواب بھی قرآنی الفاظ میں دیا کرتی تھیں +
مذہبی نکتہ خیال سے بھی قرآنی دعاؤں سے بہتر دعائیں تلاش کرنا ناممکن ہے۔ مثلاً اس سے بہتر اور کیا دعا ہو سکتی ہے۔ ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وّ فی الاخرۃ حسنۃ۔ اے ہمارے رب ہمکو اس جہان میں بھی خیر عطا کر اور آئندہ جہان میں بھی۔ جب ہمیں قادر مطلق غفور الرحیم خدا سے کچھ عرض کرنا ہو تو اس سے بہتر الفاظ نہیں ملتے۔ ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ۔ اے رب ہمارے ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کے برداشت کرنے کی ہم میں طاقت نہیں +
کم از کم میں اس امر پر مطمئن ہو جاؤں۔ اگر اللہ تعالےٰ میری یہ دعا سن لے۔ دراصل وہی چیز تکلیف دہ ہے خواہ وہ اچھی ہو یا بری۔ جو قابل برداشت نہ ہو۔ بیسیوں باتیں اس دنیا میں ہمارے قابو سے باہر ہیں ہم خواہ کتنے ہی صاحب طاقت ہوں پھر بھی بہت کمزور ہیں۔ ہم بے یار و مددگار ہیں اپنے معاملات پر قابو چھوڑ۔ اپنی ذات پر بھی بعض وقت حکومت نہیں کر سکتے۔ کیا ہم اپنے ارادہ کے مطابق اپنے دل پر حکومت کر سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ ہم تو اپنے بھی مالک نہیں۔ بعض وقت محض کسی قدر محبت یا نفرت سے اپنے ارادہ کے خلاف ہم سے ایسی باتیں سرزد ہو جاتی ہیں جنکو ہم یقیناً نقصان دہ سمجھتے ہیں۔ بعض وقت حالات بھی ایسے پیدا ہو جاتے ہیں جن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لہذا ہمیں ہمیشہ قادر مطلق خدا کے آگے یہی عرض کرنی چاہیئے۔ ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہم کو طاقت نہیں +
قرآن کی وہ آیات جو میں اکثر اپنی نمازوں میں تلاوت کرتا ہوں اور جو میری تسکین کا موجب ہوتی ہیں یہ ہیں۔ للہ ما فی السموات وما فی الارض۔ وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ فیغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء۔ واللہ علی کل شئ قدیر۔ اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون کل اٰمن باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ لا نفرق بین احد من رسلہ۔ وقالوا سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیرہ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا۔ ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا۔ ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ۔ واعف عنا۔ واغفر لنا۔ وارحمنا۔ انت مولٰنا۔ فانصرنا

علی القوم الکافرین ○ - ایمان لایا پیغمبر ساتھ اُس چیز کے کہ اُتاری گئی ہے طرف اُس کے پروردگار اُس کے سے - اور مسلمان تمام ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور فرشتوں اس کے کے اور کتابوں اس کی کے اور رسولوں اُسکے کے - نہیں جدائی ڈالتے ہم درمیان کسی کے پیغمبروں اُسکے سے - اور کہا اُنھوں نے سُنا ہمنے اور مانا ہم نے بخشش مانگتے ہیں تیری اے رب ہمارے اور طرف تیرے ہی پھر آنا - نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی جی کو - مگر طاقت اُس کی پر واسطے اس کے ہے جو کچھ کمایا اُس نے اور اوپر اس کے ہے جو کچھ کمایا اُس نے - اے رب ہمارے مت پکڑ ہم کو اگر بھُول گئے ہم - یا خطا کی ہم نے اے رب ہمارے - اور مت رکھ اُوپر ہمارے بوجھ - جیسا رکھا تو نے اُس کو اوپر اُن لوگوں کے کہ پہلے ہم سے تھے اے رب ہمارے - اور مت اُٹھوا ہم سے وہ چیز کہ نہیں طاقت واسطے ہمارے ساتھ اُس کے اور عفو کر ہم سے اور بخش ہم کو اور رحم کر ہم پر تو ہی ہے دوستدار ہمارا پس مدد دے ہمکو اوپر قوم کافروں کے +

یہ تو ممکن ہی نہیں کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرتے ہوئے اصلی الفاظ کی کیفیات و معانی ادا ہو سکے - ترجموں نے ہی انجیل اور توریت کو محرّف اور مبدّل کیا - چونکہ مسلمان خواہ کسی اصلی الفاظ سے ہی تشدید طریق پر وابستہ رہے - اس لیئے خدا کا آخری کلام محفوظ رہا دُنیا میں یہی ایک کتاب ہے جو کثرت سے پڑھی جاتی ہے وُہ یہی ایک کتاب ہے جس کا ایک ایک لفظ تیرہ سو برس سے اپنے اصلی صورت میں رہا - جب مسلمان نماز کو قرآن کے الفاظ میں ادا کرتے ہیں تو وہ اسطرح قرآن کریم کو محفوظ اور اُسکی تحریف سے بچنے میں مدد دیتے ہیں -

جیسے کہ میں نے پہلے کہا اب بھی کہتا ہوں کہ اسلام نے کوئی ایسا شعار یا شکل کسی امر کی اختیار نہیں کی جو اُس موقعہ کے لحاظ سے حسب ضروری ہو - اور جس کو چھوڑ کر دوسری شکل اختیار ہی نہیں ہو سکتی - یہی میں نماز کو عربی زبان میں ادا کرنے کے متعلق کہتا ہوں - اسلامی نماز میں ایک روحانیت شروع سے اخیر تک مضمر ہے +

(القدوائیؒ)

پیغمبر صلعم اور عیسائی

حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کس وسعت قلبی کی بنیاد رکھی ہے جب آپ نے
متبعین کو یہ تعلیم دی کہ وہ کل دُنیا جہان کے پیغمبروں پر ایمان لائیں۔ سورہ بقرۃ کی تیسری
آیت میں متقیوں کی شان میں یہ کہا گیا ہے۔ والذین یؤمنون بما انزل الیک وما
انزل من قبلک یعنی متقی وہ ہے جو اس کتاب پر جو تجھ پر نازل ہوئی اور ایسی ہی کتابیں جو
تجھ سے پیشتر نازل ہوئیں اُن سب پر ایمان لاتے ہیں۔ اس اصول کی تشریح اسی سورۃ آیتہ
(۱۳۶) میں حسب ذیل ہے۔ قل امنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم و اسمٰعیل
واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسےٰ وما اوتی النبیون من ربھم لا
نفرق بین احد منھم۔ ہم خدا پر ایمان لاتے ہیں اور اُس پر جو ہم پر نازل ہوا۔ اور اُس پر
بھی جو ابراہیم۔ اسماعیل۔ یعقوب اور اس کی اولاد پر نازل ہوا۔ ہم اُس پر بھی ایمان لاتے
ہیں۔ جو موسےٰ اور عیسےٰ اور رب کی طرف سے کل انبیاء کو دیا گیا۔ ہم ان انبیاء میں کوئی تفریق نہیں کرتے
ایسی ہی قرآن کریم میں اور آیات ہیں۔ جہاں ان انبیاء علیہم السّلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور
خصوصًا جناب موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السّلام کی نبوّتوں پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے۔ اس سے
بڑی غرض یہ تھی کہ عیسائی اور یہودی سمجھ لیں کہ آنحضرت صلعم کی غرض ایک اخوۃ عامّہ اور
عالمگیر مذہب قائم کرنے کی ہے۔ اسی تعلیم کے ماتحت آنحضرت صلعم نے جناب مسیحؑ کی ہمیشہ عزت
کی اور اُن تمام الزامات سے جناب مسیح کی تطہیر کی جو یہودی ان پر لگایا کرتے تھے۔ آپ کی
ولادت کے متعلق آنحضرت صلعم نے یہودیوں کی تکذیب کی اور ظاہر کیا کہ وہ دیگر انبیاء کی طرح
پاک تھے۔ آپ نے فرمایا جناب مسیح کی والدہ مریم ایک راستباز مقدّس صدیقہ تھیں۔ اور مسیحؑ
دراصل ایک پیشگوئی کے پورا کرنے کے لیئے آئے تھے۔ جیسے کہ خود آنحضرت صلعم تھے۔ اور جنہوں
نے جناب مسیح کو تکلیف دی یا الزام لگائے وہ سب گنہگار تھے۔ دُنیاوی نگاہ سے اور حکمت اور
پالسی کے اصول پر تو آنحضرت صلعم کا اس طرح یہودیوں کو الزام دینا ٹھیک نہ تھا۔ عیسائیوں کی عرب

عیسائی اس وقت حقیقت ہی کیا تھی۔ مٹھی بھر آدمی تھے۔ کوئی طاقت یا اقتدار بھی نہ رکھتے تھے اور اُن کو نظرانداز کر دینا کوئی آسان امر تھا۔ بالمقابل یہودی ایک بڑی مضبوط اور طاقتور قوم تھی۔ بڑا رسوخ اور اقتدار بھی رکھتے تھے۔ یہودیوں کی رعایت یا خاطرداری کرنے سے بالخصوص آنحضرت صلعم کی حمایت بھی ہو سکتی تھی۔ لیکن آنحضرت صلعم اصول کے پابند تھے۔ اور پالیسی کو حرام سمجھتے تھے۔ جو کچھ آپ سچ سمجھتے تھے اور جہاں تک آپ کے امکان میں تھا۔ آپ نے جناب مسیحؑ کی عزت قایم کرنے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ آج چالیس کروڑ سے اوپر مسلمان دُنیا کے مختلف حصص میں جناب مسیح کی اسی طرح عزت کرتے ہیں جیسے آنحضرت صلعم نے کی۔ اور جو کوئی جناب مسیح پر الزام دے اُس سے ویسا ہی مقابلہ کرتے ہیں۔ جب کبھی وہ مسیح کا نام لیتے ہیں اُس کو صلوٰۃ اور سلام بھیجتے ہیں۔ کیا آنحضرت صلعم نے اِس طرح عیسائی دُنیا کو اپنا مرہون احسان نہیں کیا۔ کیا اس سے وہ اعلےٰ شرافت نفس جو اُن میں تھی ظاہر نہیں ہوتی۔ دراصل اسی سے اُس اعلےٰ مقصد کا بھی پتہ چلتا ہے جس سے آپ مسلمانوں اور عیسائیوں میں عمدہ رشتہ پیدا کرنا چاہتے تھے ❖

آنحضرت صلعم کا عیسائیوں سے سلوک

آنحضرت صلعم کا جیسا سلوک اور آپکے مراعات جیسے مسلمانوں سے تھے ویسی ہی عیسائی اور یہودیوں سے تھے۔ یہ ہمیشہ ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلعم نہ صرف نبی ہی تھے بلکہ بادشاہ بھی تھے اور اس وقت عرب میں عیسائی اور یہودی دونوں بستے تھے جو آپ کی رعایا تھے۔ دونوں ہی آپ کے مخالف تھے۔ اور آپ کے دعوےٰ نبوت سے منکر بھی تھے۔ لیکن آپ کا سلوک و برتاؤ دونوں سے فیاضانہ تھا۔ ایک لڑائی میں ایک عیسائی عورت آپ کے سامنے اسیر ہو کر آئی۔ وہ مشہور سخی حاتم طائی کی لڑکی تھی اُس کے ساتھ قید کی حالت میں اور بہت سی ہمجولیاں تھیں وہ طبعاً اُس وقت نہایت مغموم اور سراسیمہ تھی وہ نہ جانتی تھی کہ اس سے کیا پیش آنے والا ہے آنحضرت صلعم نے جب اُس سے واقفیت پائی تو آپ نے اُس کے باپ کی پاسخاطر سے اپنی چادر کو بچھا دیا اور آپ اُس سے یوں متکلم ہوئے۔ تمہارا باپ ایک کریم النفس آدمی تھا۔ اس لیئے اُسکی عزت میں میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔ اور میں تمھیں آزاد کرتا ہوں۔ مسلم خوبیاں کوئی مسلمانوں تک محدود نہیں۔ بلکہ اور مذہب والوں میں بھی ہوتی ہیں۔ یہ عورت آخر ایک بامروت انسان

کی لڑکی تھی۔ اُس بی بی نے آزاد ہونے سے انکار کیا۔ درآں حالیکہ دوسرے اُس کی اور رفیقہ قید میں رہیں۔ آنحضرت نے اس بات کو سمجھ لیا اور فرمایا۔ کہ اگر تم اس لیئے قید سے رہا ہونا نہیں چاہتی کہ تیری دیگر رفیقہ بھی قید میں ہیں تو میں نہیں پسند کرتا کہ تو اُن کی خاطر اسیری میں رہے اسلیئے میں تیری خاطر اُن سب کو آزاد کرتا ہوں۔ وہ سب کی سب قیدی تھیں۔ آنحضرت صلعم بطور ایک فاتح جنگ اُن سے ایسا سلوک بھی کرسکتے تھے۔ لیکن آپ نے نہ تو اُن عیسائی عورتوں سے قیدیوں کا سا سلوک کیا اور نہ اُس کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا۔ حق الامر یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے مسلمان کرنے میں کبھی بھی جبر اور اکراہ سے کام نہیں لیا۔ رہا صنف لطیف سے مراعات کرنا حسن سلوک سے پیش آنا۔ سو ہر ایک مسلمان کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ عورتوں سے نیک سلوک کرے اور اُن کی عزت کرے۔ اس طرح آنحضرت صلعم نے حاتم کی لڑکی اور اس کے ساتھی کل عورتوں کو آزاد کردیا۔ اسکا نیک اثر اس پر ہوا۔ اور آنحضرت صلعم نے یہ بھی کیا کہ اُس کو معہ دوسری عورتوں کے نہایت حفاظت کے ساتھ گھر تک پہنچا دیا۔

ایک اور موقعہ پر ایک عیسائی وفد نجران سے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اُنکی کامل عزت اور تکریم میں اپنی مسجد کے جوار میں ہی جگہ دی۔ اتفاقاً وہ اتوار کا دن تھا۔ اور یہ عیسائی رومن کیتھولک عیسائی تھے۔ اُن کی عبادت کا دن تھا۔ اور وہ بڑے مشوش تھے کہ کس جگہ عبادت کریں۔ آنحضرت صلعم نے اُن کی گھبراہٹ کا سبب پوچھا۔ انھوں نے عرض کی کہ یہ اُن کی عبادت کا دن تھا۔ اور وہ کسی ایسی جگہ کی تلاش میں ہیں جہاں وہ اپنی رسم و رواج کے مطابق عبادت کرسکیں۔ آپ نے فی الفور فرمایا کہ اسی مسجد میں تم اپنا گرجا کرلو۔ کیونکہ یہ میرا گھر نہیں۔ خدا کا گھر ہے ؎

آنحضرت صلعم کے متعلق آپکے جانی دشمن کی شہادت

ایک دفعہ بادشاہ شام کے دربار میں آپ کا ایک خطرناک دشمن ابوسفیان موجود تھا۔ یہ وہی ابوسفیان ہے جس نے آپ کے اور آپ کے صحابہ کے نیست و نابود کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ ہرقل بادشاہ شام نے آنحضرت صلعم اور اسلام کے متعلق چند سوال کیئے۔ اور ہم ذیل میں اُن سوال و جواب کو اسی ترتیب سے لکھ دیتے ہیں :۔

س۔ محمدؐ کے آباؤ اجداد کیسے تھے +

ج۔ وہ ایک شریف خاندان سے ہے۔ اُس کے باپ اور ماں اعلےٰ اخلاق اور حیثیت رکھتے تھے

س۔ کیا اس کے آباؤ اجداد میں سے کسی نے دعوائے نبوّت کیا +

ج۔ میں اُنہی کی قوم میں سے ہوں۔ اور مجھے علم ہے کہ اُس سے پہلے اُس کے کسی بزرگ نے دعوائے نبوّت نہیں کیا +

س۔ کیا اس کے آباؤ اجداد میں سے کوئی صاحب ملک ہو چکا ہے جسکی سلطنت کھوئی گئی ہے

ج۔ نہیں +

س۔ کیا دولتمند یا درمیانی درجہ کے لوگ ہی عموماً اُس کے مرید ہوتے ہیں +

ج۔ عموماً دولتمندوں سے زیادہ درمیانی درجہ کے لوگ اُس کی پیروی اختیار کرتے ہیں۔

س۔ کیا دن بدن مُسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے +

ج۔ دن بدن بڑھتے جاتے ہیں +

س۔ کیا جو اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ وہ اسلام کو چھوڑ بھی دیتے ہیں؟

ج۔ نہیں جس نے محمد صلعم کے مذہب کو قبول کیا اُس کو کبھی نہیں چھوڑا +

س۔ کیا اس دعوے کرنے سے پیشتر کبھی اُس نے جھوٹ بولا +

ج۔ اس وقت تک کبھی اُس نے اپنے وعدوں کو نہیں توڑا۔ ہاں آئندہ کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا +

س۔ کیا تمہارے جنگ بھی اُن سے ہوئے۔ اور جنگوں میں سے کون کامیاب ہُوا کرتا ہے۔

ج۔ بعض وقت وہ فتحمند ہوتے ہیں۔ اور بعض وقت ہم کامیاب ہوتے ہیں +

س۔ اُس کی تعلیم کیا ہے +

ج۔ ایک خدائے واحد کی عبادت اور تمام بُتوں سے انکار۔ اور کسی اور معبود کو خدا کے مقابل کھڑا نہ کرنا۔ اور نہ بُت پرستوں کی اتباع کرنا۔ وہ ایک خدا کی عبادت اور پرستش کی تاکید کرتا ہے۔ سچ بولنے کے لیئے حکم دیتا ہے۔ بُرے کاموں سے بچنا اور صلہ رحمی کی تاکید کرتا ہے +

اس پر بادشاہ نے کہا کہ جو کچھ تم نے محمد صلعم کا نقشہ بتلایا ہے اُس سے مجھے یقین ہوگیا ہے۔ کہ وُہ ایک سچّا نبی ہے۔ اور ایک صادق نبی کی ساری علامات ہمیں موجود ہیں
ایک اور موقعہ پر جب مکّہ والے آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہؓ پر سخت ظلم اور تشدّد کرتے تھے تو چند مُسلمانوں نے شاہ حبش کے ہاں پناہ لی۔ ایک دن بادشاہ کے استفسار پر حضرت جعفرؓ نے جو اُن مسلمانوں میں کے سرکردہ تھے۔ ایک تقریر کی جو ہم ذیل میں بہ الفاظ درج کرتے ہیں:۔

"اے بادشاہ ہم ایّام جاہلیت سے تعلق رکھتے تھے۔ بتوں کی پرستش کرتے تھے مردار کا گوشت کھاتے تھے بشہوت بدنیاں کرتے تھے قطع رحمی ہمارا سلوک تھا۔ اپنے ہمسائیوں کو اذیت پہنچاتے تھے اور ہم میں کا جو صاحب طاقت ہوتا وہ ہمیشہ کمزوروں کو ستاتا تھا حتیٰ کہ اللہ تعالےٰ نے ہم میں ایک نبی پیدا کیا۔ ہم اُس کے آباؤ اجداد سے واقف ہیں۔ اور ہم ہمیشہ سے اُس کی صداقت اور عفت کے قائل ہیں۔ اُس نے ہمیں ایک خدائے واحد کی طرف بلایا اور ہمیں حکم دیا کہ اُس کے ساتھ شرک نہ کریں اور اپنے بتوں کو چھوڑ دیں۔ اُس نے ہمیں تاکید کی ہے۔ کہ ہم سچ بولیں۔ ہم سے کسی کا حق ہو وہ ادا کریں۔ صلہ رحمی کریں۔ اور اپنے ہمسائیوں کے ساتھ نیک سلوک کریں۔ اور جو باتیں منع کی گئی ہیں اُن سے پرہیز کریں اور کشت و خون سے بچیں اُس نے ہر ایک قسم کی بدی اور شرارت کرنے سے ہمیں روکا اور جھوٹ بولنے سے منع فرمایا۔ ایسا ہی یتیموں کا مال کھانے سے بھی روکا اور اُس نے تاکید کی ہے۔ کہ ہم نماز اور روزہ حج اور زکوٰۃ کے پابند ہو جائیں۔ ہم نے اُسے قبول کر لیا اور اُس کی نبوّت پر ایمان لائے +

یہ تقریر بادشاہِ حبش پر اثر کیے بغیر نہ رہی۔ جو آخرکار مسلمان ہوگیا۔ مذہب اسلام کی تعلیم اسی طرح اس کی دلربائی کی موجب تھی۔ جس طرح آج وہ تعلیم انگریزی بولنے والے اور دیگر مہذب باشندگانِ دُنیا کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ اسلام کو اپنے قبول کرانے میں کسی جبر و اکراہ کی ضرورت نہیں۔ اسلام کے اصول ہی طبعًا دلکش واقع ہوئے ہیں۔ اسلام کی بنیاد صداقت پر ہے تاکہ جبر اور اکراہ سے منافقت پیدا ہوتی ہے۔ جسے آنحضرت صلعم نے ہمیشہ ناپسند فرمایا +

عیسائیوں کے حق میں آنحضرت صلعم کی طرف سے دستاویز حقوق

جو دستاویز آنحضرت صلعم نے کوہ سینا کے راہبوں کو دیا اُس سے بہتر کوئی مثال یا نظیر نہیں

آزادی کی نظر نہیں آتی۔ یہ ایک معاہدہ امن تھا جو عیسائیوں کو دیا گیا۔ وہ دستاویز یا معاہدہ تمام و کمال حالت میں اسلامک ریویو بابت ماہ جون ۱۹۱۵ء کے صفحات میں درج ہو چکا ہے لیکن اُن کے بعض فقرات ہم یہاں بھی درج کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ذیل میں اُسکے چار فقرے دیئے جاتے ہیں:-

۱۔ کسی کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ عیسائیوں کو اپنے گرجاؤں یا معبدوں سے نکالے ۰

۲۔ ایسے عیسائی جو اپنے مال و دولت سے جزیہ دے سکیں۔ اُن سے اور کچھ مطالبہ نہ ہوگا ۰

۳۔ اگر کوئی عیسائی عورت کسی مسلمان سے شادی کرلے تو مسلمان اُسے گرجا میں جانے یا اپنے مذہبی فرائض کے ادا کرنے میں روک نہ ڈالے گا ۰

۴۔ کسی شخص کو حق حاصل نہ ہوگا۔ کہ عیسائیوں کو اپنے گرجوں کی مرمت وغیرہ سے روکے۔ بلکہ اگر عیسائیوں کو اپنے گرجاؤں اور کلیساؤں کی مرمت میں یا کسی اور مذہبی اُمور میں انھیں امداد کی ضرورت ہو تو مسلمان ان کی امداد کریں گے ۰

پیغمبر عرب کسی خاص ملک اور قوم کی طرف تو مبعوث ہوئے نہیں تھے۔ بلکہ وہ کافۃ للناس کے لیئے آئے تھے۔ اس لیئے آپ نے دعوت نامے عیسائی اور دوسرے بادشاہوں کو بھی لکھے۔ آپ سے پہلے جو نبی آیا وہ کسی قوم یا ملک کی طرف آیا۔ لیکن آپ کی بعثت کل دُنیا کے لیئے تھی۔ آپ کا مشن خدائے رب العالمین کی طرف سے تھا۔ اور اس لیئے آپ کا پیغام سب کی طرف تھا۔ آپ نے ایک خط ہرقل شاہِ شام کو لکھا۔ اور ایسا ہی ایک خط مقوقس شاہ مصر کو۔ آپ نے انھیں دعوت اسلام کی اور یہ لکھا۔ کہ اُن کا اسلام اُن کے لیئے خیر و برکت کا موجب ہوگا۔ ان خطوط کے اصل اب مل گئے اور جو چٹھی شاہ مقوقس کو لکھی گئی تھی اُس کا فوٹو ہندوستان۔ امریکہ اور برطانیہ کلان اور یورپ کے دیگر ممالک میں بھی شایع ہو چکا ہے۔ ان خطوط کے جواب بھی تحایف کے ساتھ اُن بادشاہوں نے آنحضرت کی خدمت میں بھیجے۔ وہ اُس وقت تو مسلمان نہ ہوئے لیکن بعد میں اُنھوں نے اسلام قبول کرلیا اور اُن کی رعایا اب تک حلقہ بگوش اسلام ہے ۰

قرآن کریم سورہ آل عمران آیۃ (۷۵) میں ایک نمونہ ہمیں ملتا ہے کہ کس طرح آنحضرت صلعم ان عیسائی بادشاہوں کو مخاطب کیا کرتے تھے۔ یا اھل الکتٰب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ

اے اہل کتاب آؤ ایسی بات کی طرف (رجوع کرو) جو تمہارے ہمارے درمیان یکساں (مانی جاتی) ہے کہ ہم اللہ کے سوائے کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں نہ اعد اللہ کے سوائے جیسے کوئی کسی کو (اپنا) مالک سمجھ" سورہ (۳) آیۃ (۵۴) میں مسلمانوں کے لیئے ایک طریق عمل لکھا گیا۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کہاں تک شارع اسلام مسلمان اور عیسائیوں کو یکجا کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ قرآن فرماتا ہے کہ مسیح اور محمد علیہما السلام دونوں ابراہیم کی اولاد میں سے ہیں۔ اس لیئے بھائی بھائی ہیں۔ دراصل جو مسیح نے مذہب تعلیم کیا وہ بھی یہی تھا۔ "تو صرف اپنے خداوند خدا کی عبادت کیجو اور اسی ایک کی عبادت کیجو اور ابدی زندگی یہی ہے۔ کہ تجھ سے جو تو ایک ہی خدا ہے پہچانا جائے اور مسیح کو جس کو تو نے بھیجا ہے" (یوحنا باب ۱۷) یہی دراصل اسلام کا حقیقی مقام ہے۔

ہم آئے دن سن رہے ہیں کہ عیسائیوں کے مختلف فرقوں میں آپس میں ملانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ لیکن اسلام نے دراصل ایک وسیع پیمانہ پر کل دنیا کے مذاہب کو ملا دیا۔ اسلام کی غرض یہ ہے کہ دنیا جہان کے تمام مذاہب اور فرقوں کو ایک خدائے واحد کی عبادت اور اس پر ایمان لانے پر متفق کرے۔ اور وہ پیغام ان سے منوائے جو مسیح محمد اور دنیا جہان کے تمام پیغمبر خدا کی طرف سے لائے۔

صفات باری

اسلامی نقطۂ خیال سے

(از محمد صادق ڈڈلے رائیٹ)

مسلمانوں کا ایمان خدا پر ایک خالی عقیدہ ہی نہیں۔ نہ سائے کی طرح یہ ایک بے حقیقت شے ہے۔ یہ تو ایک مضبوط و راسخ عقیدہ ہے۔ یہ اکثر سننے میں آتا ہے۔ کہ مذاہب دنیا میں اسلام نے مختصر سے مختصر عقاید تعلیم کیئے ہیں۔ شاید ایسا ہی ہو۔ لیکن خدائے قدوس کی ذات پر ایک مسلم کا ایمان اس قدر مضبوط ہے۔ کہ وہ ہر ایک ایسی کوشش کو نہایت ہی نفرت کے ساتھ دیکھتا ہے۔ اور دراصل اسے کفر ہی سمجھتا ہے کہ جس میں خدائے واحد کے

ساتھ شرک لازم آجائے۔ اور دراصل یہ تو سمجھ ہی نہیں آتا کہ خدا بھی ہو۔ اور کوئی اُسکے ہم پلہ بھی ہو۔ یا وہ کس طرح کسی اور کو اپنی صفات میں شریک کر سکتا ہو وُہ ہی ایک خدا ارفع و اعلیٰ ہے۔ وُہ ہی ایک معبود ہو سکتا ہے۔ پھر اس کے مقابل کسی کا یہ کہنا۔ کہ تین یا دو کامل قدرت کے مالک ہو سکتے ہیں مسلمان کے نزدیک بالبداہت ایک قسم تضاد ہے۔ سنیٹ اتھنے ٹوسیس کا عقیدہ جو اس وقت مسیحی عقیدہ کہلاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ "ایک اقنوم باپ دوسرا اقنوم بیٹا تیسرا اقنوم رُوح القدس۔ لیکن خدا باپ اور خدا بیٹا اور روح القدس الوہیت میں متحد پھر اُن کا جلال یکساں اور شوکت ازلی و ابدی"۔ یہ عقیدہ ایک مسلم کی نگاہ میں بے معنی کفر اور مجموعہ تضاد ہے عیسائی مذہب کے حامی و زینت دھندگان علی العموم کہا کرتے ہیں کہ اسلامی الٰہیات میں کوئی ایسا مسئلہ نہیں کہ جس کے ماتحت خدا کو باپ کر کے پکارا جائے یہ بالکل صحیح ہے۔ اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمان انسان اور خدا میں وہ رشتہ تسلیم کرتے ہیں۔ جو اُن تعلقات سے بہت ہی ارفع ہے کہ جسے باپ اور بیٹے کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں۔ لفظ باپ ان پدرانہ فرائض کی ادائیگی کیطرف اشارہ کرتا ہے جو باپ کے ذمہ پڑی ہوتی ہیں۔ لیکن خدا تو انسان کے مقابل کسی ایسی ذمہ داری کے ماتحت نہیں۔ وہ ازلی ابدی بادشاہ ہے۔ اِس کی مرضی ہر انسان کی مرضی پر غالب ہر مرد اور عورت کو اسی کی رضا جوئی مدنظر ہونی چاہیئے۔ اسلام ایک ذومعنی لفظ ہے۔ رضاء الٰہی کی اطاعت اور امن و سلامتی کو حاصل کرنا در اصل پہلی بات سے دوسری بات حاصل ہو جاتی ہے۔ ایک مقصد اور دوسرا ذریعہ حصول مقصد۔ اسلامی خدا کسی قوم کے فرقہ کا خدا نہیں اور نہ ہی اسلام کسی قوم یا فرقہ کا مذہب ہے۔ بلکہ یہ کل بنی نوع کا مذہب ہے۔ اسلام میں اللہ کو رب العالمین پکارا گیا ہے۔ لہذا اگر اور بھی مسکونہ ممالک و دنیا ہے تو اللہ ہی سب کا رب ہے۔ اور انسانی اخوت ان تمام دُنیاؤں کے باشندگان تک پہنچتی ہے۔ اور یہ اخوۃ اسلام کا ایک مضبوط اصُول ہے جس نے عملی جامہ بھی پہن رکھا ہے۔

عیسائی مذہب جو انسان اور خدا میں رشتہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس نے خالق اور مخلوق میں ایک اِس قسم کی مفروضہ یگانگت پیدا کرنی چاہی ہے۔ جس سے رُوح کو نفرت ہوتی ہے اور جس میں نہ کوئی آداب کا لحاظ رہتا ہے نہ عبادت۔ جب ایک انسان دعا کرتا ہے اور اُسکے مقابل خدا کے افضال اپنے پر نازل ہوتے دیکھتا ہے تو وُہ قرب الٰہی کو محسوس کر سکتا ہے

کیا ایسی حالت ایک خوش باشی کی حالت ہے۔ نہیں بہتر یہ کہنا ہوگا۔ کہ ایک انسان جُوں جُوں اُس کے فضلوں کو دیکھے۔ تُوں تُوں رُعب الٰہی اُس پر طاری ہو ٭

الرحمٰن۔ الرحیم۔ ان الفاظ میں وہ شان و شکوہ و جبروت ہے۔ کہ جو کسی اور لفظ سے ظاہر نہیں ہوتی۔ اِس کی رحمت کی کوئی حد ہی نہیں۔ تو پھر جب مسلمان خدا کی رحمت اور افضال کو اِس قدر وسیع سمجھے ہوئے ہیں۔ اور جب اُس کے ایمان میں اُس کا جلال و شوکت اس قدر عظیم الشان ہے۔ تو کیا یہ عجیب ہے۔ کہ وُہ ایسے خدا کی عبادت و ستائش میں سر بسجود ہو کر اپنی پیشانی زمین پر رکھدے۔ اِس تمام جہانوں کے بادشاہ کے لیئے مُسلمانوں نے اللہ کا نام تجویز کیا ہے۔ یہ وہ نام ہے جو سوائے اس ایک معبود کے کسی پر آج تک استعمال ہی نہیں ہوا۔ یہ وہ نام ہے کہ جس میں تمام ایسے اسماء حسنہ آجاتے ہیں۔ جو کوئی گن سکتا ہے ٭

اسلام جیسے کہ بیان ہوا محض عقیدہ نہیں۔ بلکہ یہ ایک زندگی ہے جس پر چلنا ہوگا۔ قرآن میں ہدایات زندگی ہیں۔ جن میں بعض ایسی ہیں کہ جن کو روزانہ زندگی کے چھوٹے چھوٹے امُور کہا جا سکتا ہے۔ لیکن انھیں چھوٹی باتیں نہیں سمجھنا چاہیئے۔ جب یہ خیال کر لیا جاوے کہ انسان نے خدا کے لیئے ہی زندگی بسر کرنی ہے مُسلمان خدا کے لیئے ہی جیتا ہے۔ خدا ہی اُس کی تمام امیدوں۔ تمام تسلّیوں و خوشیوں کا مرکز ہے مُسلم زندگی کا مقصد ہی حبل اللہ کے ساتھ وابستہ ہونا اور علمِ الٰہی کا حاصل کرنا ہے۔ گہوارہ سے چل کر قبر تک مُسلمان خدا اور صرف خدا کے لیئے جیتا ہے ٭

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

خطبات غربیہ

از

جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی مسلم مشنری۔ ایڈیٹر اسلامک ریویو مجریہ ووکنگ لندن۔ یہ وہ معرکۃ الآرا خطبے ہیں، جو جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنے قیام یورپ میں ناآشنایان اسلام کو اسلام سے متعارف کرانے اور ان پر حقانیت اسلام متحقق کرنے کے لیے انگلستان۔ فرانس اور سکاٹلینڈ کے مختلف مقامات پر سرمن لیکچر اور تقریروں کی شکل میں دیئے۔ اس کے پڑھنے سے ہر ایک شخص نہ صرف اسلام کی خوبیوں اور اسکے اصولوں سے ہی واقف ہو جاتا ہے۔ بلکہ دیگر مذاہب کے مقابل اُسے اسلام کی افضلیت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ ان خطبوں میں سے چند خطبات ہم نے بعض احباب کی بار بار فرمائش سے اردو میں ترجمہ کرائے ہیں، جو اس وقت زیر طبع ہیں۔ ان خطبات کے مضامین کے لحاظ سے انھیں مختلف جلدوں میں حسب ذیل ترتیب دیا ہے۔

سلسلہ خطبات غربیہ نمبر ۱

مسجد ووکنگ کے ابتدائی خطبات

یہ وہ چار سرمن ہیں جن کے ذریعہ اسلام سے قطعی ناآشنا اہل انگلستان کو اسلام سے متعارف کرایا گیا۔ اور انھیں چار خطبات سے جو تقریباً یکے بعد دیگرے ہوئے مسجد ووکنگ بعض غیر مسلم سکان ووکنگ کے لیے بھی مستقل معبد بن گئی۔ اور انھوں نے اپنے گرجاؤں کو چھوڑ کر مسجد میں آنا شروع کر دیا۔ تفصیل ذیل:۔ (۱) میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی۔ (۲) خدا کی کامل تصویر۔ (۳) اسلام [illegible] ہے۔ (۴) الہام ایک فعلی ربوبیت ہے۔

سیر عالم
بیسویں صدی کی بہترین ایجاد
آلہ سیر عالم کو سرہانے کے نیچے رکھ کر سونے سے
انسان کی روح جسم سے باہر نکل کر عالم بالا میں
پرواز کرتی۔ تم سونے سے پہلے سیر عالم سے کہدو
اور وہ تمھیں حسب منشا مکہ معظمہ یا مدینہ شریف
کی سیر کرا دیگا۔ اور تمھیں ایسا معلوم ہوگا کہ
گویا ہوا میں اڑتے اڑتے وہاں کی سیر کر رہے
ہو۔ اور جسم تمہارا گھر میں چارپائی پر پڑا ہے
ان مزیدار روحانی سیروں سے تم کو ایسی
خوشی حاصل ہوگی کہ دنیا بھر کی خوشیوں
کو اس کے مقابل میں ہیچ و بیختہ خیال کروگے
اور سارے جہان کا آزاد بادشاہ اپنے آپکو
تصور کروگے۔ تجربہ کے لیئے ۔ر کا ٹکٹ یا
بیرنگ کی اجازت۔ پتہ خوش خط۔
الراقم
روح
معلم درسگاہ علوم روحانی دی
مسمریزم ہاؤس بکس ۲۲ لاہور
اردو زبان کا سب سے بہتر البیلا انیا او سستا ماہوار مصور رسالہ
راز و نیاز
جسکا پہلا نمبر جولائی ۱۹۲۹ء میں مفصلۂ ذیل عنوانات
دلچسپ مضامین سے مزین ہوکر نہایت اعلیٰ درجہ کی کارڈوں پر
چھپے ہوئے نہایت آب و تاب کے ساتھ لال کرتی میرٹھ سے
شایع ہوگیا!
اگر آپ نے ابھی تک ملاحظہ نہیں کیا تو نمونہ طلب فرمایئے
دلچسپ کیمیکل کی طرح کسی ایک گھر میں جگہ نہ لگائیگا نہ کسی ایک
کا پابند ہوگا بلکہ دنیا بھر کی تحریری دلچسپیوں کا مجموعہ
دلنواز مجموعہ ہوگا
حجم ۴۸ صفحے ماہوار۔ قیمت سالانہ عہ
راز و نیاز (نمبر اوّل) کے مضامین
راز و نیاز سے عورت۔ مرد۔ بچے۔ جوان۔ بوڑھے۔ ہندو۔ مسلمان
عیسائی موسائی سب کو یکساں فائدہ حاصل ہوسکیگا
مینیجر راز و نیاز لال کرتی میرٹھ

کسی جگہ کی سیر کا لطف
کبھی آ ہی نہیں سکتا جب تک کہ اس کی گائیڈ آپ کے پاس نہ ہو۔ کوئی انگریز گائیڈ
کے بغیر کبھی کسی شہر میں جانا پسند ہی نہیں کریگا۔ چاہے اسکے درجنوں دوست وہاں
موجود ہوں شملہ جا کر آپ پورا لطف اٹھانا چاہتے ہیں۔ تو کوئی ولودویبد بھوشن
پنڈت ٹھاکردت شرما ئید کی تیار کردہ
سیر شملہ
کو پاس رکھو۔ اس کو پنڈت جی نے بڑے شوق سے خود ہر ایک جگہ کی سیر کر کے لکھا ہے
کل سیرگاہیں۔ میلے۔ پہاڑی لوگوں کے حالات۔ ان کی رسوم۔ گورنمنٹ و کمیٹی کے قواعد
عمارتوں اور انسٹی ٹیوشنوں کا بیان۔ خرید و فروخت کی اشیاء۔ شملہ کے ارد گرد کے بیس بیس
میل تک کے حالات۔ ہر سیرگاہ پر جانے کے وسائل۔ ان کا مفصل بیان اس طرح کیا ہے
گویا پڑھتے ہی آپ سیر کر رہے ہیں۔ وہاں کی بوٹیوں کا بھی بیان ہے۔ جو دیکھنے کے قابل ہے
جو لوگ شملہ جانیوالے ہوں یا شملہ پہنچ گئے ہوں۔ اُن سب کو فوراً اس کو منگوانا چاہیئے۔ آپکا
وہاں دوست ہے بھی تو بھی کتب میں بہت سی باتیں ایسی ملتی ہیں۔ جو کہ ان کو معلوم نہیں
ہوتیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ جو شملہ جانا نہیں چاہتے۔ اُن کو بھی منگوا کر شملہ کی سیر کا گھر بیٹھے
لطف اٹھانا چاہیئے
کاش کہ ہمارے لوگوں کے اندر رہنما کتب پاس رکھنے کا شوق زیادہ ہو!
قیمت برائے نام ۸/
ملنے کا پتہ منیجر کارخانہ امرت دھارا برانچ لاہور
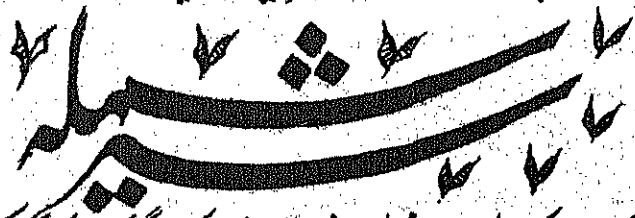
مفید کتابیں

رہنمائے ریلوے — ہر شخص کو ریل کے سفر میں اس مفید کتاب کو ہمراہ رکھنا چاہئے کرایہ و کل قواعد ریلوے سب اسمیں درج ہیں قیمت ۱/

گھر کا درزی — جو چیز چاہو کرتہ پاجامہ قمیض کوٹ بھی ہر گھر بیٹھے اس کے ذریعہ سی لو یہ کتاب بڑا کام دیتی ہے قیمت ۵/

پیام عاشق — اس کتاب کے دو حصہ ہیں اور نہایت دلچسپ طریقہ سے عاشقانہ خط و کتابت درج ہے قیمت حصہ اول ۳/ دوم ۴/

زندگی کی بہار — از حکیم محمود خان صاحب دہلوی جسمیں کل کیفیت عیش و عشرت مرد و عورت کے تمام مفصل حالات مع علاج شائع قیمت ۱۲/

صابن سازی — اس کتاب میں انگریزی دیسی صابن بنانے کے صدہا نسخے درج ہیں بغیر مدد استاد جتنا دل چاہے صابن بنالیجئے قیمت ۵/

کھیتی باڑی — ہر قسم کے پیداوار کے بافراط ہونے کی ترکیبیں زمیندار لوگوں کے لئے نہایت مفید کتاب ہے قیمت ۸/

رنگریز — جس رنگ سے کپڑے رنگنے ہوں اس کتاب کو سامنے رکھکر رنگ لیجئے قیمت صرف ۲/

معلم انگلش — انگریزی سکھلانے والی عجیب کتاب ہے استاد کی ضرورت نہیں نہایت ہی مفید کتاب ہے قیمت ۱۲/

ذخیرہ دستکاری — اس نایاب کتاب میں ہر چیز کے بنانے کی آسان ترکیبیں درج ہیں ہر شخص بلا مدد استاد جو چیز چاہے بنا سکتا ہے مصنف کا حلفیہ دعوٰے ہے کہ اگر کوئی ترکیب معمولی یا جھوٹی بتائے تو اسکو مبلغ سو روپیہ انعام دیا جائیگا قیمت صرف ۸/

قیافہ — علم قیافہ جس سے ہر شخص ہاتھ دیکھکر تمام حال بتا سکتا ہے اسکی تمام ترکیبیں اس مفید کتاب میں لکھی گئی ہیں شائقین ضرور ملاحظہ فرماویں قیمت صرف ۳/

تجربات الم — اس کتاب میں تمام بیماریوں کا علاج نہایت مختصر و سہل مطالب اردو عبارت میں تحریر کیا گیا ہے واقعی اگر اسکو علم طب کی پاکٹ بک کہیں تو بجا ہے۔ خوبی یہ کہ جو نسخہ ہے وہ آزمودہ اور مجرب ہے قیمت صرف ۵/

وعظ سکھانیوالی — اس کتاب کے ذریعہ ہر شخص پورا واعظ بن سکتا ہے بہت ہی مفید اور نادر کتاب ہے قیمت صرف ۱۲/

ناظم مکتبہ عالیہ دار السلطنت دہلی

سلسلہ خطبات غربیہ ۲

اسمیں ذیل کے چار خطبہ درج ہیں

(۱) توحید الٰہی (بمقام وائیٹ سٹی شیپرڈ بش) (۲) اللہ تعالےٰ کی تعلیم کردہ دُعا (بمقام ووکنگ) اسمیں سورہ فاتحہ کی ایک لطیف تفسیر ہے۔ (۳) دُعا اور استجابت دعا (بمقام لنڈسی ہال لنڈن) (۴) تصوف (بمقام فوکسٹن) *

سلسلہ خطبات غربیہ ۳

خطبات عیدین

(۱) عمل میں آزادی (بمقام کنگسٹن ہال لنڈن) (۲) قربانی اور اُس کی حقیقت (بمقام مسجد ووکنگ) (۳) سنت ابراہیم (بمقام مسجد ووکنگ) (نوٹ:- اسمیں تیسرا خطبہ حضرت مولوی صدر الدین صاحب کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ہے) *

سلسلہ خطبات غربیہ ۴

موجودہ جنگ

(۱) موجودہ جنگ اور شارع اسلام (بمقام ووکنگ) (۲) موجودہ جنگ اور عیسائیت (بمقام لنڈن) (۳) موجودہ جنگ اور تہذیب (بمقام ووکنگ) *

یہ تین خطبات جنگ کے چھڑنے کے دُوسرے ہفتہ یکے بعد دیگرے دیئے گئے اور بذریعہ اسلامک ریویو کے ذریعہ عام طور پر مغربی دنیا میں پھیلائے گئے۔ انکے مضامین نے وہاں کے پبلک پریس میں ایک خاص انتشار پیدا کر کے امریکہ اور انگلستان کے بعض اہل قلم سے اسلام کی حمایت میں زبردست مضامین لکھوائے *

سلسلہ خطبات غربیہ ۵

دہریوں اور ملحدین کو خطاب

(۱) اسلام اور عیسائیت کے بنیادی اصول اور اُنکا مقابلہ۔ کیمبرج کا وہ مشہور و معروف لیکچر جو ایک ملحدین کی کلب کی فرمائش پر طلبائے کیمبرج یونیورسٹی کو دیا گیا۔ (۲) دہریوں کے لیئے ایک دلچسپ مطالعہ (الف) (۳) دہریوں کے لیئے ایک دلچسپ مطالعہ (ب) دوسرا تیسرا لکچر مسجد ووکنگ میں اتوار کے خطبات میں بعض خواتین کی فرمائش پر دیا گیا *

سلسلہ خطبات غربیہ ۶

اسلام اور دیگر مذاہب

(۱) خصوصیات اسلام (بمقام پیرس)۔ (۲) اسلام عیسائیت اور دیگر مذاہب (بمقام اڈنبرا)
(۳) عیسائیت اور دیگر مذاہب کی موجودگی میں اسلام کی ضرورت (بمقام لنڈن)۔

پہلا خطبہ وہ معرکۃ الآرا تقریر ہے جو جولائی ۱۹۱۳ء میں بمقام پیرس (فرانس) مذہبی کانفرنس میں کی گئی۔ یہی وہ تقریر ہے جس کو سن کر فضلائے یورپ کی توجہ اسلام کی طرف ہوئی۔

سلسلہ خطبات غربیہ ۷

حقوق نسوان

(۱) عورت نے یہودیت سے چل کر اسلام تک کیا کیا انقلاب دیکھے۔

یہ وہ معرکہ کا لکچر ہے جو اعلےٰ طبقہ کی خواتین کی فرمائش پر لائسیم کلب پکیڈلی لنڈن میں ۲۰ مئی ۱۹۱۳ء کو دیا گیا۔ اس لکچر سے انگلستان میں فرقہ اناث کو اسلام کی طرف خاص توجہ ہوئی۔

(۲) ایک خطبہ نکاح جو مسجد ووکنگ میں ہوا۔ یہ خطبہ پڑھا گیا۔

منیجر رسالہ

رجسٹرڈ ایل ۹۰۸ء
بابت ماہ اگست ۱۹۱۶ء
اردو ترجمہ اسلامک ریویو لنڈن۔
معروف بہ

اشاعت اسلام

جلد (۲) نمبر (۱۰)

زیر ادارت
خواجہ کمال الدین مولوی صدر الدین

اس سے بڑھ کر اور کوئی نیکی نہیں کہ آپ رسالہ ہذا کی خریداری ہوویں کیونکہ انھیں سالوں کی آمد بہت حد تک مسلم ووکنگ مشن کے اخراجات کی کفیل ہے۔ رسالہ ہذا کی دو ہزار (۲۰۰۰) اشاعت خریدار ووکنگ مشن کے ½ خرچ کی ذمہ وار ہو سکتی ہے۔)

قیمت سالانہ تین روپیہ (سے)

فہرست مضامین

ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ جولائی ۱۹۱۶ء۔

AN ENGLISH MUSLIM FAMILY

om left to right :—Mrs. Shareefa Begum Howell, Miss Naseema Howell, Miss Zaitoon Howell, Mr. Mohammad Ashraf Howell, and Master Qasim Howell.

اس رسالہ کے ساتھ ایک انگریز نومسلم خاندان کی تصویر شایع ہوتی ہے جس کے پانچ ممبر ہیں پچھلی قطار میں خود مسٹر ہاول دائیں طرف کھڑے ہیں جن کا اسلامی نام محمد اشرف ہاول رکھا گیا ہے - ان کی بائیں جانب ان کی لڑکی مس نسیمہ ہاول کھڑی ہیں - اگلی قطار میں بائیں طرف مسز شریفہ بیگم ہاول بیٹھی ہوئی ہیں - درمیان میں ان کی دوسری لڑکی مس زیتون ہاول ہیں اور دائیں جانب ان کا لڑکا ماسٹر قاسم ہاول ہے ۔۔

ماہ جون میں چار نومسلموں کا اضافہ دائرۂ اخوت اسلامی میں ہوا - جن میں سے دو مرد اور دو خواتین ہیں - ان کے مختصر حالات مولانا مولوی صدر الدین صاحب امام مسجد ووکنگ نے حسب ذیل ارسال کیئے ہیں - جن کو ہم ناظرین رسالہ کی واقفیت کے لیئے یہاں درج کرتے ہیں :-

تین اشخاص کا مشرف باسلام ہونا -

(۱) ایک صاحب ہمارے ابنائے وطن میں سے کئی سال سے انگلستان میں جائے گزین ہیں -

عیال و اطفال سے بھی بہرہ ور ہیں۔ ان کا نام بھائی ہرنام سنگھ صاحب ہے۔ انھوں نے بروز ہفتہ ۳ رجون ۱۹۱۶ء مسجد ووکنگ میں اسلام قبول کیا۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ کا اقرار کیا۔ اور پاک مہذب اسلامی زندگی بسر کرنے کا عہد باندھا۔ اس روز اور اس سے پیشتر بھی اور اس کے بعد اتوار کے مجمع میں بھی انھوں نے نمازیں باجماعت ادا کیں۔ طریق طہارت اور وضو بھی سیکھ لیا۔ اتوار کے روز ان کی اہلیہ بمعہ ایک چھوٹے بچہ کے ہمارے ہاں آئیں۔ اُن کے میاں اُنھیں اسلام تلقین کر رہے ہیں۔ امید ہے وہ دن دور نہ ہوگا جبکہ وہ خاتون بمعہ تینوں بچوں کے مسلمان ہو جائے گی۔ اللہ تعالےٰ ان کو توفیق عطا کرے۔ بھائی ہرنام سنگھ صاحب کا اسلامی نام شیر خدا رکھا گیا۔

(۲) ایک انگریزی نژاد خاتون جو خوب لکھی پڑھی قابل اور مہذب جو کچھ عرصہ سے خود بخود اسلام قبول کر چکی تھیں ہماری جمعہ کی نمازوں میں شریک ہوئیں اور اُنھوں نے خود اطلاع دی کہ "میں کچھ عرصہ سے مسلمان ہوں۔ میرے اسلام قبول کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عیسائیت کے لاینحل مسائل کبھی میری سمجھ میں نہ آتے تھے کیونکہ وہ میری فطرت کے خلاف تھے مجھے جب اسلام کے مطالعہ کا موقعہ ملا تو میں نے اُسے انسانی فطرت کے مطابق پایا اور اُسی وقت سے اُسے اختیار کر لیا" فالحمد للہ رب العالمین۔ ایسے لوگ تو بے شمار یہاں موجود ہیں۔ اگر غفلت اور کاہلی ہے تو ہماری طرف سے ہے۔ ہمارے پاس آدمی نہیں ہمارے پاس کافی روپئے نہیں۔ اگر ہندوستان کے مسلمان اس وقت متفقہ کوشش کریں۔ تو تھوڑے عرصہ میں کثرت سے یہاں مسلمان نظر آنے لگیں و لیس ذالک علی اللہ بعزیز۔ (۳) ایک شخص مسٹر سمتھ صاحب کا تحریری اعلان افریقہ سے موصول ہوا اُنھوں نے لکھا ہے کہ میرا اسلامی نام ہارون رکھا جائے۔ خط و کتابت سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلص باہمت شخص ہے۔ تھوڑے عرصہ میں کافی تعداد اسلامی کتابوں کی خرید چکے ہیں۔ اور علاوہ ازیں اس فنڈ کی بھی امداد کی ہے۔ آئندہ بھی حسب توفیق مدد کرنے کے لیئے طیار ہیں۔ اللہ تعالےٰ اُنکے اخلاص کو قبول فرمائے۔ آمین ثم آمین اللھم زد فزد۔ ۷ رجون ۱۹۱۶ء ووکنگ

ایک خاتون کا مشرف باسلام ہونا

مس ٹنکلف صاحبہ جو سال سے زیادہ ہوا ووکنگ میں مقیم ہیں۔ قریباً چھ ماہ سے ہماری مسجد میں

تشریف لا رہی تھیں۔ اللہ تعالےٰ نے اُن کو فراست اور تجربہ سے کافی طور پر بہرہ اندوز کر رکھا ہے۔ دور دراز کے ملکوں کی سیاحت کیئے ہوئے ہیں۔ کم و بیش چالیس سال کی عمر رکھتی ہیں مذہب کی طرف بہت رُجحان ہے۔ خدا لگتی باتوں کی دلدادہ ہیں چند ہفتوں سے نماز میں شامل ہوتی تھیں پچھلے اتوار ان کو اللہ تعالےٰ نے اعلان کرنے کی توفیق دی۔ الحمد للہ رب العالمین۔ انھوں نے اپنی ایک تصویر دی ہے جو اس قابل ہے کہ اسلامک ریویو اور پرچہ اشاعت اسلام مجریہ لاہور میں شائع کر کے اپنے انگریزی اور ہندی بھائیوں تک پُہنچائی جائے۔ اس تصویر میں وہ ایک تمغہ پہنے ہوئے ہیں جو ابھی اُن کو جنگی خدمات کے صلہ میں عطا ہؤا ہے۔ ان کا اسلامی نام طاہرہ رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ اُن کو اسم بامسمیٰ بنائے۔ اور اُن کے لیئے اور ہم سب کے لیئے اُن کا داخل اسلام ہونا بابرکت ہو۔

۱۴۔ جون ۱۹۱۶ء

اسلام انگلستان میں کس طرح دلوں میں اپنا گھر بنا رہا ہے۔ اس امر سے ظاہر ہے کہ اس قلیل عرصہ میں بعض پُورے کے پُورے خاندان اس کے اندر داخل ہو گئے ہیں۔ انگلستان میں مذہبی آزادی کا یہ حال ہے کہ بسا اوقات یہاں کا ایک مذہب یعنی ایک فرقہ عیسویت سے تعلق ہے تو بی بی کا دوسرے سے۔ خاوند گرجا میں جاتا ہے تو بی بی نہیں جاتی۔ بی بی جاتی ہے تو خاوند نہیں جاتا۔ یا خاوند ایک گرجا کی راہ لیتا ہے تو بی بی دُوسرے کی لیکن اس میں شک نہیں کہ کسی خاندان کے اکیلے ممبر کو اسلام میں داخل ہونا ایسا آسان نہیں جیسا کسی دُوسرے فرقہ عیسائیت سے تعلق رکھنا۔ کیونکہ اسلام بالکل ایک نئی زندگی چاہتا ہے۔ اور عام طبائع میں اس کے خلاف تعصب بھی زیادہ ہے لیکن یہ کس قدر شکر کا مقام ہے کہ بعض سالم کے سالم خاندان حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ہیں اور اس طرح پر اُن کی زندگی بڑے امن اور راحت کی ہے۔ ایک دُوسرے سے کوئی تکلیف وہ الفاظ سننے نہیں پڑتے نہ کسی قسم کی کشمکش واقع ہوتی ہے۔ پھر بچے نہایت اطمینان سے اسلامی زندگی میں نشوونما پاتے ہیں اور اس طرح پر سالم گھرانوں کا اسلام کے اندر داخل ہونا ایک نہایت ہی مبارک فال اسلام کی آئندہ ترقیوں کی ہے۔

لیکن اس سے بھی بڑھ کر اسلام کی یہ کامیابی بتاتی ہے کہ جو نومسلم ہوتے ہیں وہ عموماً اپنے دِل کے اندر اسلام کی صداقت کا کیسا گہرا اثر رکھتے ہیں۔ کیونکہ سالم خاندان یکمرتبہ تو داخل اسلام

نہیں ہو جاتا۔ ایک شخص ایک گھر میں سے پہلے اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے باقی ممبران خاندان کو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی تعلیم کیسی پاک کیسی سادہ اور کیسی آسانی سے قابل عملدرآمد ہے۔ پھر اس شخص کی نیکی دوسروں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اور وہ باقی ممبران کے اسلام میں داخل ہونے کا موجب بن جاتا ہے۔ اس سے اگر ایک طرف اسلام کی تعلیم کا کمال نظر آتا ہے کہ کس طرح محض ایک نومسلم کی اچھی زندگی دوسروں کے لیئے کشش کا موجب بن جاتی ہے تو دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ نومسلم عموماً اسلام کے لیئے اپنے دلوں کے اندر درد اور محبت بھی رکھتے ہیں۔ اور ایک مسلم کا حقیقی فرض کہ جس خزانہ سے وہ خود متمتع ہوا ہے اُسے دوسروں تک بھی پہنچائے۔ بڑی خوبی سے ادا کرتے ہیں گویا ان نومسلموں کے اندر تبلیغ کی وہ روح پائی جاتی ہے جس سے صدیوں کے مسلمان بھی کثرت سے غافل نظر آتے ہیں بعض وقت گھر کی بی بی پہلے شہدائے اسلام ہو کر کسی مخالفت کی پروا نہ کرتے ہوئے داخل اسلام ہو جاتی ہیں تو آہستہ آہستہ اپنے خاوند کے لیئے موجب ہدایت بن جاتی ہیں۔ بعض وقت ایک نوجوان لڑکی اپنے ماں یا باپ یا بھائی کے لیئے موجب ہدایت بن جاتی ہے۔ ایک مذہب سے دوسرے مذہب کے اندر کسی کو داخل کر لینا بڑی ہمت اور بڑے عزم کا کام ہے۔ جہاں اور کسی قسم کا لالچ نہ ہو۔ پس ان بیبیوں کی ہمتیں نہایت ہی قابل تعریف ہیں جن کی وجہ سے ان کا سارے کا سارا خاندان داخل اسلام ہو گیا ہے۔ اور جیسا کہ کسی گذشتہ اشاعت میں نوٹ کرتے ہوئے ہم نے لکھا تھا بعض نومسلم خاتونیں اور مرد کئی کئی لوگوں کے اسلام میں لانے کا موجب ہوئے ہیں۔

کاش ان مثالوں سے ہمارے بھائی مسلمان سبق حاصل کریں۔ اگر ان میں اس قدر ہمت اور عزم نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو اسلام کے اندر داخل کر سکتے ہیں۔ تو کم از کم اس قدر احکام الٰہی کی عزت تو اپنے دلوں میں پیدا کریں کہ اپنے اپنے دائرہ اثر میں اپنے متعلقین کے لیئے نیک نمونہ بن کر اُنکو اسلام کی سچی تعلیم پر قائم کریں۔ بہت سے گھروں کے اندر شرک اور بدعت کی رسوم جاری ہیں۔ حالانکہ گھر کا سردار تعلیم یافتہ بھی ہوتا ہے۔ اگر وہ تھوڑی سی کوشش بھی کرے تو بڑی آسانی سے اپنے متعلقین کو غلط راہ سے بچا سکتا ہے۔ مگر اکثر حالات میں اپنے متعلقین کے اخلاقی اور دینی حالات کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ اور اُن کی جسمانی تربیت پر ہی سارا زور صرف کر دیا جاتا ہے

حالانکہ جسمانی تربیت تو دُوسرے حیوانات بھی خوب کرتے ہیں۔ انسان کو ان سے بڑھ کر کچھ اپنا نمونہ دکھانا چاہیئے۔ اور اپنے اپنے گھروں کے اندر قرآن کریم کی تعلیم کو رواج دینا چاہیئے ؞

ہر کام میں جب کامیابی کی علامتیں ظاہر ہوتی ہیں تو ایک گروہ حاسدین کا بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی لیئے قرآن کریم کی آخری دو سُورتوں میں سے سورہ فلق میں آخری آیت میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب ایک کام جس کو تم نے شروع کیا ہے۔ ابتدائی تاریکیوں کے مرحلہ سے نکل جائے اور دشمنوں کی رخنہ اندازیوں سے بھی بچ جائے تو پھر اس کے حاسد پیدا ہو جاتے ہیں۔ تم ان حاسدوں کے حسد سے بھی خدا کی پناہ مانگتے رہو۔ اللہ تعالےٰ کے فضل سے بلاد غربیہ میں تبلیغ اسلام کا کام اب اس مرحلہ پر پُہنچ گیا ہے کہ اُس کی کامیابی روز روشن کی طرح نظر آتی ہے۔ اور دشمنوں کی رخنہ اندازیاں بھی اُسکو کوئی نقصان نہیں پُہنچا سکیں۔ پس اب وُہ آخری مرتبہ اس کے سامنے ہے جس کی طرف من شر حاسد اذا حسد میں توجہ دلائی گئی ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ اس مرحلہ پر بھی اس کی اسی طرح دست گیری فرمائے گا جیسے پہلے دو مرحلوں پر فرمائی ہے اور اس نازک پودہ کی جڑوں اور شاخوں کو دور دور تک پھیلائے گا ؞

بعض لوگ ووکنگ کے نومسلموں کی نسبت بدظنیاں پھیلانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ کسی جماعت کا اندازہ اس کے ایک فرد کی حالت سے نہیں لگایا جاتا۔ اوّل تو اس میں کیا شبہ ہے۔ کہ نومسلموں سے ہم یہ توقع نہیں رکھ سکتے کہ وُہ پہلے دن اسلام میں داخل ہوتے ہی سب مراتب کو طے کر کے کمال تعلیم اسلامی پر جا پُہنچیں۔ دوسرے جہاں اب قریبًا دو سو کی تعداد تک نومسلم داخل ہو چکے ہیں تو ان سب پر محض ان میں سے ایک شخص کی حالت کو پیش کر کے فتوے لگا دینا خدا ترسی سے بُہت دُور ہے۔ ناظرین کے سامنے وقتًا فوقتًا ان نومسلموں کے کارنامے ان کے تبلیغی جوش۔ ان کے مضامین تائید اسلام میں۔ اسلام کے ساتھ ان کا عشق و محبّت کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں۔ اگر اتنے اچھّے نمونوں میں ایک شخص کا عقیدہ یا عمل قابل اعتراض بھی ہو تو اُس سے کچھ نتیجہ نہیں نکلتا۔ کس جماعت میں کمزور لوگ نہیں ہوتے ؞

شیرازۂ اسلام

(از پروفیسر لیون)

کسی مذہب کو لے لو جب اس کی بابت اس امر کی تحقیق کی طرف توجہ ہو گی کہ آیا وہ مذہب خدا کا فرستادہ مذہب ہے تو اُس کی بہت سی مختلف حیثیتوں کو مدِّ نظر رکھنا پڑے گا بعض خصوصیتیں تو ہر مذہب کا لازمہ ہیں مثلاً یہ کہ وہ قابل عملدرآمد ہو۔ معقول اور دیرپا ہو۔ لیکن ان کے علاوہ اسلام میں ایک خصوصیت ہے جو اسلام سے ہی مختص اور اسلام کی ذات سے ہی وابستہ ہے اور وہ اسلام کی وحدت اور اخوت ہے۔ اس خصوصیت کی اہمیّت کو ہیچ ثابت کرنے کے لئے اسلام کے بعض دشمنوں نے اکثر بے فائدہ سر پٹکا کیا۔ طرح طرح کی بے بُنیاد توجیہوں سے اس کو ایسے اسباب اور اثرات کی جانب منسُوب کیا جن کی کوئی حیثیت نہیں۔ لیکن یہ اسلام کا ایک ایسا بیّن اور امتیازی نشان ہے کہ اس پر پردہ ڈالنا کوشش بے سود اور اس کے چھپانے کی جدّوجہد لاحاصل ہے۔ یہاں تک کہ اسلام کے غالی دشمنوں کو بھی آخر اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ بانی اسلام صلعم سیاسی حیثیّت میں ایک نہایت ہی عظیم الشان انسان تھا۔ اور کہ اُس نے نہایت دُور اندیشی سے اپنے متبعین کو ایک ایسے شیرازہ میں باندھ رکھا ہے جو ہر دور زمانہ سے بے خطر ہے۔ اس شیرازہ کا ایک رشتہ وہ اسلامی اخوّت ہے جو مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ انّما المؤمنون اخوۃ کی پاکیزہ تعلیم اسلام نے پیش کی۔ اور یہ محض تعلیمی رنگ میں ہی نہیں۔ بلکہ اس کو ایسا عملی جامہ پہنایا گیا۔ کہ اس پاکیزہ اصول کی بناء پر امیر اور غریب شاہ و گدا محمود و ایاز میں ایک ایسی مساوات قائم کر دی گئی جس کا احساس ہر ایک مسلمان کے سینہ میں بھرا ہوا ہے۔ گورے کالے کی تفریق ہرگز اسلام نے کسی امتیاز کی بناء نہیں رکھی۔ چاہے ہندی ہو چاہے عربی النسل ہو۔ افریقہ کا حبشی ہو یا کہ یورپ کا گورا خون جُونہی کہ لا الٰہ الا اللہ کہکر مشرف باسلام ہوا۔ اپنے تمام امتیازات قومی سے نجات حاصل کر کے وہ اسلام کی وسیع اخوّت میں داخل ہو جاتا ہے ؛

مساجد اور معابد اسلامی کی سب سے بڑی خصوصیّت اس اصول کی پابندی سے وابستہ ہے یہی مقام ہیں جہاں شاہ و گدا کی جھُوٹی خصُوصیّت کا پردہ فاش ہو جاتا ہے مسجد کے دروازہ سے

باہر چاہے کوئی شاہ ہو یا امیر۔ بڑا ہو یا چھوٹا مسجد میں داخل ہوتے ہی وہ امتیاز ٹوٹ جاتا ہے اخوت اور مساوات کی ہموار سطح پر سب یکساں ہوجاتے ہیں۔ کندھے سے کندھا ملا کر وہ سب بلاتفریق و امتیاز اپنے اللہ کے سامنے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اس خصوصیت پر پابندی کیلئے خاص احکام دیئے گئے اور اُن پر روزمرّہ عملدرآمد ہوتا ہے۔

پھر اس اصول کے قیام کے لیئے روزانہ پنجوقت صلوٰۃ باالجماعت پر اکتفا نہیں کیا۔ حکم ہوُا کہ ہر جمعہ کو شہر کی جامع مسجد میں اجتماع ہو۔ اِس سے بڑھ کر عیدین کے اجتماع کی ایک اور صورت قائم کی اور پھر تمام دُنیا کے مُسلمانوں کو ایک جگہ جمع کرنے کی غرض سے حکم ہوُا کہ حج ہر ایک ذی حیثیت مسلمان پر جسے اور کوئی اہم اور جائز رُکاوٹ نہو فرض ہے۔ کیا اجتماع پر زور ہے اور اس اجتماع کی عملی صورت پیدا کرنے کی کیا ہی آسان تجویز ہے۔ حج کا اجتماع کتنا اہم اور نتیجہ خیز اجتماع ہے مختلف ممالک اور اقوام کے اجتماع سے جو عام تمدّنی فوائد اقوام کو ایک دُوسرے سے پُہنچتے ہیں۔ اگر اس کو نظر انداز بھی کر دیا جاوے۔ اور محض اس کے ان اثرات پر غور کیا جاوے جو مذہبی اصولوں پر ایسے اجتماع سے لازماً ہوتا ہے تو معلوم ہوگا کہ عقائد اور اصولوں کے قیام کے لیئے اس اجتماع سے بہتر اور کوئی صورت متصوّر نہیں ہوسکتی۔ اِس سے نہ صرف ان مفاسدی عقائد کا تنقیہ ہوتا ہے جو وقتاً فوقتاً صحیح عقائد کی تخریب کے لیئے مختلف راستوں سے داخل ہوجاتے ہیں۔ بلکہ ان عقائد اور اصُولوں کی ہمیشہ تجدید ہوتی ہے۔ اور اِس طرح اسلام ان خطرات سے مصؤن ہے جنھوں نے دُوسرے مذاہب کی بُنیادوں میں پانی کا کام کیا اور آخر کار مذہب کی عمارت کی تخریب اور انہدام باعث ہوئے۔

اس سے ہرگز یہ گمان نہیں کر لینا چاہیئے کہ اسلام میں آزادیٔ خیال کے لیئے کوئی گنجائش نہیں۔ بلکہ برخلاف اس کے اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس میں وسعت اور آزادی کی لیئے ایک وسیع میدان ہے۔ بُنیادی اصُولوں کو برقرار رکھنے کے بعد اسلام خود آزادی کا سبق دیتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ دائرۂ اسلام میں اصولاً وحدت مگر تفصیلات میں آزادی ہو لیکن ان دونوں حالتوں میں برادرانہ اور کریمانہ رنگ ہو۔ فقہا کے فروعی اختلاف سے بھی انکار نہیں۔ یہ بھی اسلام کا خاصہ اور اسلام میں رحمت کا ایک سبب ہے۔ لیکن اصولاً سب ایک۔ ایک ہی خدا۔ ایک ہی

رسول اور ایک ہی کتاب۔ وہی وحدت وہی اخوت اور وہی حبل اللہ ہے۔ جس کے اعتصام کا حکم سب پر یکساں جاری ہے۔

آزمائش

ابتلا یعنی آزمائش سے ہمیشہ انسان کو ایک گونہ دلچسپی رہی ہے۔ ایسے امتحانات میں کامیابی کے مضمون پر ہر ایک قوم کی تاریخ میں کچھ نہ کچھ ذکر پایا جاتا ہے۔ ابتلا انسان کے مخفی کمالات کو ظاہر کرتا ہے۔ بلکہ اس کے بغیر کسی انسان کی عظمت اور شان پر کوئی ظاہر دلیل ہی نہیں ہو سکتی یہاں تک کہ تواریخ نے جن عظیم الشّان انسانوں کے کمالات کا ہم پر انکشاف کیا ہے وہ تمام مصائب تکالیف اور دکھوں سے آزمائے گئے۔ اُنھوں نے بڑے بڑے مصائب دیکھے۔ اُن کا مقابلہ کیا اور بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کیں۔ اور اس طرح دُنیا کی تواریخ میں اپنا نام و نشان چھوڑ گئے۔ ان کی زندگیاں اوروں کے لیئے زندہ مثالیں بن گئیں جن کی پیروی سے بہتوں کا بھلا ہوُا۔ اکثروں کو نجات ملی۔ انجیل نے بھی اپنے پیروُان کی ہدایت کے لیئے ایک ایسی قسم کی آزمائش کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ شیطان کے یسوُع کو آزمانے کا ذیل کا واقعہ انجیل میں موجود ہے :-

تب یسوُع روح کے وسیلے۔ بیابان میں لایا گیا۔ تاکہ شیطان اُسے آزمائے۔ اور جب چالیس دن اور چالیس رات روزہ رکھ چکا آخر کو بھوکھا ہوُا۔ تب آزمائش کرنے والے نے اُس پاس آکے کہا۔ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو کہہ کہ یہ پتھّر روٹی بن جائیں۔ اُس نے جواب میں کہا۔ لکھا ہے کہ انسان صرف روٹی سے نہیں بلکہ ہر ایک بات سے جو خدا کے مُونھہ سے نکلتی جیتا ہے۔ تب شیطان اُسے مقدّس شہر میں اپنے ساتھ لے گیا۔ اور ہیکل کے کنگرے پر کھڑا کر کے اُس سے کہا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو اپنے تئیں نیچے گرا دے۔ کیونکہ لکھا ہے۔ کہ وہ تیرے لیئے اپنے فرشتوں کو فرمائے گا۔ اور وے تجھے ہاتھوں پر اُٹھا لیں گے۔ ایسا نہو کہ تیرے پاؤں کو پتھّر سے ٹھیس لگے۔ یسوُع نے اُس سے کہا یہ بھی لکھا ہے۔ کہ تو خداوند اپنے خدا کو مت آزما۔ پھر شیطان اُسے ایک بڑے اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دُنیا کی ساری بادشاہتیں

اور اُن کی شان و شوکت اُسے دکھائیں۔ اور اُس سے کہا۔ اگر تو گر کے مجھے سجدہ کرے تو یہ
سب کچھ تجھے دوں گا۔ تب یسوع نے اُسے کہا اے شیطان دُور ہو۔ کیونکہ لکھا ہے کہ تو خدا
وند اپنے خدا کو سجدہ کر اور اُس اکیلے کی بندگی کر۔"

اس ابتلا کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ لیکن چونکہ یہ ایک ایسی آزمائش تھی جو ایک
انسان کے تخیّل اور دماغی کیفیات کے علاوہ کوئی خارجی وجود نہیں رکھتی۔ اس لیے
زندگی کی حقیقی آزمائشوں پر نہ یہ کوئی روشنی ڈال سکتا ہے اور نہ کوئی اسوہ قائم کر سکتا
ہے۔ یہ ایک خیالی معاملہ تھا۔ اور خیالی کیفیات چاہے اپنے اندر ایک حقیقت کو لیے ہوئے
کیوں نہ ہوں خارجی زندگی میں اُن کی چنداں اہمیّت نہیں رہتی۔ لیکن ہمارے سامنے
ایک اور عظیم الشّان انسان کی زندگی کے زندہ اور سچّے واقعات ہیں۔ اس انسان کی
زندگی مختلف حیثیّتوں میں ہمارے پیش نظر ہے۔ اور ہر ایک حیثیّت میں یہ زندگی انسان
کے اصلی جوہر اور کمال کو احسن صورت میں ظاہر کرتی ہے۔ رسالت کے ابتدائی زمانہ میں قسم
قسم کی آزمائشیں ہوئیں۔ احتیاج غربت فاقہ کشی۔ جان کا خطرہ۔ رفقا کے دُکھ۔ غرض کونسی
جسمانی یا دماغی تکلیف نہیں ہے جو اُنھوں نے نہ دیکھی ہو۔ کون سی مصیبت ہے جس کا اُنکو
مختلف اوقات میں سامنا نہ کرنا پڑا۔ لیکن وہ جوش جو اس چھاتی میں بھرا ہوا تھا ٹھنڈا نہ ہوا۔
وہ تصمیم جو اس ارادہ میں تھی ذرا کمزور نہ ہوئی۔ وہ روشنی جس سے اُن کی زندگی منوّر تھی ذرا
مدّھم نہ پڑی۔ ہر ایک نئی مصیبت نے نئی رُوح پھونکی۔ ہر ایک نئے دکھ نے پوشیدہ کمالات کا
انکشاف کیا۔ وہ عزم و تصمیم جو اس کے ارادوں میں تھی اُس نے دشمنوں کے مُنہ سے تعریف
کے کلمات نکالے۔ آخر کار اُن کے ارادہ کے مقابلہ میں اپنی کمزوریوں کو مشاہدہ کر کے دشمنوں
نے مصالحت کا ارادہ کیا اور مداہنہ کی صورت قائم کرنے کی تجاویز میں لگ گئے۔ وہ قوم ان کی
امانت دیانت کی تو ہمیشہ سے قائل تھی ہی۔ لیکن چونکہ ان کے خیالات کا دائرہ محدود تھا۔
ان کی آنکھ دوربین نہ تھی۔ ان کی خواہشات خورد و نوش۔ زناشوئی کے دائرہ سے تجاوز نہیں
کرتی تھیں۔ اس لیے ان کے اخلاق رزائل کے سوا کسی اعلٰے نصب العین کو پیش نہ کر
سکتے تھے۔ اور اسی قسم کی تحریصات اور مرغوبات کو اُنھوں نے اس حق کے شیدائی کے سامنے

پیش کرنے کی غرض سے اکابر قوم کا ایک وفد بنایا عتبہ کو ان کا سرکردہ ٹھیرایا۔ آنجناب خانہ کعبہ میں بیٹھے تھے کہ یہ لوگ ان کی خدمت میں پہنچے۔ عتبہ نے جن الفاظ میں ان مرغوبات کو اُنکے سامنے پیش کیا۔ اس کا خلاصہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ دلچسپی سے خالی نہیں "ہم آپ کے پاس اس غرض سے آتے ہیں کہ ہم اپنے اور آپ کے درمیان امن قایم کریں۔ ہم آپ کے جلالہ کی اعزاز سے واقف ہیں۔ آپ خود ہم میں امین۔ دیانتدار اور بہت مشہور ہیں۔ آپ کے ذریعہ ہم لیا اوقات کشت وخون اور جنگ وجدال سے بچے۔ ہم آپ کے سامنے مصالحت کی ایک صورت پیش کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر آپ کو دولت کی خواہش ہو تو ہم اپنا تمام اموال آپ حوالہ کر دینگے اگر کسی عورت کی خواہش ہو تو اہل عرب میں جو لڑکی پسند خاطر ہو آپ کے نکاح میں دے دینگے اگر امارت چاہیے تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیں گے۔ لیکن اس شرط پر کہ آپ ہمارے بتوں کی توہین چھوڑ دیں۔ کیا آزمائش تھی؟ کیا مرغوبات تھے؟ کیا زندگی کا سبز باغ پیش نظر تھا؟ اور یہ سب خیال نہیں بلکہ حقیقت۔ تمام مصائب کا یک قلم خاتمہ ہو جاتا۔ تمام دکھ کافور ہو جاتے آرام سے زندگی گذرتی۔ لیکن اس سچائی کی شمع ہمیشہ کے لیئے گُل ہو جاتی جو دُنیا کی ہدایت کرنے والی تھی۔ اس سچائی کا خون ہو جاتا۔ جس کی اشاعت ان کی زندگی کا مشن تھا۔ ایک طرف یہ ظلمت دکھائی دیتی تھی۔ دوسری طرف اہل وفد سے انکار کی صورت میں جو کچھ ظہور پذیر ہونا تھا اس کا نقشہ اُن کی آنکھوں کے سامنے پھر رہا تھا۔ اس نازک حالت میں آپ کیا جواب دیتے ہیں ذرا تامّل نہیں۔ کچھ تشویش نہیں۔ کچھ خوف نہیں۔ فوراً قرآن کی آیات پڑھ کر سُنا دیں جن کا ترجمہ ذیل میں دیا جاتا ہے:-

"جن لوگوں نے دین حق کو نہ مانا اور اللہ کے راستہ سے لوگوں کو روکا۔ خدا نے اُن کے اعمال رائگاں کردیئے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور اس سچائی کو قبول کیا جو محمدؐ پر اتری۔ ان کے گناہوں کو ڈھانپ دیا گیا اور دین و دُنیا میں ان کی اصلاح کردی۔ یہ اس لیئے کہ کافروں نے باطل کی اور مومنوں نے حق کی پیروی کی۔ اس طرح اللہ تعالےٰ تمثیلی رنگ میں اپنی سچائیوں کا اظہار کرتا ہے"۔

یہ آیات اُن کے سامنے پڑھ کر آنحضرت نے فرمایا۔ یہ دو راستے آپ کے سامنے ہیں۔ آپ انہیں سے

جو چاہیں انتخاب کریں یہی میرا جواب ہے۔ یہ ایک ابتلا تھا۔ اس کے نتائج کی اہمیت سے کس کو انکار ہے۔ پھر کیا ہی عظیم الشان ہے وہ انسان جو اس امتحان میں کامیاب ہوا۔ کیا ہی اعلیٰ نمونہ قائم کیا۔ اللھم صل علیہ و آلہ

پروفیسر ہیکل اور اسلام

(از قنت روائی)

اس زمانہ کے ماہران سائنس میں ہیکل کی شخصیت سب سے بڑھکر ممتاز ہے۔ اس کی ذہانت ہر پہلو میں اپنا کام کرتی ہے اور سائنس کی بہت سی شاخوں میں وہ مسلم طور پر ماہر ہے۔ وہ گویا ایک دیو ہے جس کے ہزاروں سر ہیں۔ وہ اپنے آپ کو اول درجہ کا میٹریلسٹ کہتا ہے اس کا مذہب مونزم ہے (یعنی یہ کہ یہ کل عالم سب ایک ہی ہستی ہے) باقی سب مذاہب کی اس نے زور سے اور عام طور سے تردید کی ہے۔ اسلام کے متعلق اس نے اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

"اسلام یا محمدی توحید۔ توحید کی سب سے آخری اور سب سے پاکیزہ صورت ہے۔ جب نوجوان حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے ہموطن عربوں کی بت پرستی اور مشرکانہ رسوم سے اپنے اندر تنفر پایا اور انھیں عیسائیوں کے حالات کا علم ہوا تو انھوں نے اس کے بڑے بڑے اصول کو عام طور پر مان لیا۔ مگر مسیح میں ان کو ایک نبی سے بڑھ کر کچھ نظر نہ آیا۔ جیسے کہ موسیٰ بھی ایک نبی ہی تھے تثلیث کے عقیدہ میں ان کو وہی کچھ معلوم ہوا جو ہر ایک آزاد خیال کو منصفانہ نگہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے یعنی یہ کہ یہ ایک بیہودہ قصہ ہے جس کو نہ ہی عقل کے ابتدائی اصول تسلیم کر سکتے ہیں اور نہ ہی یہ ہماری مذہبی ترقی میں کچھ کام دے سکتا ہے۔ وہ ٹھیک طور پر یہ سمجھ گئے کہ خدا کی ماں کی پرستش خالص بت پرستی ہے۔ ایسے ہی جیسے تصویروں یا مجسموں کی حد سے بڑھی ہوئی عزت۔ جتنا زیادہ انھوں نے اس پر غور کیا۔ اور جس قدر زیادہ انھوں نے ذات باری کے متعلق ایک پاک خیال کی طرف جد و جہد کی اسی قدر زیادہ صفائی سے ان کو لا الہ الا اللہ کا یقین حاصل ہوتا چلا گیا یعنی یہ کہ ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں"

"مگر حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) خدا کے متعلق اپنے آپ کو اس قسم کے خیال سے آزاد نہ

کر سکے جس کے اندر انسانی صفات پائی جاتی ہوں۔ اُن کے نزدیک خدا بے شک اعلےٰ صفات اپنے اندر رکھنے والا۔ مگر ایک طرف موسیٰ کے خدا کی طرح خشمناک اور غضبناک۔ اور دوسری طرف مسیح کے خدا کی طرح محبت اور رحم کرنے والا پایا جاتا ہے۔ تاہم ہمیں یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ مذہب اسلام نے اپنی ساری تاریخی ترقی میں پاک توحید کے اصلی جوہر کو موسوی اور عیسائی مذاہب سے بہت بڑھ کر کمال کے ساتھ محفوظ رکھا ہے۔ ہم آج اس بات کو اس کے خارجی حالات میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ جیسے اُن کی نماز اور وعظ میں اور ان کی مساجد کی تعمیر اور آرائش میں جب میں نے پہلے پہل ۱۸۷۳ء میں مشرق کو دیکھا۔ اور قاہرہ، سمرنا، بروسا اور قسطنطنیہ کی عالی شان مساجد کو دیکھا تو ان مساجد کے اندر کی سادہ اور پُر مذاق آرائش اور باہر کے بلند اور خوبصورت تعمیر نے میرے دل میں ایک سچا جذبۂ محبت پیدا کر دیا۔ یہ مساجد کیسی پُر شوکت اور کیسی بلند خیالی پیدا کرنے والی ہیں۔ بمقابلہ اکثر کیتھولک گرجاؤں کے جو اندر سے بھڑکدار تصاویر اور ملمع سازی سے پُر ہوتے ہیں۔ اور باہر سے بہت سی انسانی اور حیوانی شکلوں سے بدنما کر دیے جاتے ہیں۔ ایسا ہی قرآن کی سکھائی ہوئی طرز پر خاموش دُعائیں اور سادہ افعال عبادت بہت ہی ارفع اور اعلےٰ ہیں۔ جب ان کا مقابلہ کیتھولک عبادتوں کی بیہودہ لفاظی اور تھیئیٹر کے رنگ کے باجوں والے جلوس کے ساتھ کیا جاتا ہے“۔

تمام وہ لوگ جنھوں نے ہکسل کی توجّہ سے مطالعہ کیا ہے۔ اور جو اسلام کو جیسا کہ سمجھنے کا حق ہے سمجھتے ہیں جانتے ہیں کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہکسل بجائے مونسٹ کہلانے کے مسلم کیوں نہیں کہلاتا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کو یہ معلوم نہیں کہ اسلام درحقیقت کیا ہے۔ اس کو یہ خیال ہے کہ اسلام ایسے خدا کو پیش کرتا ہے جو انسانی صفات سے متصف ہے۔ حالانکہ یہ اسلام کی تعلیم ہرگز نہیں۔ اللہ تعالےٰ کی صفات میں قرآن کریم فرماتا ہے لیس کمثلہ شیٔ۔ اس کی مثل کی طرح بھی کوئی چیز نہیں پھر خود جو نام خدا کا قرآن میں یا زبان عربی میں پایا جاتا ہے وُہ ایک ایسا نام ہے کہ سوائے ایک خدائے واحد کی ذات کے دوسری کسی چیز پر نہیں بولا جاتا۔ یعنی اللہ جو کہ اُس کا اصلی نام ہے پھر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اس کا کوئی کفو نہیں کوئی شریک نہیں۔ کوئی ایسی ہستی نہیں جس کا مرتبہ اس کے برابر قرار دیا جا سکے۔ اس کے جیسے کوئی ہمسر نہیں۔ اس کی ذات میں کوئی شریک نہیں کوئی اس کے برابر کا نہیں ؛

یہ کہنا کہ اسلام کا خدا انسانی صفات سے متصف ہے۔ اسلام کے ابتدائی اصولوں سے ناواقفیت کا اظہار کرنا ہے۔ لوگوں کے دلوں میں یہ خیال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اُن کو یہ بتایا جاتا ہے کہ خدا سننے والا۔ جاننے والا محبت کرنے والا قادر مطلق رحمان رحیم اور آخر سزا دینے والا اور عقاب تیچھے لانے والا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلام گویا ایک بڑے صاحب طاقت انسان کو خدا بناتا ہے۔ یا یہ کہ اس نے یہودیوں کے غضبناک اور کینہ پرور خدا کے خیال اور عیسائیوں کے محبت کرنیوالے خدا کے خیال کو ملا کر گڑ بڑ کر دیا ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ کبھی اسلام نے کسی طاقتور انسان کو خدا نہیں مانا۔ اور اللہ تعالےٰ کی ذات وصفات کے متعلق جو خیالات یہودیوں یا عیسائیوں میں پائے جاتے تھے۔ ان پر بہت کچھ ترقی اسلام نے کی ہے۔ جب قرآن فرماتا ہے کہ للہ الاسماء الحسنیٰ یعنی خدا کے اسمائے حسنیٰ ہیں یا اُس کے اندر اعلیٰ درجہ کی کُل صفات پائی جاتی ہیں اور وہ ہر قسم کے نقصوں اور عیبوں سے پاک ہے۔ جیسا کہ اس کی تسبیح میں صاف یہ بتا دیا تو ان اوصاف یا نقصوں کا مقابلہ کبھی انسان یا کسی دُوسری مخلوق کے ساتھ وہ ہرگز نہیں کرتا۔

صدیاں گذریں۔ جب امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ "اللہ اکبر کے متعلق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا مخلوق سے بڑا ہے۔ کیونکہ مخلوق اس کی قدرت کا ظہور ہے جیسے روشنی سورج کا ظہور ہے۔ اور یہ کہنا درست نہیں کہ سُورج اپنی روشنی سے بڑا ہے۔ بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالےٰ کی عظمت اور کبریائی ہمارے احاطۂ علم و قدرت سے بڑھ کر ہے اور کہ ہم کو اُس کی کمال عظمت و کمال کبریائی کا صرف ایک دُھندلا سا علم ہے۔ اگر ایک بچہ ہم سے یہ دریافت کرے کہ ہم اس کے سامنے اس خوشی کو بیان کریں جو تخت حکومت پر متمکن ہونے سے حاصل ہوتی ہے تو ہم اس کو یوں سمجھائیں گے کہ یہ ایسی ہی خوشی ہے جیسے اسے گیند بلا کھیلنے میں حاصل ہوتی ہے۔ حالانکہ دونوں خوشیوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور صرف یہی اشتراک ان دونوں میں ہے کہ دونوں پر خوشی کا نام صادق آتا ہے۔ پس اللہ اکبر کے یہ معنے ہیں کہ اس کی کبریائی ہماری صفات مدرکہ سے بہت بالا تر ہے"

انسان کے پاس اظہار خیالات کے بہت محدود ذرائع ہیں۔ اس لیئے خدا کی صفات کا اظہار اُس کے سامنے انہی الفاظ میں کیا جاسکتا ہے یا وہ خود انہی الفاظ میں کر سکتا ہے جن الفاظ میں اپنی

بلکہ اپنے سے بھی نیچے درجہ کی مخلوق کی صفات کا۔ پس ہم یوں کہتے ہیں کہ خدا بھی سنتا ہے جانتا ہے محبت کرتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز ہمارے ذہن میں نہیں ہوتا کہ اس کے بھی ہمارے کانوں کی طرح کان ہیں یا ہمارے دل کی طرح دل ہے۔ ہم صرف وہ اعلےٰ سے اعلےٰ صفات جو ہمارے واہمہ میں آسکتی ہیں اُس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور ہم اپنے اُس خیال کا اظہار عمدہ سے عمدہ الفاظ میں جو ہمیں میسر آسکتے ہیں کرتے ہیں۔ ہاں یہودیوں اور عیسائیوں کا خدا بیشک خاص اشخاص یا اقوام کا خدا ہے۔ مگر اسلام کا خدا سارے عالم کا خدا ہے اس کو ہم رُوح کہیں تو بھی یہ ایک مجازی ہے۔ خدا کی ذات اور صفات کا خیال اسلام میں ایسا اعلےٰ ہے۔ ایسا انسان سے برتر اور اس قدر غیر محدود کہ مشہور فلسفی تاریخ نویس گبن کو اس کے عقلی ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے یہ کہنا پڑا کہ ہمارے موجودہ قوےٰ کے ادراک سے بہت بلند تر یہ خیال ہے چنانچہ ہم نیچے ایک سالم پیراگراف کا ترجمہ دیتے ہیں جو اس پر گبن نے لکھا ہے۔

"محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا مذہب ہر ایک قسم کے شکوک اور مبہم امور سے پاک ہے۔ اور قرآن خدا کی توحید پر ایک شاندار شہادت ہے۔ نبی عربی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے بتوں اور انسانوں کی۔ ستاروں اور سیاروں کی پرستش کو اس عقلی اصول پر رد کیا کہ جو چیز طلوع ہوتی ہے وہ غروب بھی ہوگی۔ جو پیدا ہوتا ہے وہ مرے گا اور جو چیز معرض زوال میں ہے وہ آخر فنا ہو جائے گی۔ اس عالم کے موجد اور بنانے والے کا عاقلانہ محبت اور جوش سے آپ نے اعتراف کیا۔ اور ایک غیر محدود اور ہمیشہ رہنے والی ہستی کی آپ عبادت کرتے تھے جس کی نہ کوئی شکل ہے نہ اس کے لیئے کوئی مکان ہے جس کی اولاد نہیں نہ اس کا کوئی شبیہہ ہے۔ جو ہمارے خفیہ سے خفیہ خیالات پر بھی مطلع ہے۔ جو واجب الوجود ہے اور جس سے تمام اخلاقی اور ذہنی کمالات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ اعلےٰ درجہ کی صداقتیں جن کو اس قسم کے الفاظ میں پیغمبر (صلے اللہ علیہ وسلم) نے بیان کیا۔ آپ کے پیرو مضبوطی سے اُن پر قائم ہیں۔ اور قرآن کے مفسروں نے بڑی صفائی کے ساتھ ان سب باتوں کو بیان کیا ہے۔ ایک فلسفی خدا پرست آسانی سے مسلمانوں کے اس مذہب کا اقرار کر سکتا ہے ہاں یہ مذہب شاید ہمارے موجودہ قوےٰ کے لحاظ سے بہت ارفع ہے۔ خیال اور وہم کے لیئے بلکہ سمجھ کے لیئے بھی کونسا مدعا باقی رہ جاتا ہے۔ جب ہم اس غیر معلوم ہستی سے زمانہ اور مکان

حرکت اور مادہ احساس اور تدبّر کے تمام خیالات کو الگ کر دیں؟ عقل اور وحی کے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے آواز نے مُہر صداقت لگادی)۔ اس کے پیرو ہندوستان ۔۔۔ مراکو تک موحد کے نام سے مشہور ہیں اور بُت پرستی کا خطرہ بتوں کے بنانے سے روک دینے سے جاتا رہا ہے "

اس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ یہ دکھایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی ذات وصفات کا خیال جو اسلام میں ہے وہ جدید ترین علمی خیالات سے مطابقت رکھتا ہے ہیگل کا مونزم تھوڑی اور ترمیم اور ترقی کے ساتھ جس کو ہیگل خود بھی اسلام کے اصل منشا اور حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد قبول کرنے سے انکار نہیں کرے گا۔ بالخصوص اس کے صوفیانہ پہلو کو وحدت الوجود سے ملتا جُلتا ہوگا۔ اس مضمون پر میں پھر کبھی لکھوں گا +

اسلام میں مرد اور عورت کی حیثیت کا مقابلہ

(از قلم حضور والیہ بھوپال)

تمدّنی زندگی کی بُنیاد اللہ تعالےٰ نے مرد اور عورت کے اجتماع پر اور ان کے ایک دوسرے کے ساتھ گہرے تعلقات پر رکھی ہے۔ اس کا آغاز پہلے مرد اور پہلی عورت کے ہبوط کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جب تک ایک جوڑا بھی نسل انسانی کا اس زمین پر باقی ہے اس وقت تک اس کا بقا رہے گا۔ اس لیئے یہ ضروری ہوا کہ کچھ اصول اور قواعد ایسے مقرر کیئے جائیں جن کے ساتھ اُنکے تمدّنی تعلقات کو منضبط اور ان کے اتحاد کے وسائل کو مضبوط کیا جائے۔ یہ اصول اور قوانین اللہ تعالےٰ نے اپنے پاک کلام قرآن کریم میں ہمارے لیئے بیان فرمائے ہیں اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنن اور احادیث میں ان کی وضاحت کر دی ہے۔ مگر قبل اس کے کہ تمدّنی زندگی کے قواعد کے متعلق کچھ لکھا جائے۔ یہ ضروری ہے کہ ہم صفائی سے بیان کر دیں کہ ہمارے مذہب نے اپنے قوانین میں مرد اور عورت کی جداگانہ کیا حیثیت قرار دی ہے۔ اس پہلو پر غور

کرنے سے معلوم ہوگا کہ اسلام مرد اور عورت کے درمیان کوئی امتیاز قائم نہیں کرتا سوائے اسکے جس کا مقتضیٰ ان کی فطری بناوٹ کا اختلاف ہے اور وہ بھی اس لیئے نہیں کہ عورت کی حیثیت کو کم کیا جائے قرآن کریم نے ایک موقعہ پر ہر ترک شر اور کسب خیر کے فعل میں مردوں اور عورتوں کا ذکر پہلو بہ پہلو رکھ کر کیا ہے اور اس طرح یہ بتادیا ہے کہ خدا کے ہاں مرد اور عورت کا فرق ترک شر اور کسب خیر میں کوئی فرق نہیں رکھتا۔ یہ آیت سورہ احزاب میں ہے جہاں فرماتا ہے (آیت ۳۵)

ان المسلمین والمسلمٰت والمؤمنین والمؤمنٰت والقٰنتین والقٰنتٰت والصٰدقین والصٰدقٰت والصٰبرین والصٰبرات والخٰشعین والخٰشعٰت والمتصدقین والمتصدقٰت والصائمین والصٰئمٰت والحٰفظین فروجہم والحٰفظٰت والذاکرین اللّٰہ کثیرا والذاکرات اعد اللّٰہ لہم مغفرۃ واجرا عظیما ۝

ترجمہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں۔ ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں۔ صادق مرد اور صادق عورتیں۔ صابر مرد اور صابر عورتیں۔ عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں۔ صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں۔ روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں عصمت کی حفاظت کرنے والے مرد اور عصمت کی حفاظت کرنے والی عورتیں۔ اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور اللہ کو بہت یاد کرنے والی عورتیں۔ اُن کے لیئے اللہ تعالےٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کیا ہے ؁

کمزور جنس کے لیئے یہ کیسی عظیم الشان خوشخبری ہے۔ مذہبی اور اخلاقی امور میں اس نے مرد اور عورت کے درمیان کمال درجہ کی مساوات قائم کردی ہے قرآن کریم کے نزول سے پہلے عورت اس قابل بھی نہ سمجھی گئی تھی۔ کہ وہ قرب الٰہی کے میدان میں قدم رکھ سکے۔ اور پاکیزگی اور طہارت کے اعلےٰ منازل کو طے کرسکے جو صرف مردوں کے لیئے ہی مخصوص سمجھی گئی تھیں۔ جاپان نے ایّام قدیم میں اپنی مذہبی درسگاہوں کے دروازے عورتوں پر بند کر رکھے تھے چین میں اس بات کو گوارا نہ کیا جاتا تھا۔ کہ مردوں کے ساتھ مذہبی عبادات میں عورتیں بھی حصہ لے سکیں ہندوستان کے وہ بت جن میں خدا کا حلول سمجھا جاتا تھا۔ اگر ان کو عورت اتفاق سے چھو جائے تو بعض شاستروں کے مطابق اُن کی خدائی بھی جاتی رہتی تھی۔ بائبل شہادت دیتی ہے کہ

حضرت سلیمان علیہ السّلام نے بھی اپنی ملکہ کو ہیکل کی مقدّس حدود کے اندر داخل ہونیکی اجازت نہ دی۔ ایّام وسطیٰ کے کلیسیا نے تو عورت کی ذلّت کو انتہا تک پُہنچا دیا جب غلط مذہبی خیالات کے ماتحت ہر قسم کے بدترین الزامات اس کے سر پر تھوپے جانے لگے۔ مگر وقت پر اسلام عورت کو اس مصیبت اور ذلّت سے چھُڑانے کے لئے رحمت کا فرشتہ بن کر پُہنچ گیا۔ اور اس کے لیئے بے نظیر برکات کا موجب ہُوا۔ مگر جیسا کہ مینے پہلے کہا ہے۔ اسلام کے متعلّق خطرناک غلط بیانیاں کی گئیں اور غلط فہمیاں پھیلائی گئیں۔ یہاں تک کہ یہ خیال پیدا ہو گیا کہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب نے عورت کو اور بھی نیچے گرا دیا ہے۔ میں یہ کہنے پر مجبُور ہوں کہ یہ اسلام پر ایک خطرناک بُہتان تھا۔ اور ہے۔ اس بُہتان کے باندھنے والے یا تو یہ نہیں جانتے کہ رُوح کیا چیز ہے یا اُنھوں نے ہمارے ان اخلاق فاضلہ کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ جن کی اگر مناسب طریق پر پرداخت کی جائے۔ تو وہ ہماری رُوحانیت کو مضبُوط کرتے اور رُوح انسانی کو بلند سے بلند پرواز کے قابل بناتے ہیں۔ لکھا ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السّلام سے آپ کے شاگردوں نے دریافت کیا کہ وہ بڑے بڑے عجائبات کس طرح دکھا سکتے ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ یہ قسم سوائے نماز اور روزہ کے نہیں نکل سکتی۔ جس سے معلوم ہُوا کہ نماز اور روزہ سے ہی انسان اعلےٰ ترقیات حاصل کرتا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے نماز اور روزہ کی حد تک اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ہماری رُوحانیت کی تکمیل کے لیئے کچھ اور اخلاق فاضلہ ساتھ بڑھا دیئے ہیں جو مندرجہ بالا آیت کی رو سے مرد اور عورت دونوں یکساں طور پر حاصل کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ منقولہ بالا آیت میں صفائی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ آیت (اور خدا کی پاک کتاب میں اس قسم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں) ان لوگوں کو جھُٹلانے کے لیئے کافی ہے۔ جنھوں نے مغرب میں یہ خیال پھیلا رکھا ہے۔ کہ اسلام عورت میں رُوح ہونے سے انکار کرتا ہے۔

غرض ساری اسلامی تعلیم میں یہ میلان صاف نظر آتا ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان مساوات قایم کی جائے۔ ہاں دونوں جنسوں میں اگر فرق کیا گیا ہے تو صرف یہ کہ اپنی بناوٹ کی رُو سے ان کے فرائض الگ الگ ہیں۔ اور قدرت کا تقاضا یہ ہے کہ وُہ اپنے فرائض کو الگ الگ پُورا کریں۔ نسل انسانی کی ترقی کے لیئے اُن کو علیحدہ علیحدہ فرائض انجام دینے ضروری ہیں اور

اس لیئے ان فرائض کی ادائگی کے لیئے انھیں سامان بھی الگ الگ دیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ لازمی تھا کہ ان کی بناوٹ میں معتدبہ اختلاف ہوتا اور اس کا اثر بعض اخلاقی اوصاف پر بھی ضروری تھا[۳] کہ ان کے اخلاق میں نرم دلی اور رحم کا پہلو بہت غالب ہو۔ مگر اسی وجہ سے ان اخلاق کا مالک اس قابل بھی نہیں کہ عام طور پر زندگی کے خطرناک مصائب اور شدائد کے مقابلہ میں مضبوطی کے ساتھ قائم رہ سکے پس اگر اندرون خانہ کے فرائض کی تکمیل عورت کے سپرد کی گئی تو زمانہ کی شدائد کا مقابلہ مرد کے سامنے رکھا گیا۔ اسی لیئے یہ بھی ضروری ہوا کہ امن اور حفاظت مال و جان کا کام بھی مضبوط جنس کے سپرد کیا جائے اور اس طرح پر مرد کو عورت پر ایک فوقیت مل گئی۔ مرد کی یہ خصوصیت نسل انسانی کی ترقی کے سامانوں کے قائم رکھنے کا لازمی نتیجہ تھی۔ کیونکہ اگر یہ فرق قائم نہ کیا جاتا تو نسل انسانی کی ترقی اور حفاظت کا کوئی انتظام نہ ہوتا ورنہ یوں مرد اور عورت ہر رنگ میں یکساں پیدا کیئے گئے اور اس لیئے ان میں مساوات بھی ہر رنگ کی پائی جاتی ہے۔ قرآن کریم نے اس مسئلہ کو بڑی خوبی سے حل کیا ہے۔ جہاں فرمایا ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجۃ عورتوں کے لیئے حقوق ہیں مثل ان کے جو ان عورتوں کے اوپر ہیں اور مردوں کو ان کے اوپر ایک مرتبہ دیا گیا ہے (البقرہ۔ ۲۲۸) یہ درجہ کی فوقیت جسکا اس ایت میں ذکر ہی کیا ہے۔ یہ بھی قرآن کریم نے خود ہی ہمیں بتا دیا ہے۔ الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض و بما انفقوا من اموالھم۔ مرد عورتوں کے متکفل ہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ اور اسلیئے کہ وہ اپنے مالوں میں سے خرچ کرتے ہیں (النساء۔ ۳۴)

[۳] چھوٹے بچوں کی تربیت کے لیئے یہ ضروری تھا

اسلام اور شرک

(از ڈوڈلے رابٹ)

مسلمان کیوں عقیدۂ تثلیث کو نفرت کی نگہ سے دیکھتے ہیں؟ اوّل اس لیئے کہ اُس کی بُنیاد کسی الہامی کتاب پر نہیں اور دوسرے اس لیئے کہ یہ عقل کے خلاف ہے۔ عیسائی عقیدہ کے حامیوں کے لیئے بُہت ہی مشکل کا سامنا ہو۔ اگر ان کی زندگی صرف اسی بات سے وابستہ ہو کہ پُرانے یا نئے عہدنامہ میں کوئی ایک ہی فقرہ ایسا نکال دیں جس میں صراحت کے ساتھ مسیح کے خدائی کے عقیدہ یا خدائی میں تثلیث کے عقیدہ کی تائید ہو۔

عیسائیت کے شروع شروع میں اس عقیدہ کی تعلیم کبھی نہیں دی گئی جسٹن مارٹر جسکی تصانیف کا زمانہ دوسری صدی کا آغاز ہے۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے خدائی مسیح کی طرف منسوب کی اور یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ عیسائی ہونے سے پہلے وہ ایک فلسفی تھا۔ اور تبدیل مذہب نے فلسفہ کا رنگ اس کی طبیعت سے دور نہیں کردیا تھا۔ وہ جہاں یسوع کو خدا کا بیٹا کہتا ہے ساتھ ہی اس کے اُس کا عذر بھی ان الفاظ میں پیش کرتا ہے کہ "یہ عقیدہ ان لوگوں کے لیئے نیا نہیں جو اعتقاد رکھتے ہیں کہ جیُپٹر یعنی سب دیوتاؤں کا سردار بیٹے رکھتا ہے۔ اور پھر کہتا ہے " اگر مسیح محض انسان بھی ہو تو بھی وہ اپنی دانائی کی وجہ سے اس بات کا مستحق ہے کہ اُسے خدا کا بیٹا کہا جائے اور غیر عیسائی اقوام خدا کو دیوتاؤں اور انسانوں کا باپ سمجھتی ہیں اور اگر وہ غیر معمولی طور پر خدا کا کلام ہے تو اس قول کا ان لوگوں کے ساتھ اشتراک ہے جو مشتری کو کلام سمجھتے ہیں جو خدا کی مرضی کا اظہار کرتا ہے"۔

مگر تثلیث کا عقیدہ باقاعدہ طور پر اس وقت مشتہر کیا گیا جب ۳۲۵ء عیسوی میں نائس کی کونسل منعقد ہوئی اور اس کونسل کے انعقاد اور اس کے فیصلہ کے اعلان کے بعد بھی ہلری نے بارہ کتابیں تثلیث کے عقیدہ پر لکھیں جن میں اُس نے یہ ثابت کیا کہ خدا باپ بیٹا قائم بالذات اور لفظ کے حقیقی معنوں میں سچا خدا تھا۔ بلکہ نائس کی کونسل میں بھی وہ دعوے نہیں کیا گیا۔ جواب کیا جاتا ہے کہ تثلیث کا ہر ایک اقنوم یکساں طور پر ازلی اور غیر مخلوق ہے

خود لفظ ٹرینٹی (تثلیث) بہت پیچھے استعمال ہوا ہے جس کو پہلے پہل سکندریہ کے رہنے والے کلیمنٹ نے استعمال کیا ہے۔ اور وہ بھی اپنی بہت ساری تحریروں میں صرف ایک دفعہ خدائی کے اقانیم کی تثلیث کو ظاہر کرنے کے لیئے نہیں بلکہ ایمان امید اور فیاضی کے برکات ثلاثہ کے اظہار کے لیئے ۳۸۱ء میں کلسیڈن کی کونسل میں عقیدۂ تثلیث نے قریبًا قریبًا اپنی موجودہ صورت اختیار کی۔ مگر اس وقت بھی کلیسیا کے ایک سے زیادہ فرقوں نے اس کی سخت مخالفت کی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت بُت پرستی اور شرک کا مسیحی کلیسیا کے سارے فرقوں اور عرب کے اندر خوب زور و شور تھا۔ عرب کے لوگ اللہ تعالےٰ کے سب سے اُوپر ہونے کے قائل تھے۔ مگر پھر بھی لکڑی اور پتھر کے بتوں کی پُوجا کرتے تھے۔ بلکہ انسانی قربانی کی خوفناک رسم بھی جاری تھی۔ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے والد اس قربانگاہ کی نذر کیئے گئے تھے۔ اور ایک سو اُونٹوں کا فدیہ دے کر اُن کی رہائی ہوئی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب نے کعبہ کے بتوں کے سامنے یہ قسم کھائی تھی (کیونکہ اس وقت کعبہ خدا کی توحید کا نشان ہونے کی بجائے بُت پرستی کا مرکز بنا ہُوا تھا) کہ اگر وہ دس بیٹوں کا باپ ہو جائے تو وہ اُن میں سے ایک کو قربانی پر چڑھا کر اظہار شکریہ کرے گا۔ آخر کار یہ عدد جس کے ساتھ ایک انسانی جان کی ہلاکت وابستہ تھی پورا ہو گیا۔ اور دسواں یعنی سب سے چھوٹا عبداللہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا والد تھا جس کے ساتھ اس کے باپ کو سب سے بڑھ کر محبت بھی تھی۔ نذر کے پورا کرنے میں کچھ توقف کیا گیا۔ مگر اس کا پورا کرنا ضروری تھا۔ کیونکہ دیوتاؤں کے سامنے جو قسم اُٹھائی جائے اسکی خلاف ورزی نہ ہو سکتی تھی۔ دسوں بیٹوں کو باپ لے کر کعبہ میں گیا اور اُن میں سے ہر ایک کا نام ایک پتھر پر لکھا گیا۔ تاکہ قرعہ سے یہ فیصلہ کیا جائے۔ کہ کونسا بیٹا قربان کیا جائے۔ قرعہ میں سب سے چھوٹے عبداللہ کا نام نکلا۔ باپ نے غمزدہ ہو کر پھر نذر مانی کہ وہ اپنے بیٹے کی جگہ دس اونٹ قربان کرے گا۔ اگر جوے کا تیر اس طرح فیصلہ کر دے۔ پھر قرعہ ڈالا گیا اور پھر بھی وہ عبداللہ کے نام پر نکلا۔ عبدالمطلب نے اونٹوں کی تعداد کو دُگنا کر دیا۔ مگر قرعہ پھر بھی عبداللہ کے نام پہ ہی رہا۔ آٹھ مرتبہ اسی طرح یکے بعد دیگرے قرعہ اندازی کی گئی اور ہر دفعہ دس دس اونٹ زیادہ کیئے گئے۔ یہاں تک کہ نوّے اونٹوں کے بالمقابل بھی قرعہ عبداللہ کے نام ہی نکلا

آخر جب سو اونٹ تک نوبت پہنچی تو قرعہ میں عبداللہ کا نام خالی نکلا اور اس طرح اُس کی جان بخشی ہوئی۔ ایک سو اُونٹ ذبح کیئے گئے اور اُن کا گوشت غربا میں تقسیم کیا گیا۔ اور عبداللہ اپنے والدین کے سپرد کیا گیا۔ اور آخرکار اُن کے گھر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے +

حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا۔ کہ اس شرک کو جڑ سے کاٹا جائے جس میں یہودی عیسائی اور بت پرست لوگ سب یکساں مبتلا ہو رہے تھے۔ آپ کا مقصد تھا کہ خدا کی توحید دُنیا سے منوائیں اور بت پرستوں کو صداقت کا علم دیں جو کہ اس وقت تک ناممکن تھا جب تک پہلے بُت پرستی کا استیصال ہو۔ اسلام کی ابتدا میں کچھ عرصہ تک مسلمان نماز پڑھتے وقت یروشلم کیطرف مونھ کیا کرتے تھے۔ مگر نہ اس غرض سے کہ یہودی اسلام میں داخل ہو جائیں۔ جیسا کہ بعض مصنفین نے خیال کیا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد بجائے یروشلم کے کعبہ کو قبلہ قرار دیا گیا اور اس کے تھوڑا عرصہ بعد خانہ کعبہ بتوں سے پاک کر کے اپنی اصل حالت پر قائم کیا گیا۔ جیسا کہ ابراہیم و اسماعیل نے اس کی تعمیر کی تھی +

اس طرح پر اسلام نے ہمیشہ انسان کے سامنے ایک بلند نصب العین رکھا ہے۔ اور وہ یہ کہ وہ اپنے ہر فعل کا خدا کے سامنے ذمہ وار ہے اور یہ بھی اسے سکھایا ہے کہ نجات کی بُنیاد عقیدہ نہیں بلکہ اخلاق ہیں۔ اسلام انسانی قربانی اور کفارہ کو غلط بتاتا ہے اور اس کی بجائے انسان کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایک زندہ قربانی کے طور پر پیش کرے اور وہ یہ کہ اپنے آپ کو اسکی خدمت میں لگائے۔ غریبوں اور بوڑھوں اور والدین کی تعظیم اور اُن پر شفقت کو ایک مقدس فرض انسانی قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی طرح محتاج اور یتیم کی خبر گیری کو بھی۔ ان کی طرف بار بار قرآن کریم نے توجہ دلائی ہے +

چرچ مشنری سوسائٹی کا پادری ٹی۔ پی ہیوز کہتا ہے کہ "محمدی مذہب کی کچھ بھی کمزوریاں ہوں تمام انصاف سے کام لینے والے اس بات کے معترف ہیں کہ اُس نے غربا کی مدد کا جو انتظام کیا ہے وہ بہت ہی قابل تعریف ہے مسلمان ممالک میں کوئی محنت کے گھر نہیں ہوتے۔ جیسا کہ پراٹسٹنٹ ممالک میں پائے جاتے ہیں +

جو شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر اتفاقی نظر بھی ڈالے گا اس پر یہ بات اثر کیئے بغیر نہیں رہے گی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم میں مذہب کی کیفیت اور اس کی اشاعت کے لیئے آپ کی سرگرمی اور ہمت اپنے اندر ایک بھاری حقیقت مضمر رکھتی ہے۔ جس طرح پر دوسرے انبیاً جھوٹ اور غلط بیانیوں کا شکار ہوئے ہیں۔ وہی خدا کی سنت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کیساتھ بھی ہوئی۔ اور ان میں سے بہت سے جھوٹ آج تک چلے جاتے ہیں۔ اس کو ایک مذہبی دیوانہ کہا گیا۔ مگر اس میں کیا مضائقہ ہے کیونکہ دنیا میں جو کچھ بھی دیرپا اچھا کام کسی نے کیا ہے اُسکو ضرور دیوانہ کا خطاب دیا گیا ہے اور یہ اصطلاح ان لوگوں کے لیئے مخصوص کی گئی ہے جو حق کی حمایت میں پورا زور لگاتے ہیں یہاں تک کہ وہ اس دُنیا سے گذر جاتے ہیں۔ اور تب اُن کو بہادر کہا جاتا بلکہ پیغمبر مان لیا جاتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ سب باتیں دیکھیں جو مصلحوں کی دیکھنی پڑتی ہیں اور اگر آپ کے رفقاء اور اہلِ وطن جو آپ کے حالات کے بہترین واقف تھے۔ آپ کو الامین کے معزز نام سے پکارتے تھے۔ مگر جن لوگوں کو آپ کے حالات کا علم نہیں تھا۔ اور نہیں ہے اُنھوں کو عمداً یا جہالت سے آپ کے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ جیسا کہ کارلائل نے کہا ہے وہ جھوٹ جو نیک ارادہ کے پیرایہ میں اس شخص کے نام کے گرد اکٹھے کیئے گئے ہیں خود اپنے لیئے شرم کا موجب ہو گئے ہیں۔ اس مذہب کی جس کی آپ نے بُنیاد رکھی بعض مخالفین نے اپنی اغراض کیلیئے یہی مفید سمجھا ہے کہ جھوٹے قصوں کو پھیلائیں۔ اور بالخصوص اب یہ پراٹسٹنٹوں کا شیوہ ہو گیا ہے اور خود یہی امر اس امید پر پانی پھیرنے کے لیئے کافی ہے جس کا اظہار سیل نے کیا تھا۔ کہ اسلام کی تباہی پراٹسٹنٹوں کے ہاتھ سے ہوگی +

نئے عہد نامہ کا زمانہ

نمبر ۲

(از بشپ بارکنس)

اب ہم اگنیشس کے خطوط کو لیتے ہیں۔ یہ وہ تحریریں ہیں جن کی وجہ سے ایک ایسی غیر ضروری بحث نے طول پکڑا ہے جس کا فیصلہ مدت سے ہو گیا ہونا چاہیئے تھا۔ ان خطوط پر جو بحث ہوئی ہے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں علم و فضل کا بڑا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ صرف اس صورت میں قابل تسلیم ہے جب ہم علم و فضل کو صرف یونانی اور لاطینی زبانوں کے علم تک محدود سمجھیں لیکن اگر علم و فضل سے مراد محققانہ تنقید۔ گہری سوچ اور وسیع علم ہے تو ہم میں سے بعض کے لئے یہ بحث بالکل خشک ہے۔ کل پندرہ خطوط اگنیشس کی طرف منسوب کیئے جاتے ہیں یعنی:-

(۱-۲) یوحنا حواری کے نام	۲ خط	(۹) افسیوں کے نام	۱ خط
(۳) کنواری مریم کے نام	۱ "	(۱۰) مگنیسیوں کے نام	۱ "
(۴) طرسیون کے نام	۱ "	(۱۱) ٹرالیوں کے نام	۱ "
(۵) انطاکیہ والوں کے نام	۱ "	(۱۲) رومیوں کے نام	۱ "
(۶) فلپیوں کے نام	۱ "	(۱۳) فلاڈلفیا والوں کے نام	۱ "
(۷) ہیرو انطاکیہ کے ایک ڈیکن کے نام ..	۱ "	(۱۴) سمرنیوں کے نام	۱ "
(۸) کیسبلو کے مریم کے نام	۱ "	(۱۵) پالیکارپ کے نام	۱ "

تین خطوط صرف لاطینی زبان میں ہیں۔ باقی لاطینی اور یونانی دونوں زبانوں میں پائے جاتے ہیں اس فہرست میں اوّل الذکر آٹھ خطوط کو عموماً جعلی سمجھا جاتا ہے۔ اندرونی شہادت بتاتی ہے کہ وہ بعد کے زمانہ کے ہیں اور کسی پہلے زمانہ کے مصنّف کی تصنیف میں اُن کا نام نہیں پایا جاتا۔ موخر الذکر سات خطوط کے یونانی اور لاطینی دونوں زبانوں میں دو دو نسخے پائے جاتے ہیں۔ ایک طویل اور ایک مختصر ان دونوں میں عبارت کا بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ چند نسلوں میں سے یہ بحث گذر کر اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اور معتقدین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ طویل نسخہ بعد کے زمانہ کا ہے اور اسی میں مزید عبارتیں

داخل کی گئی ہیں۔ اور مختصر نسخہ قدیم ہے اور اصلی ہے ٭

۱۸۴۵ء میں یہ بحث از سرِ نو کھل گئی۔ جب ڈاکٹر کیورٹن نے ایک سریانی نسخہ تین خطوط کا شائع کیا۔ ایک خط بنام پالیکارپ۔ ایک خط افیسون کے نام اور ایک خط رومیوں کے نام۔ یہ خطوط چند مسودات میں سے ملے تھے۔ جو ڈاکٹر ٹاٹم نے سینٹ میری ڈیپارا کے راہبوں سے خریدے۔ یہ سریانی نُسخے مختصر یونانی نسخوں سے بھی چھوٹے ہیں۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ اصل یہ سریانی ہیں بعض کا خیال ہے کہ یہ یونانی نسخوں کے خلاصے ہیں۔ مگر یہ عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ چھوٹے یونانی نُسخے بھی زوائد سے خالی نہیں۔ اس بحث کا ابھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ میری رائے ہے کہ یہ جعلی ہیں اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس کے سوائے اور کوئی نتیجہ ان نسخوں کو پڑھ لینے کے بعد کس طرح نکالا جا سکتا ہے۔ اس فرضی خطوط نویس اگنیشس کے اپنے حالات کا ہم کو کوئی علم نہیں۔ سوائے اس کے جو خود خطوط بتاتے ہیں۔ اگر ہم اُن کو اصلی فرض کر لیں۔ ہاں اُس کا ذکر اور اُس کی چٹھیوں کا حوالہ پالیکارپ کے خط بنام فلپیوں میں ہے اور اس خط پر میں اگلے نمبر میں بحث کروں گا۔ پھر کچھ شہادت نامے ہیں۔ مگر وہ خود بہت پچھلے زمانہ کے ہیں اور اُن کی بُنیاد انہی خطوط پر ہے۔ اس کی شہادت کی ساری کہانی جیسا کہ وہ رومیوں کے نام کے خط میں اور شہادت نامہ میں مندرج ہے بالکل ناقابل اعتبار ہے۔ چنانچہ ذیل کی عبارت جو رومیوں کے نام کے خط سے لی گئی ہے قابل غور ہے ٭

شام سے لے کر رُوم تک مَیں درندوں کے ساتھ جنگ کرتا ہوں خشکی پر بھی اور تری پر بھی۔ رات بھی اور دن بھی۔ دس چیتوں سے وابستہ ہو کر میری مراد سپاہیوں کے ایک گروہ سے ہے جن کو جب فائدہ بھی پہنچایا جائے تو وُہ پہلے سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں۔ مگر میں اُن کی تکلیف رسانی سے اور بھی زیادہ تعلیم حاصل کرتا ہوں مسیح کے ایک شاگرد کے طور پر کام کرتا ہوا۔ مگر صرف اس قدر سے میں گناہوں سے نجات نہیں پاتا۔ ایسا ہو کہ میں ان جنگلی درندوں سے تمتع حاصل کروں جو میرے لیئے تیار کیئے گئے ہیں۔ اور میں دُعا کرتا ہوں کہ وہ مجھ پر حملہ کرنے کا جذبہ اپنے اندر رکھتے ہوں۔ اور میں خود بھی اُن کو ترغیب دُونگا کہ وہ جلدی سے مجھے نگل جائیں۔ اور میرے ساتھ ایسا معاملہ نہ کریں جو بعض ایسے لوگوں سے کیا ہے جن کو انھوں نے خوف کی وجہ سے چھوڑا نہیں۔ لیکن اگر وہ مجھ پر حملہ کرنیکے لئے رضامند نہوں تو میں انکو ایسا کرنیکے لئے مجبور کروں گا مجھے اس امر میں معاف رکھا جائے میں خوب جانتا ہوں۔ کہ میرے

فائدہ کی کیا چیز ہے۔ اب میں ایک شاگرد بننا شروع ہوتا ہوں اور کوئی چیز ظاہر ہو یا چھپی ہوئی۔ اس بات میں مجھ پر حسد نہ کرے کہ میں یسوع مسیح کو پاؤں۔ آگ اور مصائب (صلیب) آئیں جنگلی درندوں کے گروہ آگے بڑھیں۔ مجھے پھاڑ دیا جائے۔ میری ہڈیوں کو الگ الگ کرکے توڑ دیا جائے۔ میرے اعضاء کو کاٹ دیا جائے۔ میرے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔ اور شیطان کے تمام خطرناک دکھ مجھ پر آئیں ان کی مجھے پروا نہیں۔ اگر میں یسوع مسیح تک پہنچ جاؤں"

میں ناظرین پر چھوڑتا ہوں کہ اس تحریر کے لکھنے والے کی دماغی حالت کا اندازہ کریں۔ یہ فرض کیا گیا ہے کہ پارتھیا کے جنگوں میں ٹراجن نے انطاکیہ کے مقام پر اس شخص پر سنہ ۱۱۶ء میں موت کا فتویٰ صادر کیا تھا۔ اور حکم دیا تھا کہ اسے روم میں لیجا کر جنگلی جانوروں کے آگے ڈال دیا جائے اور یہ خیال کیا گیا ہے کہ یہ خطوط اس شخص نے انطاکیہ سے روم کو جاتے وقت لکھے جب وہ سپاہیوں کی حراست میں ایک مجرم کے طور پر لیجایا جا رہا تھا۔ جیسا کہ حوالہ سے ظاہر ہے وہ اُن کے ظلم کی شکایت کرتا ہے۔ اور ان کا جنگلی درندوں سے مقابلہ کرتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ وہ اسقدر آزاد تھا کہ دوست اس کی ملاقات کو آتے ہیں وہ خطوط لکھتا ہے۔ جہاں جہاں سے وہ گذرتا ہے وہاں کے بشپ اور ڈیکن اور عیسائی اقوام کے وفد اس کے پاس آتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے مخلص و فادار دوست ہیں اور وہ دس چیتے کچھ دخل نہیں دیتے۔ نہ ان امور میں اسکی کچھ مخالفت کرتے ہیں۔ یہ ظالم وحشی درندے اُس کو وہی کام کرنے کی اجازت دیتے ہیں جنکی بنا پر اس پر موت کا حکم صادر کیا گیا ہے۔ اب یہ ساری کہانی اس قدر بیہودہ ہے کہ ایک انسان جو اپنی درائیت سے کچھ بھی کام لے کبھی اس کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ رومی سپاہیوں کی تاریخ خود اس کہانی کی تکذیب کرتی ہے اور خود ان چٹھیوں کو جھوٹا اور فرضی ٹھیراتی ہیں ؛

آئیرینیس جس کا زمانہ سنہ ۱۴۰ء اور سنہ ۲۰۲ء کے درمیان ہے رومیوں کے نام کے خط سے ایک فقرہ نقل کرتا ہے مگر یہ نہیں بتاتا کہ یہ فقرہ اس نے کہاں سے لیا۔ اس لیئے لارڈ نرغطہ کا خیال ہے کہ یہ فقرہ کہیں اور سے نہیں لیا گیا۔ آریجن تیسری صدی کے نصف میں دو دفعہ اگنیشس کا نام لے کر ذکر کرتا ہے اور رومیوں کے نام کے خط سے ایک فقرہ نقل کرتا ہے" مگر میری محبت صلیب دیگئی ہے" اور ایک فقرہ افسیون کے نام کے خط سے نقل کرتا ہے" اس دنیا کے شاہزادہ سے مریم کا کنوارپن مخفی رکھا

گیا۔ یوسی بی اِس ان سات خطوط کا ذکر کرتا ہے جن کو اصلی سمجھا جاتا ہے۔ جس کی بڑی وجہ خود یہ ذکر ہے۔ وہ رومیوں کے خط سے کچھ نقل کرتا ہے۔ آئرینیس کا حوالہ دیتا ہے اور اس فقرہ کو نقل کرتا ہے جو پہلے اریجن نقل کر چکا ہے۔ اور چند الفاظ ایک جعلی انجیل کی بھی نقل کرتا ہے جو سمرنیوں کے نام کے خط میں ہیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے۔ کہ آخری حوالے کے سوائے باقی سب حوالے سریانی نسخہ سے ہیں۔ اور اس خط کا سریانی نسخہ دنیا میں کوئی موجود نہیں۔ القصہ یہیں سب سے پہلا مصنّف ہے جو اگنیشس کی طرف ان تین خطوط کا کوئی فقرہ منسوب کرتا ہے جن کے سریانی نسخے ہمارے ہاتھ میں ہیں۔ مگر وہ فقرہ سریانی نسخہ میں موجود نہیں اور یہ چوتھی صدی کے پچھلے حصّہ کا ذکر ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان خطوط کے بعض فقرے ہماری انجیلوں سے لئے گئے ہیں۔ مگر یہ امر ایسا بالبداہت غلط ہے کہ اس پر بحث کی بھی ضرورت نہیں۔ مثال کے طور پر جو سب سے بڑا حوالہ پیش کیا جاتا ہے میں اُسے لیتا ہوں۔ یہ رومیوں کے نام کے خط کے چھٹے باب میں ہے۔ "اس دُنیا کی ساری خوشیاں۔ اور اس زمانہ (یا زمین یا وقت) کی ساری سلطنتیں مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔ میرے لیئے یہ بہتر ہے کہ یسوع مسیح کی خاطر مر جاؤں بہ نسبت اس کے کہ زمین کے سارے کناروں پر حکمرانی کروں۔ کیونکہ ایک انسان کو کیا فائدہ ہے کہ وہ ساری دنیا کو حاصل کرے۔ مگر اپنی رُوح کو کھو دے۔ میں تو اُسی کو تلاش کرتا ہوں جو ہمارے لیئے مرا۔ میں اسی کو چاہتا ہوں جو ہماری خاطر دوبارہ اُٹھا۔ یہ وہ فائدہ ہے جو میرے لیئے رکھا گیا"۔

یہ ظاہر ہے کہ اس عبارت میں جو متی ۱۶: ۲۶ کا حوالہ ہے وہ بعد میں بڑھایا گیا ہے۔ لاطینی نسخہ میں یہ مطلق نہیں پایا جاتا اور کیسلر کے مطابق سکندریہ کے تمطاؤس کی تصنیف میں یہ نہیں پایا جاتا اگر اس کو حذف کر دیا جائے تو اس کے بغیر فقرہ پورا ہے۔ مفہوم صاف ہے اور عبارت بہتر ہے۔ اسکا بعد میں بڑھایا جانا صاف ہے۔ کسی ابتدائی زمانہ کے پڑھنے والے نے اس عبارت کو متی ۱۶: ۲۶ سے ملتا جلتا پاکر وہ فقرہ حاشیہ پر لکھدیا۔ اور آہستہ آہستہ اصل عبارت میں درج ہو گیا۔ اکثر محقق اسے زائد تسلیم کرتے ہیں۔ اس زمانہ میں یہ عام دستور تھا کہ ایک عبارت میں کوئی فقرہ بڑھا دیا اور اس کا ثبوت سب سے بڑھ کر خود انہی خطوط سے ملتا ہے جن پر ہم یہاں بحث کر رہے ہیں۔ اور گو میں ڈرتا ہوں کہ ناظرین کے لیئے ذیل کا طویل حوالہ باعث ملول ہو۔ مگر ایسے طریقوں پر غور

کرکے ہی ہم کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ ذیل کی عبارت سمرنیوں کے نام کے خط میں مختصر یونانی نسخہ کا تیسرا باب ہے:-

"کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اپنے جی اُٹھنے کے بعد بھی وہ گوشت رکھتا تھا۔ اور میں یقین کرتا ہوں کہ ایسا ہی وہ اب بھی ہے۔ مثلاً جب وہ اُن کے پاس آیا جو پطرس کے ساتھ تھے۔ تو اُس نے اُن کو کہا پکڑو مجھے ہاتھ لگاؤ۔ اور دیکھو کہ میں رُوح بلا جسم نہیں ہوں۔ اور اُنھوں نے فوراً اُس کو چھوا اور یقین کیا اور اس کے گوشت اور روح دونوں کی وجہ سے قائل ہو گئے اسی وجہ سے وہ موت کو بھی حقارت کی نگہ سے دیکھتے تھے اور اُس کے فاتح بن گئے۔ اور اپنے جی اُٹھنے کے بعد اُس نے اُن کے ساتھ کھایا اور پیا۔ جیسے کہ وہ گوشت رکھتا تھا۔ گو وہ رُوحانی طور پر باپ کے ساتھ مِل چکا تھا۔"

یہ آسانی سے معلوم ہو جائے گا کہ اسی باب میں ہماری انجیلوں سے نہ کوئی فقرہ نقل کیا گیا ہے اور نہ ہی اُن کی طرف کوئی اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ بعض الفاظ یسوع کی طرف منسوب کرتا ہے۔ جو ہماری انجیلوں میں نہیں پائے جاتے۔ ان الفاظ پر خط کھینچ دیا گیا ہے۔ یوسیبیس فقرہ کو نقل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ معلوم نہیں یہ کہاں سے لیا گیا ہے۔ جیروم کہتا ہے کہ یہ فقرہ عبرانیوں کی انجیل میں پایا جاتا ہے۔ یہ انجیل نصرانیوں میں مروّج تھی۔ اس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ اوریجن یہ فقرہ ایک ایسی تصنیف سے نقل کرتا ہے جو کلیسیا میں پہلے زمانہ میں مروّج تھی۔ جس کا نام "پطرس کی تعلیم" ہے۔ یہ آگے چل کر ہم کو معلوم ہوگا۔ کہ ابتدائی زمانہ کے مصنّف وضعی انجیلوں سے فقرے نقل کر دیتے تھے جو بعض حالات میں ہماری انجیلوں سے مختلف ہیں۔ بعض ان سے ملتے جلتے ہیں۔ اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کیونکہ یہ نہایت ضروری ہے۔

طویل یونانی نسخہ میں وہی تیسرا باب یُوں چلتا ہے:-

"اور میں جانتا ہوں کہ وہ ایک جسم رکھتا تھا۔ جو صرف پیدا ہونے اور صلیب پانے تک نہ تھا مگر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وُہ اپنے جی اُٹھنے کے بعد بھی ایسا ہی تھا۔ اور یقین کرتا ہوں کہ وُہ اب بھی ایسا ہی ہے۔ مثلاً جب وہ ان لوگوں کے پاس آیا جو پطرس کے ساتھ تھے۔ تو اُس نے اُنھیں کہا۔ پکڑو مجھے ہاتھ لگاؤ اور دیکھو کہ میں رُوح بلا جسم نہیں ہوں۔ کیونکہ رُوح گوشت

اور ہڈیاں نہیں رکھتی۔ جیسا کہ تم مجھے دیکھتے ہو۔ اور اُس نے تھوما کو کہا۔ ادھر اپنی انگلی کیلوں کے نشانوں کے اندر پہنچا۔ اور اپنا ہاتھ ادھر پہنچا اور اپنا ہاتھ میرے پہلو میں داخل کر۔ اور فوراً اُن کو یقین ہو گیا کہ وہ مسیح تھا۔ اس لیئے تھوما بھی اُسے کہتا ہے میرے آقا اور میرے خداوند۔ اور اس لیئے وُہ موت کو بھی حقیر سمجھنے لگے۔ کیونکہ یہ بہت تھوڑا تھا کہ کہا جائے ذلت اور کوڑے اور صرف اسی قدر نہیں۔ بلکہ بعد اس کے کہ اس نے اپنے آپ کو اُن پر ظاہر کر دیا۔ واقعی وُہ اٹھ کھڑا ہُوا ہے۔ اور صرف ظاہری صورت میں ہی نہیں وُہ پورے چالیس دن تک ان کے ساتھ کھاتا اور پیتا رہا۔ اور اس طرح وہ گوشت کے ساتھ ان کے دیکھتے دیکھتے اس کے پاس جا پہنچا جس نے اُسے بھیجا تھا۔ اور پھر اسی گوشت کے ساتھ شان وشوکت اور طاقت کو لیئے ہوئے دوبارہ آئے گا کیونکہ مقدس پیشگوئیاں کہتی ہیں کہ وہی یسوع جو تمہارے پاس سے آسمان میں اُٹھا لیا گیا ہے۔ اسی طرح پر واپس آئے گا۔ جس طرح پر تم نے اُسے آسمان میں جاتے دیکھا ہے۔ لیکن اگر وہ کہیں کہ وہ دُنیا کے خاتمہ پر بغیر جسم کے آئے گا۔ تو وہ لوگ اس کو کس طرح دیکھیں گے جنھوں نے اسے چھیدا تھا اور جب وہ اسے پہچانیں گے تب اپنے لیئے ماتم کریں گے۔ کیونکہ وہ ہستیاں جو جسم نہیں رکھتیں وُہ شکل وصورت بھی نہیں رکھتیں۔ اور نہ صورت والے حیوان کی طرز اُن کی ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کی بناوٹ خود سادہ ہوتی ہے"

قارئین دیکھ لیں گے کہ اس عبارت میں کیا کیا فقرے بڑھائے گئے ہیں اور ان کے اندر ایسے فقرات داخل کیئے گئے ہیں جو ذیل کی عبارات سے ملتے جلتے ہیں۔ یعنی لوقا ۲۴ : ۳۹ - یوحنا ۲۰ : ۲۷ و ۲۸ - اعمال ۱ : ۱۱ - مکاشفات ۱ : ۷ - ذکریا ۱۲ : ۱۰ - اور استدلال مسیح کے جسم کے ساتھ جی اُٹھنے پر ہے۔ نہ ہی سریانی نسخہ اور نہ ہی مختصر یونانی نسخوں میں ہماری اناجیل کی موجودگی کی کوئی شہادت پائی جاتی ہے اس کے بالمقابل طویل یونانی نسخہ میں وہ فقرات نقل کرکے جو ہماری اناجیل میں پائے جاتے ہیں۔ کوئی ذکر اس بات کا نہیں کیا کہ ان فقرات کا ماخذ کیا ہے۔ نہ ہی ہماری اناجیل کا نام لیا ہے۔ اور ممکن ہے کہ وہ فقرات وضعی تحریروں سے لیئے گئے ہوں۔ یقیناً وہ بہت پچھلے زمانہ کے ہیں۔ اور خواہ وہ وضعی ہوں یا کسی شخص اگنیشس نام کے اصلی خطوط ہوں اُن سے تو اس بات کی کوئی تائید ہوتی ہے کہ جن واقعات کا اناجیل میں ذکر ہے وہ اُنکی قابل اعتبار شہادت ہیں۔ یا اسکی کہ اناجیل قابل اعتبار ہیں۔ نہ ہی اُن کے

مصنّفوں کے سوال کا کوئی فیصلہ ہوتا ہے "۔

چارلس ڈی گورہم اور مسیح

چند الفاظ مسیح کے کمال اخلاق کی نسبت یہاں لکھے جاتے ہیں۔ نہ اس خواہش سے کہ کتاب میں کوئی ایسا امر داخل ہو جس پر بحث کا سلسلہ چلے۔ بلکہ صرف اس خیال کی تردید کے لیئے جو اکثر اوقات ظاہر کیا جاتا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر ایک دھندلا سا خیال بہت دلوں میں جاگزین ہے۔ کہ عیسائیت کا اخلاقی پہلو پورے طور پر اس کے چھوٹے چھوٹے اخلاقی فقروں سے ظاہر نہیں ہوتا جن کے متعلق اب یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ ان کی اصلیت کچھ نہیں بلکہ یہ کہ اس مذہب کی اصل حقیقت نے ایک ایسی شخصیت کے اندر شکل اختیار کی ہے جس کی اخلاقی عظمت کو دنیا میں کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ یہ دعوےٰ کیا جاتا ہے کہ انسانیت اور خدائی کے اس بے نظیر اور کامل اتحاد سے یسوع مسیح کا کمال اخلاق اس کے مذہب کی فوق الطاقت اصلیت کی بہترین شہادت ہے۔

یہاں اس قدر اشارہ کر دینا ناموزون نہیں کہ خود چاروں انجیلوں کی شہادت پر یہ نتیجہ قابل تسلیم نہیں ٹھیرتا۔ اگر ہم اس ہالہ کی جو روایات قومی نے یسوع مسیح کے سارے افعال اور اقوال کے گرد بنا دیا ہے پروا نہ کریں۔ تو معلوم ہوگا کہ وہ انسانی کمال کے بھی اعلےٰ سے اعلےٰ مراتب تک نہیں پہنچ سکے۔ پھر انصاف کی نگہ سے کس طرح انھیں خدائی کا حقدار ٹھیرایا جا سکتا ہے؟ اگر ہم الفاظ کے معمولی اور سادہ معنے لیں تو اناجیل کے مختلف فقرات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ گھر یلو زندگی کے قدرتی جذبات کی طرف سے وہ کسی قدر لاپروا تھے (دیکھو متی ۱۰: ۳۷۔ لوقا ۲: ۴۹ و ۸: ۱۱) بلکہ یہاں تک کہدیا کہ میں گھروں کے اندر فساد ڈلوانے آیا ہوں (متی ۱۰: ۳۴-۳۶) اور کم از کم ایک موقعہ پر اُنھوں نے اپنی ماں کے ساتھ نامناسب سلوک کیا (یوحنا ۲: ۴) بہت دفعہ اُنھوں نے ایسے احکام دیئے جو بجائے حکیمانہ یا عملی ہونے کے زیادہ تر وہمی سے معلوم ہوتے ہیں اس کی مثالیں بھی دیجا سکتی ہیں۔ مثلاً بدی کے مقابلہ سے اس قدر گریز کرنا کہ جس سے ظلم دنیا میں بڑھے۔ یا مثلاً خیرات کے معاملہ میں بلا تمیز موقعہ زور دینا۔ اُنھوں نے ایک اپنے دوست کو

مرنے دیا جب قصہ کے مطابق ان کو طاقت تھی کہ موت کی تکلیف ان پر وارد ہونے سے اسے بچا سکیں اور اس کی بہن کو ایک تلخ غم سے بچا سکیں اور پھر اپنے شاگردوں کو کہا کہ اس دوست کی بیماری مہلک ثابت نہ ہوگی۔ حالانکہ ان کو ضرور علم ہوگا کہ اس بیماری کا نتیجہ موت ہے (یوحنا ۱۱)
بعض وقت وہ مباحثہ میں اس قدر جوش میں آجاتے تھے کہ ایک موقعہ پر ان لوگوں کو جنکے متعلق یہ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اس کے اپنے پیروؤں میں تھے۔ یہ کہدیا کہ ان کا باپ خدا نہیں۔ بلکہ شیطان ہے۔ (یوحنا ۸: ۳۱ و ۴۴) +

اُن کو اس بات پر بھی ایمان تھا۔ جو بڑی نقصان دہ ثابت ہوئی ہے کہ جن بھی انسانوں پر متصرف ہو جاتے ہیں۔ انھوں نے دوزخ کا مسئلہ اس طرح پر بیان کیا جس سے طبیعت متنفر ہوتی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنے عام وعظوں کو کسی قدر تاریک کر دیتے تھے۔ تاکہ سُننے والے اُن سے پورا فائدہ نہ اُٹھا سکیں۔ ایک بھی نقص کمال کے دعوے کو غلط ثابت کرنے کے لیئے کافی ہے مگر ہم نے یہاں چند نقصوں کا ذکر کیا ہے۔ اور اگر اناجیل کو صحیح تسلیم کیا جائے تو یہ نقص ایسے نہیں کہ انھیں خفیف اور معمولی سمجھا جائے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ وہ کتابیں جن میں اُن واقعات کا ذکر ہے پوری قابل اعتبار نہ سمجھی جائیں۔ اور ممکن ہے ان کے اندر تغیرات راہ پا گئے ہوں۔ لیکن اگر اس بات کو درست مانا جائے تو پھر یہ دعوے کہ یہ کتابیں الہامی ہیں باطل ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس دعوے کو غلط مانا جائے تو پھر اس بات کی شہادت کیا رہ جاتی ہے کہ یسوع مسیح کی زندگی ایک خدائی اور فوق القدرت تحریک تھی۔ اس مسئلہ کی کیا وقعت باقی رہ سکتی ہے جو مشتبہ تحریروں کی بنیاد پر کامل انسانیت اور کامل خدائی ایک ایسے انسان کی طرف منسوب کرے جس نے خود انہی تحریروں کے مطابق نہ ایک کا ثبوت اپنے اندر دیا نہ دوسرے کا +

پھر کمال انسانی یہ چاہتا ہے کہ انسانی فطرت کے سارے قوائے کا کامل نشو و نما ہو۔ خواہ وہ ذہنی قوائے ہوں خواہ اخلاقی۔ اب اگر اخلاقی کمال کو خوش اعتقادی سے مان بھی لیا جائے تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ قوائے ذہنی کے لحاظ سے بھی یسوع مسیح کامل ترین انسان تھا۔ پھر ایک اور بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ بالخصوص اس لیئے کہ اس دلیل کو ایک عیسائی مصنف نے بدھ کے کمال اخلاقی کی تردید میں استعمال کیا ہے۔ ایک انسانی زندگی کے جو تیس اور چالیس

سال کے درمیان تھے۔ حالات میں سے اناجیل اگر کچھ ذکر بھی کرتی ہیں تو صرف تین سال کے واقعات کا اور وہ بھی نامکمل طور پر۔ اس بات پر یقین کامل کرنے کی کیا وجوہات ہیں کہ اس زمانہ میں جس کی کوئی یادداشت باقی نہیں ملتی مسیح نے کوئی کمزوری نہ دکھائی تھی +

یہ باتیں صرف یہ ظاہر کرنے کے لیے لکھی گئی ہیں۔ کہ عیسائیت کی اخلاقی تعلیم کا صحیح اندازہ لگانے میں بانی مذہب کے متدعویہ کمال کیرکٹر کو یوں ہی چھوڑا نہیں گیا +

اسلام و عیسائیت

اعتراف کی گردن خم ہو گئی

اسلام اور عیسائیت پر حال میں بمقام لندن ایک دلچسپ مباحثہ ہوا ہے۔ اس کی مختصر کیفیت کسی گذشتہ اشاعت میں شائع ہو چکی ہے۔ جلسہ کے صدر مسٹر اے یوسف علی سابق آئی سی۔ ایس تھے۔ مباحثہ کا افتتاح مسٹر سی۔ ایف رائڈر نے کیا۔ مسٹر موصوف نے دوران تقریر میں کہا۔ کہ "باشندگان انگلستان کو اپنی مادری تہذیب پر بہت ناز ہے۔ لیکن وہ اِس بات کو بھول گئے ہیں کہ اس تہذیب کا آفتاب یورپ کے مطلع پر حال ہی میں طلوع ہوا ہے تاریخ عالم میں نہ سہی۔ گذشتہ چند صدیوں میں یہ پہلا موقع ہے۔ کہ سرزمین ایشیا کو آسیائے یورپ کے دو پاٹوں کی رگڑ میں آنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اس لیئے ہمارا سب سے پہلا فرض یہ ہونا چاہیئے۔ کہ ہم ایشیائیوں اور دُنیا کی تمام رنگ دار اقوام کے مذہب سے واقفیت پیدا کریں اور بحیثیت ایک عیسائی کے مجھے اس کے کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے۔ کہ اسلام کے متعلق ایک ملک میں شدید غلط فہمی پیدا ہو رہی ہے۔ عامتہ النّاس اس سے قطعاً ناآشنا ہیں۔ اور حیرت ہے کہ وہ جہالت کی تاریکی سے پیچھا چھڑانے کے لیئے کوئی کوشش نہیں کر رہے ہیں"

ہم کو مسٹر موصوف کی اس رائے سے پورا اتفاق ہے۔ واقع میں اگر اہل یورپ اور بالخصوص اہل انگلستان ایشیائیوں اور خاص کر مسلمانوں کی اصلی حالت و حیثیت کو کماحقہ طور پر

پہچانیں اور ان کے جو احسانات مغربیوں پر ہیں۔ ان کو عمیق نگاہوں سے دیکھیں تو بہت سے بین الاقوامی تنازعات کا تصفیہ آسانی سے ہوسکتا ہے ✤

انگلستان کے ماتحت دس کروڑ مسلمان آباد ہیں جن میں سے سات کروڑ صرف ہندوستان میں ہیں۔ اگر انگلستان کے باشندے ان کے جذبات و حسیات کا انصاف اور دلسوزی سے مطالعہ کریں اور ان کا احترام بھی کریں۔ تو دولت برطانیہ کی سطوت و صولت میں چار چاند لگ جائیں اور اس سلطنت کو وہ تقویت اور پیوستگی حاصل ہو جو اور کسی حکومت کو حاصل نہیں ہے لیکن حیف ہے کہ ظاہر پرست لوگ اس حقیقت سے آشنا نہیں ہیں اور اسکے نتائج اظہر من الشمس ہیں۔

مسٹر موصوف نے کہا۔ کہ "اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو عیسائیت سے بہت قریبی تعلق رکھتا ہے یہودی جناب مسیح کی نبوت کے قائل نہیں ہیں۔ مگر مسلمان ان کو انبیاء اربعہ میں سے سمجھتے ہیں پس ایک ایسے مذہب کی اصلیت کو سمجھنا جو علاوہ اس قریبی تعلق کے بر اعظم افریقہ میں بڑی سرعت سے پھیلتا جاتا ہے۔ اور جس نے دنیا کو ایک بے نظیر تہذیب بخشی ہے۔ ہر ایک انگریز کا فرض اولین ہونا چاہیئے۔ اس ملک (انگلستان) کے پیشوایانِ دین اس حقیقت پر غم کے آنسو بہایا کرتے ہیں کہ افریقہ میں اسلام بہ نسبت عیسائیت کے زیادہ سرعت کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ شاید وہ اس امر سے آگاہ نہیں ہیں۔ کہ اس سرعت رفتار کی وجہ اس کی سادگی میں مضمر ہے کیونکہ عقائد اسلام عیسائیت کی نسبت بہت کم پیچیدہ ہیں۔ اس نے جو ضابطہ حیات انسانی کے لیے بنی نوع انسان کو عطا کیا ہے وہ نہایت آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ اور یہی ایک بڑی وجہ افریقہ میں اس کی سبک رفتاری کی ہے"۔

اسلام مفکرین یورپ کی شہادت کا محتاج نہیں ہے۔ اس کے اصول و آئین کی عظمت سادگی جو خود بخود دلوں میں گھر کر لیتی ہے۔ اس کے دین الفطرۃ ہونے کی سب سے بڑی شہادۃ ہے لیکن مسلمانوں کو شرم آنی چاہیئے کہ وہ اس چشمۂ آبِ زلال کو اپنی خود غرضی کی آلائشوں سے گندلا کر رہے ہیں۔ اور اپنے اعمال و افعال سے اسلام کا ایک ایسا نمونہ دنیا کے روبرو پیش کر رہے ہیں جس کو دیکھ کر کوئی شخص ان شہادتوں پر یقین نہیں کر سکتا۔ مسلمان غور کریں کہ ایک نامسلم کس پیرایہ میں اسلام کی صداقت کو دنیائے عیسائیت میں نمایاں کر رہا ہے جب وہ

بصد حسرت و افسوس کہتا ہے کہ "موجودہ جنگ میں ایک طرف تو یہ عقیدہ ہے کہ انسان اپنے ملک کے فائدے کے لیئے خواہ کتنا ہی زبون طرز عمل کیوں نہ اختیار کرے وہ ایسا کرنے میں بالکل حق بجانب ہے اور ایسے آدمیوں کی کمی نہیں ہے۔ جو اس اصول کی پیروی کا میلان رکھتے ہیں۔ لیکن کیا ایک فعل جو فطرۃً خراب ہے۔ اس وجہ سے اچھا سمجھا جاتا ہے۔ کہ اس کا کرنیوالا ایک مدبّر سیاست ہے؟ کیا اس سے بڑھ کر کوئی نظارہ قابل افسوس ہو سکتا ہے۔ کہ جنگ سے پیشتر ایک ملک (جرمنی) کے ماہران سیاست دُوسرے ملک کے ملازموں کو اپنے وعدہ کی خلاف ورزی کرنے۔ حلف توڑنے اور رشوت لے کر اپنے ملک کے راز ہائے سربستہ کو طشت از بام کرنے کے لیئے ورغلا رہے تھے"۔

مسٹر رائڈر کا خیال ہے کہ اگر تمام اقوام عالم ایک دُوسرے کے مذہب اور فلسفہ کو سمجھنے کی اچھی طرح کوشش کریں تو بین الاقوامی اخلاقیات کی ایک ایسی سکیم وضع کر سکتے ہیں۔ جس سے اِس قسم کے منصوبوں کو خاک میں ملایا جا سکتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ سکیم بجز اسلام کے اور کیا ہو سکتی ہے۔ جو احکم الحاکمین نے تمام قوموں۔ تمام زبانوں اور تمام حالتوں کیلیئے بنائی ہے۔

رائڈر صاحب کی تقریر کے بعد چند اور مقررین نے بھی تقریریں کیں۔ مسٹر اوڈائل نے کہا۔ کہ بحیثیت ایک کیتھولک عیسائی ہونے کے بہ نسبت پراٹسٹنٹوں کے ان کی ہمدردی اسلام کے ساتھ زیادہ ہے۔ کیونکہ ان کے خیال میں پراٹسٹنٹ مذہب کی نسبت اسلام کے اصُول و عقائد زیادہ قابل تعریف ہیں۔

مسٹر البقری نے ایک سوال کے جواب میں بیان کیا۔ کہ اسلام نے محدود کثرت ازدواج کی اجازت ان بُرائیوں کو روکنے کے لیئے دی ہے۔ جو مسیحی ممالک میں عام طور پر پائی جاتی ہیں مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اسلام ایک معقول و شائستہ مذہب ہے۔ اور ان قیود و پابندیوں کے لحاظ سے جو اسلام نے عائد کی ہیں۔ کثرت ازدواج کے اصول سے وہ تمام اقوام فائدہ اُٹھا سکتی ہیں۔ جن کے مردوں کی کثیر تعداد ضائع ہو رہی ہے۔ مسٹر موصوف نے اسلام سے انگلستان کے عیسائیوں کی عدم واقفیت پر اظہار افسوس کیا۔

مسٹر بقری کے مشاہدہ کی نسبت ہم صرف اس قدر کہنا چاہتے ہیں۔ کہ اسلام چونکہ آخری

دین فطری ہے۔ اور انسانی زندگی کی تمام منازل اور تمام ضرورتوں پر حاوی ہے۔ اِس لیئے اس کا ہر ایک اصُول خواہ وہ بادی النظر میں بعض اوقات کتنا ہی فضول اور غیر ضروری معلوم ہوتا ہو۔ درصل کسی نہ کسی حکمت پر مبنی ہوتا ہے مسئلہ کثرت ازدواج اس کی ایک نمایاں مثال ہے جس پر نکتہ چین طبائع ہمیشہ معترض رہی ہیں لیکن جس کی ضرورت اب پورے زور کے ساتھ محسوس ہورہی ہے۔

مسٹر ڈڈلے رائیٹ نے اپنی تقریر میں بتلایا۔ کہ اسلام سے انگلستان کے عیسائیوں کی عدم واقفیت اس وقت تک برابر قائم رہے گی۔ جب تک کہ ان کی معلومات کا سرچشمہ متعصب عیسائی مصنفین ہیں اور جب تک وہ اسلامی تعلیمات کا علم حاصل کرنے کے لیئے اسلامی مصنفین کے افادات سے استفادہ کرنے کی کوشش نہیں کریں گے ÷

پادری اے۔ گرہیم بارٹن نے کہا۔ کہ مہذب دُنیا اسلام کی ایک بڑی حد تک مرہون منت ہے۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک ایسے وقت میں مبعوث ہوئے جبکہ عیسائیوں کا کیتھولک فرقہ انحطاط کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ پادری صاحب نے توقع ظاہر کی کہ تمام عیسائی اسلام کو بطور ایک عظیم الشان طاقت کے دیکھیں گے جو دُنیا کو نفع کثیر پُہنچا رہی ہے۔ اسلام کے بغیر دُنیا اس قدر نیک اور اچھی نہیں ہوسکتی۔ جیسی کہ اب ہے ÷

ہماری دُعا ہے کہ پادری صاحب کی گردن اسلام کے آگے جُھکی ہے۔ تو خدا کرے اسلام کے آگے اُن کی جبین بھی خاک آلود ہو۔ جیسی کہ دُنیا کے تیس چالیس کروڑ انسانوں کی ہوتی ہے۔ اور اُن کا دل بھی رب العالمین کے حمد کے ترانے گائے۔ کہ اسلام زبان اور دل کی مکمل اطاعت چاہتا ہے ÷

ووکنگ کے اسلامی مشن کی ششماہی رپورٹ

"ذیل میں ہم قارئین کرام کی توجہ کے لیئے اس رپورٹ کو درج کرتے ہیں جس میں ووکنگ کے اسلامی مشن کے صرف ایک ہفتہ کا کام دکھایا گیا ہے۔ یعنی خرچ مہمانداری اور جو ابھی ابھی مولینا مولوی صدرالدین

صاحب امام مسجد ووکنگ کی طرف سے موصول ہوئی ہے۔"

"اشاعت اسلام کا کام جس قدر اہم تھا۔ اسی قدر اس کی طرف سے مسلمان ابتک غافل ہیں اس غفلت کی ایک وجہ تو وہی مسلمانوں کی عام حالت خوابیدگی ہے جو ان کے سب کاموں میں پائی جاتی ہے۔ ان کو اپنی قومی زندگی کا اصلی احساس باقی نہیں رہا اِلّا ما شاء اللہ۔ اور نہ کبھی وہ اس طرف متوجہ ہونا پسند کرتے ہیں۔ کہ وہ حالت جس کو موت کے نام سے تعبیر کرنا چاہیئے کس طرح روز بروز ان پر اپنا اثر ڈالتی جارہی ہے۔ زبان سے وہ بے شک سب کچھ بننے کے مدعی ہیں۔ مگر عملی حالت نہایت گری ہوئی ہے۔ اس بات پر تو لڑنے مرنے کو تیار ہیں کہ کوئی شخص قرآن کریم کے ایک لفظ یا حرف کے بھی منجانب اللہ ہونے اور انسان کے لئے باعث فلاح ہونے سے انکار کرے۔ لیکن عمل دیکھو تو قرآن کے کثیر حصہ پر ایمان نظر نہیں آتا۔ بہرحال یہ بھی ایک مبارک علامت ہے کہ وہ منہ سے قرآن کریم کے پاک ارشادات کو اپنے لیئے نجات اخروی ہی نہیں بلکہ فلاح دنیوی کا بھی اصل ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ جس بنیاد پر ایک عظیم الشان عمارت کھڑی ہو سکتی ہے وہ ابھی قائم ہے۔ اور ضرورت ہی تھوڑی سی توجہ اور تھوڑی سی کوشش کی۔ ضرورت ہے اس بات کی کہ جو کچھ موںھ سے کہا جاتا ہی (۲) یہ عمل کرکے دکھایا جائے۔ یہ تو ایک پہلو غفلت کا ہے۔ لیکن ایک اور بڑی وجہ کم توجہی کی یہ بھی ہوگئی ہے کہ اشاعت اسلام کی تحریک کو کچھ لوگوں نے مشغلہ بنا رکھا ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم۔ صحابہ رضی اللہ عنہم۔ اس اُمت کے آئمہ اور اولیائے کرام کی زندگیاں اس بات پر شاہد ہیں کہ اشاعت اسلام کے کام کے اہل وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو پہلے نہ صرف اپنے مال و جان کو خدا کی راہ میں یعنی اشاعت اسلام کے لیئے قربان کرنے کے لیئے تیار ہو چکے ہوں۔ بلکہ واقعی طور پر اس کوچہ میں قدم رکھ کر اپنی اہلیت کا ثبوت بھی دے چکے ہوں۔ لیکن آئے دن جو تحریکات پیدا ہوتی اور مر جاتی ہے ان کی وجہ سوائے اس کے کیا ہے کہ جو کہیں اس کام کی اہمیت پر پہلے غور نہیں کرتے اور نہ شاید خود اس قدر قربانی کرنے کے لیئے تیار ہو چکے ہوتے ہیں جس کی ضرورت اس کام کے لیئے ہے۔

ان اور بعض اور وجوہ سے مسلمان اس وقت اپنے دین کی تبلیغ کے کام میں سب قوموں سے پیچھے رہے ہوئے ہیں۔ وہ جن کو امام اور پیشرو بنایا گیا تھا لتکونوا شهداء علی الناس۔ وہ جن کو دُنیا کی سب سے افضل قوم قرار دیا گیا تھا۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس۔ وہ آج اپنے فرض

سے عملاً اس قدر غافل ہیں کہ اس جدوجہد میں جو قومی زندگی کے لیے ہے۔ نہ صرف سب سے پیچھے ہی ہیں بلکہ اس قدر پیچھے ہیں کہ دُنیا کی پیشروی اور امامت کے منصب کا خیال بھی اُن کے دل میں پیدا نہیں ہوتا۔ کاش کم از کم اس غرض کو تو نہ بھلا دیا ہوتا اور اس قدر ہمت تو نہ ہار دی ہوتی کہ اُٹھنے کی اُمنگ بھی جاتی رہتی۔ غور کے قابل بات ہے کہ اگر ووکنگ کے اسلامی مشن کو صرف ہندوستان کی کوشش کا ہی نتیجہ قرار دیا جائے تو چھ کروڑ مسلمانوں کا اس کو موجودہ حالت میں چھوڑنا۔ کہ اسکی زندگی کا انحصار صرف اس بات پر ہو کہ ایک شخص جو اپنے دل اور دماغ کو غیر مسلموں پر خرچ کرکے اُن کو اسلام کی طرف لا سکتا ہے۔ صرف مسلمانوں کو بیدار کرنے پر لگا رہے۔ کیسا قابل افسوس امر ہے چاہیئے تو یہ تھا کہ جو لوگ اس بات کے اہل ثابت ہو چکے ہیں کہ وہ اسلام کے پاک چہرہ کی اصلی خوبصورتی لوگوں کو دکھا کر اُن کو اسلام کا شیدا بنا سکتے ہیں۔ انھیں اور دھندوں سے بالکل فارغ کر دیا جاتا۔ مگر جب تک کچھ اور لوگ ایسے پیدا نہ ہو جائیں جو اخراجات مشن کا فکر اسی طرح رکھتے ہوں جس طرح اپنے ذاتی اخراجات کا فکر ایک ہی آدمی کو کئی کام کرنے پڑتے ہیں۔

جو کچھ کام اس وقت تک ووکنگ مشن میں ہو چکا ہے۔ بلحاظ اس کوشش کے جو اُس کے لیے کی گئی ہے ایک عظیم الشان کامیابی ہے لیکن اس کام کو سامنے رکھ کر جو ابھی ہم نے کرنا ہے۔ وہ ابھی کچھ بھی نہیں۔ اس وقت کی تیاری کے لیے جب اس چھوٹے سے پودے کی شاخیں دور دور کے ملکوں میں پھیل جائیں۔ ہمیں ایک بڑا وسیع لٹریچر تیار کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے لیے ضرورت ہے کہ کئی آدمیوں کے دل اور دماغ محض اس لٹریچر کے پیدا کرنے پر لگے رہیں۔ اور پھر ایک حد تک اس لٹریچر کی مفت اشاعت کا انتظام بھی ہونا ضروری ہے۔ ایسے آدمیوں کا پیدا ہونا پھر ان کو یہ توفیق ملنا کہ وہ اپنی قوتوں کو بجائے اور اشغال کے اس کام پر لگا دیں محض اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے۔ لیکن جس قدر آدمی بھی اس وقت کام کرنے والے ہیں۔ اُن کے محض اس طرف لگا رہنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ کچھ لوگ ایسے پیدا ہو جائیں جو نہ صرف اپنے اموال میں سے ہی ایک معین حصہ اس کام پر خرچ کرنے والے ہوں۔ بلکہ دوسروں کو بھی بیدار کرنے والے ہوں کہ وہ اس کام میں حصہ لیں۔ اکثر لوگ جو کچھ اشاعت اسلام کے لیئے دیتے بھی ہیں تو تھوڑا دے کر ہاتھ روک لیتے ہیں۔ واعطےٰ قلیلا واکدیٰ کا مصداق اپنے آپ کو بنا دیتے ہیں۔ حالانکہ چاہیئے تھا

کہ جس قدر کام ترقی کر رہا تھا۔ اسی قدر بالمقابل اس کے لیئے سامان کے فراہمی کی کوشش کو بھی بڑھایا جاتا۔ ناظرین رسالہ رپورٹ کو پڑھ کر دیکھ سکتے ہیں کہ کس قدر اخراجات صرف مہمانداری کے ہیں۔ اور یہ محض اخراجات مشن کی ایک چھوٹی سی شاخ ہے۔ اگر رسالہ کے خریداروں میں سے جن کو اس کام کے حالات سے اطلاع ہے ایک سو آدمی بھی پتہ کر لے کہ وہ اس اسلامی مشن کے واسطے فنڈ مہیا کرنے کے لیئے کمربستہ ہو جائیں تو مشن کے مہتمم ادھر سے فارغ البال ہو کر کلیتہ دوسرے کام میں لگ سکتے ہیں ✤

مولانا مولوی صدرالدین صاحب کی چٹھی سے یہ بھی واضح ہوگا۔ کہ مولوی صاحب موصوف اب واپس تشریف لاتے ہیں اور اسی غرض کے لیئے جناب خواجہ کمال الدین صاحب ستمبر کے پہلے ہفتہ میں ولایت تشریف لے جاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان ہر دو صاحبوں کا حافظ و ناصر ہو جناب خواجہ صاحب کی غیر حاضری میں مولوی صدرالدین صاحب نے کام کو کس قابلیت سے چلایا ہے وہ اس سے عیاں ہے کہ چالیس پچاس نومسلموں سے ڈیڑھ سو تک نومسلموں کی تعداد اس اثنا میں پہنچ گئی ہے۔ اور بعض سالم کے سالم خاندان مسلمان ہو چکے ہیں۔ گویا خواجہ صاحب اپنی واپسی پر کام کو چہار چند پائیں گے۔ اللہ تعالےٰ ان کا حامی و ناصر ہو۔ اب ہم ذیل میں مولوی صدرالدین صاحب کی چٹھی درج کرتے ہیں" ✤ (ایڈیٹر اشاعت اسلام)

مسجد ووکنگ کی تازہ ڈاک

(انگلستان میں اشاعت اسلام۔)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

مخدومی مکرمی معظمی سلمکم اللہ تعالےٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ :- یہ شاید آخری چٹھی ہے جو میں یہاں سے جناب کی خدمت میں لکھتا ہوں عید الفطر قریب آ رہی ہے۔ اس مبارک دن کے بعد میں غالباً اپنی واپسی کی طیاری کروں گا۔ یہ پانچویں عید ہوگی۔ جو میرے ایام قیام میں مجھے یہاں نصیب ہوگی۔ انشاء اللہ۔ اللہ تعالےٰ نے مسجد شاہجہان ووکنگ میں پہلی نماز عید اور

خطبہ میرے مقدر میں رکھا تھا اور اس کے بعد متواتر پانچویں عید ہوگی جس کی خوشی مجھے انشاء اللہ بستر آئے گی۔ میں اپنی واپسی میں اپنے اندر بڑا سرور پاتا ہوں کہ خدا تعالےٰ نے میرے زمانہ قیام میں یہاں بہت سے پہلوؤں سے ترقی کے سامان بہم پہنچائے۔ جہاں تک میں اس میں اپنی کوشش کا حصہ دیکھتا ہوں۔ وہ بہت ہی کم ہے۔ جہاں تک میں اپنی استعداد پر نظر ڈالتا ہوں وہ بہت ہی تھوڑی ہے۔ اس لیئے میں تو کسی تعریف کا مستحق نہیں۔ اللہ تعالےٰ بڑی حمد کا مستحق ہے جس نے محض ذرہ نوازی سے اس کام کو جو اس کا اپنا ہے فروغ دیا۔ اور میرے وہم و گمان میں بھی یہ رنگ نہ تھا جو اس نے جما دیا۔ اب ہم سب مسلمانوں کی متفقہ کوشش بکار ہے۔ اس باغ کی آبیاری کے لیئے جس میں ڈیڑھ سو کے لگ بھگ پودا لگ چکا ہے۔ علاوہ ازیں سرزمین انگلستان میں چونکہ علم و تہذیب موجود ہے۔ اور تمام نہیں تو اکثر لوگ آزاد دل و دماغ رکھتے ہیں۔ جو معقولیت پسند ہیں۔ اس لیئے اسلام جو فطری مذہب ہے۔۔ اسلام جس کے معقول ہونے کے متعلق حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی کا اعلان فرمایا۔ اسلام جس کے خدا کو بار بار الحکیم بیان فرمایا اور خاتم الکتب کو الفرقان اور الحکیم کے ناموں سے مکرر یاد فرمایا۔ کیوں یہ مذہب اس مہذب اور معقول طبقہ کے مقبول نہ ہو۔ عیسائیت کی الجھن تو کوئی سلجھا نہیں سکتا۔ ایک بچہ بھی ایسی تعلیم کا دشمن ہو جاتا ہے۔ جو تلقین کرتی ہو کہ تین برابر ایک ہوتے ہیں اور ایک برابر تین کے ہوتے ہیں یا کسی کا سر پھوڑ دینے سے تمام دنیا کے گناہ مٹ جاتے ہیں تو پڑھے لکھے لوگ کیسے ان اصولوں کے پابند ہوں۔ میں سمجھتا ہوں پادری صاحبان کی ایسی تلقینوں نے یہاں کے لوگوں کو اسلام کی تعلیم کے لیئے طیار کر رکھا ہے۔ اور کثرت سے ایسے لوگ یہاں ہیں جو مسلمان ہیں پر جانتے نہیں کہ اسلام دنیا میں کوئی مذہب ہے اور وہ فطرت انسانی کے مطابق اور عقل خداداد کے موافق ہے۔ لفظ اسلام سے تو وہ واقف ہیں۔ لیکن اس کے معنی ان کے ہاں حضرت رسول کریم صلعم کی پوجا۔ زیادہ بیویاں کرنا وحشی طرز و طریق کا عادی ہونا ہے۔ ایسے لوگوں سے جب کبھی گفتگو کا موقعہ ہوتا ہے۔ تو بڑے امید افزا انکشافات ہوتے ہیں۔ اور ان کو خود حیرت ہوتی ہے کہ اسلام ان کے فطری خیالات کا فوٹو ہے۔ اور کیوں دغا باز لوگوں نے اسلام کو ایک گھنونی شکل میں پیش کیا پچھلے ہفتہ مجھے اکثر باہر رہنا پڑا۔ کئی مرد اور خواتین سے گفتگو کا موقع ملا۔ ان میں سے اکثر عیسائیت

سے بیزار اور انجانے اسلام کے قایل تھے۔ بعض اوقات اُن حالات کو دیکھ کر اپنے اوپر افسوس آتا ہے کہ ہم اس وقت اتنا بھی تو نہیں کر سکتے کہ وہ لوگ جو بالکل اسلام کے قریب آئے ہوئے ہیں اُن کو اسلام کی ندا پہنچانے کا انتظام کردیں۔ میں جمیع مسلمانانِ ہند کی خدمت میں اپیل کرتا ہوں۔ کہ اس طرف ضرور توجّہ کریں۔ آپ بہت جلد قلوب پر اپنا تسلّط جما سکتے ہیں۔ تبلیغ اسلام کا کام آپ کے آباو اجداد کا مایۂ ناز تھا۔ اسی سے اُنھوں نے ترقیاں کیں۔ اسی سے انھوں نے دُوسری اقوام سے سچّی ہمدردی کی۔ اسی سے اُنھوں نے ہمیشہ کے لیئے بہت سے ممالک کو مرہون منّت کرلیا اب وقت ہے آپ لوگ اس طرف توجّہ کریں اور بڑے زور سے کریں۔ اس جزیرہ میں آپ کی للّہی کوشش کے لیئے بہت بڑا میدان ہے۔ میں اس چیٹھی کے ساتھ ایک نقشہ شامل کرتا ہوں۔ جو جناب کو پتہ دے گا۔ کہ اس ششماہی میں قریباً تین ہزار آدمی نے ہمارے ہاں کھانا کھایا۔ (امیر، ہندی انگریزی مسلم اور غیر مسلم۔ ایرانی۔ مصری اور بعض دوسرے یورپی اقوام کے زائرین تھے) اس سے نہ صرف آپ کو اس امر کا اندازہ لگانے کا موقعہ ملتا ہے کہ مسجد شاہجہان ووکنگ کو کس قدر خدائے تعالےٰ نے مقبولیّت بخشی ہے۔ مسجد جب نمازیوں سے پُر ہو جاتی ہے تو بے اختیار خدا تعالیٰ کی تقدیس تسبیح کرنی پڑتی ہے۔ اور رسول کریم صلّے اللہ علیہ وسلم کے لیئے درود زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس امر کا بھی کہ یہ مشن کس نہج پر چل رہا ہے۔ اور کس قدر بڑھتے ہوئے اخراجات کا اس کو انتظام کرنا پڑتا ہے۔

آخر میں ایک شخص کے اسلام قبول کرنے کی خبر بھی ابلاغ خدمت کرتا ہوں۔ یہ بزرگ نائیجیریا کے ہیں۔ بڑے اخلاص سے اُنھوں نے اپنے اسلام کا اعلان بھیجا ہے۔ اللہ تعالےٰ اُن کا اسلام قبول کرے اور ان کو استقامت عطا فرمائے۔ ان کا اسلامی نام مسٹر ہارون سمتھ ہوگا۔ اللّٰھم زد فزد۔ والسّلام

نقشہ ششماہی اوّل بابت لنگرخانہ مسجد ووکنگ

جس سے معلوم ہوتا ہے کسقدر لوگوں نے یہاں کھانا تناول فرمایا

(از ابتدائے جنوری ۱۹۱۶ء لغایت ۳۰ جون ۱۹۱۶ء)

نام ماہ	بوقت صبح	بوقت دوپہر	بوقت شام چار	رات کا کھانا	رات کو شب باش ہوئے	تعداد مردمان جو اتوار کے دن جمع ہوئے
جنوری سنہ ۱۹۱۶ء	۶۰	۸۰	۱۸۲	۲۰۰	۶۱	۱۳۵
فروری سنہ ۱۹۱۶ء	۲۷	۴۵	۱۱۸	۱۳۱	۲۷	۱۳۰
مارچ سنہ ۱۹۱۶ء	۳۱	۶۰	۱۶۴	۱۷۹	۳۱	۱۵۰
اپریل سنہ ۱۹۱۶ء	۵۹	۹۷	۲۲۵	۲۴۱	۵۹	۱۸۰
مئی سنہ ۱۹۱۶ء	۶۴	۱۱۹	۲۳۴	۲۵۳	۶۴	۱۵۵
جون سنہ ۱۹۱۶ء	۴۸	۵۵	۱۵۵	[illegible]	۴۸	۱۴۴
کل میزان	۲۸۹	۴۵۶	۱۰۷۸	۱۱۶۸	۲۸۰	۸۹۴

کل تعداد مردمان جنھوں نے کھانا کھایا ۱۰۴۹۵ ہے ۔ صدر الدین امام مسجد ووکنگ

عورت کی حالت مختلف مذہبی اور تمدنی قوانین کے ماتحت

نمبر۲

(از قدوائی)

مختلف مذاہب کے قوانین کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت ایک مدت مدید تک ذلت کی حالت میں رہی۔ دنیا کے چار ممتاز مذاہب میں سے جن سے مراد بدھ یہودی عیسائی اور اسلام کا مذہب ہے۔ مؤخر الذکر نے ہی جو خاتم المذاہب تھا عورت کی عزت اور مساوات کے حقوق دیئے ۔

(بدھ مذہب)

بدھ مذہب کی تعلیم اخلاقی حیثیت سے نہایت ہی اعلےٰ پایہ کی تعلیم ہے۔ لیکن باوجود تخیل اور اخلاق کی بلندی کے عورت کے حق میں جو کچھ بھی کہا نامناسب کہا۔ مہاتما بدھ جو کہ بدھ مذہب کے بانی ہیں اور جنھیں کمالات انسانی کا ایک اکمل ترین نمونہ بتایا جاتا ہے

اُنھوں نے بھی حصول کمال اور زن وشوہر کے تعلّقات میں اتنا بعُد اور تناقض دیکھا کہ اپنی بیبیوں تک سے تعلّق قطع کر دیا۔ بجائے اس کے کہ عورت کو ان کمالات انسانی کے حصول میں ممد بلکہ اسکو اور ذرائع کی طرح ایک ذریعہ تصوّر کیا جاتا۔ برخلاف اس کے ان کے تعلّقات کو ایسی زندگی کے لیئے روک اور ان کے میل جول کو اس کے لیئے سم قاتل سمجھا گیا۔ عورت کو نردان حاصل ہو جاوے۔ اس کا تو کیا امکان اس بیچاری سے تعلّق رکھ کر مرد بھی نجات اور فلاح کے دروازوں کو اپنے اُوپر بند کر لیتے۔ تعجّب کی بات تو یہ ہے کہ بُدھ اور عیسائی مذہب دونوں کے بانی ایک اعجازی رنگ میں پیدا ہوئے۔ ان کی بابت دعوےٰ ہے کہ ان کی ولادت میں مرد کا کوئی حصّہ نہ تھا۔ عورت ہی اُن کے کمالات کا باعث ہوئی۔ اور پھر انہی دونوں مذاہب میں ہم دیکھتے ہیں کہ عورت کے حقوق کو نہایت ہی بے پرواہی سے نظر انداز کیا گیا ہے۔ عورت بلا شرکت مرد انکی ملاوٹ کا باعث ہوئی اور اُن میں امتیازی کیفیات اور کمالات پیدا کر دیں۔ اب چاہیئے تو یہ تھا کہ یہی امر اِن کے اعزاز اور احترام کا سبب ٹھیرتا۔ لیکن ہم ان دونوں مذاہب کا طرزِ عمل اُس کے برخلاف پاتے ہیں۔ مہا اور مریم کو ایک گونہ شرف اور اعزاز دیا گیا۔ لیکن یہ احترام اُن کی ذات تک محدُود رہا۔ جنس عورت وہی ذلیل کی ذلیل رہی۔ تجرّد کی تعلیم دونوں نے دی۔ تمثیلی رنگ میں بُدھ اور عیسائی مذہب کو پرانی مشرک اقوام سے ایک مشابہت اور نسبت ہے اور وہ اس بات میں کہ ان اقوام کے دیوتا سب کے سب عورتیں ہی تھیں ایک طرف تو عورت کو ایک گونہ معبودیت کا شرف دے رکھا تھا۔ اور دُوسری جانب عورت کو اتنا ذلیل کہ جہاں قربانی کی ضرورت پڑی عورتوں اور لڑکیوں کو سامنے کر دیا۔ یہی حالت ان مذاہب کی ہے۔ ایک طرف تو بدھ اور مسیح کی والدہ کو کمال درجہ کا اکرام دے رکھا ہے اور دُوسری طرف ان کی جنس سے اتنی نفرت اور اجتناب کی تعلیم دی ہے کہ خدا کی پناہ۔

مہاتما بدھ کی شخصیّت ایک اعلےٰ زندگی کا نمُونہ تھی۔ اس کی زندگی میں ایک خاص تاثیری رنگ تھا۔ اس کا مشن بہُت ہی وسیع تھا۔ لیکن اُنھوں نے مسیح سے بھی عورتوں کے حقوق کو نظر انداز کرنے میں ایک قدم آگے رکھا۔ حضرت مسیح تو ابتدا سے مجرّد رہے۔ مہاتما نے اپنی منکوحہ بیبیوں کو بھی خیر باد کہا۔ برہمنوں کے اصُول کے برخلاف بڑے استقلال اور

تن دہی سے اُنھوں نے جہاد کیا اور مساوات کی تعلیم دی۔ لیکن اس مساوات کو مردوں تک محدود رکھا۔ عورتوں کو اس سے قطعاً محرُوم کر دیا۔ یہاں تک کہ جب ان کے ایک شاگرد انندا نے ان سے سوال کیا۔ کہ مہاتما ہم عورتوں سے کیسا برتاؤ رکھیں تو جواب میں کہا کہ انندا اُنھیں دیکھو تک نہیں۔ جب ان سے دوبارہ استفسار کیا کہ جو اتفاقاً نظر پڑ جاوے تو جواب میں فرمایا کہ چوکنے رہو۔ نظر پڑنے ہی نہ پاوے۔

اُن کے اور منقولات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ عورت کے تعلّقات کو وُہ ناپاک سمجھتے۔ ان کے نزدیک عورت اور مرد کے تعلّقات شہوانی بناؤ کے ورے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ اس لیئے اُن سے مطلق احتراز کی تعلیم رہی اور اس پر بہت زور دیا چنانچہ ان کے منقولات میں مفصلہ ذیل واقعہ درج ہے:۔

بھکھس بدھا کے پاس آیا اور سوال کیا۔ کہ آپ ان شرمانوں کے لیئے جنھوں نے دُنیا کو ترک کر دیا ہو۔ عورتوں کے بارہ میں کیا حکم دیتے ہیں۔ اُنھوں نے فرمایا کہ عورتوں کو دیکھنے سے احتراز کرو۔ اگر کہیں تُمھاری نظر پڑ بھی جاوے تو اس درجہ کی بے اعتنائی کا اظہار کرو کہ گویا تم نے دیکھا ہی نہیں۔ اگر کہیں اُن سے بات چیت کا اتفاق ہو بھی جاوے تو شرمان کو چاہیئے کہ ہر حالت میں اس پھُول کی مانند پاکیزہ رہے۔ جو مٹّی سے اُگتا ہے۔ لیکن مٹّی کی گندگیوں سے منزّہ ہوتا ہے۔ اگر عورت بُڑھیا ہو تو اُسے اپنی والدہ سمجھے۔ اگر جوان ہو تو ہمشیرہ تصوّر کرے۔ اگر چھوٹی ہو تو اُسے اپنا بچہ جانے شرمان نے جُونہی عورت کو عورت کر کے چھُوا یا اُس سے اس حیثیّت میں کسی قسم کا تعلّق رکھا اُس نے اپنے عہد کو توڑ دیا۔ اور ساکھی منی کے چیلوں میں سے خارج ہو گیا۔ شہوت کی حکومت انسان پر نہایت ہی زبردست ہے۔ اس کے مقابلہ میں راسخ عہد کی کمان اُٹھا لو اور عقل کے تیر سے اُس کا مقابلہ کرو۔ پاکیزہ تخیّل کو اپنا خُود بنا لو اور پکّے ارادہ سے اپنے حواس خمسہ کے برخلاف جہاد کرو۔ بدنظری سے بہتر ہے کہ تُمھاری آنکھ اندھی ہو۔ تمھارے لیئے جلّاد کی تلوار اور شیر کے مُنہ کے سامنے جانا بہتر ہے اس سے کہ تم کسی عورت سے تعلّق رکھو۔ عورت اپنے سنگار دکھاتی ہے۔ انداز اور میٹھی باتوں سے اپنا جال پھیلاتی ہے

لوگوں کے دلوں کو لبھاتی اور اُن پر قبضہ کرتی ہے۔ پس چاہیئے کہ تم ان سے بچو۔ ان کے آنسو تمہارے دشمن ہیں ان کی ہنسی زہر ہے۔ ان کے ناز و انداز جال کی رسیاں ہیں جن سے وُہ تمہیں پھانسنا چاہتی ہیں پس میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے دِل پر قابو رکھو اپنے خواہشات کی باگ اپنے ہاتھ سے جانے نہ دو۔

پروفیسر ویسٹر مارگ صاحب اپنی ایک تصنیف میں فرماتے ہیں کہ ایک بدھ مذہب کے پیرو کے نزدیک تمام امتحانوں سے مشکل امر تمام ابتلاؤں سے اشد ابتلا وہ جال ہے جو عورتیں پھیلاتی ہیں کیونکہ عورتوں میں دلبستگی کے وہ تمام اسباب موجود ہیں۔ جو کہ دُنیاوی لوگوں کی فریفتگی کا باعث ہوتے ہیں۔ غالباً بدھ کے نزدیک عورت کی حیثیت میں پیدا ہونا ایسی ہی بدقسمتی کا نشان ہے جیسے برہمن کے خیال میں شودر پیدا ہونا۔ شودر اور برہمن کا جہاں سوال پیدا ہوا۔ وہاں اس نے مساوات کی تعلیم دی۔ جہاں برہمن کے لیئے یہ ضروری سمجھا جاتا تھا کہ وہ برہمن کے ہاں پیدا ہو وہاں بدھ نے یہ تعلیم دی۔ کہ نہیں مذہبی معلم کسی حیثیت کا اِنسان ہو۔ جو نہی تعلیم حاصل کی قابل ہُوا۔ تب ہی برہمن بننے کا حقدار ٹھیر گیا۔ لیکن جہاں ہندو مذہب نے شادی کو لازمی ٹھیرایا وہاں بُدھ مذہب نے تجرّد اور رہبانیّت کی تعلیم دی۔ لیکن انسانی فطرت بدھ کے ہاتھ میں نہ تھی۔ شادی فطرت کا ایک تقاضا ہے۔ تجرّد ایک غیر فطری امر تھا۔ جس کا بوجھ ساکھی منی نے اپنے پیرؤوں پر ڈالا۔ اس بوجھ کے لوگ دیر تک متحمّل نہ رہ سکے۔ اور اب بدھ مذہب کے اکثر پیرو برخلاف اپنے مہاتما کے پُر زور حکم کے شادیاں کرتے اور تمدّنی بسر کرتے ہیں۔ گویا کہ ایک گونہ اپنے مہاتما سے بڑھ کر قدم مارتے ہیں۔ کہ وہ تو اپنی نجات کو محال سمجھتے تھے۔ جب تک کہ عورت کے تعلّقات سے کٹ نہ گئے۔ اور یہ لوگ جو اُن کے پیرو ہیں باوجود تزوّج اور خانہ داری کے نروان تک پہنچ جاتے ہیں۔ یا کم از کم اس کے امکان کے قائل ہیں +

(ب) (یہودیت اور عورت کی حالت)

عورت ہونا ہی ایک بڑی ذلّت ہے۔ یہ قول ہے جو مسٹر روڈول برنیوں کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ موجودہ زمانے کا یہودی اپنی روزمرّہ کی دعاؤں میں کہتا ہے۔ شکر ہے اے اللہ کہ تو نے مجھے عورت نہیں بنایا +

حضرت موسیٰ تشریعی نبیوں میں ایک اعلےٰ پایۂ کے نبی تھے۔ لیکن عورتوں کو آزادی نہ دے سکے اسرائیلیوں کے نزدیک عورت کی قسم اور معاہدوں کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ جب تک والدین کی اجازت اور مرضی ان کے ساتھ نہ ہوتی۔ اُن کی منتیں اور نذریں بھی رائگاں سمجھی جاتی تھیں (استثنا باب ۳۰ آیت ۲)

عورت کو ناپاک خیال کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت سلیمان نے فرعون کی لڑکی کو داؤد کے شہر سے یہ کہکر نکال دیا کہ میری بیوی اسرائیلیوں کے بادشاہ داؤد کے گھر میں ہرگز نہ رہنے پاوے گی۔ کیونکہ اس میں خدا کا متحمل اثر تھا (دیکھو تواریخ)

پھر اناجیل نے عورت کی بابت جس خیال کو تورات سے اخذ کیا ہے۔ وہ بھی نہایت ہی ذلیل خیال ہے۔ پہلی عورت کی پیدائش مرد کی پسلیوں سے ہوئی۔ پھر وہی عورت مرد کے ہبوط کا باعث ہوئی۔ اُس نے ممنوع پھل توڑا۔ اُسے کھایا۔ آدم کے پیش کیا۔ اُس نے بھی عقل و شعور کے پھل سے کھایا۔ اور اس رنگ میں انسان کے گناہ کی ابتدا عورت ہی سے ہوئی۔ ان کا گمان ہے۔ ہماری تمام مصایب ہمارے تمام دُکھ۔ تمام اشکال اور مشقتیں ہماری والدہ یعنی حوّا سے ورثہ میں ملیں۔ اگر وہ باعث نہ ٹھیرتی تو آدم کبھی جنّت سے نہ نکالا جاتا۔ اگر وہ ممنوع پھل کو نہ کھاتی تو فطری گناہ کی مہر انسان کے ماتھے پر کبھی نہ لگتی۔ اگر اس قصّہ کو اسی رنگ میں سچا مانا جاوے جس رنگ میں اسے بیان کیا گیا ہے۔ تو واقعی کوئی وجہ نہیں کہ کیوں عورت کو کوئی عزّت دی جاوے۔ عورت کی ضمیر خود چاہے کہ اسے ملامت کرے اور ماخوذ ٹھیرا دے۔ کیونکہ اس نے بڑا گناہ کیا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تمام بنی نوع کے ابدی گناہ اور نتیجۃً دُکھ کا باعث ہوئی۔ ان واقعات کے ماتحت کوئی تعجب کا مقام نہیں کہ تورات کے قوانین میں عورت کے حق میں سختی ہوتی۔ چنانچہ تورات کا حکم ہے کہ اگر دو بھائی ایک ساتھ رہیں اور اُن میں سے ایک پر موت وارد ہو جاوے تو چاہیئے کہ اس کی عورت کسی غیر سے شادی نہ کرے۔ بلکہ اُس کے شوہر کا بھائی اُسے اپنے عقدِ نکاح میں لے لے۔

جب تک لڑکی والدین کے گھر رہے اُن کی حکومت کے تلے رہے۔ اس کا تبادلہ والدین کیلیئے جائز تھا۔ ساؤل کو داؤد سے مخاصمت تھی۔ لیکن اپنی لڑکی اُس سے بیاہ دی محض اس خیال سے کہ وہ لڑکی اس کے لیئے ابتلا کا موجب ہو۔ اس سے بخوبی موازنہ ہوسکتا ہے۔ کہ ساؤل کو اپنی لڑکی کی نسبت جو کہ نیکی کی شہرت رکھتی تھی کیا خیال تھا کہ وہ اُسے ایک نیک انسان کے حوالہ

کرتا ہے اور عندیہ یہ ہے کہ اس کے بیٹے ابتلا کا باعث ہو۔ اس کے سوائے اور کیا تاویل ہو سکتی ہے کہ وُہ آدم اور حوّا کے قصّہ کو اُسی رنگ میں سچ سمجھتا تھا جس رنگ میں اسے توراۃ نے بیان کیا۔ اور اسی سچائی کی بنا پر اس قصّہ کو داؤد اور اپنی لڑکی کے تعلّق میں پُورا ہوتے دیکھنا چاہتا تھا۔

یہ تھا اس زمانہ کے لوگوں کا خیال۔ اور کوئی تعجّب کا مقام نہیں کہ اگر آج کل کے یہود عورت کو اسی گناہ کا وارث سمجھتے ہوں جس کی حوّا نے ابتدا کی۔ اور بعد میں بنی اسرائیل کی اور عورتوں نے تصدیق کی۔ عورت کو یہودی قانون نے کبھی آزادی نہ دی کبھی اس سے ناپاکی کے دھبے کو صاف نہ کیا کبھی اُسے تمدّن یا سیاست میں کسی قسم کا حصّہ لینے نہ دیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے خاوند کے بچاؤ کے لیے کسی پر اگر ہاتھ اٹھاتی تو قطع ید اس کی حد تھی۔ ایک کُتّے کو بھی حق حاصل ہے کہ اپنے مالک کو خطرہ کے وقت بچائے۔ لیکن بیچاری عورت کو اس حق سے بھی محرُوم رکھا۔ بعد کے قوانین نے عورت کو اولاد نرینہ کی عدم موجودگی میں وراثت کے حقوق دیئے لیکن پھر بھی یہ اسنہ کی پیاری یتیم کا ہی کام تھا کہ اسے باوجود اولاد نرینہ کی موجودگی کے لڑکیوں کو وراثت کے حقوق سے متمتع کیا +

تعدّد ازواج رسماً اور قانوناً مروّج تھا۔ بڑے بڑے انبیاء کی متعدّد بیبیاں تھیں۔ ابراہیمؑ کی دو بیبیاں تھیں اور دونوں کی اولاد کے لیئے برکت کا وعدہ تھا۔ چنانچہ ان میں سے موسیٰؑ اور محمدؐ جیسے عظیم الشّان انبیاء پیدا ہوئے۔ مغرب کے یہودی تعدّد کے خلاف رہے لیکن وہ موسائی شریعت کے حکم سے نہیں بلکہ اپنے ربیوں کے احکام کے پابند تھے۔ موسیٰ نے خود ایک سے زائد شادیاں کیں۔ متعہ جیسے مسئلہ کا رواج بھی پایا جاتا تھا۔ طلاق کے متعلق بعد میں دو مختلف فرقے ہوگئے تھے۔ ایک کے نزدیک تو بعض جرائم کبیرہ کے ماتحت طلاق کا جواز مانا جاتا تھا۔ اور دوسرے فرقہ میں تو نہایت ہی معمُولی غلطیوں پر بھی عورت کو گھر سے نکال دینا جائز تھا۔ ربکیہ نے تو یہاں تک تجاوز کیا کہ اگر کسی اور حسین عورت پر نظر پڑ جاوے اور طبیعت آجاوے تو خاوند مجاز ہے کہ اپنی عورت کو گھر سے نکال دے اور اپنی دلبستگی کے سامان سے اس کا تبادلہ کر لے +

شامیوں کے برخلاف ہلیل کے پیرووُں کے نزدیک مرد کو ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے اس کی مرضی تھی چاہے عورت کو رکھے چاہے نکال دے۔ لیکن عورت کو اس کے مقابل مرد پر کسی قسم کا حق حاصل نہ تھا۔ نہ وہ طلاق کی استدعاء کرسکتی نہ ہی قانون اس کا کسی طرح سے بچاؤ کرسکتا۔ بسا اوقات جب عورت کی ذات میں دلبستگی کا سامان کافی نہ ہوتا تو والدین کی جانب سے شادی کے موقعہ پر دولھا کو خارجی سامان روپیہ پیسہ سے راضی کیا جاتا۔

شادی سے قبل عورت مرد کے تعلق کو جواز کا حکم دے رکھا تھا۔ اور ایسے حالات میں جو اولاد پیدا ہوتی وہ قانوناً جائز تصوّر ہوتی۔ انہی باتوں کی بناء پر اگر عیسائی مؤرخین نے عورت کی زبوں حالت کو یہودیت کی جانب منسوب کیا ہے۔ لیکی نے اپنی کتاب "اخلاق یورپ" میں عورت کی اس حالت کے لیئے اور وجوہ کے علاوہ یہودی مذہب کو ایک وجہ قرار دیا ہے۔ لڑکی کا شادی کے وقت والدین سے خرید لینا ان کے ہاں جائز تھا۔ تعدّدِ ازواج قانوناً جائز تھا۔ عورت اُن کے نزدیک گناہ کا سرچشمہ تھی۔ اولاد کی پیدائیش کے بعد طہر کی عدّت قائم کی گئی تھی۔ اور اس میں بھی لڑکی کی پیدائیش کے موقعہ پر یہ خصوصیت تھی کہ طہر کی عدّت دُگنی رکھی گئی تھی۔

عورت کی ناپاکی میں ایک نے تو یہاں تک غلو کیا ہے کہ اُس کے نزدیک بھلی عورت سے بُرا مرد بہتر ہے۔ عورت کا اخلاقی نمونہ بھی اگر پیش کیا گیا ہے تو وہ بھی نہایت ہی گھٹیل توریت نے ایک عورت کی بڑی تعریف لکھی ہے۔ اور بعد میں اس کی جانب ایک نہایت ہی سفاکانہ غداری کو منسوب کیا ہے۔ اس اسوۂ حسنہ پر عورت کی قدر و احترام اور اخلاق کا خاتمہ ہے کہتے ہیں کہ محبّت شادی کے معاملہ میں قیود قومی سے آزاد ہے۔ لیکن یہودی قوم کوئی اس قسم کی پابہ زنجیر قوم ہے کہ ان کی محبّت بھی ان قیود کو نہیں توڑ سکتی۔ شادی جب کریں گے اپنی قوم میں محبّت بھی ایسی دام ہے کہ جب ہوگی اپنی قوم کی حدوُد سے باہر نہ ہوگی ؎

حضرت مولینا مولوی صدر الدّین صاحب کا ایک اور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

تازہ خط

چھ اشخاص کا مشرّف باسلام ہونا

پچھلے خط کو مَیں نے سمجھا تھا کہ اغلباً آخری خط ہوگا جو یہاں سے مَیں لکھوں گا۔ لیکن اس ہفتہ چند سطور اور لکھتا ہوں۔ اس ہفتہ چند اشخاص کو اللہ تعالےٰ نے اسلام جیسی نعمتِ عظمےٰ عطا کی۔ مجھے اور مسلمانوں کو بہت بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ ان میں ایک تو عمر رسیدہ تجربہ کار خاتون ہیں جن کا نام مسز سمتھ ہے اور دو اُن کی صاحبزادیاں ہیں۔ ان کی سب سے چھوٹی صاحبزادی بائیس۲۲ سال کی ہے جو اس گھر میں سب سے پہلے مسلمان ہوئیں۔ اُن کو اسلام اختیار کیئے سال بھر کا عرصہ ہوتا ہے۔ ان کا نام فاطمہ ہے۔ اور ہماری محبہ مکرّمہ ہیں۔ یہ خاندان ووکنگ میں سکونت گزین ہے۔ اٹھارہ۱۸ مہینے سے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ ابھی ایک صاحبزادی دائرۂ اسلام میں نہیں آئی۔ اللہ تعالےٰ ان کو انشراح صدر عطا فرمائے۔ ان کے اسلام لانے پر ووکنگ کے تین گھر ایسے ہوجائیں گے جن کے سارے کے سارے ممبر پانچ پانچ کی تعداد میں مسلمان ہیں۔ علاوہ اور گھروں کے جن میں کہیں ایک کہیں دو کو اللہ تعالےٰ نے ہدایت بخشی ہے۔ علاوہ ان تین کے ایک بلجیم کی خاتون جو اٹلی فرانس جرمنی اور دیگر ممالک کی سیر و سیاحت کردہ ہیں۔ اور آجکل بلجیم کی تباہی کی وجہ سے اس ملک میں قیام پذیر ہیں۔ وہ اور ان کی خورد سالہ لڑکی مسلمان ہوئیں۔ ان کو مختلف مذاہب پر غور کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ لیکن وُہ کہتی ہیں کہ اسلام کے متعلّق جو کچھ بھی علم حاصل ہُوا غلط حاصل ہُوا۔ اور اب جو کچھ اسلام کے متعلق چند ہفتوں میں سُنا یا پڑھا وہ عین وہی ہے جو میری فطرت کا تقاضا ہے۔ اور جو نقشہ کسی عمدہ سے عمدہ مذہب کے متعلّق میرے تصوّر میں آتا تھا وہ مَیں نے اس فطری مذہب میں دیکھا۔ مجھے ان کے اخلاص اور محبّت پر رشک آتا ہے

ہر اتوار کر ایہ صرف کر کے بمعہ اپنی صاحبزادی کے یہاں تشریف لاتی ہیں۔ چھوٹے صاحب مسز آمینہ سیکسبی کے صاحبزادے ہیں۔ اس خاندان کے چار ممبر ہیں۔ پہلے تین مسلمان ہو چکے تھے اب سارا خاندان مشرف باسلام ہوتا ہے۔ اس خاندان میں بھی سب سے پہلے اُن کی صاحبزادی مسلمان ہوئی تھیں۔ مسجد ووکنگ میں وہ ایک مسئلہ پوچھنے آئیں اور مسلمان ہو گئیں اسکے بعد ان کی والدہ ماجدہ جن کی عزت میرے دل میں بہت بڑی ہے مسلمان ہوئیں پھر اُنھوں نے چھ سات اشخاص کو مسلمان کیا۔ اور اپنے خاوند کو بھی مسلمان کیا۔ اب اپنے فرزند کو بھی دائرۂ اسلام میں داخل کیا ہے۔ اور بہت بڑی مسرت اور فرحت اُنکو اس سے حاصل ہوئی ہے۔ فالحمد للہ رب العلمین۔ اللھم زد فزد۔ والسّلام

(صدر الدین امام مسجد ووکنگ لندن)

بہ سفر رفتنت مبارک باد
بہ سلامت روی و باز آئی

مورخہ ۲۵۔ ماہ اگست سنہ ۱۹۱۶ء بروز جمعہ شام کو بمبئی میل میں حضرت خواجہ **کمال الدین** صاحب **مسلم مشنری** ایڈیٹر اسلامک ریویو **ووکنگ** (لندن) تشریف لیگئے ہیں۔ احباب کیخدمت میں مودبانہ درخواست ہے۔ کہ اُن کے برّی و بحری ہر دو سفر کے لئے خلوص دل سے **دُعاء** فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کو بخیریت ووکنگ پہنچائے۔ آمین ثم آمین

(منیجر خواجہ عبد الغنی)

نوٹ:۔ حضرت خواجہ صاحب ۳ ستمبر سنہ ۱۹۱۶ء کو بمبئی سے جہاز پر سوار ہونگے۔ اللہ تعالےٰ جناب کی حفاظت اور نصرت کرے (دُعاء اکبر)

تصحیح۔ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء کے رسالہ کے صفحہ ۳۳۱ سطر ۱۳ میں "وہ صلہ رحمی نہ کریں" کی بجائے "صلہ رحمی کریں" درست فرمالیں۔ تاکیداً عرض ہے

منیجر رسالہ ھذا

گھینگھے کی دوا

ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئی

گھینگا سخت اور بہت بڑا یا بہت دنوں کا ہو جانے سے آرام نہیں ہوتا۔ مگر تھوڑے دن کا ورم رہتے ہی علاج برابر کرنے سے چھوٹ جاتا ہے۔ ڈاکٹر برمن کی دوا ایسے گھینگھے کو آرام کرنے کا دعوےٰ رکھتی ہے۔ دوا ایک ماہ تک کرنا چاہیئے۔ اس میں صرفہ بھی بہت کم ہے۔ دوا ایک کھانے کی اور ایک لگانے کی ملتی ہے۔ جو کہ ہفتہ کے لیئے کافی ہوتی ہے۔ قیمت کھانے کی دوا (۱۲) لگانے کی دوا چار آنے (۴) محصول ڈاک پانچ آنے (۵) +

دانت کے درد کی دوا

ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئی

لگاتے ہی درد مٹاتی ہے۔ روتے کو ہنساتی ہے ایک باریک و مضبوط تنکے یا سینک کے سرے پر روئی لپیٹ کر اسے اس دوا میں ڈبو کے ٹھیک درد کے مقام پر لگائیے اور اگر دانت کی جڑ میں درد ہو تو ذرا سی روئی ڈبو کے اس میں بھر دیں۔ فوراً درد بند ہوتا ہے قیمت چار آنے (۴)۔ محصول ڈاک ایک سے آٹھ شیشی تک چھ آنے (۶) +

فصلی بخار و تلی کی دوا

آجکل سیکڑوں اشتہار فصلی بخار و طحال کے دوا کا آپ دیکھتے ہونگے۔ اس میں عموماً کونین ہنی ہے اس لیئے یہ دوائیں بخار کو کچھ وقت تک روک دیتی ہیں لیکن آرام نہیں کر سکتیں۔ ایسے بخار کے لیئے ڈاکٹر ایس کے برمن کی فصلی بخار کی دوا چند روز میں ایک دم آرام کرنے کا دعوےٰ رکھتی ہے۔ اور عوام کا فائدہ مدِّنظر رکھ کر قیمت بھی کم رکھی گئی ہے۔ اس میں تین خاص صفتیں ہیں۔ (۱) یہ ملیریا کے کیڑوں کو مار دیتی ہے اس لیئے چار پانچ خوراک کے استعمال سے بخار کا آنا بند ہو جاتا ہے۔ (۲) یہ خون کو گاڑھا کرتی ہے اور اسکی خرابیوں کو مٹاتی ہے۔ (۳) یہ تلی کو گلا دیتی ہے۔ قیمت شیشی کلاں ۸ شیشی خورد ۱۴ + محصول ڈاک پانچ آنے ۵ دو شیشی چھ آنے ۶ +

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تارا چند دت اسٹریٹ کلکتہ

رہنمائے باغبان

باغ باغیچہ لگانے والوں کو مژدہ

جس میں باغ لگانے درختوں کی پرورش کرنے اور خراب زمین کو عمدہ بنانے قلم پودا پیوند وغیرہ کی بھی باتیں جن کو مالی لوگ ہرگز نہیں بتلاتے بڑی تلاش سے لکھی ہیں (۲) ہر قسم کی ترکاریوں۔ ساگ۔ مصالح وغیرہ کی موسم کاشت۔ تخم ریزی۔ پانی دینے اور پودوں کی حفاظت کرنے کے متعلق عمدہ ہدایات۔ عمدہ اور خوش ذائقہ نفیس ترکاریاں پیدا کرنے کا حال لکھا ہے (۳) ہر قسم کی پھلواری جس سے آپ کے باغ باغیچے گلی گلزار منظر آئیں اور کوٹھی بنگلے۔ گھر بہشت کا نمونہ بن جائیں اور آپ کے بچوں عورتوں کی تفریح کا عمدہ سامان گھر کے اندر میسر اور موجود ہو جائے۔ ہر قسم کے پھول بونے کا موسم پانی دینے کا ڈھنگ۔ حفاظت کا طریقہ سب درج ہے (۴) میوہ جات کے درخت پیدا کرنے لگانے کا موسم۔ خوش ذائقہ عمدہ پھلوں کے بکثرت پیدا کرنے کا طریقہ سب کچھ نئی اور پرانی تحقیقات کا مجموعہ اس میں موجود ہے۔ قیمت بہت کم تاکہ ہر شخص فائدہ اٹھا سکے۔ مجلد کتاب مع محصول ڈاک صرف گیارہ آنے (۱۱/) ہے۔

ایڈیٹران اخبارات کیا فرماتے ہیں

(۱) رسالہ زراعت و حرفت بدایوں۔ ماہ جون سنہ ۱۹۱۶ء ابتدائی واقفیت کے واسطے یہ کتاب عمدہ رہبر ہے مصنف نے دریا کو کوزہ میں بند کیا ہے۔ یہ کتاب مینجر قیصر ہند ایجنسی لودیانہ سے ملتی ہے (۲) اخبار لائل گزٹ لاہور ۱۲۔ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء رہنمائے باغبان۔ فن باغبانی و کاشتکاری کے متعلق اس میں بعض ضروری ہدایات درج ہیں۔ (۳) اخبار پیسہ کاش لاہور ۹۔ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء رہنمائے باغبان۔ درختوں کی پرورش بیل بوٹوں کی حفاظت اور عمدہ تخم کی شناخت وغیرہ بہت سی مفید باتیں اس میں درج ہیں زمینداروں اور باغبانوں کے لئے یہ کتاب مفید ہے۔ (۴) اخبار سوداگر میرٹھ یکم جولائی سنہ ۱۹۱۶ء رہنمائے باغبان۔ نہایت سلیس اردو زبان میں معمولاً کام میں آنیوالی ترکاریوں۔ پھلدار درختوں اور پھولدار پودوں کی کاشت کے اوقات اور طریقوں کی صراحت کی ہے اردو زبان میں مفید اور کارآمد کتابوں کی بہت کمی ہے۔ لالہ تانومل صاحب نے اس رسالہ کو شائع کرکے واقعی اچھا کام کیا ہے۔ (۵) اخبار میونسپل گزٹ لاہور ۱۹۔ جون سنہ ۱۹۱۶ء رہنمائے باغبان۔ فن باغبانی کے متعلق ضروری ہدایات بیان کرکے ہر قسم کے درختوں از قسم ترکاری پھل پھول وغیرہ کی پرورش کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔ فن باغبانی کے متعلق واقعی یہ ایک ضروری کتاب ہے۔ (۶) اخبار عام لاہور ۷۔ جون سنہ ۱۹۱۶ء رہنمائے باغبان یہ چھوٹی سی کتاب ان صاحبان کیلئے خاص مفید ہے کہ جن کیلئے باغ باغیچے ہیں اس میں مختلف موسموں کی سبزی ترکاریاں اور پھل وغیرہ بونے کا پورا حال وضاحت کے ساتھ درج ہے۔

(۷) رسالہ ملاپ لاہور۔ ماہ جون سنہ ۱۹۱۶ء رہنمائے باغبان۔ ہر قسم کی ترکاریاں بونا درخت لگانا وغیرہ وغیرہ باتوں کو بہت اچھی طرح سمجھایا ہے کاشتکاروں کے لیئے یہ کتاب مفید ہے۔

(۸) الموا الیہ گزٹ امرتسر۔ رہنمائے باغبان۔ اس میں نہایت ضروری اور کارآمد پھلوں کا ذکر ہے جس سے عام لوگ بہت کچھ استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔

(۹) اخبار رہبر مراد آباد ۲۴۔ مئی سنہ ۱۹۱۶ء۔ رہنمائے باغبان دیسی اور انگریزی ترکاریوں کے بونے کا اور پھلواری تیار کرنے کے متعلق کافی ہدایات ہیں۔

(۱۰) رسالہ مارتنڈ لاہور۔ ۱۵ اپریل سنہ ۱۹۱۶ء رہنمائے باغبان دیسی ولایتی کئی قسم کی ترکاریاں اور پھول و پھل پیدا کرنے کے مناسب وقت اور طریقے بتلائے گئے ہیں۔ خاصکر زمینداروں کے لیئے یہ کتاب مفید ہے۔

ملنے کا پتہ۔ مینجر قیصر ہند ایجنسی نمبر ۱۵ سہارنپور۔ یو۔ پی

ایک سالی سو اندھی آنکھ روشن کرنے والے جواہر العین کا

موتیابند کی شفا

جواہر العین کی تعریف

موتیابند دور ہو گیا

سو برس کی اندھی آنکھ کی نظر

بیس سال کی اندھی آنکھ کی نظر بحال

زیر طبع

۷۸۶

خوشخبری خطبات غربیہ خوشخبری

قیمت فی خطبہ صرف (۵/) از علاوہ محصول ڈاک

جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی۔اے۔ ایل ایل۔بی مسلم مشنری۔ایڈیٹر اسلامک ریویو مجریہ ووکنگ لندن۔ یہ وہ معرکتہ الآرا خطبے ہیں جو جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنے قیام یورپ میں نا آشنایان اسلام کو اسلام سے معرّف کرانے اور اُن پر حقانیت اسلام متحقق کرنے کیلئے انگلستان اور فرانس اور سکاٹلنڈ کے مختلف مقامات پر سرمن لیکچر اور تقریروں کی شکل میں دیئے اسکے پڑھنے سے ہر ایک شخص نہ صرف اسلام کی خوبیوں اور اُسکے اصُولوں سے ہی واقف ہو جاتا ہے۔ بلکہ دیگر مذاہب کے مقابل اسے اسلام کی افضلیّت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ ان خطبوں میں سے چند خطبات ہم نے بعض احباب کی بار بار فرمائش سے اردو میں ترجمہ کرائے ہیں۔ جو اس وقت زیر طبع ہیں۔ ان خطبات کے مضامین کی لحاظ سے اُنھیں مختلف جلدوں میں حسب ذیل ترتیب دیا ہے :۔

سلسلہ خطبات غربیہ نمبر (۱)

مسجد ووکنگ کے ابتدائی خطبات

یہ وہ چار سرمن ہیں جنکے ذریعہ اسلام سے قطعی نا آشنا اہل انگلستان کو اسلام سے معرف کرایا گیا۔ اور انھیں چار خطبات سے جو قریبًا یکے بعد دیگرے ہوئے مسجد ووکنگ بعض غیر مسلم سکان ووکنگ کیلئے بھی مستقل معبد بن گئی۔ اور انھوں نے اپنے گرجاؤں کو چھوڑ کر مسجد میں آنا شروع کر دیا۔ بتفصیل ذیل :۔ (۱) "میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی"۔ (۲) خدا کی کامل تصویر۔ (۳) اسلام ہی بپتسمہ آتشین ہے۔ (۴) الہام ایک فیض ہو بستا ہے

سلسلہ خطبات غربیہ نمبر (۲)

اس میں ذیل کے چار خطبہ درج ہیں۔

(۱) توحید الٰہی (بمقام وائٹ سٹی شیپر ڈبش)۔ (۲) اللہ تعالیٰ کی تعلیم کردہ دُعا (بمقام ووکنگ) سورۃ فاتحہ کی ایک لطیف تفسیر ہے۔ (۳) دُعا اور استجابت دُعا (بمقام لنڈسی ہال لنڈن)۔ (۴) تصوف (بمقام فوکسٹن)

سلسلہ خطبات غربیہ نمبر (۳)

خطبات عیدین۔

(۱) عمل میں آزادی (بمقام کنگسٹن ہال لنڈن)۔ (۲) قربانی اور اسکی حقیقت (بمقام مسجد ووکنگ)۔ (۳) سُنّت ابراہیم (بمقام مسجد ووکنگ)۔ نوٹ:- اسمیں تیسرا خطبہ حضرت مولوی صدر الدین صاحب کی زبانِ مبارک سے نکلا ہُوا ہے۔

سلسلہ خطبات غربیہ نمبر (۴)

موجودہ جنگ

(۱) موجودہ جنگ اور شارع اسلام (بمقام ووکنگ)۔ (۲) موجودہ جنگ اور عیسائیت (بمقام لندن)

(۳) موجودہ جنگ اور تہذیب (بمقام ووکنگ)

یہ تین خطبات جنگ کے چھڑنے کے دو سرے ہفتہ یکے بعد دیگرے دیئے گئے اور پھر اسلامک ریویو کے ذریعہ عام طور پر مغربی دُنیا میں پھیلائے گئے۔ انکے مضامین نے وہاں کے پبلک پریس میں ایک خاص انتشار پیدا کر کے امریکہ اور انگلستان کے بعض اہلِ قلم سے اسلام کی حمایت میں زبردست مضامین لکھوائے۔

سلسلہ خطبات غربیہ نمبر (۵)

دہریوں اور ملحدین کو خطاب

(۱) "اسلام اور عیسائیت کے بنیادی اصول اور انکا مقابلہ" کیمبرج کا وہ مشہور و معروف لیکچر جو ایک ملحدین کی کلب کی فرمائش پر طلبائے کیمبرج یونیورسٹی کو دیا گیا۔ (۲) دہریوں کے لیئے ایک دلچسپ مطالعہ (الف)

(۳) دہریوں کے لیئے ایک دلچسپ مطالعہ (ب)۔

دوسرا تیسرا لیکچر مسجد ووکنگ میں اتوار کے خطبات میں بعض خواتین کی فرمائش پر دیا گیا۔

سلسلہ خطبات غربیہ نمبر (۶)

اسلام اور دیگر مذاہب

(۱) خصوصیات اسلام (بمقام پیرس)۔ (۲) اسلام عیسائیت اور دیگر مذاہب (بمقام اڈنبرا)۔ (۳) عیسائیت اور دیگر مذاہب کی موجودگی میں اسلام کی ضرورت (بمقام لندن)۔ پہلا خطبہ وہ معرکۃ الآرا تقریر ہے جو جولائی سنہ ۱۹۱۳ء میں بمقام پیرس (فرانس) مذہبی کانفرنس میں کیگئی۔ یہی وہ تقریر ہے جسکو سُنکر فضلائے یورپ کی توجہ اسلام کی طرف ہوئی۔

سلسلہ خطبات غربیہ نمبر (۷)

حقوق نسوان

(۱) عورت نے یہودیت سے چلکر اسلام تک کیا کیا انقلاب دیکھے۔ یہ وہ معرکہ کا لیکچر ہے جو اعلےٰ طبقہ کی خواتین کی فرمائش پر لائسیم کلب پکاڈلی لندن میں ۲۰ مئی سنہ ۱۹۱۳ء کو دیا گیا۔ اس لیکچر سے انگلستان میں فرقہ اناث کو اسلام کیطرف خاص توجہ ہوئی۔ (۲) ایک خطبہ نکاح جو مسجد ووکنگ میں ہوا۔ یہ خط پڑھا گیا۔

مینیجر اشاعت اسلام بک ڈپو۔ عزیز منزل۔ نولکھا۔ لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینہون عن المنکر واولئک ہم المفلحون

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی) و مولوی صدر الدین (بی۔ اے۔ بی ٹی)

نمبر (۱۱)	بابت ماہ نومبر ۱۹۱۵ء	جلد (۱)

فہرست مضامین

ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ اکتوبر ۱۹۱۵ء

نومبر ۱۹۱۵ء خلیفہ رجب الدین صاحب کے اہتمام سے

قیمت سالانہ تین روپے

وی پی وصول کنندگان احباب امور ذیل پر توجّہ فرمائیں

یوں تو وی۔پی ہمیشہ فرمائش پر ہی جاری ہوتا ہے۔لیکن وصولی پر جو کوپن ہمیں ڈاکخانہ سے واپس ملتا ہے۔ وہ بعض وقت محفوظ نہیں ہوتا۔ اس لئے وی۔پی کنندہ کا پتہ ٹھیک نہ پڑھا جانے پر آئندہ رسالہ جاری رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ہمارے پاس پہلی فرمائش تو ہوتی ہے لیکن بہت سی وی۔پی ہیں سے خاص تعیّن مشکل ہوتی ہے۔ اس لیئے التماس ہے کہ ہر صاحب وی۔پی وصول کنندہ وی۔پی پیکیٹ کی وصولی پر ازسرنو ایک کارڈ پر اپنا پتہ خوشخط بھیجا دیں۔ اور وصُولی پیکیٹ کا حوالہ دیں۔

پتہ:۔ منیجر اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس عزیز منزل۔ نولکھّا۔ لاہور

رسالہ اشاعتِ اسلام کے اغراض و مقاصد

اس رسالہ کی غرض و غایت بلاد غربیّہ میں اشاعت اسلام کو مضبوط کرنا ہے۔ اس کا سارا منافع اس ہی کام پر خرچ ہوتا ہے۔ اس کی خریداری کے بڑھنے سے ذیل کے امور مرتّب ہونگے:۔ (۱) اس سے ایک اعلےٰ پایہ کا اسلامی لٹریچر پیدا ہوگا جس کو انگلش پریس نے اسلام کی ایک طاقت تسلیم کیا ہے۔ (۲) اخراجات اشاعت اسلام میں سہولت ہو جاویگی (۳) منتظمین اسلامک ریویو انگریزی مجلّہ لنڈن کو موجودہ سے زیادہ تعداد میں انگریزی رسالہ مفت بلاد غربیّہ میں تقسیم کرنیکا موقع ملے گا۔ اور اس طرح یہ اعلےٰ مقصد پورا ہو جاوے گا۔ جس کے لیئے یہ رسالہ شائع کیا گیا۔

نوٹ:۔ اُردو رسالہ کا سالانہ چندہ کا مبلغ ہے۔ تمام درخواستیں خریداری بنام منیجر اشاعت اسلام عزیز منزل۔ نولکھّا۔ لاہور۔ آنی چاہئیں۔

رسالے بوجہ عدم تحقیق پتہ رائیگان نہ ہوں۔

ماہ ستمبر میں ووکنگ مشن کے ذریعہ نومسلموں کی تعداد میں چھ کا اضافہ ہوا جو سب کی سب خواتین ہیں۔ جن میں سے ایک سیزدہ سالہ لڑکی کا اسلام میں داخل ہونا بالخصوص قابل ذکر امر ہے۔ چنانچہ مولانا مولوی صدرالدین صاحب امام مسجد ووکنگ اس لڑکی کے اسلام کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ نوعمر خاتون مدت سے نماز میں شریک ہوتی تھیں۔ اب علانیہ مسلمان ہیں۔ ان کا نام سلیمہ رکھا گیا ہے۔ اس چھوٹی عمر میں سلیمہ کا ہمارے ساتھ شامل ہو جانا اس امر پر مجھے مجبور کرتا ہے۔ کہ تحدیث بالنعمۃ کے طور پر خدا تعالےٰ کا اس فضل اور کرم کا ذکر کروں۔ جو اس نے یہاں اس سلسلہ تبلیغ میں شامل حال کر رکھا ہے۔ پچھلے سال ایک سترہ سالہ خاتون مسلمان ہونا چاہتی تھیں تو اس پر میں اور برادرم مکرم معظم خواجہ کمال الدین صاحب بہت گھبرائے .... اب تیرہ سالہ لڑکی کو بے خطر ہم اپنی برادری میں شامل کرتے ہیں۔ ایک سال میں خدا کے عزیز و

حکیم نے حالات کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا ہے ......

"اس نو عمر خاتون کی والدہ ماجدہ بھی کئی مہینوں سے تشریف لاتی ہیں۔ وہ ابھی نماز میں شمولیت اختیار نہیں کرتیں۔ کسی دن اُن کو بھی اللہ تعالےٰ توفیق عطا کرے گا۔ کہ وہ بھی نماز میں شامل ہوں اور اسلام قبول کریں۔"

نماز کی کشش

نماز اسلام کا شعار تھا۔ مگر آج مسلمان اس سے غافل ہیں۔ اور جو مہذب طبقہ کہلاتا ہے وہ دوسروں کے سامنے نماز کا ادا کرنا اپنے لیئے باعث عار سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اسی نماز نے بہتیرے دلوں کو اپنی سادگی اور جذبہ سے مسخر کر لیا ہے۔ ایک انگریز نے لکھا ہے۔ کہ وہ ایران میں کسی موقعہ پر سفر کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ مسلمان سپاہیوں کا ایک دستہ تھا۔ ایک خطرناک مقام پہ وہ پہنچے ہوئے تھے۔ جہاں سے دن کی روشنی میں نکل جانا ضروری تھا۔ مگر ادھر آفتاب غروب ہوا۔ اُدھر وہ سب کے سب گھوڑوں سے اُتر صف باندھ کر دست بستہ خدا کے حضور کھڑے ہوگئے۔ ان کی اس بے اختیاری کی حرکت نے کس طرح تمام خطرات کی پروا نہ کر کے وہ سادگی سے صاف زمین پر خدا کے آگے جھکتے اور سجدہ میں گر جاتے ہیں۔ اس کے دل پر ایسا اثر کیا کہ اسلام کی صداقت اس کے دل کے اندر گڑ گئی۔ یہی نماز جس کی طرف آج مسلمانوں کو توجّہ نہیں۔ بہت سے سعید رُوحوں کے لیئے باعث کشش ہو رہی ہے۔ اور یہی آخر انکو آہستہ آہستہ اسلام کی طرف لے آتی ہے۔ لوگوں کو تو یہ فکر تھا۔ کہ یورپ میں لوگ مسلمان تو ہو جائیں گے۔ مگر نماز کی پابندی وہ نہیں کر سکتے۔ یہاں ایک اور ہی رنگ نظر آتا ہے۔ ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوتے۔ کہ نمازوں میں پہلے شمولیت کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف اپنے تازہ خط میں لکھتے ہیں۔

"جناب حضرت باری تعالےٰ کے افضال ہیں۔ کہ عید الفطر کے بعد آج تک تیرہ کس دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اور بھی کئی سعید ہیں جو نمازوں میں برابر شامل ہوتے ہیں۔ مگر اظہار کی طاقت نہیں۔ انشاء اللہ تعالےٰ مسٹر جلال محمد اشرف کے خاندان کی طرح دو تین اور خاندان

اسلام کے بہت قریب ہیں۔ ایک کپتان رابرٹسن صاحب مرحوم کا خاندان ہے۔ جس میں سے دو لڑکیاں مسلمان ہو چکی ہیں۔ باقی ان کی والدہ محترمہ اور ان کی دوسری ہمشیرہ باقی ہیں۔ اگرچہ وہ بھی متواتر اتوار اور بدھ کو نمازوں اور مجلسوں میں شامل ہوتی ہیں۔ دوسرا خاندان مسٹر سمتھ صاحب کا ہے۔ اُن میں سے ایک لڑکی مسلمان ہوئی ہے۔ باقی اُن کی والدہ مکرمہ اور دیگر تین ہمشیرگان ہیں جو نمازوں میں شامل ہو جاتی ہیں۔ مگر اُن کے اعلان کے واسطے ابھی تھوڑا وقت اور چاہیے۔"

ووکنگ میں مہمانوں کی آمدورفت

ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا۔ کہ ووکنگ میں کس کثرت سے مہمانوں کی آمدورفت ہے:۔

نام ماہ	صبح	دوپہر	چار شام	رات کا کھانا	کل تعداد
جون ۱۹۱۵ء	۳	۳۷	۱۳۹	۱۷۳	۳۵۲
جولائی ۱۹۱۵ء	۴	۳۰	۱۴۲	۱۴۵	۳۲۱
اگست ۱۹۱۵ء۔ بوجہ عید الفطر	۲۳	۲۷۲	۴۳۵	۱۷۰	۹۰۰
ستمبر ۱۹۱۵ء	۴۵	۵۹	۱۹۴	۲۰۵	۵۰۳
میزان	۷۵	۳۹۸	۹۱۰	۶۹۳	۲۰۷۶

گویا چار ماہ میں دو ہزار چھہتر مرد و زن مسلم و غیر مسلم نے ووکنگ مشن کے دسترخوان پر کھانا تناول فرمایا۔ اگر اس بات کو ملحوظ رکھا جائے۔ کہ نرخ اشیا کس قدر ترقی کر گیا ہے اور پھر ہر قسم کے مہمانوں اور کھانوں کو مدّنظر رکھا جائے تو بحساب اوسط ان مہمانوں کا خرچ ایک روپیہ فی کس سے کم نہ ہوگا۔ اس طرح پر دو ہزار روپیہ چار ماہ کا خرچ صرف مہمان نوازی کا ہے یعنی پانچسو روپیہ ماہوار یا چھ ہزار روپیہ سالانہ۔ باوجودیکہ یہ مشن پر ایک بڑا بھاری بوجھ ہے۔ مگر درحقیقت یہ ایسا ذریعہ ہے۔ کہ ایک طرف اسلامی خلق مہمان نوازی کو دکھاتا اور دوسری طرف تبلیغ کا موقعہ پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ اس طرح ان لوگوں سے بھی جو زیادہ دیر ٹھہرنے کے ارادہ سے نہیں آتے۔ گفتگو کا موقعہ مل جاتا ہے۔ اور اُن کے کانوں تک اسلام کا پیغام پہنچا دیا جاتا ہے۔ اس طرح پر ان میں سے بہت ایسے ہوتے ہیں

کہ وہ ایک دیرپا اثر ساتھ لے جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں نومسلموں کو صرف کلمۂ توحید پڑھا کر یا چند موٹے موٹے اسلامی اصول سکھا کر چھوڑ دینا کافی نہیں۔ بلکہ اصل غرض ہمارے مشن کی یہ ہے کہ جو لوگ اسلام میں داخل ہوں وہ خود اس سے اس قدر واقفیت پیدا کرلیں کہ دُوسرے کے لیئے وہی مبلّغ بن جائیں۔ چنانچہ چند ہفتوں سے بوقت شب دو تین سعید نومسلم آجاتے ہیں اور تعلیم قرآن سے مستفیض ہوتے ہیں۔

پس اس مہمان نوازی کا خرچ جو قریباً چھ ہزار روپے کی ایک معقول رقم ہے رسالہ کے کثیر اخراجات کے علاوہ ہے۔ اور یہ خرچ اگر خدا کو یہ منظور ہے کہ یہ مشن ترقی کرے۔ اور اسلام سارے یورپ میں پھیلے دن بدن بڑھتا چلا جائے گا۔ جو لوگ ان باتوں کی اہمیت سے واقف ہیں وہ خود بھی ان مصارف کے لیئے فنڈ مہیا کرنے میں حصّہ لیں۔ اور دُوسرے احباب کو بھی توجہ دلائیں

اسلامک ریویو کا دایرہ وسعت

۷ راکتوبر کے خط میں مسٹر ایشین کے مشرف باسلام ہونے کا ذکر کرتے ہوئے مولانا مولوی صدر الدّین صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

" اس خوشخبری کے علاوہ یہ امر بھی درج کرنے کے قابل ہے کہ رسالہ اسلامک ریویو۔ اور مسلم انڈیا نے خدا تعالےٰ کے فضل سے اپنا اثر دور دراز ملکوں میں کیا ہے۔ نورِ ایمان کی چنگاڑی کو بہتوں میں سُلگایا ہے۔ اور وہ جن کو خدا تعالےٰ نے پہلے ہی سے سلسلہ حقہ اسلامیہ میں منسلک کر رکھا تھا۔ اُن کو ایک گونہ طاقت بخشی ہے۔ اس دفعہ جنوبی افریقہ سے ایک انگریز مسٹر رابرٹ کا خط موصول ہُوا ہے۔ اُنھوں نے اپنے خط میں یہ ظاہر کیا ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔ اور اہل اسلام سے نہائیت سخت محبّت رکھتے ہیں۔ اُن کے دل میں آرزو ہے۔ کہ اسلام جو فطرت انسانی کے تقاضوں کو پُورا کرنے والا مذہب ہے۔ چار دانگ عالم میں جلد پھیل جائے۔ اور دُنیا کے لوگوں میں سچّی اخوّت اور امن و محبّت کے تعلقات قائم ہو جائیں۔ مراکو سے ایک افسر مسٹر ہیرٹ صاحب فرانسی کا خط ہمارے کرم بھائی پروفیسر ہارون مصطفےٰ لیون صاحب کے نام موصول ہُوا ہے اور ایک خط راقم الحرُوف کے نام۔ پروفیسر صاحب کے نام کا خط فرانسیسی میں تھا۔ اوسکا ترجمہ

انشاء اللہ تعالےٰ اس پرچہ مسلم انڈیا میں شائع ہوگا۔ وہ پہلے ہی سے مسلمان ہیں۔ اُن کا نام عبدالرحمٰن صاحب ہے اُن کو بڑی خواہش ہے کہ مسجد ووکنگ کی زیارت کے لیے آئیں۔ ایک بڑی مسرت بخش خبر جو انہوں نے تحریر فرمائی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ سینکڑوں فرانسیسی مراکو اور الجیریا میں مسلمان ہیں۔ لیکن درپردہ اور فرانس کے جنوبی حصہ میں تو مسلمانوں کی تعداد ہزاروں تک ہے۔ رُوس میں تو نہائت ہی اعلےٰ درجہ کی حالت ہے۔

مسلمانوں کے مفتی گورنمنٹ کی طرف سے اعلےٰ رتبوں پر مقرر ہیں۔ بڑی بڑی شاندار مساجد گورنمنٹ کے خرچ پر تعمیر ہوئی ہیں۔ رُوس کے اماموں کے خطبے اور تقریریں اور تحریریں مسجد ووکنگ میں بذریعہ اخبار موصول ہو جاتی ہیں۔ بلجیم سے بھی ایک سپاہی کا خط آیا ہے کہ ہم لوگ اسلام اور اسلامی لٹریچر کو بڑے اشتیاق سے مطالعہ کر رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کو اللہ تعالےٰ نے اسلام کے لیئے بہت بابرکت کیا ہے۔ ملائکہ کی افواج میں ایک تموج نظر آتا ہے۔ آسمانوں پر جب فیصلہ ہو جاتا ہے تو اہل زمین کے قلوب بھی اس طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اس وقت اہل اسلام کا فرض ہے کہ ہمت وجوانمردی سے اسلام کی تبلیغ میں لگ جائیں اور اپنے تئیں اہل بنائیں۔ کہ خدا تعالےٰ کی نصرتوں کے جاذب ہوں۔ جب تک ہم اپنے اندر تبدیلی پیدا نہ کریں۔ جب تک ہم خود اعلےٰ درجہ کا تقوےٰ حاصل نہ کریں۔ جب تک ہم خود اولوالعزمی نہ دکھائیں خدا تعالےٰ کی سنت نہیں کہ ہم کامیابی کے بلند میناروں پر پہنچ سکیں۔ وہ جو اس باریک ہلال میں چودھویں کا بدر منیر دیکھتے ہیں۔ وہ جن کو خدا تعالےٰ نے دل دیا ہے۔

وہ جو خدا تعالےٰ کی زبردست طاقتوں کے قائل ہیں۔ وہ جن کو یقین ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کے راستے میں ایک حبّہ خرچ کرنے والے مالا مال کر دیئے جاتے ہیں۔ وہ اس وقت غفلت اور کاہلی سے کام نہ لیں۔ یہ وقت ہے کہ عالی حوصلگی سے کام لیا جاوے۔ اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیئے اپنے کلام سے اپنے قلم سے اور اپنے مال سے تھوڑا سا حصّہ خرچ کردیں تاکہ برکات کا نزول اُن پر ہو۔

اِسلام میں روزوں کا حکم

{یہ وہ خطبہ ہے جو مولوی صدرالدین صاحب نے ۱۶- جولائی ۱۹۱۵ء کو لنڈن میں پڑھا}

یا ایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصّیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتّقون ۰ ایاماً معدودات .... شھر رمضان الذی انزل فیہ القراٰن ھدی للناس وبیّنات من الھدی والفرقان فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ ومن کان مریضاً او علی سفر فعدۃ من ایّام اخر۔ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔

اے مومنو! تم کو روزوں کا حکم دیا جاتا ہے۔ جیسے ان لوگوں کو جو تم سے پہلے ہوئے دیا گیا۔ تاکہ تم متقی بنو۔ وہ گنتی کے دن ہیں .... رمضان کا مہینہ جس میں قرآن کا نزول ہوُا۔ لوگوں کے لیئے ہدایت اور ہدایت کے دلائل اور حق و باطل میں تفریق کرنے والا۔ پس جو کوئی تم میں سے اس ماہ میں گھر میں ہو تو چاہیئے کہ اس کے روزے رکھے۔ اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو اُسے چاہیئے۔ کہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی گنتی پوری کردے۔ اللہ تعالےٰ تمہارے لیئے آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا۔

اِن آیات سے ہمیں وہی بات معلوُم ہوتی ہے۔ جو قرآن کریم کے ایک ایک لفظ سے ظاہر ہے۔ کہ مذہب اسلام اپنے ہر ایک حکم میں معقولیت کا رنگ رکھتا ہے۔ روزہ کا حکم اُن سب کے لیئے ہے۔ جو روزہ رکھ سکتے ہیں۔ لیکن جو لوگ بیمار ہوں یا سفر میں ہوں ان کے لئے حکم ہے کہ وُہ جب حالت سفر سے حالت حضر میں آجائیں یا بیماری کی حالت سے نکل کر تندرست ہو جائیں تو پھر اس قدر دنوں کے روزے پورے کرلیں جتنے رمضان کے مہینے میں کم رکھے گئے ہیں۔ رمضان کا روزہ محض اسی قدر نہیں۔ کہ انسان صبح سے لے کر شام تک کھانے اور پینے سے پرہیز کرے۔ بلکہ ہر ایک قسم کے بیہودہ ہنسی مخول۔ لغو گفتگو اور شہوانی خواہشات

سے رُکنا ضروری ہے۔

قرآن کریم کے کل کے کل احکام میں کسی عبادت کا پُورا کرنا یا رسم کا بجا لانا مقصود نہیں ہوتا۔ یہی حال رمضان کا ہے۔ روزے رکھنے کی اصل غرض محض اس قدر نہیں کہ انسان اللہ تعالےٰ کے ایک حکم کی تعمیل کر کے اُسے خوش کر دے۔ بلکہ اصل غرض اور حقیقی مقصود یہ ہے کہ روزے رکھنے سے اسے خود بھی فائدہ پہنچے۔ اس کی اپنی بھی تہذیب نفس ہو۔ اور بنی نوع انسان کے لیئے بھی اس کا وجود مفید ہو۔ ہم اپنے آپ کو اذیت دے کر اللہ تعالےٰ کو خوش نہیں کر سکتے۔ درحقیقت اسلام اِس بات کو اچھا نہیں سمجھتا۔ کہ انسان اپنے آپ کو ہلاک کرے۔ جیسا کہ اس کی پاک کتاب قرآن کریم سے اور احادیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتا ہے۔ کیا یہ سچ نہیں۔ اور ہر ایک مسلمان اس بات سے واقف نہیں کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے راہبانہ زندگی کے اصول کو جڑ سے کاٹ دیا ہے۔ اور آپ کا یہ ارشاد کس کو معلوم نہیں کہ لارھبانیۃ فی الاسلام یعنی اسلام میں کوئی رھبانیت نہیں ہے۔ ہاں اس کے بالمقابل ہم کو یہ حکم ہے کہ ہم ایسی زندگی بسر کریں جو ایک پابندی کی زندگی ہو اور جس میں ہم کو یہ تربیت حاصل ہو کہ اپنی خواہشات پر انسان کس طرح قابو پا سکتا ہے۔ اور کس طرح اپنی آسایشوں کو ترک کرنا سیکھ سکتا ہے۔ روزوں کے حکم کا حقیقی مقصود بھی یہی ہے۔ کہ ہم اپنے آپ کو ایک ضابطہ کا پابند کرنا سیکھیں۔ صرف انہی چیزوں پر گذارہ کریں جو جائز طور پر ہماری ہیں دوسروں کے اموال اور حقوق کو کسی قسم کا نقصان نہ پہونچائیں۔ اور اس سے بڑھ کر یہ بھی سیکھیں کہ کس طرح انسان ایک وقت اپنی جائز خواہشات کو بھی ایک ضرورت کے لیئے ترک کر سکتا ہے۔ اور اُن کو ترک کر کے دوسروں کو مدد دے سکتا ہے۔

قواعد صحت کے نقطۂ خیال سے روزے رکھنا بعض وقت صحت انسانی کے لیئے مفید ہوتا ہے۔ علم طب نے اب اِس بات کو یقینی اور قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے۔ کہ بیماری زیادہ تر اس انسان پر حملہ آور ہوتی ہے جو بسیار خور ہو یا شراب نوشی کرتا ہو۔ اور وہ شخص نسبتاً بیماری کے حملہ سے محفوظ رہتا ہے۔ جو اپنی عادات میں محتاط اور اصول پرہیز پر عامل ہو۔ اور اس قسم کے انسان پر اگر بیماری حملہ آور بھی ہو تو وہ اس کے حملہ کا دفعیہ نسبتاً آسانی سے کر سکتا ہے۔

بسیار خوری کی عادات عمر کو کم کرتی اور صحت کو برباد کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں اس قسم کی عادات انسان کی شہوانی خواہشات کی محرک ہیں اور اس طرح پر ان کے ساتھ اور ہزاروں قسم کی بدیاں آجاتی ہیں۔ آج انگلستان کے اخبارات اس قسم کے تذکرات سے بھرے پڑے ہیں۔ جیسے جنگ کے بچے (یعنی ان سپاہیوں کی ناجائز اولاد جو جنگ کے لیئے جارہے ہیں)۔ بے نکاحی بیبیاں بن شادی شدہ مائیں۔ یہ حالت ملک کے مردوں اور عورتوں کے لیئے یکساں شرمناک ہے۔ اور قوم کی عزت پر ایک خطرناک دھبہ ہے۔

گر لوگ کہہ دیتے ہیں یہ جنگ کی وجہ سے ہے۔ اور اس بات کا نتیجہ ہے کہ ملک میں جنگ کے خیالات غالب ہیں۔ یہ بیان گو ایک حد تک ماننے کے قابل مگر ان بدیوں کی کافی تشریح نہیں کرتا جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ جنگ کے اختیار کرنے کا یا حالت جنگ میں ہونیکا لازمی نتیجہ یہ نہیں کہ گندی شہوات کو اکسائے اور شہوانی خیالات کو ابھارے۔ جب خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کی افواج نے شام کے ملک کو فتح کیا۔ تو ان بہادر مسلمان سپاہیوں میں سے جنھوں نے فتح حاصل کی۔ ایک کے خلاف بھی یہ الزام نہ لگایا جاسکتا تھا۔ کہ اس نے زنا بالجبر کا ارتکاب کیا ہو یا اور کسی امر فاحش کا مرتکب ہوا ہو۔ اس صوبہ کے مسخر ہو جانے کے بعد مفتوحہ علاقہ کے باشندوں نے مسلم افواج کے کمانڈنگ افسر سے یہ درخواست کی کہ وہ فوجوں کو ایک جلوس کے رنگ میں دمشق کے بازاروں میں سے لے جائے۔ اور اس نے ان کی درخواست منظور کرلی۔ جس دن یہ عظیم الشان جلوس نکلا رستہ پر جس قدر مکانات تھے ان سب کی کھڑکیاں اور چھتیں اور سارے کے سارے بازار تماشائیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ جن میں زیادہ تر شام کی حسینان مہ پارہ تھیں۔ جنھوں نے ہر ایک قسم کی زیب و زینت سے اپنے قدرتی حسن کو دو بالا کر رکھا تھا خلیفہ کے بہادر سپاہی بازاروں میں سے گذر گئے۔ ان کی چال جنگی چال تھی۔ اُن کی طرز رفتار شریفانہ تھی۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اُنھوں نے اپنے حیا اور عفت کا وہ قابل قدر نمونہ دکھایا جس کی نظیر دنیا کی کسی فاتح فوج میں آج تک نہیں دیکھی گئی۔ ان کی نظریں زمین پر گڑی ہوئی تھیں۔ اور ایک لمحہ کے لیئے بھی اُنھوں نے ان حسن کی پتلیوں کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ جو ان کے دونوں طرف دلکشی کے سارے سامانوں سمیت جمع تھیں۔ ان نیک

اور بہادر مسلم سپاہیوں میں سے ایک کے ذمہ بھی یہ الزام نہیں آیا کہ انھوں نے اپنی عفت کو ترک کیا ہو اور کسی حرکت بیجا کے مرتکب ہوئے ہوں۔ اور جنگ کے آخر میں مسلمان کمانڈر اپنے سپاہیوں کو بدیں الفاظ سے مخاطب کرنے کے قابل تھا کہ اے سچے مومنو اللہ کے فضل سے تم نے صرف ملک شام کو فتح کر کے ہی ایک عظیم الشان فتح نہیں کی۔ بلکہ اس سے بہت بڑھ کر عظیم الشان وہ فتح ہے جو تم نے اپنے نفسوں اور اپنی خواہشات پر حاصل کی ہے۔

یہ روزہ ہی ہے۔ جو انسان کے اندر یہ طاقت پیدا کرتا ہے۔ کہ وہ اپنی خواہشات کو اپنے قابو میں رکھ سکے۔ اور اس عادت کو انسان کے اندر پختہ کر دیتا ہے۔ تمام دوسرے معاملات کی طرح اس معاملہ میں ہمارے لیئے کامل نمونہ ہمارے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک اور بے لوث زندگی ہے جنھوں نے کبھی کسی دوسرے کو ایسا حکم نہیں دیا جس کو پہلے خود کر کے نہیں دکھا دیا۔ اں ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ تنہائی کے اوقات میں اپنے او پر وہی سوال کرے جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا افلا اکون عبدا شکورا۔ کیا ہر ایک شخص کو نہیں چاہیئے کہ وہ ان نعمتوں کی قدر دانی کرے جو اللہ تعالے نے اسے دی ہیں۔ ہر ایک مسلمان کو اخلاق اور قوانین اخلاق کا ایک بہادر سپاہی ہونا چاہیئے۔ پہلے مسلمانوں کی کامیابی کا اصلی راز صرف یہی تھا۔ کہ وہ پاک اور بے لوث زندگیاں بسر کرتے تھے۔ اور ان میں کا ایک ایک فرد ہر وقت اور ہر آن ہر ایک ضرورت کے لیئے اپنی جان دینے کو تیار تھا۔ اور ہر ایک کام کے لیئے جو اسے دیا جائے مستعد رہتا تھا۔

پھر روزوں سے انسان کو اپنے ان غریب بھائیوں سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ جن کا روزہ مجبوری کا روزہ ہوتا ہے یعنی جنکو کھانے کو نہ ملنے کے وقت فاقہ کشی کرنی پڑتی ہے اور اسی طرح یہ روزوں کے رکھنے سے انسان دوسروں کی مصیبت میں ہمدردی کرنیکا عملی سبق سیکھتا ہے۔ اور برادرانہ فیاضی کی روح اس کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ حضرت عائیشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتی ہیں۔ کہ وہ سب انسانوں کا سردار مینہ کی بھری ہوئی ہوا سے بھی زیادہ سخی تھا۔ اور تیز ہوا سے بھی زیادہ سرعت کے ساتھ دوسروں کی مدد کرتا تھا۔ اور پھر آپ کے متعلق یہ بھی مذکور ہے کان اجود الناس وکان اجود ما یکون فی رمضان یعنی آپ ہمیشہ سخاوت میں تمام لوگوں پر فوقیت لیجاتے تھے۔ مگر آپ کی سخاوت رمضان

میں بہت ہی بڑھ جاتی تھی۔

احادیث نبوی میں سے کچھ
(تنقید یحییٰ النصر پارکنسن)

اس نام کی ایک چھوٹی سی کتاب* جو مسجد ووکنگ کے مشن نے شایع کی ہے۔ اور جس میں ایک مختصر تمہیدی نوٹ خواجہ کمال الدین صاحب کی قلم سے ہے ابھی مجھے ملی ہے۔ غالباً ہمارے نکتہ چین کم از کم اس کتاب کے متعلق یہ کہنے کی جرأت نہ کریں گے۔ کہ یہ حقیقی اسلام نہیں۔ بلکہ کچھ اور چیز ہے۔ جس کا نام وہ ہندوستان کی خیالی عمارتیں رکھتے ہیں یہ تو مادیت ہے اور نہ خیالی عمارت ہے۔ بلکہ عملی نصایح ہیں جو انسان کے روزمرہ زندگی میں کام دینے والے ہیں۔ اور جن کو سو مختلف عنوانوں کے نیچے مولف کتاب نے دیا ہے چند عنوانوں کے نام بطور مثال یہاں دیتا ہوں۔ اسلام۔ نیّات۔ ہمدردی۔ فیاضی۔ آداب عورتیں۔ موت۔ رہبانیۃ۔ نرمی۔ اس کتاب کی غرض وہی ہے۔ جو تمہید میں بیان کردی گئی ہے "ان اوراق کے مطالعہ سے اسلام کے اس حقیقی مفسّر کے دلی خیالات تک انسان پہونچ سکتا ہے۔ جس کی اطاعت کا جؤا کروڑوں گردنوں پر ہے جو دنیا کے مختلف اطراف میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان نصایح کے پڑھنے سے یہ معلوم ہو جائے گا۔ کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلّے اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں آنیکا ایک مقصد یہ تھا۔ کہ مذہب ہمارے لیئے برائے نام عقاید کا نام نہ ہو بلکہ ہماری عملی زندگی خود اس مذہب کا نقشہ پیش کرے۔"

اب ہر ایک تحریر کا کچھ نہ کچھ مقصد ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر ایک قول کا بھی کچھ نہ کچھ مقصد ہوتا ہے۔ ہاں اس زمانہ میں کوئی شخص یوں بھی کہہ سکتا ہے۔ کہ آج ہر ایک تحریر یا تقریر کا مقصد صرف روپیہ کمانا ہے۔ مگر میں کہوں گا۔ کہ ہر ایک تحریر اور قول کی کچھ قدر و قیمت ہوتی ہے اس قدر و قیمت کا اندازہ ہمیں کس طرح کرنا چاہیئے۔ اس کا جواب مشکل نہیں۔ اصل قدر و قیمت ہر تحریر و تقریر کی اس کا اخلاقی اثر ہے۔ یعنی وہ نیک اثر جو یہ پڑھنے والوں پر پیدا کرے۔

*نوٹ۔ یہ مختصر سی کتاب "احادیث نبوی کا اقتباس" انگریزی میں دفتر رسالہ اشاعت اسلام سے ۲ر قیمت پر مل سکتی ہے۔

[illegible]

اس کی دیرپا قیمت اس کے اخلاقی اثر کا اندازہ اس بات سے ہوگا۔ کہ پڑھنے والے کی طبیعت
میں اس نے کیا تبدیلی پیدا کی۔ کس قدر اس کے خیالات اور جذبات کو بلند کیا۔ کس قدر ان میں
وسعت پیدا کی۔ کس قدر اس کے اخلاق کو کریمانہ بنایا۔ اور کس قدر نسل انسانی کی حقیقی رہنمائی
میں یہ کام دے گی۔ یہ اقوال جو اس چھوٹی سی کتاب میں جمع کیئے گئے ہیں۔ نہ صرف اس معیار
پر پورے اترتے ہیں۔ بلکہ اس معیار کے لیئے اصول اور رہنما کا کام دیتے ہیں۔ یہ اقوال جیسا
کہ مجید میں لکھا ہے کسی ایک قوم یا دنیا کی تاریخ میں ایک زمانہ کے لیئے نہیں ہیں۔ بلکہ
یکساں طور پر ساری نسل انسانی اور سارے زمانوں پہ حاوی ہیں" اس کا اندازہ ہم یوں
کرتے ہیں کہ ان خاص معاملات میں جہاں اسلام پر نکتہ چینی کرنے والے اسے ناحق قرار
دیتے ہیں۔ اس بات کو تو بہت لوگ قبول کرنے کے لیئے تیار ہیں۔ کہ اسلام سخاوت پرہیزگاری
اور پاکیزگی کی تعلیم دیتا ہے۔ مگر بہت کم ہیں۔ جو اس بات کو قبول کریں گے۔ کہ اسلام ہر قسم کے
علوم کا مددگار ہے۔ اور حصول علم کے لیئے انسان کو توجہ دلاتا ہے۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
فرماتے ہیں طلب العلم فریضۃ علےٰ کل مسلم ومسلمۃ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد
اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے۔ اب دیکھو اس پاک ہدایت کی مدد سے علم کا حاصل کرنا
علمی معلومات کا جمع کرنا ہر ایک مسلمان کا فرض قرار دیا گیا ہے۔ خواہ اس علم کے حاصل کرنیکے
ذرائع کتنا ہی دور کیوں نہ ہوں۔ اور کتنی ہی مشکلات ان تک پہنچنے میں کیوں نہ ہوں۔
یہ گوہر علمی کیا نایاب۔

"جو علم کے حاصل کرنے میں اپنے آپ کو لگا دیتا ہے وہ مرتا نہیں"

ان مختصر الفاظ میں بلند ترین انسانی خیال کا اظہار ہے۔ جس پر نوع بشر کا کلی مدار ہے۔ حضرت
محمد مصطفےٰ صلّے اللہ علیہ وسلم کوئی فلسفہ کی تعلیم دینے نہ آئے تھے۔ مگر اسی ایک ہی قول پر اعلےٰ
سے اعلےٰ علم فلسفہ کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔ کیسی فلسفہ کی جان اور کیسا پاکیزہ خیال ہے۔
کہ علم مرتا نہیں۔ اور نہ ہی علم کے حاصل کرنے والے پر موت آتی ہے۔ ہر وہ شخص جسکا مقصد
حصول علم ہے اس پر موت وارد نہیں ہوتی۔ وہ انسانوں کے دلوں میں اور ان کے خیالات
میں ہمیشہ کے لئے زندہ رہتا ہے۔ وہ اپنے خیالات کے ذریعہ سے زندہ رہتا ہے اور جو نمونہ

وہ دوسرے لوگوں کے لیئے پیش کرتا ہے وہ اس کے بقا کا موجب ہوتا ہے۔ غرض اگر اس نے ہمیشہ کے لیئے رہنے والے اغراض اور مقاصد کو انسانوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ تو اُس کی زندگی بھی ان اغراض اور مقاصد کے زندگی کی طرح ختم نہیں ہوتی۔

عملی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ موجودہ زمانہ ماضی کا تسلسل ہے۔ جہاں موجودہ نسل نے اپنے پچھلے بزرگوں سے جسمانی شکل اور صورت لی ہے۔ اس کے ساتھ ہی کچھ احساسات بھی لیئے ہیں جن میں سے کچھ کمزور بھی ہوتے ہیں اور کچھ مضبوط بھی۔ ان میں جو کچھ بھی مشابہت یا عدم مشابہت ہو۔ ایک بات میں وہ سب یکساں ہیں کہ اخلاق کے بنانے میں وہ ضرور حصّہ لیتے ہیں۔ ان کے ساتھ ہی ہر پچھلی نسل اپنے سے پہلی نسل کے ذہنی ترقیات عادات رو لجانات عقائد خیالات کو بھی لیتی ہے۔ اپنے والدین سے۔ رفقاء سے۔ کتابوں اور تحریروں سے ہم بذریعہ روایات گذشتہ نسل کے جو اب موجود نہیں تجربات کو حاصل کرتے ہیں۔ پس ان تجربات اور خیالات میں وہ ہمارے لیئے زندہ ہیں۔ وہ ہم سے باتیں کرتے اور ہم کو تعلیم دیتے ہیں۔ علم کے عظیم الشان محل کی تیاری میں جو بنیادیں اُنھوں نے چھوڑی ہیں۔ اُنہی پر ہم بھی کچھ عمارت بناتے ہیں۔ اور اس طرح پر نسل انسانی کی مجموعی کوششوں سے یہ محل تیار ہوتا چلا جاتا ہے تمام لوگوں تمام نسلوں تمام قوموں نے علم کے مجموعہ کے تیار کرنے میں کچھ نہ کچھ حصّہ لیا ہے انھوں نے اپنی جد و جہد سے اپنی کوشش سے اپنی محنت سے مشقّت اُٹھا کر نسلاً بعد نسل صبح سے لیکر دوپہر کی گرمی تک کام کیا ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ حقیقی طور پر باقی رہنے والی چیز یعنی وہ چیز جس پر موت نہیں آتی صداقت ہے۔ صداقت ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ اور کبھی مرتی نہیں۔ ہاں جو ہماری یا دُوسروں کی غلطیاں ہیں۔ وہ جوں جوں نسل انسانی علم اور تجربہ میں ترقی کرے گی۔ نابود ہوتی چلی جائیں گی۔ پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"عالم کی سیاہی شہید کے خون سے زیادہ پاک ہے"

ایسا ہی آپ نے فرمایا "علم حاصل کرو۔ کیونکہ علم والا اس قابل ہوتا ہے۔ کہ حق و باطل میں تمیز کر سکے۔ یہ وہ نور ہے جس سے اخروی زندگی کا راستہ روشن ہوتا ہے۔ یہ جنگل میں ہمارا دوست۔ تنہائی میں ہمارا رفیق اور بے یار و مددگار ہونے کی حالت میں ہمارا یار و مددگار ہوتا ہے

یہ ہمیں راحت تک پہنچاتا ہے۔ اور مصیبت کے وقت ہمارے لیئے سہارا ہوتا ہے۔ یہ دونوں ہیں ایک زینت ہے اور دشمنوں کے مقابلہ پر ہتھیار ہے۔"

یہ علوم اس بیابان عرب کے رہنے والے اُمّی کو کس نے سکھائے۔ اس کا کوئی معلّم نہیں وہ لوگوں کے پاس نہیں بیٹھا۔ بلکہ ایک غار کی تاریکی میں یہ علوم اس پر روشن ہوتے ہیں یہ درحقیقت خدا کی آواز تھی جس نے اُس کے اندر بول کر یہ پاک علوم اسے سکھائے۔ پھر آپ نے فرمایا: "لوگوں سے ان کی عقل کے اندازہ کے مطابق بات کرو۔"

اس قاعدہ کے آپ خود بھی پابند تھے۔ آپ قدرت کے معمولی نظاروں کی طرف توجہ دلا کر اس بیابان کے رہنے والوں کے دلوں پر بات کو بٹھا دیتے تھے۔ اور بڑے بڑے فلسفیوں کے لیئے بھی آپ کے کلام میں رموز ہیں۔ مگر ان لوگوں کے لیئے جنہوں نے صرف قدرت کے تھوڑے سے نظارے دیکھے ہوئے تھے۔ ان کے لیئے ان نظاروں میں بھی کافی سبق تھا آسمان اور زمین کی مخلوق میں بڑے بڑے اجرام سماوی اور چھوٹے چھوٹے ریت کے ذرّوں ہیں۔ نباتات اور حیوانات ہیں۔ رات اور دن کے تغیّر ہیں۔ بادلوں کے آنے اور مینہ کے برسنے ہیں اس سے زمین پر روئیدگی کے پیدا ہونے ہیں۔ غرضیکہ قدرت معمولی سے معمولی فعل میں آپ نے ان لوگوں کو خالق حقیقی کی جھلک دکھائی۔ اور ایسی جھلک دکھائی۔ کہ اس پاک چہرہ کا اُن کو عاشق بنا کر اپنے آپ کو بھلوا دیا۔ اور اُن کا قدم اس ترقی کے شاہراہ پر ڈال دیا۔ کہ جس پر چل کر وہ آگے ہی آگے بڑھتے چلے گئے۔

ووکنگ میں بشپ صاحب ونچسٹر کی آمد

اور

اُن کے خیالات ہمارے متعلق

(ماخوذ از اسلامک ریویو۔ بابت ماہ اپریل ۱۹۱۴ء)

ہم اس سے تو خوش ہیں کہ ہمارے اتوار کے لکچر* جو مسجد ووکنگ میں ہوا کرتے ہیں۔ بہت ہی جلد کلیسیا کے معزز سے معزز اراکین کو ہماری طرف متوجہ کرنے لگے۔ بہت سے پادری صاحبان ووکنگ میں آئے۔ اور اپنی تقریروں میں اُنھوں نے ہمارے کام کی طرف اشارہ کیا۔ ابھی دو ہفتے ہوئے کہ بٹالہ مشن کے مشہور پنشن یافتہ پادری ڈاکٹر وائیٹ بریخت نے ووکنگ کرسچن مشن سوسائیٹی کے سالانہ جلسہ پر تقریر کرتے ہوئے ہماری تحریک کے متعلق ذیل کے الفاظ کہے ہ ”یہ تحریک ایسی نہیں کہ اس کے مقابل جنگ کیا جاوے۔ کیونکہ اس سے خلق خدا کو کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ نہ نسل انسان کی اس سے یعنی اسلام سے کوئی بہتری ہو سکتی ہے“

ہم خوب سمجھتے ہیں کہ ڈاکٹر وایٹ بریخت ان لفظوں میں کیا اشارہ کر گیا ہے۔ اور کسطرح وہ اپنے سامعین کو ہمارے برخلاف اشتعال دے گیا ہے۔ یہہ امر شاید اُس کے عیسائی متواضع طبیعت کے مناسب حال بھی تھا۔ وہ ہندوستان سے ہی ہمارا واقف تھا۔ اُسے مناسب ہی تھا کہ ہم جو اُس کے وطن مادری میں بطور مہمان وارد تھے۔ تو وہ اسی طرح حق مہمان نوازی

*۔ نوٹ:۔ یہ لکچر ماہ نومبر ۱۹۱۲ء میں شروع ہوئے۔ اور ماہ مارچ میں مقامی پادریوں نے ہمارے مقابل اپنی کوشش شروع کر دی۔ اسی کوشش کی ماتحت مختلف لیکچر اور تقریریں ووکنگ میں اسلام کے متعلق ہوئیں۔ جن میں سے ایک یہہ تقریر بھی تھی۔ جن کی بنا پر یہ مضمون لکھا گیا ہے۔ ایڈیٹر

ادا کر کے مسیحی اخلاق کا ثبوت دیتا۔ خیر اُس سے تو جو بن سکا اس نے کیا۔ لیکن دُوسری طرف ہم بشپ صاحب وچسٹر کے از حد ممنون ہیں کہ اُنھوں نے اپنی تقریر میں نہایت ہی مشفقانہ الفاظ میں ہمارا ذکر کیا۔ اور ساتھ ہی اپنے سامعین کو تاکید کر دی کہ وہ ہمارے ساتھ ملاطفت اور حسن سلوک سے پیش آویں۔ یہاں ہم ووکنگ ہرلڈ ایک مقامی اخبار سے ذیل کا اقتباس مورخہ بیس مارچ نقل کرتے ہیں جس میں بشپ صاحب کے ذیل کے الفاظ نقل ہوئے ہیں :-

"پچھلی دفعہ جب میں ووکنگ میں آیا تھا۔ تو اُس کے بعد میں نے سُنا ہے کہ یہاں ایک اسلامی تحریک شروع ہو گئی ہے۔ ایک عیسائی کے لیئے دراصل یہ ایک مشکل سوال ہے کہ اس تحریک پر وہ کیا غور کرے۔ لیکن میں تم کو کہتا ہوں کہ تم اس کا اچھا پہلو لو۔ تم حسن سلوک اور نرمی سے ان کے ساتھ پیش آؤ۔ یہ تو یقینی بات ہے۔ کہ تم اس تحریک کو بطور مذہب قبول نہ کرو گے۔ ہاں یہ تحریک تمہیں خود اپنا مذہب سمجھنے میں مدد دیں گی۔ خدا نہ کرے۔ کہ میں یہ کہوں کہ ان مسلمانوں میں کوئی خیر و خوبی نہیں۔ میں اکثر خیال کرتا ہوں کہ نماز کے معاملے میں تو یہ مسلمان عیسائیوں کے لیئے ایک عمدہ مثال ہیں۔ لیکن اُن کا مذہب تو ایسا نہیں کہ جس کو تم قبول کر سکتے ہو۔ کیونکہ تم تو یہ یقین ہی نہیں کر سکتے۔ کہ خدا تعالےٰ نے مسیح جیسا نجات دھندہ کوئی اور انسان بھی بھیج سکتا ہے۔ میں اس موقع پر تمھیں یہ کہتا ہوں۔ کہ تم اپنے مذہب کو زیادہ شوق سے اور شکر گذاری کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کرو جس طرح بائبل نے خدا تعالےٰ کو ایک فضل کا خزانہ ظاہر کیا ہے۔ اس طرح مسلمان تو خدا کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے۔ تمکو مسیحی زندگی اختیار کرنی چاہیئے اور اُس زندگی (یعنی مسیح) کی پیروی کرنی چاہیئے۔ جو کل دنیا کے لیئے کامل نمونہ ہے"

ہم بشپ صاحب کے مشکور ہیں۔ کاش اس حسن سلوک اور مروت کا وعظ بشپ صاحبان پادریوں کو سناتے جو مشرق میں مسیح کی منادی کر رہے ہیں۔ ممکن تھا۔ کہ اس سے وہاں عیسائی مذہب کو فائدہ پہونچتا۔ اور مشن ایسا ناکام ثابت نہ ہوتا۔ جیسا یہ مشرق میں ثابت ہوا۔ اگر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ جیسا کہ مسیح نے فرمایا۔ تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں۔ کہ ہمارا تجربہ عیسائیت کے بہترین پہلوؤں کے متعلق بہت ہی تلخ کام واقع ہوا ہے۔ یوں تو ہر ایک شخص اپنے مذہب

کی خوبیاں گن سکتا ہے۔ لیکن خالی الفاظ کوئی وزن نہیں رکھتے۔ جب تک الفاظ عمل کا لباس نہ پہننے۔ ہمنے بہت کچھ مسیحی نیک دلی نرم مزاجی اور انکساری کے متعلق سنا لیکن ہم بشپ صاحب کو اور اپنے دیگر ناظرین رسالہ کو ان تصانیف کی طرف متوجہ کرتے ہیں جو وقتاً فوقتاً پادری صاحبان نے ہندوستان میں شائع کیں اور جن میں ہمارے ہادی و پیشوا آنحضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر جو سب پاکوں کا سردار ہے بڑے بڑے ناپاک اتہام لگائے ہیں۔ ان ملفکام تحارب کے مقابل بشپ صاحب و نچٹر کا یہ وعظ ہم کو بہا ہی خوش کن معلوم ہوتا ہے۔ کہ اہل ووکنگ ہم سے حسن سلوک اور محبت سے پیش آئیں۔

بشپ صاحب نے جو باتیں اسلام کے متعلق فرمائیں وہ بھی دلچسپی سے خالی نہ تھیں۔ یہ تو مانا کہ وقت کی تنگی انھیں اختصار پر مجبور کرتی تھی۔ لیکن جو کچھ انھوں نے کہا اُسکا ثبوت کچھ تو دیا ہوتا۔ بشپ صاحب کے بیان میں ذیل کی چار باتیں پائی جاتی ہیں:-

(۱) عیسائی اسلام کو قبول کر سکتے ہی نہیں۔ کیونکہ یہ ہو سکتا ہی نہیں۔ کہ خدا تعالےٰ کسی اور کو بھی مسیح جیسا نسل انسان کا نجات دہندہ بنا کر بھیج سکے۔

(۲) ممکن نہیں کہ مسلمان بھی خدا تعالےٰ کو بائبل کی طرح فضل کا خزانہ کہہ سکیں۔

(۳) اہل ووکنگ کو اُس زندگی (مسیح) کی پیروی کرنی چاہئیے۔ جو کل دُنیا کے لیئے کامل نمونہ ہے۔

(۴) مذہب اسلام مسیحی صداقتوں کے سمجھنے کے لیئے اہل ووکنگ کو مدد دیگا۔

بشپ صاحب در اصل ووکنگ میں رسم کنفرمیشن[*] کو ادا کرنے آئے تھے۔ اُن کے سامنے نو عمر بچوں کی ایک تعداد تھی۔ وہ عیسائی مذہب کے متعلق جو دعوے بے دلیل چاہتے پیش کر دیتے۔ لیکن اسلام پر کچھ بولتے ہوئے اُن کو بے ثبوت باتیں کرنے کی جرأت نہ کرنی چاہیئے تھی۔ اس سرسری بیان میں بشپ صاحب نے جو چار باتیں بیان کی ہیں۔ اُن میں سے پہلی بات میں آپ نے دو حالات کا ذکر کیا ہے۔ ایک انسان کے متعلق اور ایک خدا کے متعلق

[*] بچے کی پیدائش پر اُس کا ایک دھرم باپ اور دھرم ماں تجویز ہوتا ہے۔ اور بچے کی طرف سے اقرار مسیحیت ان سے لیا جاتا ہے۔ جب بچہ سن بلوغت کے قریب آتا ہے۔ تو بذات خود اس اقرار کی تصدیق پھر اُس سے کرائی جاتی ہے۔ اس رسم کا نام کنفرمیشن ہے۔ ایڈیٹر

یعنی عیسائی مسلمان نہیں ہو سکتے اور خدا مسیح جیسا انسان پیدا نہیں کر سکتا۔

یہ امر کہ عیسائی مسلمان نہیں ہو سکتے۔ نہ معلوم یہ کیوں ناممکن ہے۔ ہم تو عیسائی دنیا کو معقول پسند دنیا سمجھتے ہیں۔ مذہب اور اُس کی تبدیلی تو صرف رائے کا معاملہ ہے۔ پھر وہ کونسے جسمانی یا اخلاقی یا قانونی محالات ہیں جو تبدیلیٔ رائے میں جس پر تبدیلی مذہب بھی منحصر ہے کسی معقول انسان کے سامنے حائل ہو سکتے ہیں۔ البتہ اگر کسی نے مذہبی معاملات میں کبھی سوچا ہی نہ ہو اور جو کسی اور نے مذہب کے متعلق کہہ دیا اُسے بلا تامل قبول کر لیا تو یہ امر دیگر ہے لیکن اگر مغربی قومیں اس وقت انسانی خیالات اور آرائے کی ہر ایک شاخ میں آزادی کی قائل ہیں اور یورپ میں یہ بیداری بھی پیدا ہو چلی ہے کہ مذہب کو اور عقاید مذہب کو معیار عقل پر پرکھا جائے تو ہمارے نزدیک اسلام کے لئے بہترین مواقع ہیں کہ وُہ یورپ کے مذہبی خیالات پر حکمرانی کرے۔ کیونکہ اسلام اپنی صداقتوں کو تسلیم کرانے میں عقل و دانش کا خون نہیں کرتا۔ اگر باریک نگاہ سے دیکھا جائے تو یورپ خود بخود اسلام کی طرف آ رہا ہے۔ ریشنلزم آہستہ آہستہ انھیں اصولوں کو دریافت کر رہا ہے۔ جو اسلام نے وضع کئے ہیں۔ مغربی دنیا بہت سے اصول اسلامی بلا علم و ارادہ آہستہ آہستہ قبول کر رہی ہے۔ اہل یورپ اُنھیں جھنڈوں تلے چل رہے ہیں۔ جو اسلام کو جا رہے ہیں۔ یورپین دل و دماغ جو سوچتا ہے وہ بہتر صورت میں اسلام ہی اسلام ہے۔ یہ تو دراصل اب وقت کا سوال آ رہا ہے۔ کہ کب مقامی تعصبات مٹیں اور اختیار کردہ باتوں کے متعلق یہ امر دریافت ہو جائے۔ کہ اُن میں سے اکثر اسلامی ہیں۔

بشپ صاحب کا دوسرا امر محال یہ ہے کہ خدا مسیح جیسا انسان پیدا نہیں کر سکتا۔ یہ منطق بھی انوکھی منطق ہے۔ جو ہمارے فہم سے بالا ہے۔ خدا تو ایسا کمزور اور ناطاقت نہیں کہ ایک اور مسیح نہ پیدا کر سکے نہ بھیج سکے۔ کیا خدا قدیر اور علیم نہیں۔ آخر مسیح کیا تھا۔ یہی چند عناصر اور ذرات عالم کا مجموعہ جنھوں نے کیمیائی ترکیب پا کر خدا کی مدح قبول کر لی اور ابن مریم کی شکل میں ظہور کیا۔ عیسائی صاحبان غالباً مادے کو فانی تو نہ سمجھتے ہونگے۔ ابھی وہ ذرات تو ضرور کائنات میں موجود ہونگے جن کو ایک خاص ترکیب دے کر خدا تعالی نے مسیح پیدا کر دیا تھا۔ خدا کو یہ بھی علم ہوگا۔ کہ وہ ذرات کہاں ہیں۔ اور خدا کو یہ بھی طاقت ہے

کہ اُن ذرات کو پھر ہو بہو وہی ترکیب دیدے - اگر ذرات کی خاص ترکیب میں خدا تعالےٰ نے ایک دفعہ رُوح پھونک دی تو وُہ اب بھی پھونک سکتا ہے - بشپ صاحب تعطل صفات باری کے بھی قائل نہونگے - اگر خداوند ابدی اور ازلی خدا ہے تو اُس کے صفات بھی ابدی اور ازلی ہونگے جو دو ہزار برس ہوئے وُہ کر سکتا تھا - وہ اب بھی کر سکتا ہے - ہمنے تو بائبل میں یہ بھی پڑھا ہے کہ خدا پتھروں میں سے انسان کو پیدا کر سکتا ہے - اگر عیسائی خدا تعالےٰ کو ایسا ہی قادر مطلق خدا سمجھتے ہیں تو فاضل بشپ کا یہ فقرہ ہمیں سمجھ نہیں آتا کہ خدا تعالےٰ پھر مسیح جیسا نجات دھندہ انسان تو پیدا کر سکتا ہی نہیں ۔

لیکن شاید یہ کہا جائے کہ مذہبی امور میں ایسی عقلیہ بحثوں اور منطقیہ تنازعات کو دخل نہیں دینا چاہیئے - بہرحال ایک اور بھی سوال ہمیں اکثر تنگ کیا کرتا ہے - کہ مسیح کس طرح کل کی کل نسل انسانی کا نجات دھندہ ہو سکتا ہے - دو ہزار برس سے کچھ کم عرصہ ہوا - جب وہ دُنیا میں تشریف لائے - یہ نئی بشارت اُن کے ساتھ آئی - جب پُرانا آدم مر گیا اور نیا آدم پیدا ہوا اور اس طرح دنیا کی نجات ہوئی - دُنیا مسیح کے خون کے ذریعہ فضل سے بھرپور ہو گئی - لیکن عیسائی عقیدہ یہ بھی ہے - کہ مسیحی خون کی فضل سے وہی فائدہ اُٹھا سکتا ہے جس کا مسیح پر ایمان ہو - نجات کے لیئے ایمان شرط ہے - لیکن مسیح کی پیدائش سے پہلے بھی (بقول عیسائیاں) چار ہزار برس سے دنیا قائم تھی - کروڑہا انسان ایسے فوت ہو گئے - جن میں ابھی پُرانا آدم تھا - وہ مسیح کے نام سے آشنا بھی نہوئے - اگر مسیح کل نسل آدم کا نجات دھندہ تھا - اور نجات دراصل شریعت کی نجات سے تھی - تو پھر اس سے پہلے کیوں کروڑہا مخلوق پر شریعت کا بوجھ ڈالا گیا - پھر اُس کے پیدا ہونے پر بھی اب تک ارب کھرب انسان اُس سے ناواقف رہے - اب بھی کروڑہا انسان اُس کے نام سے ناواقف ہیں - اگر کسی کی نجات کے لیئے ضروری ہے - کہ خون مسیح کے فضل پر انسان کا ایمان ہو تو پھر ان ارب در ارب اور کھرب در کھرب انسانوں کی نجات کیسی ہو سکتی ہے جب اُنھوں نے مسیح کا نام تک ہی نہیں سُنا تو پھر وُہ ایمان کس پر لاتے - اگر نجات ہماری اُسوقت ہو سکتی ہے - جب پُرانا آدم ہمارے اندر سے مر جاوے - اور ایسا ہونا اس وقت ممکن ہے کہ جب ہم مسیح کی الوہیت اور اُس کے کفارہ پر ایمان لاویں - اور یہ ایمان مسیح سے واقف ہونے پر

حصر رکھتا ہے۔ لہذا ایک لاتعداد مخلوق نسل انسانی میں ایسی پائی جاتی ہے۔ جن کے اندر گیا آدم پیدا نہیں ہوا۔ اور وہ نجات نہیں پا سکتے۔ پھر یہ تو محالات عقلیہ سے ہے۔ کہ مسیح کو کل نسل انسانی کا نجات دہندہ قرار دیا جاوے۔ کیا ان امور پر غور کرنے کے بعد بھی ہمارے بشپ صاحب و نچسٹر دنیا کو یہ تبلیغ کریں گے۔ کہ مسیح کل نسل انسانی کا نجات دہندہ تھا۔

بشپ صاحب کے باقی تین امور پر ہم کبھی پھر کچھ عرض کریں گے +

دعا ایک غذا ہے

(حضرت موسےٰ اور مسیح کے الفاظ کو اسلام حقیقت کا لباس پہناتا ہے)

انسان فقط روٹی ہی کھانے سے جیتا نہیں رہتا۔ بلکہ ہر ایک بات سے جو خداوند کے مونہہ سے نکلتی ہے جیتا رہتا ہے۔ استثناء ۸ : ۳ ۔ انسان صرف روٹی سے نہیں بلکہ ہر ایک بات سے جو خدا کے مونہہ سے نکلتی ہے جیتا ہے۔ متی ۴ : ۴

کیسے پاک الفاظ۔ کس قدر بلند خیال کو اپنے اندر لیئے ہوئے اور کیسی دلیری سے انکا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ الفاظ ہم کو بتاتے ہیں کہ دعا اور نماز ہی انسان کی حقیقی غذا ہے "فقط روٹی ہی کھانے سے جیتا نہیں رہتا" بڑے ہی پُرزور اور تاکیدی الفاظ ہیں۔ مگر کیا ان کا یہ منشا ہے۔ کہ روٹی چھوڑ دو اور دعا پر ہی زندگی بسر کرو۔ جس پاک انسان کے مونہہ سے یہ کلمات نکلے اس کا یہ منشا نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ وہ خود بھی "کھاتا پیتا" آیا پھر وہ دوسروں کو کھانے پینے سے کیوں کر روک سکتا تھا۔ علاوہ ازیں انسان جسم بھی رکھتا ہے۔ اور روح بھی۔ اگر روح کی غذا دعا ہے۔ تو جسم کی غذا روٹی ہے۔ پس دونوں انسان کے لیئے ضروری ہیں۔ گو روحانی نشوونما جسمانی نشوونما سے بڑھکر اہم ہے۔ مگر ایک طرف حضرت مسیح کا یہ قول دوسری طرف اس کے پیروؤں کی موجودہ حالت دیکھکر انسان بے اختیار بول اٹھتا ہے یا العجب! یہ کیا بات ہے کہاں وہ روحانیت کا مجسمہ جسے روحانیت کا فکر کھائے جا رہا تھا۔ کہاں یہ مادہ پرست قوم جسے روٹی کے فکر نے بیتاب کر رکھا ہے۔ جنرل گارڈن کا قول ہے کہ "انگلستان کے لوگ سب

زیادہ فکر اپنے کھانے کا کرتے ہیں۔" مگر یہ انگلستان سے ہی مخصوص نہیں۔ بلکہ ساری اقوام یورپ جنرل گارڈن کے ان الفاظ کے مصداق ہیں۔ حضرت مسیح نے جو یہ سنہری اصول اپنے لوگوں کو سکھایا تھا۔ تو آپ کی غرض یہ تھی کہ تا انسان نرا اپنی جسمانی خواہشات کا غلام ہی نہ ہو جائے اور اپنی اخلاقی اور روحانی بہتری کا بھی کچھ فکر رکھے۔ مگر ہفتہ کے سات دنوں میں سے چھ دنوں میں ان الفاظ کی کون پرواکرتا ہے۔ اور مسیح کے الفاظ کے بالکل خلاف اس کے پیرو صرف روٹی سے جیتے ہیں۔ مگر جب ساتواں دن آتا ہے۔ وہ دن جو خدا نے "ہمارے آرام" کے لیئے بنایا تو قریب کے گرجا کی ٹن ٹن کی آواز شاید کسی دل میں ان الفاظ کی طرف بھی توجہ پیدا کرتی ہوگی جو "خدا کے مونہ سے" نکلتے ہیں۔ پھر ان واقعات کے ہوتے ہوئے یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ رُوحانیت کی بھوک عیسائی ممالک میں مرتی چلی جا رہی ہے۔ کسی انسانی قوت کا استعمال ہی اس کو زندہ رکھ سکتا اور اس میں نشو و نما پیدا کر سکتا ہے۔ ادھر کسی قوت کو کام میں لانا چھوڑو ادھر یہ خود بخود کمزور ہوتے ہوتے آخر بیکاری سے مُردگی کی حالت تک پہنچ جاتی ہے پس غذا کا نہ پہنچانا خواہ جسمانی رنگ میں ہو یا روحانی میں۔ پہلے بھوک کو کم کرتا اور آخر موت کا پیغام لاتا ہے ہم اپنی قوائے ہاضمہ کو ان میں پانچ دفعہ تیز کرتے ہیں (یورپین ممالک میں کھانے کے پانچ وقت ہیں) اس لیئے ہماری صحت درست اور ہمارے جسمانی قوائے مضبوط رہتے ہیں۔ مگر اپنی روح کی خبر ہم ہفتہ میں صرف ایک دفعہ لیتے ہیں۔ اور وہ بھی ہم میں سے بہت تھوڑے۔ پھر کیا اگر ان حالات کے اندر گوشت نے رُوح کو ہلاک کر دیا ہے۔ تو یہ کوئی تعجب کی جگہ ہے۔ لیکن حکمت کی باتوں کو اگر خود بیان کرنے والا عملی جامہ نہ پہنا سکے تو یقیناً ان کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جائیگا۔ ہماری دعاؤں میں جو تعلیم دی گئی ہے اس نے کبھی حقیقت کا رنگ نہیں دیکھا اور نہ عمل میں آئی۔ بلکہ وہ چند بلند پروازی کے خیالات ہیں۔ جو کبھی عمل میں آ ہی نہیں سکتے۔ آج تک کسی نے اس تعلیم میں بطور اصول بیان کی گئی ہیں۔ خود حضرت مسیح علیہ السّلام کو بھی موقعہ نہیں ملا کہ وہ اُن کو خود عمل میں لا کر دکھلاتے اور اس طرح اپنے پیرووں کے لیئے ایک نمونہ قائم کرتے کہ وہ کس طرح ان خیالات کو اپنے لیئے مفید بنا سکتے ہیں۔ یہ الفاظ کہ انسان صرف روٹی سے نہیں بلکہ ہر ایک بات سے جو خدا کے مُنہ سے نکلتی ہے۔ جیتا ہے۔ شیطان کو کہے گئے تھے۔ اور وہ آزمائش

کوئی واقعہ نہیں۔ بلکہ صرف ایک مکاشفہ تھا۔ اس زمانہ کے لوگوں کے قوائے رُوحانی ابھی اس حالت تکمیل کو نہ پہنچے تھے۔ کہ مسیح کے پیرو اس بات کو جو مکاشفہ میں کہی گئی تھی عمل میں لاتے۔ اور خود حضرت مسیح کو صرف تین سال کی تھوڑی سی میعاد ان لوگوں میں اپنا تبلیغی کام کرنے کی ملی۔ اس لیئے دنیا اس اعلےٰ درجہ کے اصول کے عملی پہلو سے بالکل ناآشنا رہی۔ حضرت مسیح نے بالکل سچ فرمایا تھا۔ جب آپ نے کہا "میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمھیں کہوں پر تم اُن کی برداشت نہیں کر سکتے"۔ (یوحنا ۱۶ : ۱۲)

اللہ تعالےٰ کی کامل رضا کی راہوں کے اظہار کا وقت ابھی نہیں آیا تھا یسوع مسیح کا جانا ہی ضروری تھا۔ تاکہ تسلی دھندہ یعنی فارقلیط (احمدؐ) آئے اور ساری صداقتوں کو سکھلائے۔ آپ کے بعد بھی پورے چھ سو سال تک دُنیا ان الفاظ کی حقیقت تک نہ پہنچ سکی جو مسیح نے فرمائے تھے۔ کہ انسان صرف روٹی سے نہیں بلکہ ہر اس بات سے جیتا ہے جو خدا کے موُنھ سے نکلتی ہے۔ وہ رُوحِ حق مسیح کے الفاظ کو پورا کرنے کے لیے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی جس نے اپنی تعلیم کو اپنے عمل کے ذریعہ سے روشن کیا۔ آپکی تبلیغ کا دائرہ تمام دُنیا کا احاطہ کیئے ہوئے تھا۔ اور آپ نے جو اصول سکھائے وہ تمام نسلِ انسانی کے لیئے ہیں جو انسان ان الفاظ کی حقیقت سمجھنا چاہتا ہے کہ انسان روٹی سے نہیں بلکہ خدا کے کلام سے جیتا ہے۔ اسے چاہیئے۔ کہ کم از کم اتنی مرتبہ اپنی روحانی غذا کا فکر کرے جتنی مرتبہ جسمانی غذا کا فکر کرتا ہے۔ اور جتنی مرتبہ دسترخوان کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے۔ کم از کم اتنی دفعہ خدا کے حضور حاضر ہونے کے لیئے قدم اُٹھائے۔ پس جب نظامِ جسمانی کو قائم رکھنے کے لیئے ہم پانچ کھانوں کے محتاج ہیں یعنی صبح کا کھانا۔ دوپہر کا کھانا۔ پچھلے پہر کا کھانا۔ شام کا کھانا۔ اور رات کا کھانا تو کیا یہ حق نہیں کہ رُوحانی نظام کے قیام کے لیئے بھی ہم کو پانچ دفعہ رُوحانی غذا حاصل کرنی چاہیئے۔ بیشمار برکتیں اور رحمتیں ہوں۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جن نے ایک مسلمان کے لیئے اس پانچ دفعہ کی روحانی غذا کا انتظام روز کی پانچ نمازوں میں کر دیا۔ اور جن کے اوقات بھی ہماری جسمانی غذا کے کھانے کے اوقات سے ملتے ہیں۔ پس ایک مسلمان اول اس کلام سے زندگی حاصل کرتا ہے جو خدا کے موُنھ سے نکلتی ہے۔ اور بعد اس

اپنی روٹی کا فکر کرتا ہے پس وہ جو پہلے مذاہب میں بڑے لفظ ہی لفظ تھے۔ اسلام میں وہ حقیقت بن گئے ہیں۔

اینی بسنت کے خیالات اسلام پر

{ جو اس لکچر سے ماخوذ ہیں جو تصوف صوفی کی نگہ سے اسلام کے عنوان پر مسز اینی بسنت نے دیا }

آنحضرت صلعم کے ہموطنوں کی شہادت

کہ وہ کیا تھے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے کیا ہوگئے۔ تاریخ میں محفوظ ہے اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں۔ کہ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے ذریعہ سے اُن کو بقدر نور حاصل کرنیکا احساس تھا۔ تو وہ آپ کی نبوت کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہونگے۔ یہ شہادت حسب ذیل ہے:۔

"ہم بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ ناپاکی میں زندگیاں بسر کرتے تھے۔ مردار کھا جاتے تھے۔ اور وہ باتیں بولتے تھے۔ جو انسان کے لیئے باعث عار ہیں۔ ہم انسانیت کے ہر ایک احساس کی طرف سے لاپروا تھے۔ اور ہمسایگی اور مہمان نوازی کے فرائض سے غافل تھے ہم کسی قانون کو نہیں جانتے تھے۔ سوائے اس کے کہ جس کی لاٹھی اُس کی بھینس۔ ان حالات میں خداتعالےٰ نے ہمارے اندر ایک انسان کو پیدا کیا۔ جس کی پیدائش کے حالات جسکی صداقت جس کی دیانت اور امانت اور جس کی زندگی کی پاکیزگی کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ اُس نے ہمیں خداتعالےٰ کی توحید کی طرف بلایا۔ اور ہم کو یہ تعلیم دی۔ کہ ہم اس ذات پاک کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اُس نے ہمکو بتوں کی پرستش سے روکا۔ اور ہمیں حکم دیا کہ ہم سچ بولیں۔ امانت کو ادا کریں۔ عہدوں کو پورا کریں۔ خدا کی مخلوق پر رحم کریں۔ اور اپنے ہمسایہ کے حقوق کی نگہداشت کریں۔ اُس نے ہم کو اس بات سے منع کیا۔ کہ عورتوں کا بُرے الفاظ

میں ذکر کریں یا اُن سے بدسلوکی کریں۔ اور یتیموں کا مال کھائیں۔ اُس نے ہم کو نصیحت کی کہ بدیوں سے دور رکھا گیں اور ہر ایک قسم کے امرِ منکر سے اجتناب کریں۔ نمازیں پڑھیں۔ خیراتیں دیں روزے رکھیں۔ ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اس کی تعلیم کو ہم نے قبول کیا ہے؟"

بیعت عقبہ

آپ کے کچھ پیرو تھے جن سے آپ نے ایک عہد لیا جو بیعت عقبہ کے نام سے مشہور ہے اس عہد کے متعلق یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ یہ کسی ایسے دور دراز زمانہ کا ذکر نہیں۔ جب کوئی مورخ ان واقعات کو لکھنے والا نہ ہو۔ بلکہ یہ ساتویں صدی مسیحی کا ذکر ہے۔ جب واقعات کو تاریخی طور پر محفوظ رکھنے کا دستور پڑ چکا تھا۔ اب غور کرو۔ کہ اس بیعت میں کیا اقرار لیا ہے۔

"ہم خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ ہم چوری نہیں کریں گے۔ زنا نہیں کرینگے ہم اپنے بچوں کو نہیں ماریں گے۔ ہم کسی پر بہتان نہیں باندھیں گے۔ ہم ہر ایک نیکی کی بات میں پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کریں گے۔ اور راحت میں اور تکلیف میں آپ کے وفادار رہیں گے"

یہ وہ اقرار ہے۔ جو آپ نے نو مریدوں سے لیا۔ اس اقرار کے الفاظ ہی بتلاتے ہیں کہ جس قوم کو آپ نے اُٹھایا وہ کس حالت میں تھی۔ اس کا اندازہ ان باتوں سے لگاؤ جن سے بچنے کا اُنھوں نے وعدہ کیا۔ صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان میں انسانی قربانی کا رواج تھا (دختر کشی کی بلا سارے ملک میں پھیلی ہوئی تھی) عیاشی اور بدکاری زور پر تھی۔ یہ وہ بیعت تھی جو آپ نے لی۔ یہ وہ اقرار تھا جو آپ نے اپنے پیرووں سے لیا۔ غور کرو کہ آپ کی یہ اخلاقی تعلیم اس وقت کی بیماریوں کے لحاظ سے کیسی ضروری تھی۔

آنحضرت کی سخاوت

عورتوں کے متعلق جو اصلاح آپ نے کی میں اُس کا پھر ذکر کروں گی۔ ایسا ہی اس سوال پر کہ آپ نے دوسری قوموں اور دوسرے مذہبوں سے کیا سلوک کیا بعد میں بحث کروں گی یہاں میں یہ دکھانا چاہتی ہوں۔ کہ کس قسم کی جاہل قوم کے اندر کیسی اعلےٰ اخلاقی عمارت کی بنیاد

آپ نے رکھی۔ سخاوت پر جو آپ نے تعلیم دی اس کو لو۔ اور دیکھو کہ آپ نے سخاوت کی
تعریف کیا کی ہے۔ کہا جائے گا سخاوت کی تعریف کیا ہے۔ خیرات کا دینا غربا کو روپیہ دینا
مگر صرف یہی سخاوت نہیں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ ہر ایک نیکی کا کام سخاوت میں داخل ہے
"تمہارا اپنے بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملنا بھی سخاوت ہے۔ بنی نوع انسان کو
کسی نیکی کی طرف ہدایت کرنا خیرات دینے کی طرح ہی ہے۔ کسی گم کردہ راہ کو صحیح راہ پر لگا
دینا بھی سخاوت ہے۔ اندھے کی مدد کر دینا بھی سخاوت ہے۔ رستے میں سے پتھر، کانٹوں یا
اور قسم کی رکاوٹوں کا دور کرنا بھی سخاوت ہے۔ پیاسے کو پانی پلانا بھی سخاوت ہے" کیسی
سادی مگر کیسی عملی آپ کی تعلیم ہے۔ کیسی اعلےٰ درجہ کی آپ نے

فرائض انسانی

کی تعریف ہے۔ یعنی وہ فرائض جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے ذمہ ہیں۔ اسی طرح دیکھو
کہ آپ نے راست بازی کی کیسی اعلےٰ درجہ کی تعریف کی ہے:۔

"راستبازی یہ نہیں کہ تم اپنے مونہہ مشرق یا مغرب کو کر لو۔ مگر راستبازی اسکی ہے
جو اللہ پر۔ موت کے بعد زندگی پر۔ فرشتوں پر کتابوں پر اور نبیوں پر ایمان لاتا ہے اور
جو اللہ کی محبت کے لیئے قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور اجنبیوں کو۔ اور انکو جو سوال
کرتے ہیں۔ اور قیدیوں اور غلاموں کے چھڑانے کے لیئے اپنا مال دیتا ہے۔ جو نماز کو قایم کرتا
ہے۔ زکوٰۃ دیتا ہے۔ اور جو اپنے عہدوں کو جو وہ کر چکے ہیں پورا کرتے ہیں۔ اور جو مصایب کے
وقت اور تکلیفوں کے وقت اور سختی کے موقعہ پر برداشت دکھاتے ہیں"

علم پر

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لکھے پڑھے نہ تھے۔ اور اس لیئے دنیا جو علم کا مفہوم سمجھتی
ہے اس لحاظ سے وہ عالم نہ تھے۔ آپ بار بار اپنے آپ کو نبی امی کہتے ہیں۔ اور آپ کے پیرو
قرآن کو ایک ہمیشہ کے لیئے باقی رہنے والا معجزہ مانتے ہیں۔ جس سے آپ کا دعوےٰ رسالت
بھی سچا ثابت ہوتا ہے۔ کیوں کہ یہ نہایت اعلےٰ زبان میں ہے۔ لیکن گو خود وہ امی تھے
مگر حصول علم کو ان سب چیزوں پر مقدم کرتے ہیں جنکی تڑپ انسان کے دل میں ہونی چاہیئے آپ فرماتے ہیں

"علم حاصل کرو۔ کیونکہ جو شخص خدا کی راہ میں علم حاصل کرتا ہے وہ راستبازی کا کام کرتا ہے جو شخص علم کے متعلق گفتگو کرتا ہے وہ خدا کی تعریف کرتا ہے۔ جو علم کو تلاش کرتا ہے وہ خدا کی عبادت کرتا ہے۔ جو اُس کی تعلیم دُوسروں کو دیتا ہے وہ خیرات کرتا ہے۔ علم کے حصُول سے صاحب علم اس قابل ہوتا ہے۔ کہ وُہ اچھی چیزوں کا بُری چیزوں سے امتیاز کر سکے۔ علم اس راستے میں جو آسمانی راستہ ہے۔ روشنی کا کام دیتا ہے۔ یہ جنگل میں ہمارا دوست اور تنہائی میں ہمارا مونس ہے۔ اور اس حال میں جب سارے دوست ہم سے چھن جائیں۔ یہ ہمارا رفیق ہوتا ہے۔ علم ہم کو حقیقی خوشی تک پہنچاتا ہے۔ یہ مصیبت میں ہمارے لئے سہارے کا موجب ہوتا ہے۔ دوستوں کی صحبت میں یہ ہمارے لیئے آراستگی کا زیور ہے۔ اور دشمنوں کے مقابل پر یہ ہمیں ہتھیار کا کام دیتا ہے۔ علم سے بندہ نیکی کی اعلےٰ منزل تک پہنچتا اور ایک اعلےٰ مقام کو حاصل کرتا ہے۔ علم سے انسان اس دُنیا میں بادشاہوں کے ساتھ بیٹھنے کے قابل ہوتا ہے۔ اور علم سے ہی آئیندہ زندگی میں کمال راحت کو حاصل کرتا ہے"

پھر کیسی بابرکت نگاہ اس معلم کی ہے جس کی خاطر بُہتوں نے اپنی جانوں کو قربان کیا۔ فرماتا ہے "عالم کی سیاہی شہید کے خون سے زیادہ قیمتی ہے"

حضرت علیؓ نے علم کی ایک بڑی اعلےٰ درجہ کی تعریف کی ہے۔

"علم کا اصلی جوہر یہ ہے۔ کہ وہ دل کو روشن کرتا ہے۔ اس کا اصل مدعا صداقت ہے۔ الہام اس کے لیئے رہنما ہے۔ عقل اس کو قبُول کرتی ہے۔ خدا اس کا الہام کرنے والا ہے۔ انسان کے لفظ اس کو ظاہر کرنے والے ہیں"

یہی بلند اور قابل قدر خیالات علم کے متعلق تھے جنھوں نے اہل مشرق کے فلسفہ کی بُنیاد ڈالی۔ اور مُورون کے علُوم کا موجب ہوئے۔ جب اسلام کے خلاف یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ ترقی نہیں کرتا۔ کہ اس کے پیرو علم کی قدر و قیمت کے اندازہ میں دُوسری قوموں سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ تو ایسا حملہ کرنیوالوں کو یہ لازم ہے۔ کہ اگر تاریخ کی کچھ بھی عزت اور پرواہ اُن کے دِلوں میں ہے۔ کہ مُسلمانوں کے اس جمُود کے جو پچھلے زمانہ میں پایا جاتا ہے۔ اصلی وجوہات کو مذہب کے سوائے کسی دُوسری جگہ تلاش کریں۔ کیونکہ یہ خود حضرت علیؓ تھے۔

جنھوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ بُنیاد پر وُہ علم کی عمارت اٹھائی۔ جو ایک سو سال میں چپکے چپکے ترقی کرتے کرتے آخر ہسپانیہ کے موروں کے ذریعہ سے یورپ میں جلوہ نما ہوئی اور اسی نے عیسائی ممالک میں علوم کی دوبارہ زندگی کا راہ کھولا۔

اسلام اور علوم طبعی

یہ اسلام ہی تھا جس نے عرب میں۔ مصر میں۔ بغداد اور قاہرہ کے کالجوں میں علوم کے اِس ورثہ کو لیا جس کو عیسائیت نے کفر اور زندیقیت کے نام سے رد کرکے اپنے آپ سے دُور پھینک دیا تھا۔ اور اسلام نے ہی اِس بیش بہا گوہر کی حفاظت کرکے اسے یورپ کو واپس دیا۔ کہ تا وُہ اسے کام میں لائے۔ یہ علم کی قدر و قیمت ہی تھی۔ اور اِس قدر و قیمت کے پیدا کرنے والی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہی تھی۔ جس نے آپ کے پیروؤں کے ایک حصّہ کو اگر عرب میں علم کی تلاش اور علم کے حاصل کرنے میں لگا دیا۔ تو دُوسرے حصّہ کو جو اسلامی فتوحات کے وسیع دائرہ کے پھیلنے سے مشرق و مغرب میں پھیلتا چلا گیا۔ دوسرے ممالک میں علم کی طرف متوجہ کر دیا۔ اگر مردانِ میدانِ جنگ ظاہری طاقت کو بڑھاتے گئے تو ساتھ ہی ساتھ طالبانِ علم اپنی ان تھک کوششوں سے فلسفہ اور علوم طبعی کے دائرہ کو وسیع کرتے گئے۔ اور فاتح کی تلوار کے ساتھ ساتھ علم کی مشعل کی روشنی بھی پہنچتی گئی انہی فاتحین کے نقش قدم میں ہی درحقیقت فلسفہ اور علوم [illegible] افریقہ کے شمال میں اسلامی افواج نے لڑ کر اپنا راستہ بنایا اور اپنا جھنڈا نصب کیا [illegible] سے وہ ہسپانیہ میں داخل ہوئے۔ جہاں اُنھوں نے اس عظیم الشان موروں کی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ دارالعلوم قائم ہوئے۔ اور یورپ کے ہر حصّہ سے طالب علم جمع ہوگئے کیونکہ عیسائی ممالک میں علوم طبعی سے لوگ ناآشنا ہو چکے تھے۔ علم ہیئت اور علم ریاضی مفقود ہو چکے تھے۔ اور علم کیمیا اپنی مصری قبر ہی سے ابھی باہر نہ نکلا تھا۔ ان تمام علوم کو مسلمان لائے اور خود پوپ سلوسٹر ثانی اپنے ایام جوانی میں کارڈووا کے دارالعلوم میں تعلیم حاصل کرتا رہا۔ جہاں اس نے علم ہندسہ اور علم ریاضی کے اصول سیکھے جنکی وجہ سے بعد میں جاہل پادریوں کا غضب بھڑکا۔ یہ نے کسی دُوسری جگہ اس مضمون میں ان علوم

کا ذکر جو مسلمان یورپ میں لائے بطور خلاصہ کیا ہے۔

"اُنھوں نے ریاضی کو ہندوؤں اور یونانیوں سے لیا۔ اُنھوں نے دوسرے درجہ کی مساوات کو دریافت کیا۔ پھر دو عدد کی پھیلاوٹ کے اصول کو اُنھوں ہی نے علم مثلث میں بین جیب زاویہ اور جیب مستوی کو دریافت کیا۔ اُنھوں ہی نے سب سے پہلے دُوربین کو بنایا اُنھوں نے ستاروں کے متعلق تحقیقات کی۔ اُنھوں ہی نے زمین کی جسامت کا اندازہ کیا۔ اُنھوں نے ایک نیا فن تعمیر قایم کیا۔ نیا علم موسیقی بنایا۔ اُنھوں نے زراعت کو علمی اصول پر سکھایا۔ اور اُنھوں نے دستکاری کو اعلےٰ سے اعلےٰ مرتبہ پر پہنچایا۔"

مسلمانوں کا فن تعمیر

یہ سب چیزیں وہ صرف یورپ میں ہی نہیں لائے۔ بلکہ ہندوستان میں بھی مغلوں نے نئے فن تعمیر کو مروّج کیا جن کے متعلق یہ بالکل سچ کہا گیا ہے کہ وہ دیووں کی طرح عمارت کو بناتے اور جوہریوں کی طرح اس کی تکمیل کرتے تھے۔

ہندوستان کی بعض فن عمارت کے عجائبات مسلمانوں کا ہی کام ہے۔ اور ہندوستان ان خزانوں پر فخر کر سکتا ہے۔ جو اس کے مسلمان فرزندوں نے اس کے سامنے لا کر رکھے ہیں۔ بلکہ ہندوؤں کی عمارات میں بھی ان کا اثر نظر آتا ہے۔ کیونکہ فن کسی خاص قوم یا مذہب کی قیود کے اندر نہیں جکڑا جا سکتا۔

مسیحی کلیسیا کی علوم سے نفرت

یہ بھی ایک عجیب قابل ذکر امر ہے کہ عیسائی مذہب کے علوم طبعی کی ترقی کو شک کی نگاہ سے دیکھنے کی وجہ یہ ہوئی۔ کہ یہ علوم نبی عربی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے جھنڈے کے نیچے یورپ میں واپس آئے۔ اور اس لیئے اُن کو کفر کے قایم مقام سمجھا گیا۔ عام عیسائی مذہب کے پیروؤں کے نزدیک علوم طبعی عیسائی مذہب کی جڑھ کاٹنے والے سمجھے جاتے تھے۔ اور وہ اُن کو بڑے خوف اور نفرت کی نگہ سے دیکھتے تھے۔ لیکن جو شخص اس بات پر غور کریگا۔ کہ پیغمبر اسلام (صلے اللہ علیہ وسلم) کے کیا کیا نام عیسائیوں نے رکھے وہ فوراً سمجھ لیگا۔ کہ جو چیز عیسائی ممالک میں اُس کے نام کے نیچے آتی۔ اس پر عیسائی مذہب کا وہی فتوےٰ ہونا ضروری تھا

جو علوم طبعی کی ترقی پر ہوا یعنی ضروری تھا۔ کہ اس کا نام کفر اور زندیقیت رکھا جاتا۔ اسلام کی زندگی کے ان ابتدائی صدیوں میں علوم طبعی کی صداقتوں کا کام لینا اپنی جان یا مال یا آزادی کو خطرہ میں ڈالنے کے ہم معنی تھا مسلمانوں کا ظالمانہ طریق سے ہسپانیہ سے نکالا جانا آخر اس کشمکش کا خاتمہ کرنے والا ہوا۔ اور یہی ہسپانیہ کے مواقع ترقی سے گرنے کی وجہ ہوئی انہی ایام میں اسلام کے بعض مابعد الطبیعات کے کاملین اور فلسفہ کے نامور پہلوان پیدا ہوئے جو کو نیا میں اپنی نظیر کم رکھتے ہیں۔ انہوں نے اس فلسفہ کو جس سے یونان نے زندگی پائی تھی۔ اور جو ہندوؤں کا ویدانتی فلسفہ ہے از سر نو زندہ کیا۔ اور یورپ میں اس کو ترقی دی اسلام کے بڑے بڑے فاضلین کی تحریروں میں وہی مابعد الطبیعات کے اعلےٰ اصول ملتے ہیں جن پر ویدانتی فلسفہ کو فخر ہے۔ اور آج ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتفاق پیدا کرنے کی وجوہات میں سے یہ بھی ایک وجہ ہے۔ اسلام اور ہندو مذہب ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں۔ اور فلسفہ اور مابعد الطبیعات کی سطح مرتفع پر ایک دوسرے سے مصافحہ کر سکتے ہیں۔ جو دونوں میں امر مشترک ہے۔ اور مسلمان فاضل اور ہندو اچارج ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہو سکتے ہیں۔

اسلام میں عورت

اب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اسلام نے عورتوں کے متعلق کیا راہ اختیار کی۔ اسلام پر مغرب میں یہ ایک نہایت ہی عامیانہ اعتراض ہے۔ کہ اسلام کی تعلیم کے رو سے عورتوں کی روح ہی کوئی نہیں۔ یہ یقیناً جھوٹ ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

"جو کوئی بدی کریگا وہ اُس کی سزا پائے گا۔ اور وہ اللہ کے سوائے کوئی کارساز اور نہ کوئی مددگار پائے گا۔ لیکن جو کوئی نیک کام کرے گا۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ اور وہ سچا مومن ہے وہ بہشت میں داخل کیے جائیں گے۔ اور ان پر ایک ذرہ بھی ظلم نہیں کیا جائیگا ...... مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں۔ مومن مرد اور مومن عورتیں۔ فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں۔ صادق مرد اور صادق عورتیں۔ صابر مرد اور صابر عورتیں۔ عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں۔ خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی
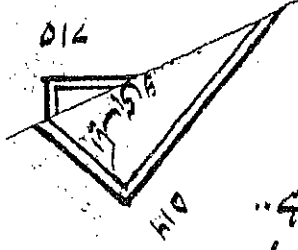
عورتیں روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عو
مرد اور عفت اختیار کرنے والی عورتیں اور اللہ کا ذکر کرنے ر
عورتیں۔ ان کے لیئے خدا نے مغفرت اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔۔
کام کرنیوالے کے کام کو ضائع نہیں کرتا مرد ہو یا عورت تم ایک دوسرے

پس اسلام کی تعلیم کے رُو سے مرد اور عورت جہاں تک مذہب کا تعلق ہے برابر ہیں۔ مگر کہا جاتا ہے کہ اسلام نے تعدد ازدواج کو جائز رکھا ہے۔ یہ سچ ہے۔ مگر ایک منصفانہ نگہ ذیل کے دو امور کی طرف سے لاپروا نہیں ہو سکتی۔ ان میں سے پہلا امر تاریخی ہے۔ وہ لوگ جن کے اٹھانے کے لیئے اسلام کی تعلیم آئی تھی۔ تعلقات زن و شوئی میں وُہ عام طور پر ایک ملی جلی حالت میں تھے۔ عفت کی کوئی قدر اُن کے ہاں نہ تھی۔ اُنکو یہ حکم دینا کہ وُہ ایک ہی نکاح پر اکتفا کریں بے فائدہ تھا۔ اصلاح تدریجاً ہی ہو سکتی تھی۔ اس لیئے پیغمبر (صلے اللہ علیہ وسلم) نے دور اندیشی سے کام لے کر پہلے ان تعلقات پر قیود لگائیں۔ اور حکم دیا کہ صرف چار عورتوں تک ایک شخص نکاح میں لا سکتا ہے پھر تدریجاً تعدد ازواج کو کم کرنے کے لیئے حکم دیا۔ کہ دُوسرا نکاح صرف اُس حالت میں ایک شخص کر سکتا ہے۔ اگر وہ دُوسری بیوی سے ہر طرح وہی سلوک اور معاملہ کرے جو پہلی بیوی سے کرتا ہے آپ کی تعلیم اسی مقصد کی طرف لے جا رہی ہے جو آپ کی مد نظر تھا۔ اور تعلیم یافتہ مسلمان کم از کم ہندوستان میں کیونکہ دُوسرے مُلکوں کے متعلق میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔ تعدد ازواج سے باہر نکل رہے ہیں۔

مغرب میں تعدّد ازواج

دُوسرا امر قابل توجہ مرد اور عورت کا رشتہ ہے۔ جو آج تمام مہذب ممالک میں پایا جاتا ہے۔ ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان حقیقی اور سچا تعلق بعض ممالک میں ایک نصب العین تو ضرور ہے۔ مگر اس پر عام طور پر عمل کسی مُلک میں بھی نہیں ہوتا۔ اسلام تعدد ازواج کی اجازت دیتا ہے۔ عیسائی لوگ اس سے روکتے ہیں۔ مگر ان امور کو ہونے دیتے ہیں بشرطیکہ کوئی جائز تعلق ایک سے زیادہ عورت کے ساتھ نہ ہو۔ مغرب میں

جو علوم طبعی [illegible] عورت پر قناعت کرنے کا اصول صرف دکھاوا ہے۔ مگر درحقیقت ایک سے زیادہ عورتوں کے ساتھ تعلقات رکھے جاتے ہیں۔ ہاں ان تعلقات سے ذمّہ داری کوئی عائد نہیں ہوتی۔ اس محبوبہ کو (جو بیوی کے علاوہ رکھی جاتی ہے) اس وقت نکال دیا جاتا ہے جب ایک شخص اس سے سیر ہو جاتا ہے۔ اور وہ آہستہ آہستہ ایک بازاری عورت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ پہلا تعلق پیدا کرنے والا اُس کے آئندہ کے متعلق کوئی ذمّہ داری اپنے اُوپر نہیں لیتا۔ اور اس کی حالت اس عورت اور ماں سے جو جائز طور پہ دُوسرے نکاح سے یہ حیثیّت حاصل کرتی ہے سیکڑوں درجے بدتر ہوتی ہے۔ جب ہم ان ہزارہا بدقسمت مصیبت زدہ عورتوں کو دیکھتے ہیں جنسے رات کے وقت مغربی شہروں کے بازار بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ تو ہم یقیناً اس بات کو محسُوس کرتے ہیں کہ اسلام کو تعدّد ازدواج پہ ملامت کرنا مغربی لوگوں کو سزاوار نہیں۔ ایک عورت کے لیئے یہ حالت بہُت بہتر ہے۔ اِس کیلیئے یہ بہُت زیادہ خوشی کا موجب ہے۔ اِس کے لیئے بہُت زیادہ عزّت کا موجب ہے۔ کہ وہ تعدّد ازدواج کے قانون کے ماتحت ایک اسلامی گھر میں رہے۔ اور اس کا تعلّق ایک ہی خاوند سے ہو۔ جائز اولاد اس کی گود میں ہو۔ اور ہر طرح سے ادب اور عزّت کی نگاہ سے اسے دیکھا جاتا ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ کوئی شخص اغوا کر کے اسے لے جائے پھر وہ بازار میں پھینکی جائے۔ اور شاید کوئی ناجائز بچّہ بھی جسے قانون تسلیم نہیں کرتا اسکے پاس ہو۔ نہ اس کی کوئی حفاظت کرنے والا ہو نہ کوئی خبرگیری کرنے والا۔ اور ہر رات کسی نئے راہ گذرنے والے کی شہوات کا شکار رہے۔ آخر ماں بننے کے ناقابل ہو۔ اور سب لوگ ہی اس کو ذلیل سمجھیں۔ سوسائیٹی کے لیئے یہ اچھا ہے۔ کہ ایک مرد اور ایک عورت کا تعلّق ایک بلند مقصد کے طور پر مدّ نظر رہے۔ کیونکہ کھلے طور پہ اُس کو درست تسلیم کرنا اور اندرونی سسٹم جو بازاری عورتوں کی پیشہ وری کے ساتھ لگی ہوئی ہے پاک کرنے والی طاقتیں ہیں۔ مگر عملاً یہ ایک مرد اور ایک عورت کا تعلق نہیں کہلا سکتا کہ ایک عورت تو جائز طور پر رکھی جائے اور مخفی رنگ میں ناجائز طور پہ جتنی عورتوں کے ساتھ انسان چاہے تعلّق رکھے۔ مشرق کا جائز رنگ میں تعدّد ازدواج کی اجازت دینا

مغرب کی ناجائز تعدّد ازدواج کی نسبت سوسائٹی کے کانشنس کو زیادہ ذلیل کرتا ہے۔ بدی نفاق کا خراج نیکی کے سامنے ادا کرتی ہے۔ مگر عورت کی عزت اور خوشی کو مشرق کی تعدد ازدواج میں مغرب کی نسبت بہت کم نقصان پہنچتا ہے۔

اس کو چھوڑ کر مسلمان عورتوں کے ساتھ قانون اسلامی مغربی عورتوں کی نسبت بہت اچھا سلوک روا رکھتا ہے۔ زیادہ عرصہ نہیں ہوا کہ انگلستان کے قانون کی یہ حالت تھی کہ وہ بیاہی ہوئی عورت کی جائداد کو قرق کر لیتا تھا۔ گویا شادی بھی ایک بڑا بھاری جرم تھا۔ اس کی کمائی کا اُسے حقدار نہیں ٹھیراتا تھا۔ اور اس کے بچوں پر اس کے کسی حق کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ اسلامی قانون کی رُو سے اس کی جائداد بالکل محفوظ ہے۔ اور یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اسلامی ممالک میں مسلمان عورتوں نے بادشاہ اور مدبّر کی حیثیت میں ہمیشہ بڑے بڑے کارہائے نمایاں کئے ہیں +

اخلاقی معجزات

جب انسان کے اندر اخلاقی بہادری پیدا ہوتی ہے۔ تو وہ اُسے خداوند عالم پر بھروسہ کرنا سکھاتی ہے۔ اور اس پر اس کے یقین کو بڑھاتی ہے۔ تب انسان کو معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ خود کوئی ایسی چیز نہیں جو ساری کائنات پر حکومت کر سکے۔ بلکہ اس سے اُوپر کوئی اور طاقت ہے۔ اسے پتہ لگتا ہے کہ وہ تو بمشکل اپنے ہی جذبات پر قابو پا سکتا ہے۔ اور کہ وہ اپنے دل کی دھڑک کو بھی روک نہیں سکتا۔ اُس کو سمجھ آجاتی ہے۔ کہ جو کچھ وُہ اپنے حصُول مقصد کے لیئے کر سکتا ہے وہ صرف اسی قدر ہے۔ کہ جہاں تک اُس کی طاقت ہے سعی کرے اور بس۔ کامیابی اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت میں کامیابی اس کے قبضۂ قدرت میں ہے جس کا تصرّف سارے عالم پر اور ان سب حالات پر ہے۔ جو انسان کے گردوپیش ہیں۔ مگر اخلاقی بہادری کسی انسان کے اندر داخل نہیں ہو سکتی جب تک کہ پہلے اس کے اغراض پاکیزہ اس کی نیت صاف نہیں ہوتی۔ ابتدا میں جو مسلمانوں کو جنگ کرنے پڑے اُن میں ان کی نیت نہایت نیک تھی۔ وُہ رُوح جو حضرت محمد مصطفےٰ

صلے اللہ علیہ وسلم میں اپنا کام کر رہی تھی۔ وہ سب سے بڑھ کر پاکیزہ، سب سے اعلےٰ اور سب سے زیادہ عظیم الشان تھی۔ آپ کو اللہ تعالےٰ پر کامل بھروسہ تھا۔ اور آخری کامیابی کا قطعی اور کامل یقین تھا۔ ذکر ہے کہ ایک دفعہ آپ ایک درخت کے نیچے اکیلے سوئے ہوئے تھے۔ جب آپ کا ایک دشمن آیا اور ننگی تلوار ہاتھ میں لیئے ہوئے آپ کو ان الفاظ میں چیخ کر مخاطب کر کے جگایا۔ اے محمدؐ اب تجھے کون بچا سکتا ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے آنکھیں کھولیں۔ بلا خطر اُٹھ بیٹھے اور فرمایا۔ اللہ جو ہر شئے پر قادر ہے وہ مجھے بچا سکتا ہے۔ اسقدر جرأت اور حوصلہ۔ اللہ کی ذات پر ایسا کامل بھروسہ دیکھ کر دشمن خود کانپ اُٹھا۔ اور تلوار اُس کے ہاتھ سے نیچے گر گئی۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس تلوار کو اُٹھایا اور کہا اب تجھے کون بچا سکتا ہے۔ اب اس کے لیئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ آپ سے رحم کی درخواست کرتا۔ اور چونکہ آپ کا رحم بہت وسیع تھا۔ آپ نے فرمایا وہی اللہ تیرا بھی محافظ ہے ۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے اپنی کامل فرمانبرداری اور اپنی ذات پاک پر کامل توکل اور نصرت الٰہی کے کامل یقین کا مرتبہ عطا فرمایا تھا۔ ایلی ایلی لما سبقتانی (اے میرے خدا۔ اے میرے خدا تونے مجھے کیوں چھوڑ دیا) کی آواز آپ کے مُنہ سے کبھی نہ نکل سکتی تھی نہ نکلی۔ قرآن کا کوئی صفحہ نہیں جس میں اللہ تعالےٰ کا نام موجود نہو جب آپ سونے کے لیئے تشریف لے جاتے تو آپ کا آخری کلام اللہ کا نام ہی ہوتا تھا۔ اور سب سے پہلا لفظ جو اُٹھتے وقت آپ کے مُونھ سے نکلتا وُہ بھی اللہ کا ہی نام تھا۔ کھانا کھاتے وقت لُقمہ آپ کے مُونھ میں نہ جاتا تھا۔ جب تک کہ پہلے رب العالمین سے برکات کی دُعا نہ کر لیں۔ نہ ہی کبھی آپ سوار ہوتے تھے۔ نہ کوئی لباس پہنتے تھے۔ جب تک کہ پہلے اللہ کا نام نہ لے لیں۔ بجلی کی چمک میں۔ رعد کی گرج میں۔ سورج اور چاند کے دوروں میں غرض ہر چیز میں اور ہر واقع میں آپ کو خدا کا ہاتھ کام کرتا ہوُا نظر آتا تھا۔ مصائب کی بے انتہا تاریکیوں کے اندر آپ کا خدا پر یقین کامل کبھی ایک لمحہ کے لیئے بھی جنبش میں نہیں آیا۔

جب صرف ایک رفیق کے ساتھ آپ نے ایک غار میں پناہ لی اور خون کے پیاسے دشمن

آپ کی تلاش میں عین موقعہ پر پہنچ گئے۔ اور آپ کے ساتھی کو فکر ہوا۔ اور انھوں نے کہا کہ ہم صرف دو ہیں اور دشمن بہت ہیں۔ تو آپ کے مونہہ سے جو لفظ نکلے وہ بتاتے ہیں کہ آپ کا خدا کی نصرتوں پر کیسا یقین کامل تھا۔ فرمایا لا تحزن ان اللّٰہ معنا۔ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اور اُس کی مدد ہمارے لیئے کافی ہے۔

یہی خدا تعالےٰ پر یقین کامل اور اُس کی نصرت پر کامل بھروسہ تھا جو اخلاقی بہادری سے آپ کے اندر پیدا کر دیا تھا۔ جس نے آپ کو سب مشکلات پر غالب کر کے آپ کو کامل کامیابی عطا فرمائی۔ وہ کامیابی جو ایک یا دو دن کے لیئے نہیں۔ جو ایک قوم یا ایک ملک کے لیئے محدود نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیئے ساری قوموں پر اور سارے ملکوں میں یہ کامیابی آپ کو عطا فرمائی گئی۔ کوئی انسان دُنیا میں ہم کو نظر نہیں آتا جس کو ایسا کامل ایمان خدا کی ذات پر ہو جس کو ایسا یقین اور اتنا بھروسہ اُس ذات پاک پر ہو۔ یہاں تک کہ یقین اب بطور ایک ضرب المثل کے ہو گیا ہے۔ اور تھوڑے ہی دنوں کا ذکر ہے۔ کہ ایک ملکی مدبر نے جس نے قوت فیصلہ کے کام لینے کی بجائے اپنے آپ کو فصاحت لفظی کے مطیع کر دیا۔ آج کل کے بادشاہوں میں سے ایک کا مقابلہ خدا پر توکل میں آنحضرت صلے اللّٰہ علیہ وسلّم سے کیا۔ بلکہ بعض کارٹون والوں نے تو اس سے بھی آگے گذر کر اللہ تعالےٰ اور اُس کے پاک نبی کے نام پر ہنسی اُڑائی۔ مسلمان آنحضرت صلے اللّٰہ علیہ وسلّم کو خدا نہیں سمجھتے۔ بلکہ انسان ہی سمجھتے ہیں۔ اس لیئے اگر کسی دوسرے آدمی کا آپ سے مقابلہ کیا جائے تو ہم اُسے کفر نہیں کہتے۔ البتہ یہ ہم جانتے ہیں کہ کامل سے کامل انسان جس کو نسل انسانی پیدا کر سکتی ہے۔ وہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللّٰہ علیہ وسلّم ہیں اور اللہ تعالےٰ بھی اُسی کو کامیابی عطا فرماتا ہے۔ جو اُس پر پورا توکل کرتا ہے۔

آنحضرت صلے اللّٰہ علیہ وسلّم میں جو روح کام کر رہی تھی۔ اور جو کامیابی آپ کو ملی اُسکا نقشہ کارلائل نے الفاظ ذیل میں کھینچا ہے۔

”عرب قوم کے لیئے یہ تاریکی سے روشنی میں آنے کی نئی پیدائش تھی۔ اسی سے عرب نے پہلے پہل زندگی حاصل کی۔ ایک غریب گڈریوں کی قوم جو ابتدائے آفرینش سے عرب کے جنگلوں میں پھرتی تھی۔ اور جن کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ اُن میں ایک نیا پیغمبر بھیجا گیا جسکی

باتوں پر وہ ایمان لا سکتے تھے۔ پھر دیکھو کس طرح پردہ جسے کوئی نہیں جانتا تھا ساری دنیا میں مشہور ہو جاتے ہیں کس طرح ایک چھوٹی سی چیز سب دنیا میں بڑی ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد ایک ہی صدی کے اندر عرب اگر دنیا کی ایک طرف غرناطہ میں پہنچ جاتا ہے تو دوسری طرف دہلی میں پہنچا ہوا ہے۔ بہادری میں شان و شوکت میں اور ذہانت کی روشنی میں موثر عرب ایک طویل زمانہ میں دنیا کے ایک بڑے حصہ پر چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ ایمان بڑی چیز ہے۔ اس سے زندگی کی روح پیدا ہوتی ہے۔ ایک قوم کی تاریخ جبھی کہ یہ ایمان لاتی ہے پُر اثر پر شوکت اور روح پرور ہو جاتی ہے۔ ان عربوں کو دیکھو اس انسان (کامل) محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھو) اور ایک صدی کے عرصہ پر غور کرو۔ کیا یہ معلوم نہیں ہوتا کہ گویا ایک چنگاری گر گئی ہے۔ صرف ایک چنگاری اسی عالم پر جو صرف سیاہ ناقابل توجہ ریت معلوم ہوتا تھا۔ مگر دیکھو وہ ریت اڑ جانے والا بارود ثابت ہوتی ہے۔ اور دہلی سے لیکر غرناطہ تک اُفق عالم کو روشن کر دیتی ہے۔"

"محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے معجزہ" میں میں نے اس کو نقل کر کے لکھا تھا۔

"خود عرب میں یہ کامل تبدیلی ایک صدی کے بھی دسویں حصہ سے کم میں ظہور پذیر ہوگئی یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا کسی خارق عادت طاقت نے ملک کے اندر ہر چیز کو ایک نئی زندگی دے دی ہے۔ کعبہ تو وہی تھا۔ مگر ان تین سو ساٹھ بتوں کو کیا ہو گیا۔ لوگ تو وہی تھے۔ مگر اُن کی سنگ دلی۔ کینہ پروری۔ ملک میں ابتری۔ عورتوں کی ذلت۔ حسد۔ بے آئینی۔ سود خوری۔ شراب خوری۔ دختر کشی۔ خونخوار جھگڑے۔ انسانی قربانی۔ توہمات کہاں چلے گئے؟ یہ سب چیزیں ہمیشہ کے لیئے رخصت ہو گئیں۔ اور وہ بت پرست جو ہمیشہ ایک دوسرے کے دشمن رہتے تھے وہ موحدین گئے۔ ایسے موحد جو ایک ہی سلسلہ اخوت میں منسلک تھے۔ ایک ہی سردار اور ایک ہی حاکم کے ماتحت تھے۔ ایک ہی قانون کے پیرو تھے۔ جنکا مطمح نظر بلند سے بلند مقصد انسانی تھا۔ اور جو اعلے سے اعلے اخلاق کے واعظ تھے۔ جن کے اندر ترتیب دینے والے۔ ہر میدان کے پہلوان۔ ہر پہلو کے بہادر موجود تھے۔ جو اصول میں اور عمل میں یکساں۔ بڑے سے بڑے مہذب قوموں کے لیئے باعث زینت ہو سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں گو وہ شان و شوکت جو ایک صدی سے حاصل ہوئی تھی۔ کم ہو گئی ہے۔ اور اگر ایک طرف غرناطہ میں اس کا خاتمہ ایک ناشکر گذار قوم کے ہاتھ سے ہُوا تو دُوسری طرف دہلی میں بھی وُہ اپنے آپ کو قائم نہ رکھ سکی۔ مگر وہ دس سال کی روشنی جو عرب کے اندر چمکی تھی وُہ اب تک کروڑوں دلوں کو روشن کر رہی ہے۔ اور کرتی رہے گی جب تک کہ آسمان پہ سوُرج چمکتا ہے کیونکہ اس کے اندر خود سوُرج سے زیادہ چمکدار ایک ایسا جوہر موجود ہے جس کو کوئی طاقت تباہ نہیں کر سکتی۔ اور جو انسانی ترقی اور تہذیب کی طرف لیجانیوالا ہے"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکی فتوحات گو دُنیا میں زبردست سے زبردست فتوحات کا نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے پیش کرتی ہیں۔ مگر آپ کی اصل کامیابی آپ کی اخلاقی فتوحات تھیں اور یہی جن کے سامنے آپ کی ملکی فتوحات ہیچ ہیں۔ وُہ اصول جس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا۔ اور جس نے آپ کے اندر وہ رُوح پیدا کر دی جس نے تمام رکاوٹوں سے آپ کے راستہ کو صاف کر دیا۔ وہ یہ اصُول تھا۔ السعی منی والاتمام من اللہ۔ یعنی ہماری طرف سے پُوری کوشش ہونی چاہیئے۔ اس کوشش کو کامیاب کرنا یہ اللہ تعالےٰ کا کام ہے۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم نہیں دی۔ کہ اگر کوئی تمہاری دائیں گال پر تھپّڑ لگائے تو بایاں بھی آگے کر دو۔ کہ وُہ ایک اور تھپّڑ لگالے۔ آپ کا اصول یہ تھا کہ کامل ضبط کے ماتحت انسان کو اپنے وہ تمام قوائے استعمال کرنے چاہئیں۔ جو کہ ایک حکیم خدا نے اسے عطا فرمائے ہیں۔ اور ساتھ ہی اِس کے یہ کہ ان قوائے کو کام میں لگانے کے بعد پورا اعتماد صرف اللہ کی ذات پر ہو۔ وہ اللہ تعالےٰ سے ایسی عاجزی سے دُعا کرتے تھے کہ گویا وہ خود بالکل عاجز ہیں۔ اور سوائے اللہ تعالےٰ کی مدد کے کوئی مقصد بھی حاصل نہیں کر سکتے لیکن کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیئے آپ اس قدر کوشش اور محنت کرتے کہ گویا آپ اپنی سعی سے ہر ایک مقصد کو حاصل کر سکتے ہیں۔ آپ میں اگر ایک طرف اللہ تعالےٰ کے حضوُر پوری عاجزی کا اظہار پایا جاتا تھا۔ تو دُوسری طرف انسانی سعی پہ بھی آپ کو اعتماد تھا۔

نپولین نے صرف اپنی سعی سے فتوحات حاصل کرنے کی کوشش کی اور وہ بیس سال تک اس مقصد میں کامیاب بھی ہوتا رہا۔ لیکن چونکہ اُس کو اپنی کوششوں پر حد سے زیادہ بھروسہ تھا اور اسی بات نے اُس کے اندر تکبر پیدا کر دیا۔ اس لیے نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ گر گیا۔

جن خیالات سے وہ مصر میں متاثر ہُوا تھا وہ اُس وقت باقی نہ رہے تھے۔ جب وُہ فرانس میں واپس آیا۔ اور نتیجہ یہ ہُوا کہ اُس نے اپنی قوّت پر بھروسہ کیا اور تباہ ہوگیا۔ اُس نے لفظ "ناممکن" کو اپنی لغت سے نکال دیا۔ مگر ایک معمُولی معاملہ جس کے ہو جانے کا اُس کو یقین کامل تھا۔ ناممکن ہوگیا۔ اگر گرو کی بلوچر کو روکنے میں ناکامیاب نہ ہوتا تو نپولین واٹرلو کے جنگ کو ہارنے سے بچ جاتا۔ مگر اللہ تعالے کا منشا تھا کہ اس کے کبر اور انسانی کوشش پر ہی پورا بھروسہ کرنے کی اسے سزا دے۔ اور اس لیے وہ اسباب پیدا ہوگئے۔ جو اس کی تباہی کا موجب ہوئے۔

حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کا قدم کامیابی کے میدان میں ہمیشہ آگے ہی آگے پڑتا رہا۔ مگر اپنے مالک حقیقی کے حضوُر وہ ہمیشہ عاجز ہی تھے۔ اور کسی کامیابی پر اُن کو اپنی کوشش پر فخر نہیں ہوا۔ جو لڑائیاں آپ کو لڑنی پڑیں اُن میں ایسا سخت مقابلہ تھا۔ کہ کوئی دُوسرا شخص اس قدر طاقت کے بالمقابل جنگ کرنے کی جرأت بھی نہیں کرسکتا۔ آپ کے دشمنوں کی تعداد آپ کے ساتھیوں سے ہمیشہ نہ صرف تعداد میں ہی بہُت بڑھ کر ہوتی تھی۔ بلکہ وُہ ہر طرح سے مسلح بھی بہُت بڑھ کر ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ کے خلاف توہمات وحشیانہ پن۔ شرانگیزی بے ایمانی کی فوجیں بھی کام کر رہی تھیں۔ مگر آپ ان سب پر غالب آئے۔ آپ کی اخلاقی بہادری ہر چیز کو مسخّر کیے چلی جا رہی تھی۔ آپ کی لڑائیاں نہ صرف آپ کے دشمنوں کی ہی حقیقی بھلائی کے لیے تھیں۔ بلکہ ساری نسل انسان کی بہتری کے لیے تھیں۔ اور آپ کی فتح درحقیقت حق کی فتح باطل پر تھی .... آپ کی ان جنگوں سے نسل انسانی کو بہُت سے سبق بھی ملتے ہیں ان میں کسی قوم کی بیخکنی مدّنظر نہ تھی۔ بلکہ ایک مجرُم قوم کے سخت سے سخت جرائم کو بھی غلبہ اور فتح کے بعد فراخ دلی سے معاف کر دیا جاتا تھا۔ بشرطیکہ وہ سچے دل سے تائب ہوں۔

اس قسم کی بہت سی مثالیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ملتی ہیں۔

وہ یہودی عورت جس نے خیبر میں آپ کو زہر دینے کی کوشش کی تھی اس کو معاف کر دیا گیا۔ ابوجہل سے بڑھ کر کوئی آپ کا دشمن نہ تھا۔ مگر اس کے بیٹے عکرمہ کے ساتھ آپنے کیسا سلوک کیا۔

بیان کیا جاتا ہے۔ کہ صلح حدیبیہ کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی جن کے بطن میں بچہ تھا مکہ سے جا رہی تھیں۔ تو ایک ظالم نے نیزے کی انی سے ان کو مارا وہ فوت ہو گئیں۔ فتح مکہ کے بعد اس قاتل نے کچھ مدت تک اپنے آپ کو چھپائے رکھا۔ مگر آخر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا۔ کس قدر ظالمانہ اور وحشیانہ اس کا جرم تھا۔ جو کسی صورت میں قابل درگذر نہ تھا۔ مگر جب اس نے صدق دل سے آپ کے سامنے توبہ کی۔ تو آپنے اسے کھلے دل سے معافی عطا فرمائی۔

جو ہدایات آپ نے اپنی ان افواج کو دیں جو رومی سلطنت کے خلاف جا رہی تھیں ان کے الفاظ بھی قابل غور ہیں " جو دکھ ہمیں پہنچائے جائیں اُن کی سزا دہی میں کسی بے ضرر شخص کو دکھ نہ دیا جائے۔ عورتوں، بچوں اور بیماروں کو بھی ہر قسم کے ضرر سے بچایا جائے جو لوگ مقابلہ نہیں کرتے اُن کے مکانات کو نہ گرایا جائے۔ نہ اُن کے معاش کے ذرائع کو تباہ کیا جائے نہ اُن کے ثمردار درخت کاٹے جائیں۔ نہ ہی کھجور کے درخت کو کوئی نقصان پہنچایا جائے "

یہی جوانمردی کی روح آپ کے جانشینوں میں بھی کام کرتی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہدایات اپنے جرنیل کے نام حسب ذیل تھیں۔

" اپنے لوگوں پر ظلم نہ کرو۔ نہ اُن کو کسی قسم کا دکھ پہنچاؤ۔ بلکہ ہر قسم کے معاملات میں اُن کا مشورہ لو۔ اور خبردار رہو کہ وہ کام کرو جو انصاف اور حق کا مقتضا ہو۔ کیونکہ جو لوگ حق اور انصاف کے خلاف کرتے ہیں۔ وہ کامیاب نہیں ہوتے۔ جب تمہارا مقابلہ اپنے دشمنوں سے ہو تو جوانمردوں کی طرح کام کرو۔ اور کبھی اپنی پیٹھ نہ پھیرو۔ اور جب تم کو فتح ہو تو بچوں بوڑھوں اور عورتوں کو نہ مارو۔ کوئی کھجور کا درخت ضائع نہ کرو۔ نہ چارپاؤں کو

کوئی نقصان پہنچاؤ۔ صرف اسی قدر ذبح کرو جن کی ضرورت خوراک کے لیئے ہو۔ جب تم کوئی معاہدہ کرو تو اُس پر قائم نہ ہو اور اس کا ایفا کر کے دکھاؤ۔ جب تم بڑھو گے۔ تو تم کچھ ایسے لوگوں کو بھی پاؤ گے جو اپنے خانقاہوں میں دنیا سے انقطاع کیئے ہوئے بیٹھے ہونگے۔ اور جنہوں نے خدا کی عبادت کا یہی طریقہ سمجھا ہوگا۔ ایسے لوگوں کو کچھ نہ کہو نہ اُن کو یا اُن کی خانقاہوں کو کچھ نقصان پہنچاؤ"

دُنیا کی اخلاقی حالت اس بات کی مقتضی ہے۔ کہ ایک اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پیدا ہو۔ مگر اس کمال کا انسان دوبارہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ ہاں افراد اور قومیں اُسکے خیالات میں رنگین ہو کر اور مل کر اُس مقصد کو پہنچ سکتی ہیں جس پر وہ تنہا پہنچا مبارک ہوگی وُہ قوم جو اُس کے رنگ میں رنگین ہو۔ کیونکہ وہی قوم خدا کی وہ برگزیدہ قوم ہوگی جو اپنے مالک حقیقی سے سچا تعلق پیدا کر سکے گی اور دُنیا کی رہنمائی کا ذریعہ اور دُنیا کے لیئے برکت ہوگی۔ ہاں اس رنگ میں رنگین ہونا آسان نہیں ہے تمام سفلی ارادے پس پشت ڈالے جائیں۔ اپنے آپ کو دُنیا میں بڑھانے کی خواہش نہ ہو۔ بلکہ مخلوق خدا کو نفع پہنچانے کی کوشش ہو +

(قدوائی)

عورت کی حمایت میں اسلامی تعلیم

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا

اے لوگو تقویٰ اختیار کرو اپنے پروردگار کا جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اُسی سے اُسکے جوڑے کو پیدا کیا۔ اور ان دونوں بہت سے مردوں
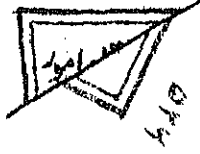
ونساءً واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا (النساء)	اور عورتوں کو پھیلایا ۔۔۔ نام سے ایک دوسرے سے ۔۔۔ کا ضرور اللہ تم پر نگہبان

(حدیث شریف)

الجنۃ تحت اقدام الامہات ۔ | جنت ماؤں کے پاؤں کے نیچے ہے

قرآن کریم میں کتنی عورتوں کا ذکر ہے۔ جو اللہ تعالےٰ سے شرف مکالمہ و مخاطبہ پاتی تھیں۔ اس بیان سے کلام پاک کی غرض یہ سمجھانا ہے۔ کہ عورت بھی اس اعلےٰ سے اعلےٰ مقام کو حاصل کر سکتی ہے۔ جیسے مرد حاصل کر سکتا ہے۔ اور کوئی نعمت نہیں جس سے عورت کو محض عورت ہونے کی وجہ سے محروم رکھا جائے۔ اس کے بالمقابل عیسائیت کی تعلیم کو دیکھو کہ کس طرح نہ صرف عورت کو ان اعلےٰ نعمتوں کے پانے سے ہی محروم رکھا ہے۔ بلکہ اس کی ایک نہایت ذلیل حالت بیان کی ہے۔ اور اسی کو دُنیا میں گناہ لانے کا مُوجب ٹھیرایا ہے۔

بائبل کی عبارتیں اس عیسائی عقیدہ کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں کہ پہلا گناہ زمین پر عورت نے کیا۔ اور اُسی نے مرد کو ملوّث کیا۔ اور وُہ ایسا خطرناک گناہ تھا۔ کہ نسل انسانی کے ہزاروں سالوں کے اخلاقی ترقی کے جدوجہد اس کو اس قعرِ ذلّت سے باہر نہیں نکال سکی جس میں عورت نے اسے گرا دیا۔ اور خواہ کتنی بھی توبہ کی جائے یہ گناہ اب معاف نہیں ہو سکتا۔ اور کتنا بھی خدا کے آگے عاجزی کی جائے اور گڑگڑایا جائے۔ اور آسمان تک اپنی آہ و زاری کو پہنچایا جائے۔ مگر خدا کا رحم باوجود بے پایاں ہونے کے انسان کو اس گناہ سے نہیں چھڑا سکتا۔ جو ایک عورت نے اس کے سارے فرزندوں کے سر پر ڈال دیا۔

ہاں یہ گناہ ایسا خطرناک تھا کہ ساری نسل انسانی اپنی ساری کوششوں سے اگر اس گناہ سے نکلنے میں کامیاب نہ ہو سکی تو خود خدا کو ایک بھاری قربانی کرنی پڑی اور وُہ غصّہ جو عورت کے اس گناہ کی وجہ سے کسی طرح فرو نہیں ہوتا تھا۔ اس کو فرو کرنے کے

لیئے ایک سزا بھی تجویز کرنی پڑی یعنی خدا کو اپنا بیٹا۔ ہاں اکلوتا بیٹا دُنیا میں بھیجنا پڑا۔ گو اُس کی آمد میں بھی عورت حصّہ دار بن گئی۔ اور وُہ عورت کے پیٹ سے ہی پیدا ہُوا اور اس اکلوتے بیٹے کو محض اپنا عہدہ فرد کرنے کے لیئے قربان کرنا پڑا۔ اور ایسا ہُوا۔ کہ چُونکہ ایک عورت نے آدم سے گناہ کرایا۔ اس لیئے محبّت کرنے والے آسمانی باپ کو اپنا بیٹا یہودیوں کے سپرد کرنا پڑا۔ کہ تا اُن کے ہاتھوں وہ ذلیل کیا جائے۔ اور صلیب پر چڑھایا جائے۔ یہ وہ مرتبہ ہے جو عیسائی عقیدہ کی رو سے عورت کو ملتا ہے۔ کہ اس بدقسمت مخلوق کے گناہ نے نہ صرف مرد ہی کو ہی ناپاک کیا۔ اور گناہ میں ملوّث کر کے ہمیشہ کے لیئے گنہگار ٹھیرایا۔ بلکہ ایک اور پاک اور مقدّس ہستی کو بھی اِس کی خاطر قربان ہونا پڑا۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے کفّارہ کے عقیدہ کی بیخکنی سے صرف حضرت مسیح کی تطہیر ہی نہیں کی۔ بلکہ دراصل کل نسل انسانی کی تطہیر کی ہے۔ اور عورت کو اس الزام سے پاک کیا ہے۔ جو عیسائی عقیدہ کی رُو سے اُس پر لگتا ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ تعلیم دی ہے۔ کہ عورت مرد کو گناہ سے بچانیوالی ہے۔ کیونکہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ یہ عورتیں تمہارے لیئے لباس ہیں۔ یہ ایک نہایت عجیب استعارہ ہے۔ گویا عورتیں مردوں کی کمزوریوں کو اسی طرح ڈھانپتی ہیں جس طرح پوشاک انسان کے جسم کے ننگاپن کو بچاتی اور اُس کے عیبوں کو چھپاتی ہے۔ انھیں فتنوں میں پڑنے سے بچاتی ہیں۔ اور بعض وقت ایک ایسے انسان کو جس کی حالت اخلاقی کمزوریوں سے وحشیانہ پن تک پہنچی ہوئی ہوتی ہے۔ اخلاقی پستی سے نکال کر انسانیت کے شرف تک پہنچاتی ہیں۔ گویا عورت مرد کیلیئے ایک زرہ ہے۔ جو اس کو گناہ کے حملے سے محفوظ کرتی ہے۔ وُہ ایک مضبوط قلعہ ہے۔ جو شیطان کے حملوں سے اُس کی حفاظت کرتا ہے۔ اور وہ نیکی اور عفت کا ایک روشن منارہ ہے۔ جو مرد کو تباہی سے بچاتا ہے۔ ایک نیک عورت ایک مرد کا سب سے قیمتی خزانہ ہے یہ وہ الفاظ ہیں جو نسل انسانی کے سب سے بڑے خیرخواہ کے مُونھ سے نکلے ہیں۔ کیا عجیب مقابلہ ہے۔ عیسائی مذہب کی رُو سے عورت نہ صرف خود گنہگار بلکہ مرد کو بھی گناہ میں ملوّث کرنیکا ذریعہ ہے۔ اسلام کی تعلیم کی رُو سے عورت مرد کو گناہ سے بچاتی ہے ٭

اسلام کی مقدس کتاب جو دنیا کی تمام مقدس کتابوں کے پیچھے آئی اور جس نے تمام امور
کو تکمیل تک پہنچایا۔ اس میں ایک خاص سورت عورتوں کے حقوق کے متعلق ہے۔
کیونکہ اسلام کی تعلیم نہ صرف اخلاقی اور روحانی رنگ میں ہی عورت کے حقوق کو قایم
کرتی ہے۔ بلکہ اس کے دنیوی حقوق کی بھی محافظ ہے للرجال نصیب مما ترک
الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما
قل منه او کثر نصیبا مفروضا۔ (النساء) مردوں کے لئے حصہ ہے اس میں جو
ماں باپ اور قریبی چھوڑ مریں اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس میں جو ماں باپ اور
قریبی چھوڑ دیں۔ تھوڑا ہو یا بہت حصہ مقرر ہے۔ اسی پر زور دینے کے لئے نبی کریم
صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی۔ کہ عورتوں کے حقوق محفوظ ہیں اور ان کے حقوق پر کسی
قسم کی دست اندازی نہ ہو۔ پھر آپ نے بارہا یہ نصیحت فرمائی۔ کہ عورت کے ساتھ بہترین
محبت اور نرمی کا سلوک کرنا چاہیئے۔ آپ کے وہ الفاظ ہر ایک مسلمان کے ورد زبان
ہیں جن میں آپ نے عورت کے ساتھ سلوک کو انسان کی فضیلت کا معیار قرار دیا۔
خیرکم خیرکم لاھلہ۔ پھر آپ کا وہ پیارا وعظ جو حجۃ الوداع کے موقعہ پر گویا آپ
نے بطور وصیت کیا۔ وہ کس کو معلوم نہیں۔ جب آپ نے فرمایا۔ کہ مردوں کے حقوق عورتوں
پر ہیں اور عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں۔ مردوں کو چاہیئے۔ کہ وہ اپنی بیویوں سے
محبت اور نرمی سے پیش آئیں۔ کیونکہ انھوں نے ان کو خدا کے عہد پر لیا ہے۔
پھر کیا یہ پاک الفاظ ہر ایک مسلمان کے کان میں نہیں گونجتے کہ الجنۃ تحت اقدام
الامھات۔ جنت ماؤں کے پاؤں کے نیچے ہے۔ اور پھر یہ لفظ کہ افسوس ہے اس نوجوان
پر جو اپنے بوڑھے ماں باپ کی خدمت کر کے جنت حاصل نہیں کرتا۔ ان الفاظ نے مسلمان
ماؤں کو بڑا مرتبہ دیا ہے۔ اور ان کے بیٹے ان کی پوری عزت کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر
عورت کو کیا وقعت دی جا سکتی تھی۔ کہ جنت جو انسان کی زندگی کا حقیقی مقصد ہے۔ اسے
ماؤں کی خدمت کا نتیجہ قرار دیا جائے۔ اور اس سے بڑھ کر عورت کی عزت کیا ہو سکتی ہے
کہ اسے اس بات کا ذمہ دار قرار دیا جائے۔ کہ جس کو خدا نے اپنی شکل پر گویا نیک اور پاک

بنایا تھا۔ اُس کو بگاڑنے والے اور تباہ کرنے والی عورت ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلّم نے تو عورت کی عزّت کرنے کی تعلیم دی۔ مگر مسیحی عقاید کی رُو سے عورت کے لیئے یہ مقرّر کر دیا گیا ہے۔ کہ" اپنے خصم کے لیئے تیرا شوق ہوگا۔ اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا" اور پھر یہ کہ مرد عورت کے لیئے پیدا نہیں کیا گیا۔ بلکہ عورت مرد کے لیئے پیدا کی گئی ہے۔ پولوس میں سب سے بڑھ کر مسیحیت کی رُوح نے اپنا اثر کیا۔ اور اُس کی تعلیم عورت کے بارے میں یہ ہے کہ" چاہیئے کہ عورت چُپ چاپ کمال فرمانبرداری سے سیکھے اور میں پروانگی نہیں دیتا۔ کہ عورت سکھلاوے یا آپ شوہر پر حاکم بن بیٹھے بلکہ خاموشی کے ساتھ رہے" (تمطاؤس ۲ : ۱۲) ۔ بڑے بڑے روشن خیال پادریوں نے بھی اپنی عقاید میں اس قسم کی باتوں کو رواج دیا ہے۔ جیسے کہ کرانک کے پادری صاحب نے مثلاً

ا۔ مرد کو از روئے پیدائش حق فوقیت حاصل ہے۔ پہلے آدم بنایا گیا پیچھے حوّا۔

ب۔ طرز پیدائش۔ مرد عورت سے نہیں۔ بلکہ عورت سے مرد ہے۔

ج۔ غرض پیدائش۔ مرد عورت کے لیئے نہیں بنایا گیا۔ بلکہ عورت مرد کے لیئے۔

د۔ پیدائش میں نتیجہ۔ مرد خدا کے جلال کے لیئے نمونہ ہے۔ مگر عورت مرد کے جلال کے لیئے ہے۔

ھ۔ گناہ میں تقدیم۔ آدم نے دھوکا نہیں کھایا۔ بلکہ عورت دھوکا کھا کر پہلے گنا ہگار ہوئی۔

و۔ نکاح کا تعلق۔ جس طرح کلیسیا مسیح کے ماتحت ہے۔ اُسی طرح عورتیں اپنے خاوندوں کے ماتحت ہیں۔

ز۔ مرد اور عورت کا افسر ہونا۔ ہر ایک مرد کا افسر مسیح ہے۔ مگر عورت کا افسر مرد ہے کیا یہ سچ نہیں کہ اس تمام تعلیم میں جو مسیح کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ حالانکہ مسیح کی تعلیم ایسی نہیں ہوسکتی۔ عورت کو ذلیل رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور ہر ایک قسم کے نقص اور گناہ کا اسے مورد قرار دیا گیا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلّے اللہ علیہ وسلّم کے کاموں میں سے ایک یہ بھی کام تھا۔ کہ آپ نے مسیح کی تطہیر کی۔ یعنی اُن کے

نام کو ان تمام غلط تعلیموں سے پاک کیا جو اُن کی طرف منسُوب کی جاتی تھیں۔ عورت کی حیثیت کے متعلق بھی جس قدر غلط تعلیم حضرت مسیح کی طرف منسُوب کی گئی تھی۔ اُسکو آپ نے غلط ٹھیرا کر اس کی حیثیت کو بلند کیا۔ اور آپ نے تمام تمدنی اور رُوحانی امور میں عورت کو مرد کی طرح حقوق عطا فرمائے۔ چنانچہ فرمایا کہ

جو کوئی بھی نیک کام کرے۔ اور وہ مومن ہو۔ مرد ہو یا عورت۔ جنت میں داخل ہوگا۔ اور پھر فرمایا۔ کہ

مرد جو کامل فرمانبرداری اختیار کرتے ہیں۔ اور عورتیں جو کامل فرمانبرداری اختیار کرتی ہیں۔ مرد جو ایمان لاتے ہیں۔ اور عورتیں جو ایمان لاتی ہیں۔ مرد جو اطاعت کریں اور عورتیں جو اطاعت کریں۔ مرد جو سچائی پر قایم ہوں اور عورتیں جو سچائی پر قایم ہوں۔ مرد جو صبر کریں۔ اور عورتیں جو صبر کریں۔ مرد جو عاجزی اختیار کریں اور عورتیں جو عاجزی اختیار کریں۔ مرد جو خیرات کرنے والے ہوں اور عورتیں جو خیرات کرنے والی ہوں۔ مرد جو روزے رکھیں۔ اور عورتیں جو روزے رکھیں مرد جو پاک دامن ہوں۔ اور عورتیں جو پاک دامن ہوں۔ مرد جو اللہ کا ذکر بہت کریں۔ اور عورتیں جو اللہ کا ذکر بہت کریں۔ ان سب کے لیئے اللہ تعالےٰ نے حفاظت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔

یورپ میں دھریت

اتوار کے دن ۲۷ ستمبر کو ووکنگ کی مسجد میں اس مضمون پر تقریر تھی۔ کہ یورپ میں لامذہبی کس قدر ترقی کر رہی ہے۔ اور یہ ثابت کیا گیا۔ کہ یورپ میں دھریت کی ترقی کی زیادہ تر ذمہ واری مسیحی پادریوں پر عاید ہوتی ہے۔ جنھوں نے اس مذہب کو ایک معمّا اور بھول بھلیاں بنا دیا ہے۔ بچپن سے ہر ایک یوروپین کے کان

میں یہ صدا پڑتی رہتی ہے۔ کہ عیسائی مذہب ہی ایک مہذب مذہب ہے۔ اور کچھ ورثہ میں خیالات کو لیتے ہوئے۔ کچھ گھر کے اثر کے نیچے یورپ میں بچے عیسائی مذہب کے خیالات میں نشوونما پاتے ہیں۔ مگر جب وہ بڑے ہوتے ہیں۔ اور غور و فکر کرنے کی عادت اُن میں پیدا ہوتی ہے۔ تو اُن کو معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ مذہب جس کو سب سے بہتر کہا جاتا تھا وُہ کسی طرح پر عقل کے مطالبات کو پورا نہیں کرتا۔ اور اس طرح پر خود مذہب پر ہی اُن کا اعتقاد باقی نہیں رہتا۔ اور پھر یا تو وہ مطلق دہریہ ہو جاتے ہیں۔ اور یا لاادریہ خیالات کے پیرو ہو جاتے ہیں۔ حضرت مسیح کی سیدھی سادی تعلیم میں اس قدر تحریف کی گئی ہے۔ کہ اصل تعلیم کو اب کوئی شناخت بھی نہیں کر سکتا۔ اس کی اپنی ذات پر ایک تاریکی کا پردہ ڈال دیا گیا ہے۔ اور سینٹ پولوس نے انسان مسیح کو خدا مسیح بنا کر عیسائیت کو ایک بالکل نئی راہ پر ڈال دیا۔ اس تناسخ کے چکر نے مسیح کی عزت کو بڑھانے کی جگہ اس کو بہت گرا دیا ہے۔ اور نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اس مذہب کی وہ کشش جو مسیح کے نام سے وابستہ تھی تمام سمجھ دار لوگوں میں کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ جو مذہب کو محض تقلید آبائی کے طور پر اندھوں کی طرح نہیں لینا چاہتے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے۔ کہ اناجیل اور دیگر مسیحی کتب مقدسہ میں انسان مسیح کی تصویر بھی ایسے رنگ میں کھینچی گئی ہے۔ جو اپنے اندر حقیقی کشش کا سامان نہیں رکھتی۔ بلکہ بعض اُن لوگوں کے حالات کے برابر بھی پُر معنے اور باوقعت نہیں جو مسیح سے پہلے اس زمانہ میں گذر چکے ہیں۔ جس کو کفر کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً اگر ہم اناجیل کو ہی مکمل اور بالکل صحیح تاریخ مسیح کے حالات کی مان لیں۔ تو بدھ اور ایپکٹیٹس کے اخلاق مسیح کے اخلاق سے بڑھ کر نظر آتے ہیں۔ اور سقراط کے استقلال کو جو اُس نے موت کے وقت دکھایا۔ مسیح کا استقلال نہیں پاتا۔ علاوہ ازیں مسیح کی بہت سی کمزوریوں کا بھی ان کتابوں میں ذکر پایا جاتا ہے۔ مثلاً یہ واقعہ کہ ایک دفعہ آپ کو بھوک لگی۔ تو آپ ایک انجیر کے درخت کی طرف دوڑے گئے مگر چونکہ وُہ پھل کا موسم نہیں تھا۔ اور آپ کو وہاں سے کچھ نہ ملا۔ اس لئے آپ نے درخت پر ہی لعنت کرنی شروع کر دی۔ اب درخت پر لعنت کرنا۔ حالانکہ وہ قانون قدرت کی رُو سے

اپنے وقت پر ہی پھل دے سکتا تھا۔ یہ کس قسم کا فعل ہے۔ اسی طرح جب آپ کو یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ پولیس آپ کی تلاش میں ہے۔ تو آپ اسی قسم کے خوف اور گھبراہٹ کا اظہار کرتے ہوئے بتائے گئے ہیں۔ جیسے کوئی معمولی انسان ان حالات کے ماتحت کرتا۔ اُس نے اپنے ساتھیوں سے التجا کی۔ کہ وہ رات جاگتے رہیں۔ مگر جب وہ سو گئے۔ تو پھر آپ نے اسی قسم کے خوف اور گھبراہٹ کا اظہار کیا۔ آپ کی وہ آخری پکار۔ ایلی ایلی لما سبقتانی ایک انسان کی ہی پکار تھی۔ جس کو اس قسم کی مصیبت پیش آئے۔ غرض جب اس کو خدا بنایا جائے گا۔ تو وہ ایسا کمزور اور بیچارہ سا خدا نظر آئے گا۔ کہ کسی پاک دل سمجھ دار آدمی کی طبیعت اس کی عبادت کے لیئے مائل نہیں ہو سکتی۔ تین میں ایک اور ایک میں تین کا عقیدہ ایسا لاینحل ہے اور ایسا غیر معقول مسئلہ ہے۔ کہ اس عقلی و ذہنی ترقی کے زمانہ میں جب ہر چیز کی وجوہات دریافت کی جاتی ہیں۔ اور اُس کو عقل کے پیمانہ پر چڑھانے کے بعد قبول کیا جاتا ہے۔ اگر لوگ تثلیث کے مسئلہ کو قبول نہ کر سکیں تو وہ قابل الزام نہیں ہیں اگر نیا عہد نامہ واقعی خدا کی کتاب ہے۔ تو پھر اُس کے اپنے بیان کے مطابق مسیح نے وہ کمزوریاں دکھائیں۔ جو دوسرے انسانوں میں پائی جاتی ہیں۔ اس لیئے اُس کو انسان سے بڑھ کر کیونکر مانا جا سکتا ہے۔ اور پھر ضرورت کیا ہے۔ کہ ہم انسان سے بڑھ کر اسے کچھ مانیں۔ کیوں خدا کی کامل توحید کو جس کی تقسیم نہیں ہو سکتی سمجھدار آدمیوں کے سامنے پیش نہ کیا جائے کیوں مسیح کو اس کی اصلی جگہ پر نہ رکھا جائے۔ کہ وہ ایک انسان تھا جسے ایک محبت کرنے والے خدا نے مخلوق کی ہدایت کے لیئے بھیجا۔ کیوں اُس کو ویسا ہی نہ مانا جائے جیسا مسلمان مانتے ہیں۔ کہ وہ اولوالعزم انبیاء میں سے جیسے ابراہیمؑ۔ موسےٰؑ۔ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ایک تھا۔ کیوں خدا کو ایک ہی نہ مانا جائے۔ جس طرح مسلمان مانتے ہیں۔ صرف انہی چند معقول باتوں کو تسلیم کر کے عیسائی اور مسلمان ایک ہو کر دہریت اور لا ادریت کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ دُنیا ایک سادہ مذہب چاہتی ہے۔ ایسا مذہب جو عقل اور نور قلب دونوں کے لیئے باعث اطمینان ہو سکے۔ اور صرف اگر مسیحی پادری صاحبان تھوڑا سا قدم مذہب میں معقولیّت کی طرف اُٹھائیں اور کچھ توہمات کو کم کر دیں تو اس زمانہ کے مطالبات بھی پورے

ہو سکتے ہیں۔ اب یہ پادری صاحبان کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ کہ چاہیں تو اپنے پچھلے خیالات پر جمے رہ کر دہریت کی ترقی میں معاون بنے رہیں۔ اور چاہیں تو مسلمانوں کے سیدھے سادے اصول کو قبول کر کے دہریت کے امر کو روکنے کی کوشش میں لگ جائیں

ایک چٹھی

مروجہ عیسائیت سے بیزاری کا اظہار

{ از سی۔ ایچ۔ بیٹس۔ ایل ایل ڈی پی ایچ۔ بی۔ ایف ایس پی۔ بنام مولوی صدرالدین صاحب }

میرے پیارے دوست! میں نہایت اخلاص سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کہ آپ ہر ماہ مجھے اسلامک ریویو کی کاپیاں بھیجتے ہیں۔ بہت سے مضامین کو جو اس میں ہوتے ہیں۔ پڑھنے سے انسان کو واقعی بہت کچھ تعلیم حقیقی روحانی تعلیم ملتی ہے۔ اور بغور ان کو پڑھنے سے میں نے اس سے بہت سے اخلاقی سبق حاصل کیے ہیں۔ آپ کی نامہ نگار اینہ نے بالکل سچ لکھا ہے کہ "ناصرہ کے نبی کی تعلیمات اس قدر محرف و مبدّل ہو چکی ہیں۔ اور اس قدر مسیح کی اصل منشاء سے اب اُن کا بُعد ہو گیا ہے۔ کہ اب ان کو اس کی تعلیمات کہہ ہی نہیں سکتے"

ہم کو اپنے گرجاؤں میں مسیح کی سیدھی سادی تعلیم ہرگز نہیں مل سکتی۔ فلسطین سے مغرب کی طرف جو سفر عیسائیت کو کرنا پڑا۔ اس سفر میں یونان سے گذرتے ہوئے مسیحیت نے اپنی اصل عبرانی خوبصورتی اور سادگی کو کھو دیا اور کچھ اور کا اور بن کر یہ سر تک پہنچی ہے۔ یہی بڑے دکھ کی بات ہے۔ کہ وہ مذہب

تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدّین صاحب مسلم مشنری

(۱) براہین نیرّہ حصّہ اوّل المعروف بہ قرآن ایک خاتم اور عالمگیر الہام۔ اردو قیمت (۱۰ر)

(۲) اُم الالسنہ یعنی عربی مبیّن کل زبانوں کی ماں ہے۔ اردو۔ قیمت .. .. .. (۱۲ر)

(۳) اسوہ حسنہ الموسوم بہ "زندہ اور کامل نبی۔ اردو قیمت (۴ر)۔ (۴) احادیث نبوی کا اقتباس انگریزی (۲ر)

مسلم پریئر۔ انگریزی قیمت ۳ر صحیفہ آصفیہ تبلیغ بنام حضور نظام حیدرآباد دکن۔ اردو (۲ر)

بنگال کی دلجوئی انگریزی و اردو۔ فی کتاب قیمت .. .. (۱ر)

مسلم مشنری کے ولایتی لیکچروں کا سلسلہ اردو (۱ر) اور ۳ عدد انگریزی قیمت .. (۳ر)

مسلم ایٹیچیوڈ ٹورڈ گورنمنٹ انگریزی۔ کرشن اوتار اردو۔ فی کتاب قیمت .. .. (۱ر)

اسلامک ریویو و مسلم انڈیا جلد ۱ $\frac{1913}{1914}$ انگریزی۔ قیمت ——— (ﷲ) (ﷲ)

رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ اسلامک ریویو کے سابقہ پرچے جولائی ۱۹۱۴ء لغایت دسمبر ۱۹۱۴ء (۸ر)

دیگر تصنیفات

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ پارہ اوّل مرتبہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے۔ اردو (۶ر)

حدوث مادہ .. .. // // // // // // // (۴ر)

عصمت انبیاء .. .. // // // // // // // (۸ر)

غلامی .. .. // // // // // // // (۴ر)

ویسٹرن اویکننگ ٹو اسلام مصنّفہ جناب لارڈ ہیڈلے صاحب باتھابہ انگریزی .. (۱۲ر)

التوحید جس میں لا الٰہ الا اللہ کی مختصر تفسیر مصنّفہ حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب ایل ایم ایس (۱ر)

طریق فلاح جس میں بُت پرستی کی بنیاد اور اُس کی فلاسفی // // // // اُردو (۱ر)

نبی کریم حضرت محمد صلعم کا معجزہ مصنّفہ جناب ایس مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر انگریزی (۱۲ر)

اسلام اینڈ سوشلزم .. .. // // // // (۴ر)

پیغام صلح۔ انگریزی و اردو فی ار ۳ہر دو کی قیمت .. .. (۲ر)

پتہ:۔ مینیجر اشاعت اسلام عزیز منزل۔ نولکھا۔ لاہور۔ احمدیہ بلڈنگس

نوٹ: ۱۔۱۔۲۔۳۔۴ ناظرین کرام ان کتب کو اپنے حلقہ اثر میں اور غیر مسلم احباب میں خصوصاً تقسیم فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

اردو ترجمہ اسلامک ریویو لندن

جلد (۲)

معروف بہ

اشاعت اسلام

نمبر (۱۲)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین بی۔اے مسلم مشنری مولوی صدر الدین بی۔اے

اس سے بڑھ کر اور کوئی نیکی نہیں کہ آپ رسالہ ہذا کی خریداری بڑھائیں کیونکہ انھیں رسالوں کی آمد بہت حد تک مسلم ووکنگ مشن کے اخراجات کی کفیل ہے رسالہ ہذا کی دس ہزار اشاعت خریدار ووکنگ مشن کے یک ثلث کی ذمہ وار ہو سکتی ہے۔

قیمت سالانہ پانچ روپیہ

بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۶ء

فہرست مضامین

[illegible] لاہور میں [illegible] پرنٹر کے اہتمام سے چھپکر محمد یعقوب بیگ آنریری سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام نے شائع کیا

ناظرین کرام کیخدمت میں

ضروری التماس

(۱) جن اصحاب کا چندہ دسمبر ۱۹۱۶ء نمبر کے پہنچنے پر ختم ہوتا ہے۔ از راہ کرم مبلغ تین روپے چندہ سالانہ پیشگی بابت سال ۱۹۱۷ء بذریعہ منی آرڈر ارسال فرماکر عنداللہ ماجور ہوں ۔

(۲) ہمارا جنوری ۱۹۱۷ء کا رسالہ اشاعت اسلام مولود نمبر ہوگا۔ جو بلحاظ مضامین کے اپنی طرز کا نرالا ہوگا۔ اور اس کے لئے خاص اہتمام کیا جارہا ہے۔ اس کے مضامین نگار انگلستان و ہندوستان کے اہل قلم ہونگے۔ اور وہی نمبر بذریعہ وی پی اُن احباب کی خدمت میں ارسال ہوگا جن کا چندہ دسمبر ۱۹۱۶ء میں ختم ہو جاتا ہے ۔

(۳) ناظرین کرام پر خوب روشن ہے کہ رسالہ اسلامک ریویو انگریزی اور اُس کے اردو ترجمہ رسالہ اشاعت اسلام کی آمد ہی بہت حد تک ووکنگ مسلم مشن کے اخراجات عظیم کی کفیل ہے۔ رسالجات کی توسیع اشاعت گویا مشن کی استقامت کا موجب ہے۔ ناظرین رسالہ کی خدمت میں مؤدبانہ التماس ہے کہ ازراہ شفقت سالانہ وی پی وصول فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

(۴) اس رسالہ کے ساتھ فہرست مضامین جلد دوئم ۱۹۱۶ء۔ رسالہ اشاعت اسلام کی بھی ملفوف ہے۔ اپنی اپنی جلد دوئم کے شروع میں لگالیں ۔

الملتمس

خواجہ عبد الغنی مینیجر رسالہ اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس عزیز منزل لاہور
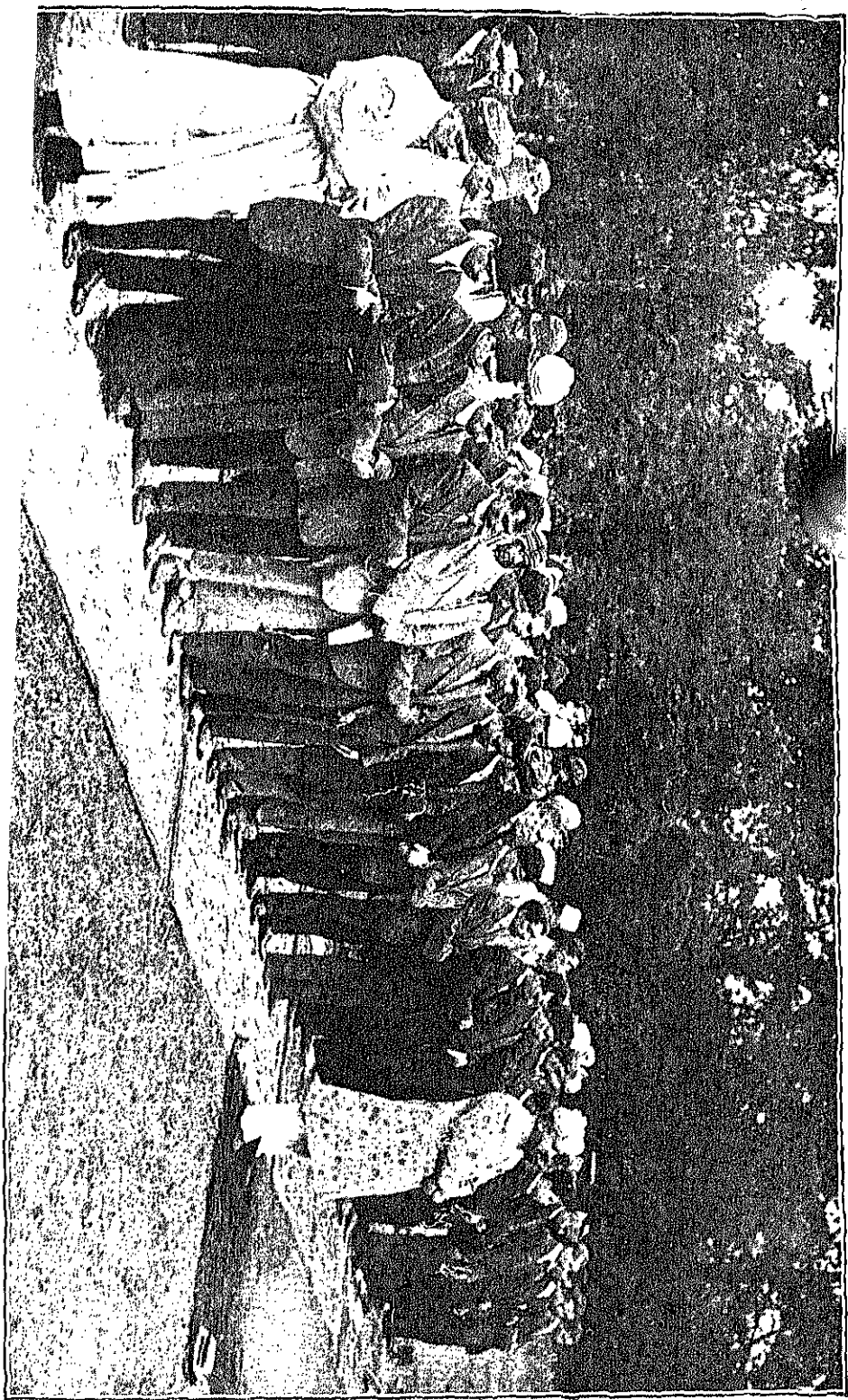
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۲) بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۶ء نمبر (۱۲)

شذرات

اس نمبر کے ساتھ عید الضحیٰ کی نماز کا فوٹو شائع ہوتا ہے جس میں خواجہ کمال الدّین صاحب امامت کرا رہے ہیں۔ اور مغربی اور مشرقی مسلمانوں کی ملی جلی صفیں پیچھے کھڑی ہو کر حمد الٰہی میں مصروف ہیں۔ یہ حالت بتا رہی ہے کہ مشرق و مغرب کو ملانے میں اسلام کس طرح کامیاب ہوا ہے۔ عید کے مختصر حالات پہلے شائع ہو چکے ہیں۔ اس نمبر میں ملک عبدالقیوم بی۔ اے کی قلم سے نکلے ہوئے انگریزی مضمون کا ترجمہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ جو نومبر کے انگریزی رسالہ میں شائع ہوا ہے۔

رسالہ ہذا میں دو مضمون ناظرین کی خاص توجہ کے قابل ہیں یعنی ایک خط بنام ہادرِ اسلام اور دوسرا مسئلہ زندگی اور موت کا سوال۔

قرآن شریف کا انگریزی ترجمہ و تفسیر بہت جلد چھپ کر مجلد ہو جائے گا۔ اور مولوی

صدر الدین صاحب اس کام کی تکمیل کے بعد جلد ہندوستان تشریف لانے والے ہیں عربیا جہاز کی غرقابی کی وجہ سے ایک پارہ کے پہنچنے میں کچھ التوا ہو گیا۔ ورنہ اخیر دسمبر تک کام ختم ہو گیا ہوتا۔ اب امید ہے کہ آخر جنوری تک کام تکمیل کو پہنچ جائیگا۔ خریداروں کی درخواستیں درج رجسٹر ہو رہی ہیں۔

قبولیت اسلام

باوجود حالات ناساعد کے جس توجہ اور دلچسپی کے ساتھ پیغام قرآن کو یہاں کے ذکور و اناث سنتے اور پڑھتے ہیں اس کا اندازہ صرف ان تحریروں سے ہی ہو سکتا ہے جو آئے دن دفتر میں آتی رہتی ہیں۔ اور ایسا تو بارہا ہوا ہے۔ کہ جو زائرین شاہ جہان مسجد کو دیکھنے آتے ہیں اپنی گفتگو میں صاف طور پر عیسائیت سے اپنی بے اطمینانی اور اسلام کے سیدھے سادے اصولوں سے وابستگی کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ ان میں سے بعضوں کی دلچسپی انھیں اسلام کے متعلق مزید استفسار کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ جس کا نتیجہ عموماً مندرجہ بالا اعلانوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ مس مارگریٹ این ڈکسن ہماری ایک انگریز نو مسلم بہن کی سہیلی ہیں۔ اسلامک ریویو اور دیگر مطبوعات ووکنگ مشن کا مطالعہ عرصہ سے فرما رہی تھیں اور قلبی اطمینان کا ذکر جو اس مطالعہ کا نتیجہ تھا۔ ہماری بہن سے اکثر کرتی رہتی تھیں۔ چند روز ہوئے آپ نے اپنے ایمان در اسلام کا اقرار و اعلان بذریعہ تحریر دفتر میں بھیجا ہے۔ اور اپنی نئی زندگی کے لیئے ایک اسلامی نام کی خواہش ظاہر کی ہے۔ اُن کا نام رفیقہ اسلامی نام رکھا گیا۔ دوسری محترمہ ہم سے کہیں دور غربی افریقہ کے رہنے والی ہیں۔ لیکن اسلامی صداقت کے بیانات سے جو اسلامک ریویو میں درج ہوتے رہتے ہیں متاثر ہو کر اپنے اسلام کا اعلان کرتی ہیں۔ لہذا اُن کا اسلامی نام کرامت رکھا گیا ہے۔

مسٹر حبیب اللہ بھی اسی بلالی دُنیا کے رہنے والے ہیں۔ اور عرصہ سے ووکنگ مشن سے

خط و کتابت فرماتے رہے ہیں۔ اور آج اپنے مسلمان ہونے کا اعلان بذریعہ تحریر فرماتے ہیں۔ پروردگار عالم سے دُعا ہے کہ وہ ذاتِ پاک ان کے اعلانوں کو قبول فرماوے۔ اور استقامت بخشے۔ آمین۔

ان اعلانات کے علاوہ عموماً ایسے خطوط بھی آتے رہتے ہیں۔ جن سے پایا جاتا ہے کہ مغربی دُنیا کے مختلف طبقہ کے لوگوں میں اسلامی حس موجود ہے۔ مثلاً ایک خط میں ایک نومسلم خاتون تحریر فرماتی ہیں کہ اُن کی ایک سہیلی نے اپنے منسوب سے جو فرانس میں جنگ پر گیا ہوا ہے مسجد ووکنگ کے وعظ و لیکچر سُننے اور اُن سے محظوظ ہونے کا حال لکھا جس پر نوجوان نے جواب میں اپنا اشتیاق متعلق اسلام نہایت جوش سے ظاہر کیا۔ اور مسجد میں جاتے رہنے کی تاکید کی۔ یہ اس دُنیا کا حال ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ مذہبی ضرورت سے آزاد ہو چکی ہے۔ لیکن ان حالات سے صاف عیاں ہے کہ اس مذہب کی جو حقیقتاً انسانی بہبودی کا ضامن ہو انھیں اب بھی ضرورت ہے اور رہے گی ٭

آب بفضلہ تعالےٰ جناب مولوی صدرالدین صاحب کی طبیعت کو بہت حد تک آرام ہے اور کام ترجمہ انگریزی قرآن کریم میں ہمہ تن مصروف ہیں جو نہایت سرعت سے ہو رہا ہے اور انشاء اللہ عنقریب ختم ہوا چاہتا ہے۔ مسجد لندن میں خطبہ جمعہ اور مسجد ووکنگ میں اتوار اور بدھ کے جلسے کامیاب دیکھے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ امام صاحب مسجد کو لنڈن کی ایک سپرچولسٹ سوسائٹی میں ایک لیکچر دینے کا اتفاق ہوا۔ جو بہت کامیاب لکچر تھا ٭

عبدالقیوم (ملک بی۔اے علیگ)

زندگی اور موت کا سوال

آج یہ ایک مسلمہ امر ہے۔ کہ دُنیا میں کوئی چیز کامل سکون کی حالت میں نہیں اور نہ رہ سکتی ہے۔ چھوٹے سے چھوٹے ذرات سے لے کر جن کو ہم بغیر خوردبین کی مدد کے دیکھ بھی نہیں سکتے۔ بڑے سے بڑے ستاروں تک۔ جن کے سامنے ہماری یہ زمین کبھی

ایک ذرّہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہر چیز ہر آن ایک تغیر کی حالت میں ہے۔ جمادات نباتات
حیوانات اس تغیر میں یکساں شامل ہیں۔ پھر یہ تغیر بھی ایک بے معنی تغیّر نہیں۔ بلکہ
یہ تغیّر یا تو کسی چیز کے نشوونما کا باعث ہو رہا ہے یا اس کے انحطاط کا۔ ایک چیز کو اگر یہ
ترقی کے اعلےٰ سے اعلےٰ معراج کی طرف لے جا رہا ہے تو دوسری کو تنزل کے اتھاہ گڑھے
کی طرف۔ کیا سچ فرمایا ہے۔ ربنا ما خلقت ھذا باطلا۔ سبحانك فقنا عذاب النار
غرض کہ کوئی چیز بھی حالت سکون میں نہیں۔ پھر انسان جو خلاصہ موجودات کہلاتا ہے وہ
کیونکر اس تغیّر سے بچ سکتا ہے۔ اور انسانوں کا وہ مجموعہ جسکو قوم کہا جاتا ہے۔ وہ کس
طرح اس قانون الٰہی کی ماتحتی سے آزاد ہو سکتا ہے۔ جو انسان ترقی نہیں کرتا وہ تنزّل کریگا
جو قوم اپنا قدم آگے نہیں بڑھاتی اس کا قدم ضرور پیچھے ہٹ رہا ہے۔ خواہ وہ اسے محسوس
کرے یا نہ کرے۔ خدا کا قانون ان ٹل ہے۔ اگر تغیّرات عالم پر ذرا اور گہری نظر ڈالی
جائے تو معلوم ہوگا کہ ان تغیرات کے اندر ہر چیز ہر آن کسی دوسری پر غالب آنیکی
کوشش میں لگی ہوئی ہے۔ ہر فرد اپنی ہی نوع کے دوسرے افراد پر غالب آنا۔ بلکہ
اُن کو کھا جانا چاہتا ہے۔ ہر نوع دوسری نوع کو معدوم کرنے اور خود آگے بڑھنے کی
کوشش میں لگی ہوئی ہے۔ کسی چیز کو اپنی ہستی برقرار رکھنے کے لیئے ہر آن جنگ جدال
کی ضرورت ہے۔ ہر آن اُسے کسی نہ کسی دوسری طاقت سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے نہ صرف
دریاؤں کی بڑی مچھلیاں ہی چھوٹی مچھلیوں کو کھا جاتی ہیں۔ بلکہ ہر ایک طاقتور چیز کمزور
چیز کو کھائے جا رہی ہے اور اس اپنی ہستی کو برقرار رکھنے کے جہاد میں وہی چیز غالب
آتی ہے۔ جو اس جہاد میں عمدہ سے عمدہ سامان رکھتے ہوئے اپنا پورا زور اس غرض کے
لیئے صرف کرتی ہے۔ یہی وہ جہاد کا مسئلہ ہے جس پر نادانوں کو اس قدر اعتراض ہے
مگر جو آج سے تیرہ سو سال بیشتر قرآن کریم نے ان الفاظ میں سکھایا تھا۔ وجاھدھم
بہ جہاداً کبیرا۔ اور۔ ان لیس للانسان الا ما سعی وان سعیہ سوف
یریٰ۔ یہ جہاد یہ سعی زندگی کی جڑ ہے۔ اس کو چھوڑ دینے سے زندگی باقی نہیں رہ سکتی۔
قرآن کریم نے مسلمانوں کی زندگی کو قایم رکھنے کے لیئے ایک اصول اُن کو بتایا تھا اور

اس کی بناء اسی اصول جہاد پر تھی۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولٓئک ھم المفلحون۔ اور چاہیئے کہ تم میں ہر وقت ایک ایسا گروہ موجود رہے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلاتے رہیں اور نیک باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے روکیں۔ اور یہی کامیاب ہونے والے ہیں۔ (آل عمران ع ۱۰۴) یہاں گویا کامیابی کا دارومدار اس بات پر رکھا ہے کہ مسلمانوں میں ایک گروہ داعیان اسلام کا موجود رہے۔ کیونکہ الخیر کا لفظ جس کی طرف دعوت کا حکم دیا ہے۔ اس سے مراد قرآن کریم یا دین اسلام ہی ہے۔ کیونکہ سب بھلائی کی راہیں یہاں بتا دیگئی ہیں تو یہاں گویا یہ بتایا ہے کہ اگر دنیا میں تم ایک کامیاب اور زندہ قوم رہنا چاہتے ہو تو ضروری ہے کہ تم میں ایک گروہ مبلّغین اسلام کا یا اشاعت اسلام کرنے والوں کا رہے۔ گویا اسی اصول سائینس کی طرف متوجہ کیا ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔ کہ اگر تم اس کوشش میں نہایں لگے رہو گے کہ دوسروں کو دین اسلام میں داخل کرو تو پھر تم کامیاب بھی نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ اگر ترقی کی کوشش جاتی رہے گی تو تنزل اور انحطاط کا آجانا لازمی ہے

اب جب ہم تاریخ اسلام پر نظر ڈالتے ہیں تو اس اصول قرآنی کی صداقت بیّن طور پر نظر آتی ہے۔ ابتدائے اسلام کا زمانہ تو وہ تھا۔ کہ ہر ایک مسلمان کے اندر دعوت الی الاسلام کی ایک زبردست روح کام کرتی نظر آتی تھی۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور اُن کے نقش قدم پر چلنے والوں نے دعوت الی الاسلام کو ہی اپنی زندگیوں کا اصلی مقصد سمجھ رکھا تھا۔ اس لیئے اسلام ایک حیرت انگیز سرعت کے ساتھ دنیا میں پھیلتا چلا گیا۔ اور اس جوش اور تڑپ نے جو وہ لوگ اشاعت اسلام کے لیئے رکھتے تھے۔ ان داعیان اسلام کو دور دور کے ممالک میں پہنچا دیا۔ اور اس طرح پر تھوڑے ہی سالوں میں ایک انقلاب عظیم انھوں نے دنیا میں پیدا کرکے دکھا دیا۔ پھر بعد اس کے ایک ایسا زمانہ آیا۔ کہ بادشاہ اولی الامر تو اس فرض کی طرف سے غافل ہو کر اپنے تعیشات میں گرفتار ہوگئے۔ اور علماء اپنے فروعی جھگڑوں میں مصروف ہوگئے۔ مگر پھر بھی بہت سے بزرگ دعوت الی الاسلام کے کام میں لگے رہے۔ اور وہ بزرگ جن کے ناموں پر آج لاکھوں لوگ قربان ہوتے ہیں

ان کی یہ عزت محض اسلام کی خدمتگذاری سے ہوئی۔ وہ درحقیقت روحانی بادشاہ تھے۔ اور جب دنیوی بادشاہوں نے دعوت الی الاسلام کے کام کو چھوڑ دیا تو ان روحانی بادشاہوں نے یہ کام اپنے ذمہ لے لیا۔ مگر پھر ایک ایسا زمانہ آیا۔ کہ یہ لوگ بھی دنیا سے گذر گئے اور اُن کے پیچھے وہ لوگ آئے جنھوں نے ان کی گدیوں کو پیسے کمانے کا ذریعہ بنایا۔ اور دعوت الی الاسلام کا کام قریبًا قریبًا بالکل ہی جاتا رہا۔ اس سے اسلام کو وہ سخت نقصان پہنچا جس کی تلافی دوسری طرح پر ہونی محال ہے۔ مسلمانوں کے ادبار کے دن وہی یاد گئے جب اُنھوں نے جدوجہد کے اس مقدس فریضہ کو ترک کر دیا۔ اور یہ سمجھ لیا کہ اب ہم بڑی قوم ہیں ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔ مگر ادھر اُنھوں نے جدوجہد کو چھوڑا۔ ادھر ترقی کی بجائے تنزل شروع ہو گیا۔ حتیٰ کہ ہمارے اس زمانہ میں اسلام دوسرے لوگوں کے حملوں کا آماجگاہ ہو گیا۔ اور بہت سے اسلام کے نام لیوا دوسرے مذاہب میں چلے گئے۔ یہ ادبار اشاعتِ اسلام کے کام کو چھوڑنے کا لازمی نتیجہ تھا۔

کیسے کیسے پاک اصول فلاح کے مسلمانوں کو اس پاک کتاب کے اندر دیئے گئے تھے۔ دوسرے لوگوں نے ان سے فائدہ اُٹھایا اور کامیابیاں حاصل کیں۔ مگر مسلمانوں نے ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا کا مصداق اپنے آپ کو ہی ثابت کر دکھایا دوسری قومیں تو قرآن کریم کے پاک اصول سے متمتع ہوئیں اور نہ ہوئے تو مسلمان۔ کس قوم کی مقدس کتاب میں اصول باندھا گیا۔ کہ تم میں ہر وقت ایک جماعت دعوت الی الاسلام کے لیئے رہے؟ سوائے قرآن کے یہ اصول کسی کتاب میں نہ پاؤ گے۔ مگر عملی طور پر کونسی قوم ہے جو آج دنیا میں اس اصول کی تارک نظر آتی ہے؟ سوائے مسلمانوں کے کوئی نہیں۔ ہر ایک قوم کو فکر لگی ہوئی ہے کہ دوسروں کو اپنا ہمخیال بنائے۔ ہر ایک قوم شب و روز جدوجہد میں ہے۔ اور سکون کو اپنے لیئے موت سمجھتی ہے۔ مگر مسلمان جن کی پاک کتاب نے زندگی کا اصول ہی جدوجہد کو بتایا تھا۔ ایسے غافل ہیں کہ حالتِ سکون سے باہر نکلنا ہی نہیں چاہتے۔ اپنے مذہب کی تبلیغ سے کلیتہً بے فکر ہیں۔ اس کی ضرورت اتنی بھی نہیں سمجھتے جتنی اپنا دل خوش کرنے کے لیئے ایک مکان

بنانے کے۔ نہ مبلغ پیدا کرنے کا سامان ہے نہ دنیا کی ضروریات کی خبر ہے نہ اسلام پر حملوں کی پرواہ ہے نہ دوسرے مذاہب سے کچھ واقفیت ہے۔ دوسرے مذاہب کے واعظ مسلمانوں کے ملکوں کے ایک ایک شہر اور ایک ایک گاؤں میں پھر نکلے ہیں۔ دوسرے مذاہب کی کتابیں مسلمانوں کی زبانوں میں ترجمہ ہو کر ان تک پہنچائی جا چکی ہیں۔ مگر خود مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ نہ صرف اُن کے واعظ اور اُن کی کتابیں دوسروں تک ہی نہیں پہنچتیں۔ بلکہ اپنے گھر کے اندر بھی اُنھوں نے قرآن شریف کو عوام تک نہیں پہنچایا۔ اگر دوسری قومیں بھی اپنے اپنے مذاہب کی اشاعت کی طرف سے لاپرواہ ہوتیں تو پھر بھی مسلمانوں کی یہ غفلت شاید چنداں نقصان دہ نہ ہوتی۔ مگر جہاں ایک سخت جدوجہد لگی ہوئی ہے۔ اور ہر مذہب اس فکر میں ہے کہ دوسرے مذاہب کو اپنے اندر لے لے۔ ایسے نازک وقت میں یہ غفلت اپنی موت کے فتویٰ پر خود مہر لگانا ہے۔

بیشک قوم کی ضروریات بہت ہیں اور ان سب کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔ مگر زندگی اور موت کا سوال سب سے مقدم ہے۔ اگر دوسری ضروریات قوم کی بعض بیماریوں کا علاج ہیں تو اشاعت اسلام کا سوال قوم کی بقا کا سوال ہے۔ پس پہلے زندگی کا فکر کرو جس ضرورت پر قوم کی زندگی کا مدار ہے اس کی طرف سے ایک لحظہ کی غفلت بھی ہلاکت ہے لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ جس قدر اس کام کی اہمیت ہے اسی قدر زیادہ عموماً مسلمان اس طرف سے غافل پائے جاتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ ووکنگ مشن جس کو قائم ہوئے اب چار سال کا عرصہ ختم ہوتا ہے۔ اِس تھوڑی سی مدت میں اگر اس عظیم الشان خدمت کو دیکھا جائے۔ جس کے لیئے محض اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے سامان پیدا کر دیئے۔ اور دوسری طرف اس حالت کو دیکھا جائے۔ کہ اب تک اس مشن کی طرف اتنی بھی مستقل توجہ قوم کی نہیں ہوئی کہ اس چار سال کے عرصہ میں جس قدر قدرتی نشوونما اس میں ہونا چاہیئے تھا اس کے لیئے بھی کوئی مستقل انتظام ہو جاتا تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اشاعت اسلام کی اہمیت کے سوال کو نہ صرف مسلمانوں نے سمجھا ہی نہیں۔ بلکہ اس کی طرف ابھی توجہ بھی نہیں۔ رسالہ کی قیمت کو چھوڑ کر شاید

بمشکل بارہ پندرہ ہزار روپے کا انتظام سال میں ہو جاتا ہوگا۔ اگر اس قدر خرچ پر ایک تعلیمگاہ قائم ہوتی جس کے ابتدائی مصارف گو یا کچھ بھی نہ ہوتے۔ حالانکہ تعلیمگاہوں کے ابتدائی مصارف بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ تو اس سے ہم کس قدر نتائج کی توقع کر سکتے تھے۔ اس قدر خرچ سے بمشکل ایک مڈل سکول قائم ہو سکتا اور وہ بھی ابتدائی چار سال میں کچھ کام کر کے نہ دکھا سکتا تھا۔ یعنی مڈل تک بھی پاس شدہ کوئی طالب علم نہ دکھا سکتا۔ لیکن بالمقابل ووکنگ مشن کے کام کو دیکھو۔ ان ڈیڑھ سو یا دو سو آدمیوں میں جو اب تک اس کے ذریعہ سے اسلام میں داخل ہو چکے ہیں کس پایہ کی علمیت کس شوق اور جوش کے آدمی ہیں۔ دنیوی عزت و وجاہت کے لحاظ سے لارڈ ہیڈلے اور کونٹ اور پرنس وغیرہ جیسے آدمی اس نے پیدا کر دکھائے۔ گورنمنٹ کے عہدیداران کے لحاظ سے میجر اور کپتان اور لفٹنٹ اس نے پیدا کر دکھائے علم و فضل کے لحاظ سے کئی پروفیسر کالجوں کے اس نے پیدا کر دکھائے۔ علمی قابلیت کے لحاظ سے مصنف۔ اڈیٹر مضمون نویس اس نے پیدا کر دکھائے۔ تبلیغ دینی کے لحاظ کر بھی بڑے بڑے پرجوش مرد اور خواتین اس نے پیدا کر دکھائیں۔ شاید لاکھوں روپے کے خرچ سے بیس سال میں بھی وہ کام نہ ہو سکتا جو چار سال کے عرصہ میں چند ہزار روپے کے خرچ سے ووکنگ مشن نے کر دکھایا ہے۔ یہ محض اللہ تعالےٰ کا فضل ہے تاکہ مسلمانوں کی ہمتیں بلند ہوں اور وہ سمجھ لیں کہ اشاعت اسلام کا کام ایسا نہیں کہ روپیہ تو بہت صرف ہو اور نتائج تھوڑے سے نظر آئیں۔ بلکہ اس کے خلاف تھوڑے خرچ سے کیسے کیسے عظیم الشان نتائج پیدا کر دکھائے ہیں۔ اور یہ تو صرف چند آدمی ہیں جو پیدا ہو چکے وہ وسیع لٹریچر جو اس نے چار سال کے عرصہ میں پیدا کیا ہے۔ انگریزی زبان کی لائبریری میں جہاں افسوس کے ساتھ دیکھا جاتا ہے کہ اسلام کا چہرہ دکھانے والا آئینہ قریباً کوئی نہیں تھا۔ کیسا بیش بہا اضافہ ہوا ہے۔ پھر ایک قوم کی قوم کے خیالات میں اس خط و کتابت نے۔ اس میل و ملاقات نے۔ ان لیکچروں کے سلسلہ نے۔ ان جمعہ اور عیدین کے نظاروں نے جو ووکنگ مشن کے ذریعہ سے ظہور میں آئے ہیں کس قدر انقلاب عظیم پیدا

کر دیا ہے۔ اس کو بھی چھوڑ کر اسلام کی عظمت کو اس ایک مشن کے قیام نے کس طرح عام طور پر دُنیا کے دلوں میں بڑھا دیا ہے۔ اور اس کی زندگی کا یہ ایک کیسا نمایاں نشان قائم کر دیا ہے یہ سب کچھ تو ہؤا۔ لیکن اس چار سال کے عرصہ میں بالمقابل ان عظیم الشان نتائج کے جو چاہیئے تھا کہ مُسلمانوں کے دلوں میں اشاعت اسلام کے عشق کی آگ لگا دیتے۔ اور اُن کے اندر ایک ولولہ پیدا کر دیتے۔ کہ یہ کام قوم کی زندگی کے قیام کے لیئے اور اُس کی عظمت کے اظہار کے لیئے اہم ترین کام ہے۔ قوم نے کس قدر توجہ کی ہے۔ قریبًا ایک سال یا اس سے زیادہ عرصہ ہو گیا کہ ان تحریکات کو اس رسالہ میں اور اس رسالہ سے باہر بھی دیکھا جاتا ہوگا۔ کہ لندن میں ایک شاخ اس مشن کے قائم کرنے کی ضرورت ہے اور مختلف قلموں سے یہ تحریک نکلتی رہی۔ مگر اس کے لیئے سامان کہاں سے آئے ابھی تو خود ووکنگ مشن کا بھی کوئی مستقل اِنتظام نہیں۔ بلکہ اس قدر عرصہ میں ان نتائج کو دیکھ کر تو چاہیئے تھا۔ کہ اس قدر تیاری اس عرصہ میں کر لی جاتی کہ ان کے بعد یورپ کے ہر ایک ملک میں ایک ایک شاخ اس مشن کی قائم ہو جاتی۔ اور پھر دیکھا جاتا کہ اسلام کس طرح پر دلوں کو مسخر کرتا چلا جاتا ہے۔ اور اپنا روحانی اقتدار دُنیا میں قائم کرتا چلا جاتا ہے۔ تعجّب آتا ہے کہ مُسلمانوں کی اُمنگوں پر کیوں اس طرح افسردگی چھا گئی کہ صریح نتائج کو دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھتے۔ ان کی تھوڑی سے جد و جہد پر عظیم الشان نتائج خدا تعالےٰ نے مرتّب کر دکھائے تھے۔ جن کی نظیر اس زمانہ میں ہمیں کوئی نظر نہیں آتی۔ کیونکہ سب سے زیادہ پُر زور تحریک تبلیغ دین کی عیسائیت کی طرف سے ہے۔ مگر لاکھوں روپیوں کے اخراجات سے بیسیوں سالوں میں بھی ان کے مشن کی کسی شاخ نے ایسے عظیم الشان نتائج نہیں دکھائے۔ مگر خدا کے اِس فضل پر بھی اُنھوں نے جیسا کہ چاہیئے تھا قدم آگے نہیں اُٹھایا۔ جہاں کامیابی کی موہوم امید بھی ہو وہاں لوگ اپنا مال پانی کی طرح بہا دیتے ہیں۔ مگر یہاں تو امید نہیں۔ کھلی کھلی کامیابی اور بے نظیر کامیابی بھی مشاہدہ کرا دی گئی۔ پھر بھی خاموشی ہی خاموشی ہے۔ اور سوائے معدودے چند باہمّت افراد کے باقی سات کروڑ مُسلمان یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہمیں اس سے کیا سروکار ہے

اسلام زندہ رہے یا مرے۔ اسلام تو نہ صرف زندہ ہی رہے گا بلکہ لیظهرہ علی الدین کلہ کا وعدہ بھی اسکا پورا ہو کر رہے گا۔ لیکن ان لوگوں کی ہمتوں پر جو اس وقت موجود ہیں اور نتائج کو دیکھ رہے ہیں یہ کتنا بڑا دھبہ ہوگا اگر اُنھوں نے اس وقت ہمارے اس کام کو ترقی دینے کے بجائے اسے بے توجہی قائم رکھ کر بگاڑ دیا۔ اس لیئے سب برادران اہل اسلام سے یہ ہماری اپیل ہے کہ اس وقت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ اسوقت محض اللہ کی رضا کے لیئے۔ اللہ تعالےٰ کے دین کی عظمت کے لیئے۔ اللہ تعالےٰ کی توحید قائم کرنے کے لیئے ہمت دکھائیں۔ اور اپنے سلف کے نقش قدم پر قدم رکھ کر دُنیا کو دکھائیں۔ کہ مسلمان خدا کے لیئے اور دین حق کی اشاعت کے لیئے کیسی ایثار کرنے والی قوم ہے اور اس کی ہمت کیسی بلند ہے۔ مسلمانوں کے اندر خیرات بہت ہوتی ہے۔ اچھے کاموں پر روپیہ خرچ کرنے کو بھی تیار ہوتے ہیں وہ خوب سمجھ لیں کہ اُن کی خیرات کا سب سے بہتر مصرف اور اس وقت نیکی کے کاموں میں سب سے مقدم اور اہم۔ اشاعت اسلام کا کام ہے۔ اور یہ اشاعت اسلام کا کام جس طرح ووکنگ مشن کے ذریعہ شروع ہو چکا ہے اس کا قائم رکھنا اب ہر ایک مسلمان کا سب سے پہلا فرض ہے۔ اور یہ ہو نہیں سکتا جب تک ہر ایک مسلمان اسمیں عملی رنگ میں حصّہ نہ لے۔ یہی قوم کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ اگر خدانخواستہ مسلمانوں کی غفلت سے اس مشن کو نقصان پہنچا۔ تو مسلمان جو پہلے ہی ہمت ہار بیٹھے ہیں۔ پھر شاید کبھی بھی اپنے دین کو دوسروں تک پہنچانے کی جرأت نہ کر سکیں گے۔ اور جب اشاعت کا کام ان میں کمزور ہوا تو خوب یاد رکھو۔ کہ پھر اسلام کی حفاظت کا بھی کوئی سامان نہ رہے گا۔ اشاعت اور حفاظت کے سوال ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ دلوں میں تحریک کا پیدا کرنا یہ خدا کے ہی اختیار میں ہے ٭

خط بنام برادران اسلام

(ایک اہم ضرورت)

برادران اسلام اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

اس نمبر کے ساتھ اسلامک ریویو کی چوتھی جلد ختم ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں ابھی کل ہی انگلستان کے ساحل پر اترا تھا۔ اور یہ اب پانچواں سال شروع ہوتا ہے۔ چار سال کا زمانہ ایک قابل عرصہ ہے۔ مگر جو کام اس تھوڑے سے عرصہ میں کیا گیا ہے اس کی تکمیل بیسیوں سالوں میں بھی بمشکل سے ہو سکتی تھی۔ صدیوں کی غلط فہمیوں نے اسلام کے چہرہ پر ایک تاریکی کا پردہ ڈال رکھا تھا۔ اور نسلاً بعد نسل غلط بیانیوں نے اس کی خوبصورتی کو ایک بدنما داغ بنا رکھا تھا۔ ان غلط فہمیوں کا دور کرنا اور ان غلط بیانیوں کا مقابلہ کرنا آسان کام نہ تھا۔ بلکہ ایک لمبے زمانہ کو اور پے در پے کوششوں کو چاہتا تھا۔ جو کچھ میں نے انگلستان آکر پہلے چھ مہینوں میں کتابوں رسالوں تصویروں۔ تھیٹروں کے ذریعہ سے اسلام کے متعلق سنا اور دیکھا وہ ایک کپکپا دینے والا نظارہ تھا۔ اور میں نے اسوقت اس کا نقشہ ذیل کے الفاظ میں اپنی چٹھی بنام آل انڈیا مسلم لیگ میں ۱۹۱۳ء میں کھینچا تھا:-

"تعدد ازدواج۔ غلامی۔ جزیہ اور جہاد ہی ایسی چیزیں نہیں جن کے متعلق غلط بیانی کرکے اسلام کے خلاف یہاں نفرت پھیلائی جاتی ہے اور دلوں میں عناد کا بیج بویا جاتا ہے بلکہ اسلام کی ہر ایک چیز یہاں تنفر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ اور اس کو ناقابل اصلاح قرار دیا جاتا ہے۔ ہمارا علم الٰہیات اور ہمارا اخلاقی کوڈ۔ ہمارا طریق سیاست اور ہماری تدبیر منزل۔ ہمارا تمدن اور ہماری معاشرت وحشیانہ بتائے جاتے ہیں۔ ہمارا ذات باری کا عقیدہ خدائی کی تحقیر اور ہمارے انسان کے متعلق خیالات انسانیت پر ایک ظلم ٹھیرائے جاتے ہیں یہ کہا جاتا ہے کہ ہمیں اپنی عورتوں کی نیکی اور عصمت پر کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی مردوں

کے دلوں میں عورت کی عزت کا ہم کو یقین ہے۔ گویا محمدؐ نے ہم کو نکما کر دیا ہے۔ اور ہم نے نسل انسانی کو اس بے ضرر خوشی سے محروم کر دیا ہے جو ناچ اور تماشا میں مردوں اور عورتوں کے کھلے میل ملاقات سے ایک دوسرے کو حاصل ہوتی ہے۔ یوں ہم کمال انسانی کو محسوس نہیں کرتے اور خوبصورتی کے سامنے آنکھیں بند کر کے اندھے ہو جاتے ہیں۔ اور دوسرے مردوں کو اپنی عورتوں کی جسمانی خوبصورتی کی قدر کرنے کا موقعہ نہیں دیتے۔ حالانکہ قدرت کا ان کو خوبصورت بنانے میں یہی منشاء تھا۔ کہ وہ نسل انسانی کی عام خوشی کو بڑھانے والی ہوں۔ ہم نے اپنے بہتر نصف حصّہ کو (یعنی صنف نازک کو) پردہ میں رکھ کر اُن کی ہر ایک خوبی اور کمال کو مردہ کر دیا ہے۔ ہمارے اخلاقی قوانین اُن کے نزدیک متضاد اصولوں کا ایک مجموعہ ہے۔ اور خشک زہد اور شہوات کا ایک بے جوڑ مرکب ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسلام صرف حیوانی جذبات کو اپیل کرتا ہے اور نازک جذبات کے نشو و نما کے لیئے کوئی موقعہ نہیں چھوڑتا۔ یہ مذہبی دیوانگی پیدا کرتا ہے اور عقل عامہ اور معقولیت کا ستیاناس کرتا ہے۔ اس لیئے مسلمان فتح حاصل کر کے صرف تلوار کے ذریعہ سے اس کو ثمراتِ کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔ مگر مفتوحہ قوموں کو کوئی اچھی حکومت یہ نہیں دے سکتا۔ مختصر یہ کہ جہالت اور تنگدلی۔ تند خوئی اور وحشیانہ پن۔ شہوات اور نا قابلیّت اور ہر قسم کی قابل حقارت صفات کا ہم مجموعہ سمجھے گئے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسلام کا زمانہ اب ہو چکا۔ اس کی خدمت کا دائرہ دُنیا میں گویا اسی حد تک محدُود تھا۔ کہ بالکل وحشی قوموں کی تھوڑی سی اصلاح کر دے اب یہ ایسے ممالک میں یورپین تہذیب کے لیئے ایک پیش خیمہ تو ہو سکتا ہے مگر ترقی یافتہ حصص دُنیا میں اب اس کی جگہ کوئی بہتر اصول لیں گے"۔

غرض ایسے ایسے خیالات اسلام کے متعلق عام طور پر دلوں میں جاگزین تھے۔ اور اب بھی ہیں۔ یہ بالکل جھوٹ اور سخت افترا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ابتدا میں ان خیالوں کی ترویج اسلام کے خلاف منصوبہ بازی کی شرارت ہوگی۔ مگر اب یورپ میں لاکھوں کروڑوں انسانوں کا نیک نیتی سے یہی خیال ہے۔ ہمارا سب سے پہلا اور مقدّم فرض یہ ہے۔ کہ ان جہالت کے بادلوں کو اُڑا دیں جنہوں نے مطلع اسلام کو یورپ کی نگاہوں میں تاریک کر رکھا ہے

دونوں مغربی برّاعظم اسلام کے متعلق خطرناک غلط فہمیوں میں مُبتلا ہیں۔ اور عمداً غلط بیانیوں اور افتراؤں سے یہ غلط فہمیاں پیدا کی گئی ہیں۔ اور اگر ہم ان غلطیوں کی اصلاح پر پُورا زور صرف کر دیں تو اس آزادی اور وسیع خیالی کی زمین پر لاکھوں انسان اسلام کے موید ہو جائیں گے ۔

اسی یقین کے ساتھ ہم نے اپنا کام یہاں شروع کیا تھا۔ اور یہ امر کہ نتائج نے ہماری امیدوں کو سچ کر دکھایا ہے۔ ایسا اظہر من الشمس ہے کہ اب مجھے اس پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں کس قدر راحت محسُوس کرتا ہوں جب میں ذیل کے اقتباس پادری آرمیکسول کنگ کے خطبہ سے جو اُنھوں نے اولڈ پر سبائیٹیرین چرچ نیو ٹاؤنرڈ میں جنوری گذشتہ کے کسی اتوار کو دیا تھا پڑھتا ہوں۔ پادری میکسول کنگ نے اپنے سامعین کو یوں مخاطب فرمایا

"یہ صرف غلط ہی نہیں۔ بلکہ یہ ایک مجرمانہ غلطی کا ارتکاب ہے۔ اگر مسلمانوں کو کافر کہا جائے ..... اسلام کی کتاب مقدس قرآن ہے ... اس میں نہ صرف مذہب اسلام کے اعتقادات اور اعمال کا ہی ذکر ہے۔ بلکہ یہ روز مرّہ زندگی کے لیئے ایک کامل مجموعہ اخلاق اور ایمانداروں کے لیئے ایک قانونی نظم ہے۔ اس بارہ میں مسلم کو عیسائی پر فضیلت ہے۔ کہ اس کی روز مرّہ مذہبی زندگی کی ہدایات اور اس کا قانون یکساں ہیں۔ حالانکہ عیسائی کی روز مرّہ زندگی کے لیئے ایک مجمُوعہ اور اس کے قانون کے لیئے ایک الگ نظم ہے۔ اسلام روزانہ خیرات پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ اور مہربانی اور اخوت کے کام خدا کی نگاہ میں پسندیدہ ہیں ..... تمام نبیوں کی مُسلمان سچے دل سے توقیر کرتا ہے .... میں نے اسلامی تحریروں میں یسوع کی عزت اور محبت کے ایسے نیک خیالات کا اظہار دیکھا ہے کہ ان لفظوں کو دیکھ کر میں یہ بھول جاتا تھا۔ کہ میں ایک عیسائی لکھنے والے کے الفاظ کو نہیں پڑھ رہا ہوں۔ پس کیا یہ افسوس کا مقام نہیں کہ عیسائیوں نے کیا طرز حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا ذکر تقریروں اور تحریروں میں کرنے کے لیئے اختیار کر رکھی ہے ..... عملی زندگی میں مُسلمان ایک با اخلاق انسان ہے۔ اس کے طریق زندگی پر خدا تعالیٰ کی جزا و سزا کی حیثیت غالب ہے۔ میں اسلامک ریو جلد ۲ نمبر ۳ کے صفحہ ۹۲ سے کچھ الفاظ نقل کرتا ہوں

'اسلام عمل میں آزادی دیتا ہے۔ اور ہر انسان کے لیئے خود فیصلہ پر پہنچنے کی تائید کرتا ہے اور اس لیئے اختلاف رائے کی عزت کرتا ہے'.... یہ عام طور پر خیال کیا گیا ہے کہ اسلام مسلمانوں کو آنکھیں بند کر کے قسمت کو قبول کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ مسلم ریویو سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال بھی غلط ہے'۔ ایک ایسا مذہب جو محنت کوشش اور اپنے اوپر بھروسہ کرنے کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس کمزور اور سست کر دینے والے خیال کا حامی نہیں ہو سکتا۔ جو تقدیر کے فرض مفہوم سے پیدا ہوتا ہے۔ جس سے بدی ایک امر مقدر قرار پا کر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو دور کرنے کی کوشش کو انسان ترک کر دیتا ہے۔

''.. جہاں کہیں عورتوں کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے ان کی عزت اور ادب کا حکم دیا گیا ہے یہ ایک ظاہر امر ہے جس کے بیان کرنے کی بھی چنداں ضرورت نہیں کہ جو مذہب خدا کی رضا کی کامل فرمانبرداری کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کے قبول کرنے والے اپنے معاملات میں صادق راستباز اور انصاف کرنے والے ہوں۔ اور اپنے قول و قرار اور اپنے معاہدات کے پورے پابند ہوں.... اسلام میں بڑی صداقت اور راستبازی ہے''۔

پادری کنگ اس طرح اپنے اتوار کے خطبہ میں گرجا میں کھڑے ہو کر اسلام کی خوبیوں کا اعتراف کرنے میں تنہا نہیں ہیں۔ ایک اور پادری صاحب والرمبین صاحب ڈی ڈی نے بمقام پٹسبرگ اپنے گرجا میں ''دنیا کے امن کی راہ'' پر خطبہ دیتے ہوئے اسلام کی بہت تعریف کی اور اس کے برخلاف عیسائیت کو اس بات کا ملزم ٹھیرایا کہ یہ ان زمینوں میں بھی امن قائم نہیں کر سکی۔ جہاں صرف عیسائی ہی عیسائی رہتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا۔ کہ عیسائی ممالک جنگ و جدال کے گناہ سے کبھی بھی بری نہیں ہوئے۔ اور کہ آج کلیسیا پر جو جرم عاید ہوتا ہے وہ ہمیشہ ہی عاید رہا ہے۔ اسلام کا ذکر کرتے ہوئے پادری صاحب نے کہا۔

''ان کا مذہب یعنی قرآن کا مذہب اسلام کہلاتا ہے۔ جس کے معنے ہی صلح کرنا ہے اور جو شخص اسلام کو قبول کرتا ہے وہ مسلم کہلاتا ہے۔ یعنی ایسا شخص جس کی خدا کے ساتھ بھی صلح ہے اور اس کی مخلوق کے ساتھ بھی۔ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو سلام کرتا ہے تو وہ بھی السلام علیکم کہتا ہے۔ یعنی تم پر سلامتی ہو''

اس بات کا ثبوت کہ ان خیالات کی اصلاح میں اسلامک ریویو اور ووکنگ مسلم مشن ہی اصل موجب ہیں خود ان تحریروں سے ملتا ہے۔ انہی خطبوں کو پڑھ کر نواب عماد الملک بہادر نے ۱۹۱۵ء میں بمقام منصوری نواب محمد اسحاق خانصاحب اور اوروں کے سامنے یہ الفاظ بولے تھے۔ کہ مغرب میں اسلام کے متعلق غلط فہمیوں کو دور کرنے اور عامہ رائے پر اسلام کے متعلق نیک اثر ڈالنے میں اسلامک ریویو نے صدیوں کا کام سالوں میں کر دکھایا ہے۔
وہ لوگ جو ہم سے خاص طور پر عناد بھی رکھتے ہیں وہ بھی اسلام کے متعلق ہمارے ریویو میں مضامین کو پڑھ کر اُن کی خوبی تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ اور وہی فقرے جو بطور اُنھوں نے ہم پر حملہ کے رنگ میں لکھے ہیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ اسلامک ریویو نے جس رنگ میں اسلام کو پیش کیا ہے اُس نے دشمنوں کے دلوں پر بھی اثر کیا ہے۔ چنانچہ رسالہ مسلم والڈ نے جو عیسائیت کی اسلام کے خلاف تبلیغ کے لیئے ایک ماہوار میگزین ہے ہماری ایک کتاب "اسلام اینڈ مسلم پریئر" پر جو اسلامک ریویو کے مضامین کو اکٹھا کرکے تیار کی گئی تھی۔ ریویو کرتے ہوئے ذیل کے الفاظ لکھے ہیں:-
"ان مضامین کو پڑھنے کے بعد ان کے لکھنے والوں کی جو تعلیم اسلامی کے مفہوم کو پیش کرتے ہیں خلوص نیت کی وجہ سے ایک شخص تحیر میں رہ جاتا ہے۔ اوّل سے لے کر آخر تک کتاب محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے مذہب کے متعلق بلند پروازیوں سے بھری ہوئی ہے۔ اور اکثر صورتوں میں سچے مسلمان بھی اس کو اسلام کی تائید نہیں سمجھ سکتے۔ یہ تعلیم ہندوستانی معلمین اسلام کے ترقی یافتہ گروہ سے مخصوص ہے جو اس بات کے لیئے پُر زور کوششیں کر رہے ہیں کہ اسلام کے لیئے جزائر برطانیہ میں زیادہ قابل برداشت اور معقول عزت پیدا کریں۔"
اب جب عیسائی مشنری نے یہ دیکھا کہ اس کی ان کوششوں کی جو وہ اسلام کو بدنام کرنے کے لیئے کرتا رہا ہے حقیقت کھلتی جاتی ہے تو اُس نے ایک نیا راگ شروع کر دیا۔ جس طرح ہم اسلام کا خوبصورت چہرہ پیش کرتے ہیں وہ اسے محض بلند پروازی قرار دیتا ہے گویا یہ حقیقی اسلام نہیں۔ لیکن ہم امید رکھتے ہیں کہ جوں جوں مغربی دماغ اسلام کی حقیقی

تعلیم سے جو ں زیادہ آشنا ہوتے چلے جائیں گے ان پر یہ بات بھی کھل جائے گی کہ آیا جو کچھ ہم پیش کر رہے ہیں وہ حقیقی اسلام ہے۔ یا محض ہمارے خیالات کی بلند پروازی ہے۔ اب تو خدا نے کتاب ہی ایسی دی ہے کہ ہر دعوے اور ہر دلیل کے لیئے ہم خود اس کتاب کو پیش کرتے ہیں۔ اس کا یہ یقینی نتیجہ ہے کہ جوں جوں مغرب پر مشنری غلط بیانی کی حقیقت آشکار ہوتی جائے گی وہ صداقت اسلام کو قبول کرنے کے لیئے آمادہ ہوتے چلے جائیں گے لیکن مشنری اور وجوہ سے بھی معذور ہے۔ مغربی علم آلہیات ایک الٰہی دین کی خوبیوں اور خوبصورتیوں کو سمجھنے کے لیئے اس قدر دور پڑا ہؤا اور ایسی ناقص حالت میں ہے کہ گو ہم اپنے مذہب کے اصول کو ہی پیش کرتے ہیں۔ مگر وہ اصول اُن کو ایسے بلند اور ایسے اعلےٰ درجہ پر نظر آتے ہیں کہ وہ اُن کو ہمارے خیالات کے بلند پروازی پر محمول کرتے ہیں۔ اس سے ہم کو یہ امید ہے کہ جوں جوں ہمارا کام ترقی کرے گا اُس کے ثمرات اعلےٰ سے اعلےٰ شکل اختیار کرتے چلے جائیں گے +

نومسلموں کی تعداد کو بڑھانا یہ ہم نے اپنے مدِ نظر نہیں رکھا۔ نہ ہی تعلیم قرآنی کے ماتحت ہمیں اس بات کی پروا کرنی چاہیئے کہ کتنے لوگ مسلمان ہوتے ہیں۔ اعلان اسلام کی کسی کو توفیق دینا یہ خدا کا کام ہے۔ ہمارا کام تو صرف یہ ہے کہ ہم اسلام کی تبلیغ کرتے چلے جائیں۔ اور یہ خیال بھی کبھی دل میں نہ لائیں۔ کہ جو لوگ ہمارے مخاطب ہیں انہیں سے کتنوں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ لیکن ہم تو اس پہلو سے بھی افضال الٰہی کا شکریہ ادا نہیں کرسکتے۔ اللہ تعالےٰ نے ہمیں صرف کافی تعداد میں نومسلم ہی نہیں دیئے بلکہ ایسے نومسلم دیئے ہیں جن میں صاحب وجاہت و مرتبہ اور صاحب علم و فضل انسانوں کی کمی نہیں۔ مختصرًا یہ عرض ہے کہ جس قدر ہم مغرب کے لوگوں سے زیادہ واقف ہوتے چلے جاتے ہیں اسی قدر ہمارا یقین اس بات پر بڑھتا چلا جاتا ہے کہ یہ قوم اسلام کے اصول کو قبول کرنے کے لیئے بہت تیار ہے۔ خود حالات زمانہ نے اور بعض دوسرے اسباب نے جو اس وقت پیدا ہو گئے ہیں مغربی دل میں اسلام کی قدر و عظمت بڑھا دی ہے یہ محض پُرجوش حمایت کے خیالات نہیں بلکہ واقعات اور اعداد ان بیانات کے موید ہیں +

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا جو کچھ ہم کو کرنا تھا کر لیا ہے۔ برادران اسلام! میں آپ سے بھی یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا آپ لوگوں نے فرداً فرداً اور بحیثیت مجموعی اپنا فرض ادا کر دیا ہے؟ قرآن کریم کو کھولو۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو پڑھو تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ تبلیغ کا کام ہمارے کل کے کل فرائض میں سب پر مقدم ہے۔ ایک مسلمان کا وطن تو ساری دنیا ہی ہے۔ اور ملکوں اور قوموں کی عارضی حدود اسلام کی عالمگیر وسعت کے سامنے ہیچ ہیں۔ آخر ایک دن تم سب کو خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ اور اس کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامن کے نیچے پناہ تلاش کرنی ہے۔ وہاں کیا جواب دو گے کہ اس پاک پیغام کو پہنچانے میں جس کا ساری دنیا میں پہنچانا ہمارا سب سے پہلا فرض قرار دیا گیا تھا۔ ہم نے کس قدر کام کیا؟

دنیا میں ایک انقلاب عظیم ظہور پذیر ہوا ہے۔ عیسائی مذہب کو اس جنگ سے ایسا صدمہ پہنچا ہے کہ اب انسانوں کی توجہ پر اسے وہ دسترس حاصل نہ ہو گی جو پہلے حاصل تھی۔ مذہب کے بارے میں یہاں ایک کشمکش کا عالم ہے۔ پہلے عقاید نکلتے جا رہے ہیں اور نیا بیج بویا جانے کا وقت ہے۔ یہ وقت ہے کہ ہم اسلام کے لئے کمر بستہ ہو جائیں اللہ تعالےٰ نے بھی ہمیں ایسا موقعہ دیا ہے کہ ہم لوگوں کے لئے اسلام کے اندر ایک دلچسپی کا سامان پیدا کر دیں۔ بہت سے حلقوں میں ہم نے اسلام کی وہ قابل برداشت اور معقول عزت پیدا کر دی ہے جس کا مشنریوں کو فکر ہے۔ اس دلچسپی کو قائم رکھنا یا بڑھانا اس کا انحصار آپ لوگوں پر ہے۔

یاد رکھو کہ اسلام کی اشاعت ہی وہ کام ہے جو تمہیں ایسے دیرپا فوائد سے متمتع کریگا جو دوسری شاخوں میں کام کر کے تم کو حاصل نہیں ہو سکتے۔ قرآن کی تعلیم کے مطابق وہ کام جس کو میں نے یہاں شروع کیا ہے آپ لوگوں کا سب سے پہلا فرض ہے اور آپ اور آپ کے انفاق فی سبیل اللہ پر اس کام کا سب سے مقدم حق ہے۔ مگر میں اس غرض کے لئے آپ سے التجا نہیں کرتا۔ میں ایک تجویز پیش کرتا ہوں جس سے اس مشن کی مالی بنیاد مستحکم ہو جائے گی اور کسی کو نقصان بھی نہیں اُٹھانا پڑے گا جس چیز کی

سخت ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ اعلےٰ درجہ کا اسلامی مذہبی لٹریچر خاص خاص حلقوں میں جسقدر ممکن ہو کثرت کے ساتھ اشاعت پذیر ہو۔ ہزارہا دل ہیں جن سے وہی آواز نکلتی ہے جو ایک مسلمان کے دل سے نکلتی ہے۔ یقین اور ایمان کے رو سے وہ ہمارے بہت سے اعتقادات میں متفق ہیں۔ اُن کی حالت ایسی ہے کہ ہمیں اُن کو اسلام میں لانے کے لیئے چنداں کوشش کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اُنھیں نے صرف ہمارے ساتھ اتحادِ عقیدہ کا اعلان کرنا ہے بہت سے ایسے ہیں کہ مذہبی دائرہ میں ان کے خیالات اور اعتقادات کو صرف ایک اسلامی نام ہی دینا ہے۔ بالفاظ دیگر وہ قریبًا قریبًا مسلمان ہی ہیں۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ وہ مسلمان ہیں۔ ہم کو اپنا لٹریچر پیش کرکے اُنہیں صرف اس قدر بتانا ہے۔ کہ جو کچھ ان کے خیالات ہیں وہ اسلامی ہیں۔ اور درحقیقت وہ مسلمان ہیں پچھلی صدی نے مغرب میں بہتیرے ڈریپر سپنسر۔ انگرسول اور امرسن پیدا کیئے ہیں۔ اُن کو دہریہ کہو یا ایک خدا کے ماننے والے کہو۔ یہ تمہارا اختیار ہے۔ لیکن جو کچھ اُنھوں نے کلیسیا کے علم الٰہیات کے متعلق اظہار خیال کیا وہ سچے غور اور بے تعصب تحقیقات کا نتیجہ تھا۔ وہ مجبوراً ایسے بنے جیساکہ اُنھوں نے اظہار کیا۔ اگر اسلام اپنے اصلی رنگ میں اُن کے سامنے پیش ہوتا تو وہ مادی تاثرات کو قبول نہ کرتے۔ مگر اب بھی کچھ نہیں گیا۔ کھیت میں ہل چلانے کا وقت آگیا ہے۔ زمین تیار ہے۔ سخت اور دشوار کام ہو چکا ہے۔ اور صرف تخم ریزی اور آبپاشی کا مناسب انتظام کرنا ہے۔ اور حسب دلخواہ نتائج جلد دیکھنے میں آجائیں گے۔

اسلامک ریویو کی اگلی جلد میں میرا ارادہ ہے کہ ایسے مضامین لکھوں جن میں یہ بتایا جائے کہ جو عقاید کی عمارت گرائی گئی ہے۔ اب اس کی بجائے ہم کیا بنانا چاہتے ہیں۔

مولوی صدرالدین صاحب کی ان تھک کوششوں اور محبت کرنے والی طبیعت نے ہمارے لیئے بہت سے قیمتی نامہ نگار پیدا کر دیئے ہیں۔ مسٹر قدوائی کے وجود میں بھی ہمیں ایک بیش بہا فائدہ حاصل ہوا ہے۔ مسٹر عبدالقیوم ملک۔ بی۔ اے (علیگ) بھی ہمارے اس کام میں اعانت کے لیئے یہاں آئے ہیں اور بڑا مفید کام کر رہے ہیں۔ اس لیئے ہم نئے کام کے لیئے انشاءاللہ تعالےٰ خوب تیار ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ ایک سلسلہ مضامین ارتقائے

انسانی کے عظیم الشان سوال پر بحث کرنے اور اس میں اسلام کا حصہ دکھانے کے لیئے لکھا جائے۔ ایک حصہ قرآن کا تفسیر کے ساتھ درج ہوتا ہے۔ کچھ ترجمہ حدیث کا ہو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر بھی کچھ نکلتا رہے۔ اسلام کے اندر جو بڑے بڑے لوگ ہوئے ہیں کچھ حصہ اُن کے تذکروں کا ہو۔ مسلمانوں نے سائنس کو ترقی دینے میں جو حصہ لیا ہے کچھ ان کوششوں کو بھی پبلک کے سامنے لایا جائے۔ زبان عربی کے کمالات کو دکھایا جائے وغیرہ وغیرہ

میں یہ چاہتا ہوں کہ غیر اسلامی دائرہ میں ہم پرچہ کی مفت اشاعت کی توسیع کر سکیں۔ سلطنت متحدہ میں ہزاروں کتب خانے ہیں جو بڑی خوشی سے رسالہ کے لینے اور اپنے ناظرین کے سامنے پیش کرنے کیلئے تیار ہیں۔ مشن کے موجودہ ذرائع اس قدر محدود ہیں کہ میں اس کام کے لیئے گنجایش نہیں دیکھتا۔ اس لیئے میں چند تجاویز اس رسالہ کے پڑھنے والوں اور تبلیغ اسلام کے کام سے ہمدردی رکھنے والوں کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اوّل یہ کہ وہ ریویو کے لیئے زیادہ خریدار پیدا کرنے کی کوشش کریں جس قدر خریداروں کی تعداد میں ترقی ہوگی وہ گویا مشن کی آمد کی ترقی ہے۔ چونکہ رسالے کا منافع بھی مشن کے اخراجات کو پورا کرنے میں ہی صرف ہوتا ہے۔ اس لیئے میں اپنے موجودہ خریداروں سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ ہر خریدار دو نئے خریدار بہم پہنچائے دوئم۔ مفت اشاعت کے لیئے کچھ کاپیوں کی قیمت حسب توفیق ہمیں دی جائے تاکہ اس طرح یہ یہاں کے غیر اسلامی دائرہ میں ہم مفت اشاعت کی توسیع کر سکیں سوئم۔ اس قسم کے عطیہ جات کی معقول رقوم ہمیں دیجائیں جن کے ساتھ ہم تمام کتب خانوں میں اسلامک ریویو کی کاپیاں دے سکیں۔ اس طرح پر جو فائدہ حاصل ہوگا وہ بہت بیش بہا ہوگا۔ کیونکہ لاکھوں انسانوں کی نظر سے یہ رسالہ گذرے گا۔ چہارم۔ اس کے علاوہ چھوٹی چھوٹی کتابوں کی صورت میں اور مذہبی لٹریچر پیدا کرنے کے لیئے اور اُن کو برائے نام قیمت پر اشاعت کرنے کے لیئے ہمیں کافی فنڈ دیا جائے۔ ۱۹۱۴ء میں میں نے کچھ احادیث نبوی کا انگریزی

ترجمہ اس طرح پر شائع کیا تھا اور ایک فیاض خاتون مرحوم نواب حکیم الدولہ بہادر حیدرآباد دکن کی بیگم صاحبہ نے اس کی تمام لاگت بطور عطیہ مرحمت فرمائی تھی۔ اس چھوٹی سی کتاب نے تبلیغ اسلام میں نہایت قیمتی کام ہی دیا ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ بخاری کا ترجمہ انگریزی زبان میں کروں۔ کوئی ہمدرد اسلام اس کے لیئے مجھے روپیہ دے تو میں اپنی محنت کا کوئی معاوضہ نہیں لوں گا۔ اس قسم کی امدادی رقوم کا حساب بالکل الگ رکھا جاوے گا۔ اور وہ اسی کام پر صرف ہونگی جس کام کے لیئے دی گئی ہیں۔ بالآخر میں ایک اور درخواست بھی کرتا ہوں۔ اگلا نمبر پانچویں جلد کا پہلا نمبر ہوگا۔ اور میں نے اپنے لاہور کے دفتر میں یہ ہدایت دی ہے کہ خریداران ہندوستان کے نام وہ نمبر وی پی کر دیا جائے میں امید کرتا ہوں کہ میرے معاونین اس وی پی کی رقم کو ادا کر دینگے۔ تاکہ ہمارے کاروبار میں سہولت ہو۔ جو ہندوستان سے باہر کے خریدار ہیں اُن کی خدمت میں درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنی قیمت بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما کر ممنون فرمائیں وہ وقت بھی اب آگیا ہے کہ ہم اپنی تبلیغی کوششوں کے لیئے ایک اور مرکز لندن میں قائم کریں۔ اسلام پر لیکچروں میں اب سامعین کی تعداد خوب ہو جاتی ہے۔ اور اُن کی قدر کی جاتی ہے۔ اگر مجھے اس قسم کی امداد مل سکے کہ میرا کام ووکنگ میں چلتا رہے تو میں بڑی آسانی سے لندن میں کام شروع کر سکتا ہوں۔ اب بھی کبھی کبھی ہم وہاں لیکچروں کا انتظام کرتے ہیں۔ مگر مستقل طور پر کام کرنے سے ہی عمدہ نتائج کی توقع ہو سکتی ہے۔ اگر اسلامک ریویو کے فنڈ مجھے ایک اور معاون رکھنے کی اجازت دیں۔ تو میں فوراً اس کام کو شروع کر دونگا۔ اس لیئے سب بھائیوں کی خدمت میں میری التماس ہے کہ موجودہ تعداد خریداران کو دوگنا کرنے کی کوشش کریں۔

آپ کا بھائی
خواجہ کمال الدین

نوٹ:۔ رسالہ اشاعت اسلام جنوری میں اُن اصحاب کے نام وی پی ہوگا جن کا سال اس رسالہ کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔

ارتداد اور اسکے نتائج

مسئلہ ارتداد اسلام کے معترضین کے ہاتھ میں ایک ایسا ہتھیار ہے کہ جس کے ذریعہ وہ اسلام کے خلاف ہر قسم کا ظلم اور وحشیانہ پن منسوب کرتے ہیں۔ مگر اس سے بڑھ کر بے بنیاد حملہ بھی کم ہی ہؤا ہوگا۔ عموماً تعصب اور ناواقفیت نے ملک اسلام کے خلاف ایک ایسا میلان طبائع میں پیدا کر دیا ہے کہ بہت سی بے بنیاد باتیں اسلام کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اور کبھی یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ کہ فی الواقع ایسی باتیں اسلام کی طرف کس حد تک منسوب ہو سکتی ہیں۔ بالخصوص عیسائی مشنری سلسلہ میں عموماً پاک اور صحیح اسلامی اصول کی ناواقفیت ہی طرح طرح کے پیرائیوں میں ظہور پذیر ہو کر اسکا ایک تاریک نقشہ اور سیاہ منظر ناواقف لوگوں کے سامنے پیش کرتی رہتی ہے۔ اور یہ لوگ اسلام کے متعلق بے رو و رعایت اور منصفانہ باتوں کے سننے یا پھیلنے کو پسند نہیں کرتے۔ اور زود اعتقاد لوگوں کی ناواقفی اور توہمات سے فائدہ اٹھانے کی ناجائز کوشش کرتے ہیں۔ کبھی تو یہ راگ گایا جاتا ہے کہ اسلام میں عورت کی حالت سخت ذلت کی حالت ہے۔ اور کبھی سارا زور اس پر صرف کیا جاتا ہے کہ اسلام نے مرتدین کے متعلق بڑے خوفناک اور وحشیانہ مظالم روا رکھے ہیں۔ حالانکہ جو تصویر اُن مظالم کی پیش کی جاتی ہے وہ اسلامی قانون کی تصویر نہیں بلکہ اپنے ہی گھر کے محکمۂ تحقیقات مذہبی کے جنون مذہبی کا خاکہ اسلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ اور اس قسم کے اور بہت سے ذرائع اس لیئے ایجاد اور اختیار کیئے جاتے ہیں کہ تا ایک ذہین اور حساس پبلک کے دلوں میں اس مذہب کے خلاف سخت تنفر پیدا کیا جائے۔ جو اُن کے خیال میں اس قسم کے مظالم کو روا رکھتا ہے۔ لیکن چونکہ اب وہ زمانہ گذر گیا ہے۔ جب ہر بات بلا تحقیق قبول ہوتی چلی جاتی تھی۔ اور طبائع کا رجحان بدل کر ہر چیز کی اصل حقیقت دریافت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور ہر بیان کے اوپر

تنقید کی روشنی ڈالنی ضروری خیال کی جاتی ہے۔ اس لیئے ان حیلوں میں اب وُہ کامیابی حاصل نہیں ہوتی جو پہلے حاصل ہو سکتی تھی۔

اس بات کی ضرورت مشنری مسیحیوں کو کیا پیش آئی ہے کہ وہ اسلام کے مسئلہ ارتداد پر اپنی قوت صرف کریں؟ شاید اس لیئے کہ ایک سادہ مگر سمجھدار پبلک کی توجہ کو اپنے مذہب کے ان تاریک پہلوؤں سے جو اُس کے بعض پروہتوں کی وجہ سے ظاہر ہوئے ہیں ہٹا کر کسی اور طرف پھیر دیا جائے۔ اور وہ بُرائیاں جو اپنے اندر پائی جاتی ہیں اُن کو اپنے حریف کے ذمہ لگا یا جائے۔ کہ تا اس حریف کے متعلق جس کا قدم روز بروز ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ مہذّب اور شائستہ طبائع میں تنفر پیدا ہو جائے۔

ارتداد کا سوال دوسرے مذاہب میں نہ حل ہو سکا ہو تو الگ بات ہے مگر اسلام میں اس مسئلہ کا حل مشکلات کے ساتھ وابستہ نہیں۔ ہم بلا خوف تردید یہ کہہ سکتے ہیں کہ محض ارتداد مذہبی پہ اسلام نے اس دُنیا میں کوئی سزا تجویز نہیں کی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اسلام کی اصلی کامیابی اس کے اصول کی معقولیّت میں ہے۔ اور اس سچّے دین الٰہی کی بڑی بڑی فتوحات اسی وجہ سے ہیں کہ بوجہ معقول اور سادہ ہونے کے یہ بہت جلد طبائع پر اپنا اثر ڈالتا ہے۔ اور فطرت انسانی کے مطابق ہونیکے سبب سے فطرت پر ایسا گہرا اثر ڈالتا ہے جس کو پھر کوئی چیز مٹا نہیں سکتی۔ اور جس طرح اسلام کے تمام اصُول میں معقولیت پائی جاتی ہے۔ مسئلہ ارتداد میں بھی اُس نے معقولیت کا پہلو ہی اختیار کیا ہے اور ان لوگوں پر قتل کا فتوے نہیں دیا جو دلائل کے ساتھ انکے احکام اور اصول کو سمجھ نہیں سکتے۔

چونکہ مذہبی جوش جب غالب ہوتا ہے تو بسا اوقات معقولیّت کے پہلو کو بھی دبا لیتا ہے۔ اس لیئے بطور پیش بندی قرآن کریم نے ایک نہایت صاف اور سیدھا اصول شروع میں ہی بیان کر دیا ہے۔ لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت و یؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لا انفصام لہا واللہ سمیع علیم (البقرہ - ۲۵۷)۔ ”دین کے معاملہ میں

جبر کوئی نہیں۔ سیدھی راہ غلطی سے کھلی کھلی الگ ہوگئی ہے۔ پس جو شخص حد سے بڑھی ہوئی غلطی (طاغوت) کا انکار کرتا ہے۔ اور اللہ پر ایمان لاتا ہے۔ وہ ایک ایسے مضبوط دستہ کو پکڑ لیتا ہے۔ جو ٹوٹ نہیں سکتا۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے" اور اس کے ساتھ ہی اسی اصول کو اور مضبوط کرنے کے لئے فرمایا۔ اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور۔ "اللہ ان لوگوں کا کارساز ہے جو ایمان لائے سخت تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے"

ان آیات قرآنی کے الفاظ اور معنی ایسے صاف اور بدیہی الدلالت ہیں کہ زیادہ توضیح کی ضرورت نہیں۔ اس سے زیادہ حق اور راستی کی بھری ہوئی بات اس قدر مختصر الفاظ میں نہیں کہی جا سکتی۔ جس میں ایسے حالات کے اندر صحیح رستہ عمل کا نشان کو بتایا جا سکے اور در حقیقت یہ خوشی کی بات ہے کہ جب سے یہ اصول بیان فرمایا گیا اُن لوگوں کے ساتھ جنھوں نے ایسی واضح صداقت پر اپنی پیٹھ پھیر دی اُسی کے مطابق سلوک ہوتا رہا۔ یہ اصول نہایت محکم الفاظ میں قائم کر دیا گیا ہے کہ دین کے معاملہ میں جبر کوئی نہ ہو گا۔ اور اس کی وجہ بھی ساتھ ہی بیان کر دی گئی ہے یعنی یہ کہ جبر تو اُس صورت میں کیا جاتا جب دلائل صاف اور واضح نہ ہوتے۔ مگر حق کو باطل سے ایسی صفائی سے الگ کر کے رکھ دیا گیا ہے کہ اب کسی جبر کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔ رستہ ایسا صاف کر دیا گیا ہے کہ موٹی سے موٹی واقفیت کا آدمی بھی اس میں غلطی نہیں کھا سکتا۔ خود اس کی راستبازی اور صداقت ہی اس کی طرف بلانے والی کشش ہے۔ اور اس کشش کی قوت کو بڑھانے کے لیئے کسی انسانی طاقت کی ضرورت نہیں۔ اس کی سچائی وہ بلند مشعل ہے جس کی شعاعوں کو کوئی انسانی کوشش کمزور نہیں کر سکتی۔ اور اس بات کو ساری کائنات کا مالک اپنے ذمہ لیتا ہے۔ اور اپنا قول ہمیں دیتا ہے کہ یخرجھم من الظلمٰت الی النور۔ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر وہ خود ہی روشنی میں لائے گا۔ در حقیقت اسلام کا پیغام بالکل بے معنی اور بیہودہ ہوتا۔ اگر اُس کی کامیابی کا انحصار اس کی اپنی صداقت

پر نہیں۔ بلکہ انسان کی مدد پر ہوتا۔ یہ بات مضحکہ خیز ہے۔ کہ کلام تو خدا کا ہو اور اسکی صداقت کا ثبوت انسانی امداد کے بغیر نہ ہو سکتا ہو۔ ایسی امداد جسمانی رنگ کی ہو یا ذہنی اور عقلی۔ اور اگر ایسی صفائی کے ساتھ ہم کو بتا دیا گیا ہے کہ دین اسلام میں لوگوں کو داخل کرنے کے لیئے جبر کو کام میں نہیں لایا جائے گا تو کیا یہ معقول بات ہے کہ جو دین اسلام میں داخل ہو جائے اُسے جبرًا اس سے نکلنے نہ دیا جائے۔ حالانکہ جس طرح کوئی شخص دین اسلام میں داخل ہونے سے اس لیئے رُک سکتا ہے کہ اس کا دلائل سے اطمینان نہیں ہوا۔ ایسا ہی ایک شخص داخل ہو کر ممکن ہے کہ دلائل سے اطمینان حاصل نہ کر سکے۔ پھر جس طرح ایک غیر مطمئن کو جبرًا اسلام میں داخل کرنا منع ہے۔ ظاہر ہے کہ اسی طرح ایک غیر مطمئن کو جبرًا اسلام کے اندر رکھنا منع ہونا چاہیئے۔ مگر صرف یہی استدلال ہی مسئلۂ ارتداد پر ہمارے ہاتھ میں نہیں بلکہ قرآن کریم نے خاص طور پر ارتداد کا ذکر بھی فرمایا ہے اور اس کے نتائج کو بھی بتایا ہے۔ خود لفظ ارتداد قرآن شریف میں دو مرتبہ استعمال ہوا ہے اور ذیل کی آیات میں ارتداد اور اُسکے نتائج کا کھلے الفاظ میں ذکر ہے۔ یعنی ایک سورہ بقرہ کی آیت ۲۱۴ میں جہاں فرمایا۔ ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا ومن یرتدد منکم عن دینه فیمت وھو کافر فاولئك حبطت اعمالھم فی الدنیا والاٰخرة واولئك اصحاب النار ھم فیھا خالدون۔ ”اور یہ لوگ (یعنی کافر) تم سے جنگ کرتے ہی رہیں گے۔ یہاں تک کہ اُن کا بس چلے تو تم کو اپنے دین سے واپس پھیر کر ہی رہیں۔ اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے اور پھر کافر ہونیکی حالت میں ہی مر جائے تو ایسے لوگوں کے کام دنیا اور آخرت میں بے نتیجہ رہے۔ اور وہ آگ والے ہیں۔ اسی میں رہیں گے۔ مگر دُوسری جگہ سورہ مائدہ کی آیت ۶۹ میں فرمایا۔ یاایھا الذین اٰمنوا من یرتد منکم عن دینه فسوف یاتی اللّٰه بقوم یحبھم ویحبونه اذلة علی المؤمنین اعزة علی الکافرین۔ ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللّٰہ

ایک قوم کو لے آئیگا جسے وہ محبّت کرتا ہے۔ اور جو اس سے محبّت کرتے ہیں۔ مومنوں کے لیئے وہ لوگ نرم ہونگے۔ کافروں کے مقابلہ میں غالب "

ان ہر دو حوالوں سے قارئین خود صحیح نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ اس بات کا کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ کہ قانون اسلامی کا اصل منبع اور ماخذ قرآن شریف ہی ہے۔ اور مندرجہ بالا آیات میں ارتداد کے سوال پر فیصلہ کن قانون موجود ہے۔ پہلی آیت میں ارتداد کی سزا کا بھی ذکر ہے۔ مگر وہ سزا یہ نہیں کہ مرتد کو قتل کردو یا اُس کے حقوق سلب کردیئے جائیں بلکہ مرتد کی سزا اللہ تعالےٰ نے خود اپنے ہاتھ میں رکھی ہے۔ حبطت اعمالھم فی الدنیا والآخرۃ۔ واولئک اصحاب النار۔ یعنی اُن کے کام خواہ وہ دنیا کے لیئے ہوں اور خواہ آخرت کے لیئے بے نتیجہ رہیں گے۔ اور وہ اصحاب النار ہونگے کیونکہ اُنھوں نے راہِ حق کو چھوڑدیا ہے۔ دُوسری آیت میں بھی مرتد کے لیئے کوئی جسمانی سزا تجویز نہیں کی گئی۔ بلکہ صرف یہ بتایا گیا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص مرتد ہوجائے تو مسلمان غمگین نہ ہوں۔ کیونکہ ایک مرتد کی بجائے ایک قوم کی قوم دین اسلام میں داخل ہوجائیگی۔

لیکن بعض عیسائی مصنّفوں نے یہاں تک ظلم کیا ہے کہ لفظ "فیمت" کا ترجمہ غلط کردیا ہے۔ تاکہ ان الفاظ سے یہ ثابت ہو کہ مرتد کو قتل کیا جانا ضروری ہے۔ لفظ "فیمت" کے معنے ہر ایک شخص جسے عربی زبان سے کچھ بھی واقفیت ہے۔ آسانی سے سمجھ سکتا ہے اسکے معنے صرف اس قدر ہیں کہ " وہ مرجائے "۔ لیکن بعض عیسائی مترجمین نے اس کا ترجمہ یُوں کردیا ہے۔ ایسے " ماردیا جائے "۔ راڈویل نے صحیح ترجمہ " وہ مرجائے " ہی اختیار کیا ہے۔ اب لفظ موت قدرتی موت پر بولا جاتا ہے۔ مارنے کے لیئے لفظ قتل ہے۔ اور قرآن کریم نے موت کا لفظ اختیار کیا ہے نہ قتل "۔ جیسا کہ قرآن کے صاف الفاظ سے ظاہر ہے۔ جو امر یہاں بیان کیا گیا ہے وہ صرف اس قدر ہے۔ کہ اسلام کے دشمن ایڑی چوٹی تک زور اس بات کے لیئے لگا رہے ہیں کہ ظالمانہ ایذا دہی سے مسلمانوں کو اُن کے دین سے پھیر دیں۔ اِس لیئے اگر واقعی کوئی مسلمان کفر کیطرف ہوجائے۔ تو وہ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی نقصان اُٹھائیگا۔ کیونکہ

اسلام کو ترک کر کے وہ نہ صرف ان روحانی فوائد سے ہی محروم رہ جائیگا جو بحیثیت ایک مسلم کے وہ حاصل کر سکتا تھا۔ بلکہ ان جسمانی فوائد سے بھی وہ قطعًا بے نصیب رہیگا جو اسلام کے آخری غلبہ کے ذریعہ سے مسلمانوں کو حاصل ہونے والے تھے۔ اور نہ یہاں نہ کسی دوسرے موقعہ پر قرآن شریف میں یہ اشارہ تک بھی پایا جاتا ہے۔ کہ مرتد کو قتل کر دیا جائے یا اُس کو کوئی اور سزا دی جائے " (انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن)

گو لفظ ارتداد جو اصطلاحی لفظ دین سے پھر جانے کے متعلق ہے دو مرتبہ ہی قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے۔ مگر اسلام کے بعد کفر کی طرف لوٹ جانیکا ذکر قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آتا ہے۔ اور ان میں سے کسی موقعہ پر اسلام سے کفر کی طرف لوٹ جانے کی سزا کا ذکر نہیں ہے یہ کہ ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ ذیل کی آیات قرآنی اس پر شاہد ہیں :-

من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیھم غضب من اللہ ولھم عذاب عظیم ۝ ذالک بانھم استحبوا الحیوۃ الدنیا علی الاخرۃ وان اللہ لا یھدی القوم الکفرین ۝ اولئک الذین طبع اللہ علی قلوبھم وسمعھم وابصارھم و اولئک ھم الغافلون ۝ لاجرم انھم فی الاخرۃ ھم الخاسرون ۝

جو شخص اپنے ایمان لانے کے بعد اللہ کا کفر کرتا ہے۔ نہ وہ جسے مجبور کیا گیا۔ اور اسکا دل ایمان پر مطمئن ہو بلکہ وہ جس کا کفر پہ شرح صدر ہو جاتا ہے۔ تو ایسے لوگوں پر اللہ کیطرف سے غضب ہے۔ اور اُن کے لیئے بڑا عذاب ہے۔ یہ اس لیئے کہ اُنھوں نے دُنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی اور اس لئے۔ کہ اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں اور انکے کانوں اور اُن کی آنکھوں پر اللہ نے مُہر لگا دی۔ اور یہ لوگ غافل ہیں + لاجرم آخرت میں وہ نقصان اٹھانیوالے ہونگے (النحل ۱۰۸-۱۱۰)

ان الذین آمنوا ثم کفروا ثم آمنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفرا لم یکن اللہ لیغفر لھم ولا لیھدیھم سبیلا	وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر کفر میں بڑھ گئے یہ نہیں ہوگا کہ اللہ اُن کی حفاظت کرے اور نہ یہ کہ وہ اُن کو رستہ کی ہدایت کرے (النساء ۱۳۶)

یہ قابل غور امر ہے کہ جو آیات اوپر نقل کی گئی ہیں وہ اس زمانہ سے لے کر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ابھی مکہ میں تھے۔ اس وقت تک کی ہیں۔ جب مدینہ میں آپ بحیثیت ایک بادشاہ کے تھے اور طاقت آپ کے ہاتھ میں تھی۔ آخری آیت جو ہم نے اوپر نقل کی ہے سورہ النساء میں سے ہے جو پانچویں سال ہجرت کے قریب کی ہے۔ جب مدینہ میں اور اُس کے کچھ اردگرد اسلام کی حکومت قائم ہو چکی تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ مکہ میں مرتدین کے متعلق کہا گیا تھا۔ وہی حکم مدینہ میں بھی رہا یعنی مرتدین کے احکام شروع سے آخر تک ایک ہی رہے۔ غرض قرآن کریم سے جسقدر بھی شہادت پیدا ہوتی ہے اُس میں کہیں اشارہ تک بھی نہیں۔ کہ جو شخص دین اسلام کو اختیار کر کے پھر منحرف ہو جائے اُسے قتل کر دیا جائے۔ یا کوئی اور سزا اسے دیجائے۔ اور چونکہ قرآن ہی اصل ماخذ قانون اسلام کا ہے۔ اس لیئے یہ شہادت فیصلہ کن ہے۔ آخری حوالہ سورہ النساء کا آخری زمانہ کا ہونے کی وجہ سے اور بھی فیصلہ کن ہے۔ اور اس کے الفاظ اپنے اندر یہ شہادت رکھتے ہیں کہ مرتد کو قتل کرنے کا حکم اسلام میں جاری و ساری نہ تھا۔ کیونکہ وہاں دو بار ایمان لانے اور دو بار کفر کی طرف لوٹ جانے کا ذکر ہے پس اگر اس شخص کو جو اسلام لانیکے بعد کفر کی طرف لوٹ جائے قتل کرنے کا حکم ہوتا تو اس کو یہ موقع کہاں ہوتا۔ کہ وہ دوبارہ اسلام لائے اور پھر دوبارہ کفر کی طرف لوٹ جائے۔

الذین آمنوا ثم کفروا ثم آمنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفرا۔ جو لوگ ایمان لائیں اور پھر کافر ہو جائیں۔ پھر ایمان لائیں پھر کافر ہو جائیں۔ پھر کفر میں بڑھتے چلے جائیں کیا ان الفاظ میں صاف ظاہر نہیں کہ ارتداد کی سزا قتل نہ تھی۔ پس نہ صرف قرآن میں مرتد کو قتل کرنے کی سزا کا ذکر نہیں۔ بلکہ اس کے خلاف شہادت موجود ہے۔ کہ مرتد قتل

نہ کیا جاتا تھا۔

اب ہم دوسری طرف دیکھتے ہیں تو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کوئی واقعہ ایسا نظر نہیں آتا کہ آپ نے کسی مرتد کو قتل کرایا ہو۔ یا اُسکے قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا ہو۔ یعنی محض ارتداد کی وجہ سے کسی کو سزا کے لئے قتل دی ہو۔ ہاں اگر ارتداد کے ساتھ کسی نے کوئی اور جرم کیا ہو۔ جس کی سزا موت ہو تو اس صورت میں قتل کی سزا ارتداد کی وجہ سے نہیں کہلائے گی۔ مگر اس دوسرے جرم کی سزا ہو گی۔

پس قانون اسلامی کے دونوں ماخذ یعنی قرآن شریف اور سنت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس بات پر شاہد ہیں کہ جو الزام اسلام پر دیا جاتا ہے۔ کہ دین اسلام سے پھر جانے کی سزا قتل قرار دے کر لوگوں کو جبراً دین اسلام کے اندر رکھا۔ وہ سراپا غلط اور محض افترا ہے۔ اسلام کے عام قوانین کو دیکھا جائے تو اُس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ ان قوانین کا میلان یہی ہے کہ ہر مرد اور عورت کے سامنے اُسکے فرائض اور اُس کی ذمہ واریاں لکھدی ہیں۔ اور ایک قانون زندگی کا اُسے دیدیا ہے جسکی ضرورت اور جس کا ہر قدم پر استعمال اس کی پیروؤں کی زندگی میں پایا جاتا ہے۔ اور اس قانون کا پابند کرنے کے لئے کسی ظاہری طاقت سے کام نہیں لیا۔ کیونکہ حق یہ ہے کہ ایک مذہب کا دوسرے کو اختلاف مذہب کی وجہ سے تکلیف پہنچانا یا ایک ہی مذہب کے اندر ایک غالب فرقہ کا دوسرے فرقہ کو تکلیف پہنچانا صرف دلائل سے اپنے مذہب کو نہ منوا سکنے کا نتیجہ ہی ہے۔ چنانچہ ہر نبی کے ظہور کے وقت ہی حق کو خاموش کرنے کے لئے طاقت انسانی سے کام لیا گیا ہے۔ کیونکہ جب حق کی تردید دلائل سے نہیں ہو سکتی تو پھر زور سے کام لیا جاتا ہے۔ لیکن اس طرح پر آزار دہی حق کے لیئے روک ہونے کی بجائے اس کی اشاعت میں ہمیشہ معاون ثابت ہوئی ہے۔

اسلام کے نزدیک کسی شخص کا کسی مذہب کو قبول کرنا محض ایک ایسا معاملہ ہے جو خدا اور انسان کے درمیان ہے۔ اور جس کا کسی دوسرے سے کوئی تعلق نہیں۔ پس جس طرح کوئی طاقت انسانی یہ حق نہیں رکھتی کہ کسی اصول کو بزور منوائے۔ اسیطرح

کسی طاقتِ انسانی کو یہ حق حاصل نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ وہ کسی اصُول پر لوگوں کو بزور قائم رکھے۔ یہی وہ اصُول ہے جو قرآن کریم نے بھی سکھایا ہے۔ اور یہی عملدرآمد ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کی زندگی کا معلوم ہوتا ہے۔ اور یہی اسلام کی تعلیم کا خلاصہ اور نچوڑ ہے +

ابراہیم کا مذہب

(ایک خطبۂ جمعہ)

یسوُع مسیح ایک مسلم اور اسلام کے ایک رسُول تھے

ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم الا من سفہ نفسہ ولقد اصطفینٰہ فی الدنیا وانہ فی الاخرۃ لمن الصالحین . اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العالمین ٥ ووصی بھا ابراھیم بنیہ و یعقوب یٰبنی ان اللہ اصطفیٰ لکم الدین فلا تموتن الا و انتم مسلمون ٥ (البقرۃ ۱۳۰ - ۱۳۲)

اور کون ابراہیم کے مذہب سے ہٹتا ہے۔ مگر وہی جو اپنے آپ کو بیوقوف بناتا ہے۔ اور ہم نے اُس کو دُنیا میں پاک کیا۔ اور آخرت میں وہ صالحین میں سے ہے۔ جب اس کے رب نے اسے کہا فرمانبردار ہوجا۔ اس نے کہا میں تمام جہانوں کے پروردگار کا فرمانبردار ہوا۔ اور اسی بات کی وصیّت ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو کی اور یعقوب نے بھی۔ اے میرے بیٹو اللہ نے تمہارے لیئے اس دین کو پسند کیا ہے۔ پس تم پر موت نہ آئے۔ مگر اس حال میں کہ تم فرمانبردار رہو +

ابراہیم کی اپنی اولاد کے لیئے کیا ہی پاک وصیت ہے۔ لا تموتن الا وانتم مسلمون۔ تم پر موت آئے تو اس حال میں تم کو پائے۔ کہ تم خدا کے کامل فرمانبردار ہو

مگر یہ ابراہیم کی وصیت ہم میں سے ہر ایک کے لیئے ایک سُنہرا قانون ہے کہ اِس زندگی کو جو خداوند عالم نے ہم کو لغو طور پر نہیں دی بلکہ بعض اغراض کو پورا کرنے کو دی ہے ہم کس طرح بہترین طریق پر صرف کر سکتے ہیں۔ موت جو دُنیا کے تمام تیقنات سے بڑھ کر یقینی ہے مگر جہاں تک اس کے آنے کے وقت اور جگہ اور طرز کا سوال ہے۔ انسان کو اس سے کیسا بے خبر رکھا گیا ہے۔ کون جانتا ہے کہ کب وہ وقت آئے گا جب اس جسم خاکی کو چھوڑ کر ایک دوسرے عالم میں ہم کو داخل ہونا اور تمام تعلقات فانی سے الگ ہو کر مالک حقیقی کے حضور جوابدہی کرنا ہو گا۔ کیسی افسوسناک حالت ہماری ہو گی۔ اگر اس وقت ہم ملزم ثابت ہوئے جب جوابدہی کا وقت آپہنچے اور یقیناً اس کے سوائے دُوسری حالت میں ہم اپنے کو آپ نہیں پا سکتے۔ اگر ہم ہر وقت موت کو یہ چیلنج دینے کے قابل نہ ہوں کہ آ اور تو ہم کو سچے مسلم۔ خدا کے کامل فرمانبردار اور اُس کی رضا پر چلنے والے نہ پائیگی ہاں ابراہیم کی طرح چاہیئے کہ ہم میں سے ہر ایک یہ کہنے کے قابل ہو۔ اسلمت لرب العالمین۔ میں رب العالمین کا پورا فرمانبردار ہوں ؎

ابراہیم کے یہ لفظ درحقیقت تعلیم اسلامی کا خلاصہ ہیں۔ اس اسلام کا جو حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت محمدؐ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم تک تمام نبیوں پر نازل کیا گیا۔ اور سب نے اُس کی تعلیم دی۔ احکام اور فرمانبرداری کا مذہب جو نجات انسانی کے لئے ایک ہی خوشخبری ہے۔ ہر ایک نبی خواہ وہ مشرق میں ہوا ہو یا مغرب میں۔ خدائے ذوالجلال کی طرف سے ایک ہی پیغام لاتا رہا ہے۔ اور ہماری نجات میں اسوقت کوئی شبہہ باقی نہیں رہ جاتا جب ہم اس پیغام کو سچے دل سے قبول کر کے اُس پر عمل پیرا ہوں بلی من اسلم وجھہ للہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولاخوف علیھم ولاھم یحزنون۔ ہاں ہاں جو کوئی شخص بھی اپنے آپ کو کامل طور پر اللہ کی فرمانبرداری میں لگا دیتا ہے۔ اور وہ مخلوق الٰہی کے ساتھ نیکی کرتا ہے۔ تو وہ اپنے رب سے اپنا اجر بھی لیتا ہے۔ اور ایسے لوگوں پر کوئی خوف نہیں نہ وہ غمگین ہونگے (البقرہ - ۱۱۲)

کیا یسوعؑ خود مسلم نہ تھا۔ اور کیا وہ اسلام کی تعلیم نہ دیتا تھا جب اُس نے اپنے

شاگردوں کو کہا " یہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب کو منسوخ کرنے آیا۔ میں منسوخ کرنے کو نہیں بلکہ پورے کرنے کو آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت کا ہرگز نہ مٹے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو۔ پس جو کوئی ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے کو ٹال دیوے اور ویسا ہی آدمیوں کو سکھاوے آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا۔ پر جو کہ عمل کرے اور سکھلاوے وہی آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائیگا (متی باب ۵ درس ۱۷-۱۹) آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلانا کیا عظیم الشان مقام ہے اور کون اُس کی خواہش نہیں کرتا۔ مگر نسل انسانی میں سے ہر ایک اُسے پا سکتا ہے۔ اگر وہ احکام کو سکھلاوے اور اُن پر عمل کرے جیسا کہ یسوع مسیح کی اس تقریر سے ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی اگر وہ خود مسلم ہو اور دوسروں کو اسلام کی تعلیم دے۔ کیا مسیح کے یہ الفاظ صرف تاریخی رنگ میں عزت کے قابل رہ گئے ہیں یا اب بھی وہ ہماری روزمرہ زندگی میں ایک زندہ طاقت کا کام دے سکتے ہیں اور عمل میں لائے جانے کے قابل ہیں۔ لیکن پولوس اس کے خلاف کہتا ہے " تم شریعت کے ماتحت نہیں بلکہ فضل کے ماتحت ہو " (رومیوں ۶ : ۱۴) لیکن خود حضرت مسیح ان الفاظ پر ایمان لاتے تھے۔ اور جب تک اس دُنیا سے رخصت نہیں ہو گئے ان پر عمل کرتے رہے۔ وہ کس قدر پابند احکام تھا۔ کہ محض شریعت کو پورا کرنے کے لیئے اسے یوحنا بپتسمہ دینے والے کے پاس بھی جانا ضروری محسوس ہوا (متی ۳ : ۱۵) ان کے نزدیک راستبازی کا حقیقی معیار۔ احکام کی فرمانبرداری ہی تھی۔ وہ خود شریعت کو مانتے اور دوسروں کو یہی سکھاتے تھے ہاں وحیٔ الٰہی کی ہدایت کے مطابق اُنھوں نے کمی بیشی بھی کی۔ یعنی موسیٰ کی کتاب میں حالات موجودہ کے مطابق تغیر بھی کیا۔ یعقوب کے خاندان کو غلامی کی حالت سے نکال کر ایک جنگی قوم بنانے کے لیئے ایک وقت اس قانون قصاص کی ضرورت تھی جو حضرت موسےٰ علیہ السّلام کو دیا گیا۔ مگر اب حالات بدل چکے تھے۔ اور اسلیئے مسیح علیہ السّلام کے وقت میں اس قانون میں بھی تبدیلی کی ضرورت تھی سو وحی الٰہی

نے حضرت مسیح کو ہدایت کی کہ وہ بعض تبدیلیاں کردے۔ اس کے لیئے صرف پہاڑی وعظ کو دیکھ لینا کافی ہے۔ جہاں اس قسم کے بہُت سے بیان پائے جاتے ہیں "تم سُن چکے ہو یہ کہا گیا۔ کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ پر میں تمھیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے دہنے گال پہ تمانچہ مارے دوسرا بھی اُس کی طرف پھیر دے" (متی ۵ : ۳۸-۳۹) اس فروتنی اور مسکینی کی تعلیم کی آج ہمارے زمانہ میں ضرورت نہ ہو یہ الگ بات ہے۔ بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ آج اس تعلیم کو اپنا اصول ٹھیرانا اور اس پر عمل پیرا ہونا خودکشی کے مرادف ہے۔ وہ حالات جو آج یورپ میں پیش آرہے ہیں انھوں نے قوموں کو مجبور کردیا ہے کہ اس تعلیم اخلاقی کو آج اپنا ہادی نہ بنائیں۔ لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں کہ یہ وعظ اس مقدس معلم کے زمانہ میں اس قوم کے لیئے ایک بڑی خوشخبری تھی۔ اسرائیلی قوم نے ایک دراز زمانہ تک آنکھ کے بدلے آنکھ کے قانون پر ایسی سختی سے عمل کیا کہ اُن کے اخلاق میں بھی درشتی آگئی اور رحم اور شفقت کا احساس بالکل مفقود ہوگیا تھا۔ اس قوم کی اصلاح چاہتی تھی کہ اسے ایسی ہی تعلیم دیجائے۔ جیسی پہاڑی وعظ میں حضرت مسیح علیہ السلام نے دی۔ مگر حضرت مسیح درحقیقت اسلام کے ایک رسول تھے۔ اور وہ اسلام کی ہی تعلیم اور اسلام کا ہی قانون دینے والے تھے۔ ہاں اسلام یعنی احکام و فرمانبرداری کے مذہب کی تعلیم کو کمال تک پہنچانا خدائے حکیم نے اُن کے سپرد نہیں کیا۔ نہ آپ کے شاگردوں کے عقلی اور ذہنی قوائے اس کمال تک پہونچے تھے کہ ایسی تعلیم خدا کی طرف سے ان پر نازل ہوتی۔ حضرت مسیح اپنے شاگردوں کی اس کمی کو خود محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ اس وقت جب وہ اُن سے جدا ہونے والے تھے۔ انھوں نے اپنے شاگردوں کو مخاطب کرکے یہ لفظ فرمائے :-

"میری اور بہُت سی باتیں ہیں کہ میں تمھیں کہوں پر اب تم ان کی برداشت نہیں کرسکتے۔ لیکن جب وہ یعنی رُوح حق آوے اور وہ تمھیں ساری سچائی کی راہ بتاویگی اس لیئے کہ وہ اپنی نہ کہے گی۔ لیکن جو کچھ وہ سُنے گی سو کہے گی۔ اور تمھیں آیندہ کی

خبریں دے گی (یوحنا ۱۶: ۱۲ و ۱۳) یہ ضروری تھا کہ حضرت مسیح کے بعد روح حق آئے تاکہ وہ کامل حق کی طرف ہم کو ہدایت کرے کیا یہ الفاظ روح القدس کے نزول کیطرف اشارہ کرتے ہیں اور کیا یہ پیشینگوئی پنتیکست کے دن پوری ہو گئی جیسا کہ حامیان مسیحیت خیال کرتے ہیں۔ اسکے متعلق جو کچھ اعمال حواریین میں لکھا ہے وہ صرف اسقدر ہے۔ "اور جب پنتیکوست کا دن آیا تھا وے سب ایک دل ہو کے اکٹھے ہوئے۔ اور ایک بارگی آسمان سے ایک آواز آئی جیسی بڑی آندھی چلے اور اس سے سارا گھر جہاں وے بیٹھے تھے۔ بھر گیا اور انہیں جدی جدی آگ کی سی زبانیں دکھائی دیں۔ اور ان میں سے ہر ایک پر ٹھہریں تب وے سب روح القدس سے بھر گئے اور غیر زبانیں جیسے روح نے انہیں بولنے کی قدرت بخشی بولنے لگے" (اعمال ۲: ۱-۴) اب اس کو یوحنا کی پیشینگوئی کا پورا ہونا سمجھنا درحقیقت پیشینگوئی کے ساتھ استہزا کرنا ہے۔ بلکہ کلمہ کفر ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ خود حضرت مسیح روح القدس سے خالی تھے۔ کیا حضرت مسیح نے خود روح حق کے آمد کا ذکر کرتے ہوئے یہ لفظ نہیں فرمائے "لیکن میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لئے میرا جانا ہے فائدہ ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو تسلی دینے والا تم پاس نہ آویگا۔ پھر اگر میں جاؤں تو میں اسے تم پاس بھیج دوں" (یوحنا ۱۶: ۷)

اب یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ روح حق اور تسلی دینے والے ایک ہی ہیں۔ اور مندرجہ بالا حوالہ سے ثابت ہے کہ روح حق مسیح کے زمانہ میں نہ آئی تھی۔ کیونکہ "اگر میں نہ جاؤں تو تسلی دینے والا تم پاس نہ آویگا" اور اگر یہ روح القدس ہی تھی تو کیا ہم یہ مان لیں کہ حضرت مسیح پر ان کی زندگی میں روح القدس یعنی خدا کی روح نازل نہیں ہوئی۔ لیکن مندرجہ ذیل واقعہ اس کی تردید کرتا ہے۔ "وہ اور یسوع بپتسمہ پاکے وہیں پانی سے نکل کے اوپر آیا اور دیکھو کہ اس کے لئے آسمان کھل گیا۔ اور اس نے خدا کی روح کو کبوتر کے مانند اترتے اور اپنے اوپر آتے دیکھا" (متی ۳: ۱۶)

اگر یہ کبوتر کا واقعہ درست ہے تو ضرور ہے کہ روح القدس وہی نہیں جو روح حق اور تسلی دہندہ ہے۔ علاوہ ازیں روح حق کی ایک خاص علامت ضرور دیکھی ہے

اور وہ یہ کہ وہ سارے صداقت کے راہوں پہ دنیا کو چلائے گی - یسوع نے بہت سی باتیں
حواریوں کو کہنی تھیں مگر حواری ان کو برداشت کرنے کے قابل نہ تھے پس صداقت کو کمال
تک پہنچانیکا کام تسلی دہندہ کے سپرد کیا گیا اگر یہ پیشینگوئی پینتیکست کے دن پوری ہو گئی -
جیسا کہ کلیسیا کا خیال ہے تو ان بہت سی باتوں کو ہم کہاں تلاش کریں - جو حضرت مسیح نے
اپنے شاگردوں کو کہنی تھیں مگر محض اسلئے نہ کہہ سکے کہ ان میں ابھی ان کی برداشت کی طاقت
نہ تھی - اور یہ باتیں ضروری تھا کہ روح حق دنیا کو سنائے - وہ کامل صداقت اور پورا پورا
حق کہاں ہے جس میں جو تسلی دہندہ کی معرفت ہم کو ملنا تھا - اعمال کے دوسرے باب میں جو کچھ
پینتیکست کے دن کا ذکر ہے اس میں تو اس کا نام و نشان بھی نہیں پایا جاتا مختلف بانوں
سے بولنے کا نام تو کامل صداقت نہیں - زبانوں میں تو دہریئے کافر بھی باتیں کرتے ہیں تو
کیا کامل صداقت ان کے قبضہ میں بھی سمجھی جائے ؟ ایسا خیال کرنا بھی گناہ ہے - نہ ہی
پینتیکست کے دن کے بعد کلیسیا کی ساری تاریخ میں کامل صداقت کے نزول کی ہمیں
کوئی خبر ملتی ہے کلیسیا نے روح القدس سے بھرپور ہو کر مسیح کے تعلیم پہ کچھ اضافہ تو کیا
نہیں - علاوہ ازیں کلیسیا تو ایک شخص کا نام نہیں بلکہ بہت سے اشخاص کا مجموعہ ہے - حالانکہ
وہ جسکی پیشینگوئی حضرت مسیح نے کی ضروری ہے کہ ایک ہی شخص ہو جیسا کہ پیشینگوئی کے الفاظ
سے صاف ظاہر ہے - اور کیا یہ سچ نہیں کہ خدا نے ہمیشہ ہی آدمی کو اپنا پیغام دیکر بھیجا ہے
کہ وہ اسے مخلوق تک پہنچائے - کیا اس کا قانون یہی نہیں ہے کہ وہ اپنی رضا کی راہیں اور
اپنے احکام شریعت ایک ہی شخص پر ظاہر کر کے اسکے ذریعہ سے دوسروں تک پہنچاتا رہا ہے
لن تجد لسنت اللہ تبدیلا - خدا اسکے قانون بدلا نہیں کرتے - یہ قرآن کا ارشاد ہے اور
واقعات اس کی تائید کرتے ہیں - کیا قانون قدرت میں جو کچھ ہم کو نظر آتا ہے اور جو اسکے
قوانین کے لئے ٹھیک آئینہ نما ہے - اسکا مصدق نہیں کہ اللہ تعالے کے قانون تبدیل
نہیں ہوا کرتے - اور جب یہی اس کا قانون ساری دنیا کی تاریخ میں ہمیں کام کرتا نظر آتا
ہے کہ وہ اپنی رضامندی کی راہیں ایک ہی انسان کے ذریعہ سے مخلوق پر ظاہر کرتا رہا ہے
تو یہ کس طرح قابل تسلیم ہے کہ مسیح کے وقت کے بعد یہ قانون الٰہی تبدیل ہو گیا - اگر ساری

صداقت یسوع مسیح کے بعد آئی تھی تو یہ چند لوگوں کے ذریعہ سے نہیں آسکتی - بلکہ ضرور تھا کہ اللہ تعالےٰ اپنی سنت قدیمہ کے مطابق اپنے برگزیدوں میں سے ایک کو چن لے اور اسطرح پر یسوع مسیح کی پیشینگوئی کو پورا کرے - اور یہ انتخاب کا قرعہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر پڑا جو دنیا کا آخری نبیؐ کہلایا اور جس کو قرآن نے روح حق کر کے پکارا ہے جبکہ فرمایا قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا - کہدو الحق آگیا اور باطل بھاگ گیا - اور باطل چیز ہی بھاگ جانے والی اور نیست و نابود ہونے والی ہے -

چاہو تو اس کو قبول کرو - ورنہ تم کو ماننا پڑیگا کہ حضرت مسیح کے الفاظ جن پر دو ہزار سال گذر گئے آج تک پورے نہیں ہوئے - ہاں یہ قرآن تھا جو دنیا کی آخری کتاب ہے اور جس نے کامل حق کی ساری راہیں بتائیں - اور سارے صداقت کے راستے کھول دیئے اس نے شریعت کو کمال تک پہنچایا - وہی احکام اور فرمانبرداری کا مذہب اسلام جو نوح اور ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں اپنی ابتدائی حالت میں تھا اور موسےٰ داؤد مسیح علیہ السلام کے وقتوں میں ارتقا کی مختلف حالتوں میں سے ہوکر گذرتا رہا - حضرت محمد مصطفےٰ تسلی دہندہ اور روح حق صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے اپنے کمال کو پہنچا - اس نے اپنی باتیں نہیں کہیں بلکہ جو کچھ اس نے سنا وہی کہا اور جو کچھ حضرت مسیح نے اسکے متعلق کہا تھا اسیطرح ہوا +

اسلئے اسلام اپنی موجودہ صورت میں مسیح اور دوسرے انبیا علیہم السلام کا ہی مذہب ہے ہاں اب یہ اپنی آخری مکمل حالت میں ہے - اور ایسے مذہب سے کون شخص آزاد ہوسکتا ہے جو احکام کی فرمانبرداری پر اپنا دارومدار رکھتا ہے - اگر راستبازی کے لئے خود حضرت مسیح کے لئے بھی یہ ضروری تھا کہ وہ احکام کی تعمیل کرے اور خدا کی کامل فرمانبرداری کے راہوں پر چلے - اور اس طرح پر حقیقی طور پر مسلم بنے تو آج اس کے پیرو کس طرح سچائی کے اس تجربہ شدہ راستے یعنی اسلام کو چھوڑ کر کسی اور راہ پر قدم مار سکتے ہیں اگر گذریہ مسلم تھا تو کیا ریوڑ کیلئے ضروری نہیں کہ وہ بھی مسلم بنے لیکن وہ کہتے ہیں کہ ہم شریعت کے ماتحت نہیں فضل کے ماتحت ہیں - ہاں وہ کہتے ہیں کہ ہم شریعت کے ماتحت گناہ کے غلام تھے جسکا انجام موت ہے مگر صلیب کے بعد ہم فرمانبرداری کے غلام ہیں جس کا انجام راستبازی ہے (رومیوں ۶:۱۶)

پولوس کہتا ہے کہ ہم شریعت کے ماتحت گناہ کے فرزند تھے۔ کفارہ کے بعد ہم فضل کے فرزند ہو گئے۔ احکام اور فرمانبرداری کے پرانے عہد نامہ کے ماتحت موت نے ہمیں اپنے لئے بھا لیا مگر خون کے فضل کے نیچے نجات ہماری ہو گئی۔ اور پھر کہتا ہے کہ جب تک شریعت نہ تھی نہ تھا۔ دنیا میں گناہ بھی تھا پر جب شریعت نہیں تو گناہ منسوب نہیں ہو سکتا۔ یہ دلکش لفظ ہیں۔ کانوں کو بیشک بہت اچھے لگتے ہیں مگر یہ وہ لفظ ہیں جو کبھی حقیقت کا جامہ نہیں پہن سکتے۔ کیا اب دنیا نے قانون سے آزادی حاصل کر لی ہے۔ یا کیا واقعی راستبازی عیسائی ممالک میں کمال کو پہنچ چکی ہے۔ مگر یہ کہدیا جاتا ہے کہ ہم شریعت کی پابندی کر نہیں سکتے۔ اور گناہ ہمارا آدم سے ورثہ ہے خدا نے پرانے عہد نامہ کو کئی ہزار برس تک آزمایا۔ اس تجربہ کا نتیجہ اچھا نہ نکلا اور اس لئے خدائے علیم کو اُسے چھوڑ کر نسل انسانی کے نجات کی کوئی اور تجویز کرنی پڑی!

اب یہ تعلیم خود حضرت مسیح نے کبھی نہیں دی۔ حالانکہ کلیسیا کے مذہب کا ستون یہی ہے سارا دارومدار صرف ایک سوال پر ہے۔ کیا گناہ فطرت انسانی کے اندر مرکوز ہے یا یہ محض ایک زائد چیز ہے جو انسان کے ساتھ لگ جاتی ہے کیا ہم گناہ میں پیدا ہوتے ہیں یا ہم مسلم پیدا ہوئے ہیں اور خدا نے ہم کو وہ فطرت دی ہے کہ ہم قانون کے پابند ہو سکتے ہیں درحقیقت یہی فیصلہ کن سوال ہے جس پر اسلام اور مذہب صلیب کے جھگڑے کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ کفارہ اور الوہیت مسیح کے عقائد دوسرے درجہ پر ہیں اور درحقیقت اسی ایک سوال سے پیدا ہوتے ہیں۔ دلیل یوں دیجاتی ہے ہم پیدائشاً گنہگار ہیں کیونکہ ایک کی خطا کی وجہ سے ہم سب مر گئے اور سزا کے مستوجب ہوئے لیکن خدا کے رحم نے نہ چاہا کہ ساری نسل انسانی ہمیشہ کے لئے ہلاکت کی وارث ہوتی چلی جائے۔ مگر دوسری طرف خدا کا انصاف چاہتا تھا کہ سزا ضرور ملے پس انصاف اور رحم دونوں کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کفارہ ضروری ہوا لیکن کوئی انسان اپنے ہمجنسوں کے لئے کفارہ نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ہم تو سب گنہگار ہی پیدا ہونے کی وجہ سے کفارہ کے محتاج تھے۔ صرف وہی جو خطر ناک گناہ موروثی عضب اسی کو فرو کر سکتا تھا۔ اسلئے مسیح کی خدائی کا عقیدہ پیدا ہوا۔ کیونکہ جیسے ایک شخص کی

نافرمانبرداری سے بہت لوگ گنہگار ٹھہرے ویسے ہی ایک کی فرمانبرداری سے بہت لوگ راستباز ٹھیریں گے (رومیوں ۵ : ۱۹) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیدائشی گناہ کا عقیدہ اصلی جڑ اس مذہب کی ہے جو مسیح کا تعلیم کردہ نہیں بلکہ پولوس کا تعلیم کردہ ہے - اور اسی بنیاد پر کلیسیا کے سارے مذہب کی عمارت بنائی گئی ہے - اور کفارہ کا عقیدہ اور الوہیت مسیح کا عقیدہ محض اسی کی شاخیں ہیں - پس سوال اصل یہی ہے کہ ہم ایسی فطرت لیکر پیدا ہوئے ہیں جو قانون کی فرمانبرداری کر سکتی ہے یا ہم پیدائشاً نافرمان پیدا ہوئے ہیں؟ بالفاظ دیگر کیا ہم پیدائشاً مسلم ہیں یا کلیسیا کے مذہب پر؟ محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ بشارت دیتے ہیں کہ ہم سب پیدائشاً مسلم ہیں کل مولود یولد علے فطرۃ الاسلام ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے وہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے - یعنی پیدائشاً اس کو وہ قوتے دیئے گئے جن کے ذریعے سے وہ قانون کی کامل فرمانبرداری کر سکتا ہے - کلیسیا اسکے خلاف کہتی ہے - پس اسلام اور کلیسیا کے مذہب کے درمیان اصلی تنازع اسی ایک بات پر آرہتا ہے - اگر گناہ کے معنے قانون کا توڑنا ہے - اور اگر انسان پیدا ہی ایسا کیا گیا ہے کہ وہ قانون کی فرمانبرداری کرنے کے فطرتاً ناقابل ہے - تو کیا یہ ساری قانون سازی جو دنیا میں ہو رہی ہے لغویت نہیں اور کیا کسی ملک کا انتظام ایک بیہودگی قرار نہیں پاتی؟ کیا کوئی گورنمنٹ ایسی ہے کہ وہ بغیر اپنے قوانین کو منوا لے کے بھی قائم رہ سکتی ہے اور کیا کسی ملک میں نظم کا قائم رکھنا ناممکن الحصول امر نہیں اگر انسان پیدا ہی ایسا ہوا ہے کہ وہ قانون کی فرمانبرداری نہیں کر سکتا یعنی اگر وہ پیدائشاً گنہگار ہے؟ کیا ہم خود سوسائٹی کے قوانین کی تعمیل نہیں کرتے؟ اسکے خلاف کہنا ہمارے مدنی احساس کے پرلے درجہ کی تحقیر ہے - ہاں بیشک ہم میں سے اکثر لوگ پابند قانون ہیں +

اب کلیسیا کہتی ہے کہ مدنی اور دنیوی کے متعلق یہ درست ہے - لیکن خدائی قوانین کی حالت اور ہے - اور وہاں انسان عاجز ہے - اور اسکا ثبوت یہ ہے کہ آدم اس حکم کی فرمانبرداری نہ کر سکا جو اسے دیا گیا تھا - اس نے ممنوع درخت کا پھل کھایا اور اپنی نسل کو ابدی ہلاکت کا وارث ٹھیرایا - وہی قانون کی توڑنے والی فطرت ہم نے

ورثہ میں پائی ہے - یہ وہ منطق ہے جسکی پولوس نے کلیسیا کو تعلیم دی - اور یہاں اسپر بحث کرنے کی ضرورت نہیں - صرف اتنا ہی دیکھ لینا کافی ہے کہ آدم کے بیٹوں نے خدا کی کامل فرمانبرداری کی قابلیت اپنے اندر دکھائی ہے انہوں نے لفظاً اور حرفاً احکام الٰہی کی پوری پوری عزت کی ہے - کیا وہ موسےٰ کے دس احکام خدا کے شرائع کا بہترین نمونہ نہیں ؟ انکے عملدرآمد میں کونسا ناممکن امر ہے - کیا ساری اسلامی دنیا پہلے دو احکام کی تعمیل نہیں کرتی ؟ "میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہووے - تو اپنے لئے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے مت بنا - کیا وہ کئی کروڑ انسان جو لاالہ الّا اللہ کا قائل ہے ان احکام کی تعمیل نہیں کرتا ؟ اور یہانتک لفظاً ان احکام کی تعمیل وہ کرتے ہیں کہ اللہ کا لفظ جو وہ اس ذات واحد کے لئے بولتے ہیں وہ ایسا لفظ ہے کہ کسی دوسری چیز پر کبھی بولا ہی نہیں گیا - بلکہ مجازاً بھی دوسرے پر اس کا اطلاق نہیں کیا گیا - گو دوسری زبانوں میں جسقدر الفاظ ذات باری تعالےٰ کے لئے بولے گئے ہیں وہ دوسروں پر بھی آجاتے ہیں جیسے انگریزی لفظ گاڈ - یا فارسی خدا - یا سنسکرت دیو - یا فرانسیسی ڈیو - یا جرمن گاٹ - بیشک یہ الفاظ خدا پر بھی بولے جاتے ہیں مگر کبھی دوسروں پر بھی بول دئے جاتے ہیں - مگر لفظ اللہ جس سے چالیس کروڑ انسان ذات باری کو یاد کرتے ہیں ایک ایسا لفظ ہے کہ سوائے خدا کے کسی دوسرے پر کبھی بولا نہیں گیا - پس اس طرح پر ان احکام خداوندی کی کامل فرمانبرداری لفظاً اور معناً دنیا کی ایک عظیم الشان قوم اس وقت کر کے دکھا رہی ہے - اور خدا کی توحید کیلئے یہ قوم اسقدر غیرت رکھتی ہے کہ لفظ کا اشتراک بھی پسند نہیں کیا - پس کس طرح وہ خدا کی کوئی صورت یا مورت بنا سکتی ہے اور کس طرح کسی کے آگے جھک سکتی ہے ! ہاں اس قوم کو دنیا میں اگر کوئی شہرت اس رنگ میں حاصل ہوئی تو وہ بت پرست کی حیثیت سے نہیں بت شکن کی حیثیت سے ہے ٭

پھر حضرت موسےٰ کے دس احکام میں سے تیسرا حکم یہ ہے کہ خدا کا نام بیفائدہ نہ لیا جائے اور چوتھا یہ کہ سبت کا دن منایا جائے کیا اس کی تعمیل کروڑوں انسانوں نے

نہیں کر دکھائی ۔ بدقسمتی سے یہاں سبت کے دن شراب خانوں کی عزت ہوتی ہے مگر ہزاروں نیک عیسائی دنیا میں موجود ہیں جو ان احکام کی پوری پوری تعمیل کرتے ہیں ۔

پھر اسکے بعد حکم دیا جاتا ہے کہ تو اپنے ماں باپ کی عزت کر اور ہماری فرض شناسی کی احساس کی یہ تحقیر ہو گی اگر کہا جائے کہ کوئی مذہب ہمیں یہ بھی سکھاتا ہے کہ تم اس بات پر ایمان لاؤ کہ اس حکم تعمیل کرنے کے ہم قابل ہی نہیں ۔ باقی احکام ۔ تو خون مت کر ۔ تو زنا نہ کر ۔ تو چوری مت کر تو اپنے پڑوسی پر جھوٹی گواہی مت دے ۔ تو اپنے پڑوس کے گھر کا لالچ مت کر اس قسم کے قانون ہیں جنکو دنیا کی ہر قوم نے اپنے قوانین تعزیری میں داخل کیا ہے ۔ اور یقیناً ان لوگوں کی تعداد جو ان احکام کی نافرمانی کرتے ہیں بمقابلہ اس کے جو اسکی تعمیل کرتے ہیں تھوڑی ہے ۔ ہم تو خیال میں بھی نہیں لا سکتے ۔ کہ کسی شریف انسان کے متعلق یہ کہہ سکیں کہ وہ ان احکام کا فرمانبردار نہیں ۔ قاتل یا چور یا زانی یا جھوٹا گواہ یا دوسروں کا مال کھانے والا بننا ایک خطرناک جرم ہے اور وہ شخص انسانیت کی خطرناک ہتک کرتا ہے جو کہتا ہے کہ ہم فطرتاً چور یا قاتل یا زانی ہیں ۔

پھر ہم پوچھتے ہیں خدا نے انسان کو دنیا میں پیدا کر کے کس مقصد کو پورا کرنا چاہا اگر اسنے ہم کو فطرتاً گنہگار ہی بنایا ۔ یہ کسقدر ڈراونا خیال ہے ۔ خدا کی بیشمار برکتیں اور رحمتیں ہوں حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر جنہوں نے ہمیں یہ بتایا کہ ہر بچہ جو اس دنیا میں آتا ہے وہ پاک فطرت لیکر آتا اور فطرتاً وہ مسلم ہوتا ہے ۔ یعنی اس میں احکام کی فرمانبرداری کی قابلیت رکھی گئی ہے قرآن میں فرماتا ہے ۔

فاقم وجھک للدین حنیفا فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم (الروم ۔ ۳۰) پس اسلام کے معنے ہیں قانون کی فرمانبرداری ۔ پس کیا مسیح مسلم نہ تھے اور انہوں نے اسلام کی تعلیم نہیں دی ۔ جب انہوں نے فرمایا ۔

" پس جو کوئی ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے کو ٹال دیوے اور ویسا ہی آدمیوں کو سکھاوے آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائیگا پر جو کہ عمل کرے اور سکھلاوے وہی آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائیگا " (متی ۵ : ۱۹)

تعددِ ازواج

وان خفتم الا تقسطوا فی الیتٰمی
فانکحوا ما طاب لکم من النساء
مثنٰی وثلٰث وربٰع فان خفتم الا
تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت
ایمانکم ذٰلک ادنٰی الا تعولوا

اور اگر تم ڈرو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف
نہ کرو گے تو دو دو اور تین تین اور چار چار
عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کر لو
لیکن اگر تم کو خوف ہو کہ عدل نہیں کرو گے
تو ایک سے ہی یا ان سے جنکے تمہارے
داہنے ہاتھ مالک ہوئے یہ قریب تر ہے اس سے کہ تم ظلم نہ کرو۔ (النساء-۳)

قرآن کریم میں یہ ایک ہی آیت ہے جس پر تعدد ازواج کے معرکۃ الآرا مسئلہ کی بنیاد ہے جس نے ایک طرف اگر مخالفوں کو اسلام پر بڑے بڑے اعتراض کرنیکا موقعہ دیا ہے تو دوسری طرف بعض مسلمانوں نے خود بھی اس میں غلطی کھائی ہے اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ کر ان الفاظ کو ایسا توڑا مروڑا ہے کہ خواہ مخواہ دشمنوں کو اعتراض کا موقع ملا۔ مسلمانوں میں امراء اور بادشاہوں نے تو اسلام کی تعلیم کا نچوڑ ہی اس بات کو سمجھ رکھا ہے کہ اپنے حرم سراؤں میں جسقدر بیبیاں مل سکیں ڈالتے جائیں۔ چار کی حد کا کیا ذکر ہے سینکڑوں تک بھی نوبت پہنچانے میں کمی نہیں کی نتیجہ یہ ہؤا کہ یہ لوگ جو بمنزلہ قوم کے سر کے تھے بالکل بیکار ہو گئے اور محض عیش پرستی میں پڑ گئے اسی کا اثر عوام پر بھی ہونا تھا۔ پھر وہ سینکڑوں بیبیاں جو گھر اور حرم سراؤں میں ڈال لی جاتی ہیں ان کے حقوق کی ادائیگی کا ادنےٰ فکر بھی نہیں حالانکہ قرآن کا حکم تھا کہ خوف بھی ہو کہ عدل نہیں کر سکو گے تو دوسری بی بی مت کرو گویا جب تک اپنے نفس پر پورا پورا قابو نہ ہو اور یہ اطمینان نہ ہو کہ انصاف قائم رکھ سکو گے اسوقت تک دوسری بی بی کی اجازت بھی نہیں۔ مگر قرآن کی پرواہ نہ کی گئی اور نتیجہ وہ ہؤا جو آج ہم دیکھتے ہیں کہ امرا کا طبقہ بگڑ کر کل قوم کی حالت میں فساد واقع ہو گیا۔ پس اس مسئلہ میں ذیل کے امور غور طلب ہیں اول یہ کہ ایک سے زیادہ نکاح از قسم حکم ہے یا اجازت۔ دوسرے یہ کہ اجازت ضرورت کیلئے

ہے یا بلا ضرورت بھی اس اجازت سے کوئی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ سوئم یہ کہ محض اجازت بوجہ ضرورت کے صورت میں اسلام کے اس مسئلے پر کوئی اعتراض وارد ہو سکتا ہے ✦

سب سے پہلا امر فیصلہ طلب اس بارہ میں یہ دیکھنا ہے کہ آیا ایک سے زیادہ نکاح کرنیکا حکم ہے یا محض اجازت ہے۔ اب اول الفاظ قرآنی پر غور کرو تو سب سے پہلی بات وہاں یہ پاتے ہیں کہ دو دو تین تین چار چار بی بیوں کو نکاح میں لانیکا ذکر کسی شرط کے ساتھ مشروط ہے اور وہ شرط یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکنے کا ڈر ہے یعنی اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اگر تم کو خوف ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو پھر دو دو تین تین چار چار عورتوں سے نکاح کرلو۔ اب اگر یہ حکم ہے تو مطلب یہ ہوا کہ جو شخص یتیموں کے بارے میں انصاف نہیں کر سکتا اس کے لئے ضروری ہوا کہ دو یا تین یا چار بیبیاں نکاح میں لائے۔ تو سب سے پہلے یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہوا جو یتیموں کے بارے میں انصاف نہیں کر سکتے۔ اب اگر اسے اجازت سمجھا جائے تو یہ ایک علاج کی صورت ہے لیکن اگر اسے حکم سمجھا جائے تو نہ صرف یہ علاج ہی کوئی نہیں بلکہ ایک اور بوجھ بن سکتا ہے۔ ایک شخص یتامٰے کے بارے میں انصاف نہ کر سکنے سے خائف ہے تو اس کے لئے کیوں ضروری ہے کہ دوسرا نکاح بھی کرے اور دوسرے یہ حکم محض ان چند اشخاص کے لئے ہوا جنکا یتامٰے سے واسطہ پڑے اور جنکو یتامٰے کے بارے میں انصاف نہ کر سکنے کا خوف ہو۔ کثیر تعداد پھر بھی اس حکم سے باہر رہ گئی ✦

اس شرط و جزا کا باہم کیا تعلق ہے۔ اس کی چار مختلف توجیہیں کی گئی ہیں۔ اول وہ توجیہ جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے مروی ہے۔ عروہ نے صدیقہ سے الا تقسطوا فی الیتامٰے کا مطلب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ یتیم لڑکی ہے جو اپنے ولی کی حفاظت میں ہو پھر وہ ولی اس کے مال اور خوبصورتی کی وجہ سے اسے چاہتا ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی چاہتا ہے کہ تھوڑے سے مہر پر اس سے نکاح کرلے اور پھر جب نکاح ہو جائے تو چونکہ اس کا اور کوئی ولی نہیں جو اسکے حقوق کا مطالبہ کرے اسلئے اس سے اچھا معاملہ نہیں کرتا۔ تو اس لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ اگر یتیم لوگوں سے نکاح کرنے میں تم کو اس بات کا ڈر ہو کہ ان کے ساتھ انصاف کا معاملہ نہیں کر سکو گے تو ان کو چھوڑ کر دوسری عورتوں

سے جو تم کو پسند ہوں دو یا تین یا چار سے نکاح کر لو۔ اب اس توجیہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ محض اجازت ہے۔ نہ حکم۔ ایک شخص کو مجبور نہیں کیا گیا کہ اگر یتامٰی کے بارے میں وہ انصاف نہ کر سکے تو ضرور دو یا تین یا چار نکاح اور کرے صرف اس بات کے لئے حکم دیا گیا ہے کہ اگر نکاح کرنا ہے تو یتیم سے نہ کرے کسی اور سے کرے۔ دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ جب پہلی آیت میں یتامٰی کے بارے میں حکم نازل ہوا کہ انکے معاملے میں ناانصافی نہ کرنا تو ساتھ ہی ایک اور ناانصافی سے ڈرایا اور وہ یہ کہ عرب میں بعض وقت ایک ایک شخص دس دس بیبیاں رکھتا تھا اور بوجہ کثرت کے ان کے حقوق کو انصاف کے ساتھ ادا نہ کر سکتا تھا۔ تو اسلئے اللہ تعالےٰ نے حکم دیا کہ یتیموں کے بارے میں ناانصافی سے ڈرتے ہو تو ایک اور بھی ڈر کا مقام ہے یعنی بیبیوں کے بارے میں بھی ناانصافی سے ڈرو۔ اور اسکا علاج یہ ہے کہ زیادہ نکاح نہ کرو ہاں دو تین چار تک اجازت ہے مگر اس میں بھی اگر ناانصافی کا خوف ہو تو پھر ایک ہی بی بی پر کفایت کرو۔ یہ توجیہ بھی صاف بتاتی ہے کہ دو بیبیوں کا نکاح میں لانا محض اجازت ہے۔ اور زیادہ عورتوں کو نکاح میں لانے سے روکا ہے چار تک اجازت دی مگر اس میں بھی اگر انصاف نہ رکھ سکتا ہو۔ تو ایک ہی کا حکم دیا۔ تیسری توجیہ وہ ہے جو حضرت عکرمہ سے مروی ہے۔ کہ ایک شخص کے نکاح میں بیبیاں بھی زیادہ ہوتیں اور اس کی حفاظت میں یتیم بھی ہوتے۔ تو چونکہ زیادہ بیبیوں کی وجہ سے مال زیادہ خرچ کرنا پڑتا اور اس طرح پر یتیموں کے مال کو اپنے تصرف میں لانے کی ترغیب ہوتی اس لئے فرمایا کہ چار سے زیادہ نکاح کسی صورت میں نہ کرو اس میں بھی ناانصافی کا خوف ہو تو ایک ہی نکاح کرو۔ یہ بھی صورت اجازت کی ہے نہ حکم کی۔ ایک سے زیادہ بی بی نکاح میں لے سکنا اور بات ہے مگر اس امر کے لئے مجبور ہونا کہ چار ورنہ تین ورنہ دو بیبیاں ضرور نکاح میں لاؤ اسی توجیہ کے رو سے بالکل باطل ٹھیرتا ہے۔ چوتھی توجیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ یتامٰی کی ولایت کو ایک مشکل امر سمجھتے تھے تو ان کو کہا گیا کہ زنا سے بھی خوف کرو۔ اور اگر زنا میں پڑنے کا خوف ہو تو دو تین چار تک عورتیں نکاح میں لے لیا کرو۔ اس کے رو سے بھی ایک سے زیادہ بی بی کا نکاح میں لانا ہر رنگ اجازت ہے نہ ہر رنگ حکم۔ ایک اور معنے اس آیت کے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اگر یتیم بچوں کے بارے میں

تم کو خوف ہو کہ انصاف کے ساتھ ان کی خبر گیری نہ کر سکو گے تو ان عورتوں کو جن کے وہ بچے یتیم رہ گئے ہیں اور جو جنگوں میں بیوہ ہو گئی ہیں وہ تین چار تک نکاح میں لے آؤ اور اس معنے کی مؤید اسی سورت کی آیت ۱۲۷ میں دیکھو۔ نوٹ ۶۹۲

پس سیاق وسباق عبارت خود بتاتا ہے کہ یہ حکم نہیں بلکہ اجازت ہے۔ پھر یہ ظاہر ہے کہ اگر یہ حکم ہوتا تو بجائے دو سے شروع کرنے کے چار سے شروع کرنا چاہئے تھا یعنی حکم یوں ہوتا کہ چار چار تین تین دو دو نکاح کرو۔ حکم کے لحاظ سے اعلےٰ تعداد پہلے ہونی چاہئے تھی اور اجازت کے لحاظ سے ادنےٰ تعداد۔ حکم تو یہ ہو سکتا ہے کہ چار نکاح کرو۔ ورنہ تین۔ ورنہ دو تو ضروری کرو۔ اور اجازت یوں ہو گی کہ دو کی اجازت ہے تین کی بھی اجازت ہے۔ چار تک بس۔ پس قرآن نے مثنےٰ سے شروع کر کے اور رباع پر ختم کر کے یہ بتا دیا کہ یہ اجازت ہے حکم نہیں۔ یہاں تک تو الفاظ قرآنی کی تشریح ہوئی لیکن اگر ہم واقعات عالم پر غور کریں تو بھی اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ اجازت ہے حکم نہیں۔ قرآن کریم کے معنے کرنے میں ہم اسبات کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ معنے وہ درست ہوں گے جو واقعات عالم کے خلاف نہ ہوں۔ کیونکہ قرآن کریم خدائے حکیم وعلیم کی کتاب ہے وہ کوئی ایسی تعلیم نہیں دے سکتا جو واقعات عالم کے مخالف ہو۔ اب اگر چار بیبیوں کو نکاح میں لانا حکم مانا جائے تو گویا قرآن کریم یہ چاہتا ہے کہ ہر ایک مسلمان کے گھر میں چار بیبیاں ہوں اور دو سے کم تو کسی صورت میں نہ ہوں۔ تو یہ حکم قرآن ایسی صورت میں دے سکتا تھا کہ جب اس کے پورا ہونے کا سامان بھی دنیا میں رکھا ہو۔ یعنی عورتوں کی تعداد مردوں سے چوگنی یا کم از کم تگنی ضرور ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ انتظام خداوند عالم نے دنیا میں نہیں رکھا۔ پھر جس حکم کے پورا کرنے کا سامان ہی دنیا میں پیدا نہیں کیا گیا اور اسلامی ملکوں میں بھی آج تیرہ سو سال گذر جانیکے باوجود اللہ تعالےٰ نے یہ سامان پیدا نہیں کیا کہ عورتوں کی تعداد کو مردوں سے تگنی چوگنی رکھے تو پھر یہ کہنا کہ دو اور تین اور چار نکاح کرنے کا حکم ہے کسقدر حماقت ہے +

پھر اس آیت کا جن لفظوں پر خاتمہ ہوتا ہے وہ بھی یہی شہادت دیتے ہیں کہ ایک سے زیادہ بیبیاں نکاح میں لانے کی اجازت ہے حکم نہیں کیونکہ آخر میں اسبات کا ذکر

کرکے اگر تم کو خوف بھی ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی بی بی بس ہے یہ لفظ بڑھا دیئے ہیں ذلک ادنیٰ الّا تعولوا۔ جور و ناانصافی سے بچنے کے لئے یہ بات بہت بہتر ہے گویا سفارش اسی بات کی کی ہے کہ ایک ہی بی بی ہو۔ ہاں ضرورتوں کے لئے بطور علاج اور دوا تعدد ازدواج کا دروازہ بھی کھلا رکھا ہے۔ اگر چار بیبیوں کو نکاح میں لانیکا حکم ہوتا۔ تو ایک بی بی کے لئے ذلک ادنیٰ الّا تعولوا کے سفارش نہ ہوتی ٭

جب یہ ثابت ہو گیا کہ تعدد ازدواج کی اجازت ہے حکم نہیں تو دوسرا امر یہ دیکھنا ہے کہ آیا یہ اجازت ضرورت کے وقت پر استعمال کرنے کے لئے ہے یا بلا ضرورت بھی۔ سو اول تو لفظ اجازت خود بتاتا ہے کہ یہ صرف ضرورت کیلئے ہے۔ کیونکہ ہر ایک اجازت دینا میں کسی ضرورت کے لئے ہی ہوا کرتی ہے دوسرے خود قرآن کریم کے الفاظ اس بات کے موید ہیں کیونکہ وہاں خود ایک شرط ساتھ لگا دی گویا ایک ضرورت خود بتا دی۔ اب ضرورت میں توسیع تو ہو سکتی ہے۔ یعنی جو کام ایک ضرورت کے لئے جائز ہے اس کا جواز تو اجتہادی رنگ میں کسی دوسری ملتی جلتی ضرورت کے لئے ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ اس ضرورت کو بالکل اڑا ہی دیا جاوے۔ اوپر جسقدر توجیہات دیگئی ہیں ان میں سے ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ اگر تم کو زنا میں پڑنے کا خوف ہو تو بہتر ہے کہ دو یا تین یا چار بیبیوں سے نکاح کر لو۔ اس طرح پر یہ بھی ایک ضرورت قرار پا سکتی ہے ٭

ہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم نے ان ضروریات کی تصریح کیوں نہیں فرما دی اور کیوں نہیں بتا دیا کہ صرف فلاں فلاں حالات کے ماتحت یا اس قسم کی ضروریات کے پیدا ہونے پر دو یا تین یا چار بیبیوں کی اجازت ہے اسکا جواب یہ ہے کہ جن امور کا تعلق انسانی ضروریات کے مختلف پہلوؤں سے ہے جو ملکوں اور قوموں اور زمانہ اور حالات کے تغیر سے بدلتے رہتے ہیں وہاں قرآن حکیم ان ضروریات کو گننے کی لاحاصل کوشش سے احتراز فرماتا ہے۔ مثلاً طلاق کا مسئلہ ہے۔ قرآن کریم نے کبھی نہیں بتایا کہ فلاں فلاں ضروریات کے وقت طلاق دینا جائز ہے۔ حالانکہ یہ نہایت بین امر ہے کہ طلاق کی اجازت ضرورت کے لئے دی ہے نہ بلا ضرورت۔ لیکن چونکہ طلاق کے لئے جو ضروریات پیدا ہوتی رہتی ہیں۔

وہ نہ صرف انسانوں کے مزاجوں کے اختلاف کے ساتھ ہی بدلتی رہتی ہیں بلکہ قومی اور ملکی اور زمانی حالات کے تغیر سے بھی بدلتی رہتی ہیں۔ اس لئے ان کو تبانا لاحاصل کام تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ کے ممالک میں جہاں سب قوموں کا ایک ہی مذہب ہے۔ ایک سی تعلیم ہے۔ ایک سے خیالات ہیں کوئی دو ملک قانون طلاق پر اتفاق نہیں کرتے ایک ملک میں ایک وجہ کو تسلیم کیا گیا ہے تو دوسرے میں اسکو تسلیم نہیں کیا گیا تیسرے میں کوئی اور ہی وجہ قرار دی گئی ہے۔ پس جب اسقدر اتحاد خیالات و مذہب و تعلیم و تہذیب بھی طلاق کے وجوہات میں یکسانی کا رنگ پیدا نہیں کر سکا تو اسلام جیسا مذہب جو سب زمانوں کے لئے سب قوموں کے لئے اور تہذیب کے سارے مرحلوں کے لئے آیا وہ کس طرح پر ان وجوہات کو محدود کر سکتا تھا۔ یہی حالت تعدد ازواج کی ہے تفصیل ضروریات اس حالت میں دینا ایسا ہی محال تھا جیسا طلاق کی صورت میں اسلئے قرآن کریم نے ان ضروریات کو حالات انسانی کے اقتضا پر چھوڑ دیا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ طلاق اور تعدد ازواج کی ضروریات کو قرآن کریم نے محدود نہیں کیا +

اب تیسری بات جس پر ہم کو غور کرنا ہے یہ ہے کہ آیا جس صورت میں قرآن کریم نے تعدد ازواج کی اجازت ضرورت کے وقت دی ہے تو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے درحقیقت اس صورت میں اعتراض کرنے والے محض آنکھیں بند کر کے اسلام کے خلاف زبان اور قلم چلاتے ہیں۔ اس بات سے کسکو انکار ہو سکتا ہے کہ ہر ایک قوم نے اس ضرورت کو محسوس کیا ہے۔ اسلام نے ان ضروریات کا علاج تعدد ازواج کی صورت میں رکھدیا۔ دوسری قوموں نے اس کے لئے طرح طرح کے اور طریق اختیار کئے۔ حتیٰ کہ بعض ملکوں میں قانوناً زنا کے پیشہ کو تسلیم کیا گیا ہے اور بعض نے اسکو اس حد تک رواج دیا ہے کہ قانونی جواز سے کچھ کم مرتبہ اسکا نہیں رہا۔ یہ مضمون بہت تفصیل طلب ہے لیکن اس تفصیل کے یہاں گنجائش نہیں۔ بہرحال یہ بلاشبہ سچ ہے کہ ہر ایک قوم نے اس بات کو محسوس کیا ہے کہ بعض حالات میں دوسری بیوی کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ ہاں اس کا سیدھا علاج تعدد ازواج کے رنگ میں ترک کر کے ایک پرلے درجہ کی سیاہ بدکاری کو

جائز ٹھیرا دیا ہے جس میں عورت کی عزت برباد کر دی گئی ہے۔ اسلام چونکہ عورت کی عزت اور عفت کا حامی ہے۔ اور اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ عورتیں پیسوں کے عوض اپنی عفت کو فروخت کریں اسلئے تعدد ازواج کی صورت میں ان تمام مشکلات کو حل کر دیا ہے۔ پھر علاوہ دوسری ضروریات کے جنگ ایک ایسی ہی ضرورت ہے کہ وہ بعض حالات میں تعدد ازدواج پر مجبور کر دیتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جنگ کا سلسلہ دنیا سے مٹ نہیں سکتا۔ اور جنگوں میں مردوں کی تعداد ہمیشہ کم ہوتی رہتی ہے۔ اب چونکہ قدرتی حالت جسکے اندر انسان کو پیدا کیا گیا ہے وہ مرد و عورت کے باہمی تعلق کی حالت ہے۔ اور اسی پر نسل انسانی کی ترقی موقوف ہے نسل انسانی کی سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ ہر ایک مرد اور ہر ایک عورت اپنے اس فرض کو پورا کرے جو نسل انسانی کو ترقی دینے کا فرض اسپرڈالا گیا ہے اب اگر مردوں کی تعداد عورتوں سے زیادہ ہے تو چونکہ بچہ کا پیٹ میں رکھنا جننا پرورش کرنا عورت کے فرائض میں داخل ہے۔ اس لئے نسل انسانی کا ہر ایک فرد جسے ممکن طور پر یہ موقعہ ہے اپنے اس فرض کو ادا کر سکتا ہے اور جو مرد بلا بیویوں کے رہ جائیں گے وہ کسی صورت میں نسل انسانی کی ترقی کا موجب نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگر عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے اور یہ وہ صورت ہے جو جنگوں اور مردوں کی دوسری ضروریات کی وجہ سے اکثر حالات میں دنیا میں پیش آتی رہتی ہے تو جو عورتیں بلا خاوندوں کے ہونگی وہ نسل انسانی کی ترقی میں صرف تعدد ازواج کے ذریعہ سے معاون ہو سکتی ہیں۔ گویا اس صورت میں تعدد ازدواج ایک ضروری فرض ٹھیر جاتا ہے۔ اور ایسے حالات میں جب پہلے ہی آبادی کم ہو جاتی ہے ان عورتوں کو خاوندوں کے بغیر چھوڑنا عمداً نسل انسانی کے افزائش کی راہ کو روکنا ہے۔ اس کے علاوہ عموماً عورتوں کے معاش کا انحصار مردوں پر ہوتا ہے۔ پس جو عورتیں جنگوں میں بیوہ رہجاتی ہیں یا یتیم رہ جاتی ہیں انکے متعلق پیچھے رہے ہوئے مردوں کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اُن کی خبر گیری اور پرورش کریں اور اس کے لئے ایک ہی راہ ہے جو قدرت نے رکھی ہے یعنی ان کو نکاح میں لے آنا۔ اور یہی وہ حالات تھے جنکے ماتحت قرآن کریم کی آیت

جس میں تعدد ازدواج کی اجازت دی گئی نازل ہوئی اب یہ امر قابل غور ہے کہ کسقدر برمحل
اسلام کا ہر ایک حکم نازل ہوا - جنگ اُحد میں مردوں کی تعداد بہت کم ہوگئی تھی اور بہت سی
عورتیں بیوہ اور لڑکیاں بلا کفیل کے رہ گئیں ان کی خبرگیری ان کے قدرتی حقوق کی
ادائیگی یہ دونوں باتیں اسکو ضروری ٹھیراتی تھیں کہ تعدد ازدواج کی اجازت دیجائے - اور
اسلام چونکہ ایک عالمگیر مذہب تھا اور خدائے علیم جانتا تھا کہ اس قسم کے یا اس سے بھی بڑھکر
ضروریات تعدد ازدواج کی دنیا میں ہمیشہ رہیں گی - اسلئے اس نے اپنی پاک کتاب میں یہ ہدایت
بھی عین موقعہ پر نازل فرما دی - یورپ بیشک تعدد ازدواج کا منکر ہوا ہے - لیکن خدا تعالے
نے یورپ پر اتمام حجت بھی نہایت بین طور پر کیا ہے کیونکہ وہاں باوجودیکہ انکی عورتوں کی
تعداد مردوں سے مدت سے بڑھی ہوئی چلی آتی ہے اور اب موجودہ جنگ جس میں لاکھوں
مرد اب تک خاک کے نیچے پہنچ چکے ہیں اس حالت کو اور بھی نمایاں کرکے یورپ کو مجبور کرکے
تعدد ازدواج کے مسئلہ کی طرف لائیگی کیونکہ آخر عقلمند غور کریں گے کہ جس صورت میں نسل
انسانی کی افزائش کو جنگ سے سخت نقصان پہنچا ہے اور پیچھے کثرت سے عورتیں موجود ہیں جو
اگر خاوندوں کے گھروں میں ہوں خواہ ایک خاوند کے گھر میں دو دو تین تین چار چار
عورتیں ہیں کیوں نہ ہو نسل انسانی کی افزائش کا موجب ہو سکتی ہیں تو یہ کسقدر دوراندیشی سے بعید ہے
کہ ایک فرضی روک پیدا کرکے نسل انسانی کی افزائش کو اسطرح جنگ کیساتھ یہ دوسرا صدمہ پہنچایا جائے - یا
دوسری صورت یہ ہوگی کہ ناجائز تعلقات سے بچے پیدا ہوں جو نہ صرف سوسائٹی اور قوم کیلئے ننگ اور عار کا موجب
اور ماؤں کیلئے پہلے درجہ کی ذلت کا باعث ہوں بلکہ انکی خبرگیری کا بھی کوئی اہتمام نہ ہونیکے باعث وہ حقیقی طور پر قوم
کی ترقی کا موجب نہیں ہو سکتے اور چونکہ انکا کوئی کفیل بھی نہ ہوگا اس لئے ان میں سے کثرت کے ساتھ
بلوغت تک پہنچنے سے پہلے ہی دنیا سے اُٹھ جائیں گے - عقلمند انسانوں کا یہی کام ہے
کہ فرضی اور وہمی رکاوٹوں پر آخر وہ غالب آجاتے ہیں - اسی طرح یورپ میں عقلمند مجبور
ہوکر اس امر کو قبول کریں گے کہ واقعی بعض حالات میں تعدد ازدواج ایک فرض قطعی ہوجاتا
ہے - اسلئے قرآن جیسی پُرحکمت کتاب نے تعدد ازدواج کی اجازت ضروریات کے سلئے دی
اور اگر نہ دیتا تو خدائے حکیم کا کلام نہ ہو سکتا تھا - غرض عورتوں کا مردوں سے بڑھ جانا اور

پھر جنگوں میں مردوں کا اور بھی کم ہو جانا یہ اس قسم کی ضروریات ہیں کہ انکے ہوتے ہوئے
تعدد ازواج کو بطور علاج اور دوا استعمال سے انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے ایک سخت مریض
باوجود مرض کی شدت کے دوائی کھانے سے انکار کرے جو گویا خودکشی کے قائمقام ہے۔
مرض موجود علاج ایک حکیم بتاتا ہے بدقسمت بیمار کا اختیار ہے کہ اس علاج کو رد کر دے مگر
جو ایسا کریگا آخر اس کا وبال اٹھائیگا قوم کے اندر طرح طرح کی بدکاریاں پیدا ہونگی
اور اسکا نتیجہ نہ اخلاقی اور نہ ہی صحت جسمانی کے پہلو کے لحاظ سے کبھی اچھا ہو سکتا ہے۔

شربت مقوی اعضا
زبدۃ الحکماء حکیم ڈاکٹر حاجی غلام نبی شاہی سند یافتہ - لاہور (موچی دروازہ)

پیرس کی خوبصورتی
کا راز
مفت ہے
جبکہ ہر چہار طرف سے لوگوں نے نقلی صابون کے اشتہار دینے شروع کر دیئے تو ہمارے کارخانے نے بھی اپنی ترقی کا راز اسی میں سمجھا کہ ایک لاکھ بکس گلفام سوپ نصف قیمت میں فروخت کر کے اس کا منافع خریداروں ہی میں تقسیم کر کے کم سے کم ایک لاکھ گاہکوں کو اپنا گرویدہ بنا کر دائمی فائدہ اٹھایا جاوے۔
گلفام سوپ
یہ صابون نہایت پاک و صاف ہر قسم کی خلاف مذہبی اشیاء چربی وغیرہ سے مبرا نہایت خوشبودار بیگمات و رئیس زادیوں کے استعمال کے قابل ہے۔ جسکے استعمال سے سیاہ اور مرجھایا ہوا چہرہ گلاب کی پتی کی رنگت اور ملائمت میں تبدیل ہو کر دیکھنے والوں کو حیران بنا دیتا ہے۔ زیادہ تعریف فضول سادگی سے صرف اس قدر کہہ دینا بلکہ مشورہ دینا ضروری ہے۔ کہ اگر آپ خوبصورت بننا چاہتے ہیں یا اپنی خوبصورتی کو قائم رکھنا چاہتے ہیں تو خود استعمال کریں اور گھر میں استعمال کرائیں۔ یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ آپ صابون اور پیکنگ کو ہی دیکھکر عش عش کر جائیں گے کیونکہ ہم نے صفائی مال میں ولایت والوں کو بھی مات کر دیا ہے اسی لئے امید ہے کہ آپ ہماری حوصلہ افزائی کا باعث ہوں گے اس پر بھی طرفہ یہ کہ اگر مال گراں اور ناقص ہو تو واپسی کی شرط اصل قیمت فی بکس تین ٹکیہ ڈیڑھ روپیہ یعنی انعامی قیمت صرف بارہ آنہ (۱۲)
نمونہ صابون کا اثر
جناب من۔ نمونہ کے طور پر گلفام سوپ کا بکس منگوایا تھا اگر اس کی تعریف کروں تو بلاشبہ لوگ مبالغہ خیال کریں گے اسی لئے صرف اسقدر لکھ دینا کافی ہے کہ اس کے استعمال سے نہ صرف چہرہ ملائم ہو جاتا ہے بلکہ رنگت میں بھی نمایاں فرق معلوم ہوتا ہے چنانچہ میں نے عہد کر لیا ہے کہ اپنے کنبہ میں ہمیشہ اس کا ہی استعمال کرونگا۔ دستخط لکھمی نارائن صاحب بیوپاری کیلاش تاریوم دریبہ ایجرٹن روڈ دہلی ایک لاکھ بکس گلفام سوپ کی فروخت کا منافع مبلغ بیس ہزار روپیہ خریداروں میں ہی روبروئے خریداران و معززین ۳۱ دسمبر ۱۹۱۶ء کو بطریق ذیل بطور زر امداد تقسیم کر دیا جاویگا۔
اول انعام دس ہزار روپیہ۔ دوئم انعام چار ہزار روپیہ۔ سوئم انعام ایک ہزار روپیہ۔ پندرہ انعام فی انعام ایک سو روپیہ۔ بیس انعام فی انعام پچاس روپیہ۔ ایک سو انعام دس روپیہ۔ تین سو انعام فی انعام پانچ روپیہ۔ صرف کل میزان روپیہ۔ یہ روپیہ تاریخ مقررہ پر ضرور بضرور تقسیم کر دیا جاوے گا اگر خریداران کی تعداد میں کچھ کمی بھی رہ گئی تو بھی تاریخ ہرگز تبدیل نہ ہوگی بلکہ انعامات اسی نسبت سے تقسیم کر دیئے جاویں گے یہ بھی ضرور خیال رہے کہ اسکے بعد یہ صابون کسی حالت میں بھی ڈیڑھ روپیہ سے کم نہ ملیگا ممکن ہے کہ قسمت آپ کی منتظر ہو اگر آپ بھی اس مفید کام میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو فوراً بارہ آنہ کا منی آرڈر بھیجدیں تاکہ وقت پر آپ بھی شامل ہو سکیں کیونکہ تعداد پوری ہونے پر منی آرڈر بھی واپس ہو سکے گا کوپن پر اپنا نام و پورا پتہ لکھو۔
(تار کا پتہ) گلفام دہلی
گلفام سوپ آفس صدر بازار دہلی

خطباتِ غربیّہ
بالکل چھپکر تیار ہیں۔ کاغذ کی قلّت کی وجہ سے بہت ہی قلیل تعداد میں چھپائے ہیں
جو ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہے ہیں۔ احباب خریداری کا ہاتھ عجلت سے بڑھائیں ورنہ بعد میں
مایوس ہونا پڑے گا۔
جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی۔ اے ایل ایل۔ بی مسلم مشنری اڈیٹر اسلامک ریویو مصنفہ ووکنگ
لنڈن۔ یہ وہ معرکۃ الآرا خطبے ہیں جو جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنے قیام لندن میں ناآشنایان
اسلام کو اسلام سے معرّف کرانے اور نیز حقانیت اسلام متحقق کرنے کے لیئے انگلستان فرانس اور سکاٹلینڈ
کے مختلف مقامات پر خطبے لیکچر اور تقریروں کی شکل میں دیئے۔ اسکے پڑھنے سے ہر ایک شخص نہ صرف
اسلام کی خوبیوں اور اسکے اصولوں سے واقف ہو جاتا ہے۔ بلکہ دیگر مذاہب کے مقابل اسے اسلام کی فضیلت
کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ ان خطبوں میں سے چند خطبات ہم نے بعض احباب کی بار بار فرمائش پر اردو میں
ترجمہ کرائے ہیں۔ ان خطبات کے مضامین کے لحاظ سے انھیں چھ جلدوں میں حسب ذیل نام پر ترتیب دیا ہے
(۱) سلسلہ خطبات غربیّہ نمبر ۱۔ موسوم بہ "مسجد ووکنگ کے ابتدائی خطبات"
(۲) سلسلہ خطبات غربیّہ نمبر ۲۔ موسوم بہ "توحید۔ دُعا۔ تصوّف"
(۳) سلسلہ خطبات غربیّہ نمبر ۳۔ موسوم بہ "خطبات عیدین"
(۴) سلسلہ خطبات غربیّہ نمبر ۴۔ موسوم بہ "دہریوں اور ملحدین کو خطاب"
(۵) سلسلہ خطبات غربیّہ نمبر ۵۔ موسوم بہ "اسلام اور دیگر مذاہب"
(۶) سلسلہ خطبات غربیّہ نمبر ۶۔ موسوم بہ "حقوق نسواں"
احباب درخواست خریداری بھیجنے میں عجلت فرمائیں
المشتہر
خواجہ عبد الغنی مہتمم اشاعت اسلام بک ڈپو۔ عزیز منزل۔ نولکھا لاہور